بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللؤلؤ المكنون

في سيرة النبي المأمون

تقدیم از شیخ مشہور حسن آل سلمان

إن الحمد لله نحمده و نستعينه و نستهديه، و نعوذ بالله من شرور أنفسنا و سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادي له، و أشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له ، و أشهد أن محمدا عبده و رسوله، أما بعد:

یہ انمول موتی ہے، جسے چمکدار اور صاف کپڑے میں پیش کیا گیا ہے،اس کی تیاری میں محترم بھائی/موسی العازمی نے جانفشانی سے کام لیا ہے۔

یہ بحث و نظر میں ان کی ہمت و عزیمت اور قوت ارادی پر دلیل ہے، یہ ایڈیشن ابتدائی کوشش کے بعد مزید تفتیش اور تثبت کی وجہ سے ممتاز اور جمع کے بعد تحقیق کے سبب بہترین ہو گیا ہے، آخر اگر سیرت کے پہلوؤں کو لکھتے ہوئے، صحیح اور سقیم میں فرق نہ کیا جائے، آپ اس میں محنت سے کام نہ لیں ان کے ناقلین کے بارے میں بحث و تفتیش سے کام نہ لیں تو اس میں کوئی بھلائی بھی تو نہیں رہتی۔

بھائی موسی بن راشد وفقہ اللہ نے احاطہ کی بہت کوشش کی ہے، اخبار کے غریب کو بھی بیان کیا ہے، اور صحت و حسن اور ضعف کے ناحیہ سے ان کے مراتب بھی بتائے ہیں، متقدمین و متاخرین میں سے ائمہ معتبرین کے احکام کو بھی انصاف کے ساتھ مختصراً نقل کیا ہے۔

لہذا کتاب اپنی مشمولات، اور حسن عرض اور آسان اسلوب اور نقد کی کوالٹی، صحیح کے ضعیف اور صحیح کی معلول سے تمیز کے سبب ممتاز ہو گئی ہے، اور اس میں موجود نکات و اشعار، لطائف و فوائد کے اعتبار سے کتاب ایسی امتیازی خصوصیت کی حامل ہے، جو میری امید کے مطابق

مؤقر طالبان علم اور صحیح سیرت نبوی پر واقفیت کے خواہشمند حضرات کو پسند آئے گی، درود و سلام ہوں ہمارے پیارے نبی اور فخر و بلندی کے مراتب سے ہمکناران کے آل واصحاب پر۔

اللہ تعالی اس کے مؤلف کو جزائے خیر عطا کرے، اوران کے اس عمل کو دنیا و آخرت میں اجر کا باعث بنائے، اور ہمیں اور انہیں سنت کے پیروی کی توفیق عطا کرے، اور بدعت سے دور رکھے ، اور ہمیں روز جزاء تک ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل کرے۔

تحریر کردہ

ابو عبیدہ مشہور بن حسن آل سلمان

منگل ۱۶/ ذوالقعدہ/۱۴۳۳ھ-۲۵/ ۱۰/ ۲۰۱۲م

تقدیم از شیخ أ.د/خالد بن علی المشیقح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، وبعد:

میں نے شیخ موسی بن راشد العازمی کی تالیف اللولؤ المکنون فی سیرۃ النبي المأمون پڑھی، اور اسے سیرت نبوی کے باب میں اچھی اور شامل کتاب پائی، انہوں نے پوری کتاب میں سیرت نبوی کے صحیح پہلوؤں کو چھانٹنے میں کافی محنت کی ہے، اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ اسے اس کے لکھنے اور پڑھنے والوں کیلئے نفع کا سبب بنائے، بے شک وہ اس پر قادر ہے، اور توفیق دینے والا بھی اللہ ہی ہے۔

تحریر کردہ:

د/خالد بن علی المشیقح

۱۷/ ۳/ ۱۴۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بہترین کام ہے، اس میں بابرکت کوشش کی گئی ہے، تحقیق اور بہتریں استشہاد اور توثیق کا نمونہ ہے اور پسندیدگی کا سبب ہے۔

اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کے تیار کرنے والے کو اجر عظیم عطا کرے اور انہیں جنت میں صاحب سیرت ﷺ کی رفاقت نصیب کرے۔

أ.د. محمد رواس قلعه جي

تقدیم از شیخ عثمان بن محمد الخمیس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ الأمین، أمابعد:

بے شک نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ نفس کی خوشی اور دل کے انس وراحت کا سبب ہے، سیرت نبوی ﷺ کے پڑھنے والوں کی دیرینہ خواہش ہے کہ انہیں کوئی ایسی جامع کتاب حاصل ہو جس میں نبی کی جانب منسوب صحیح باتوں کے جمع کا اہتمام کیا گیا ہو، مجھے بھائی موسی بن راشد العازمی نے "اللولو المکنون فی سیرہ النبی المأمون" نامی اپنی کتاب بطور ہدیہ پیش کی، میں نے اسے اپنے نام کی طرح ہی بہترین پایا، میرے علم کے مطابق اس میں مؤلف نے روایات کی صحت کے اہتمام کے ساتھ سیرت نبوی کے تمام پہلوؤں پر گفتگو کی ہے، انہوں غیر صحیح روایات کو نقل کرکے اس پر تنبیہ بھی کی ہے، اسی طرح انہوں نے علماء سیرت سے بھی کافی نقل کیا ہے، ان کے اقوال سے اختیار میں کافی بہتر طریقہ اپنایا ہے، مجھے یہ بات بتانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے کہ میں نے ان کی اس کتاب کو پڑھتے ہوئے کافی استفادہ کیا ہے، اللہ انہیں بہتر بدلہ عطا کرے اور ان کو اور ان کے ذریعہ نفع پہونچائے۔

تحریر کردہ

عثمان بن محمد الخمیس

۲۹/ ۱۲/ ۱۴۳۰ھ

مقدمۂ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين، وإمام المتقين، ورحمة للعالمين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى كل من سار على منهجه، واقتفى أثره إلى يوم الدين، وبعد:

مسلمانوں کی زندگی میں سیرت رسول ﷺ کی اہمیت کسی مسلمان پر مخفی نہیں، طالب فقہ کے لئے یہی شفاف چشمہ ہے، صلاح کے متلاشی کے لئے یہ رہنما دلیل ہے، بلیغ اسلوب کی اعلی مثال ہے، بھلائی کے تمام شعبہ جات پر مشتمل دستور ہے۔

اس امت کے اسلاف نسل نو کی تربیت، اور اسلام کے پیغام کا بوجھ اٹھانے والے بہترین زمانے کی نشو نما میں سیرت رسول ﷺ کے بہترین اثرات کو سمجھتے تھے، تبھی وہ سیرت نبوی اور آپ کے غزوات کے دراسے کا خصوصی اہتمام کیا کرتے تھے۔

جو بھی آپ کی سیرت صحیح معنوں میں فکر و نظر اور تحقیق کے ساتھ پڑھے گا، اسے ایک عجیب متوازن تاریخ دیکھنے کو ملے گا، اسی کے ذریعہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والی جماعت زمین کی کشش سے بالاتر ہوئی اور انسانیت کے اس اعلی مرتبہ پر فائز ہوئے، جس کی طویل انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

چونکہ سیرت نبوی تاریخ کا حصہ ہے اور تاریخ کو لوگ اخبار تحدیث اور سماع کے طور پر نقل کرتے ہیں، تو یہ فطری بات ہے کہ ان اخبار کو بھی صحت وضعف کے قواعد پر پرکھا جائے گا، اور اس امت پر رب تعالی کی نعمت ہی ہے کہ اس نے اس کام کے لئے ایسے نایاب علماء وحفاظ مہیا کئے جو اخبار میں صحیح اور ضعیف اور مختلف حوادث و واقعات میں خالص اور ملاوٹ کے درمیان فرق کر سکیں۔

حافظ عراقی (1) رحمہ اللہ سیرت سے متعلق اپنے منظومہ میں فرماتے ہیں:

فليعلم الطالب أن السيرا   تجمع ما و ما قد أنكرا

اور حافظ دمیاطی (2) فرماتے ہیں جیسا کہ حافظ نے ان سے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ:

میں ان کی-ابن سعد کی ان کی کتاب طبقات-اتباع کر رہا تھا، پھر میں نے اسے سیرت میں ذکر کیا (3)، اس وقت میں محض سیرت نگار تھا، اور ہمارے لئے مناسب تھا کہ ہم اختلاف کو ذکر کیا کریں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں حافظ دمیاطی کے قول پر یہ کہتے ہوئے تعلیق لگائی ہے کہ:

---

(1) یہ امام حافظ زین الدین عبدالرحیم عراقی ہیں، ان کی ولادت سنہ ۷۲۵ ہجری میں ہوئی، انہوں نے علم حاصل کرنا شروع کیا، اور انہیں حدیث کے علم سے کافی محبت تھی چنانچہ انہوں کثرت سے سماع حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور فن حدیث میں کافی مہارت حاصل کی یہاں تک کہ ان کے زمانے کے شیوخ جانکاری پر ان کی خوب تعریف کرتے تھے۔

سیرت نبوی پر ایک ہزار شعر پر مشتمل ان کا ایک منظومہ بھی ہے۔

ان کی وفات سنہ ۸۰۶ ہجری میں ہوئی۔ دیکھئے: شذرات الذهب (۹/۸۷)۔

(2) یہ امام، حافظ، حجت عبدالمومن بن خلف دمیاطی شافعی ہیں، ان کی ولادت سنہ ۶۱۳ ہجری کے آخر میں ہوئی، انہوں نے دمیاط میں رہ کر فقہ کا علم حاصل کیا، اور اس میں خوب مہارت حاصل کی، پھر انہوں نے حدیث کا علم حاصل کیا اور انہوں نے عالی اور نازل سبھی سند کی حدیثیں لکھیں اور انہوں نے خوب علم حاصل کیا، وہ سچے، مضبوط حافظہ کے مالک اور صاف ذہن شخصیت کے حامل تھے، آپ کی وفات سنہ ۷۰۵ ہجری میں ہوئی۔

ان کی کئی بیش قیمت تصنیفات بھی ہیں، جن میں سے "السيرة النبوية" بھی ہے، جو کہ ایک جلد میں ہے، اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں ہیں، دیکھئے: تذکرۃ الحفاظ از حافظ ذہبی (۴/۱۴۷۷)۔

(3) جسے انہوں نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین میں اپنے خچر پر سوار تھے، جو دلدل کے نام سے مشہور تھا، یہی ابن سعد کا اپنی طبقات میں بھی کہنا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین میں سوار تھے یہ وہ خچر تھا جسے فروہ بن نفاثہ جذامی نے آپ کو ہدیہ کے طور پر دیا تھا، جیسا کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱۷۷۵) (۷۶) پر روایت کیا ہے اور اس کی تفصیل-ان شاءاللہ-غزوہ حنین کے ذکر میں آئے گی۔

امام دمیاطی کا قول اس بات پر دلیل ہے کہ وہ اس بہتیرے مسائل سے رجوع کے قائل تھے جن میں اہل سیر تو متفق ہیں مگر وہ صحیح احادیث کے خلاف ہیں، اور یہ ان کے صحیح احادیث پر مضبوط پکڑ سے پہلے کی بات ہے، اور چونکہ ان کی کتاب کے کئی نسخے نکل اور پھیل چکے تھے لہذا وہ اسے بدل نہ سکے (1)۔

اور میں نے سیرت نبوی میں تقریباً دس سال تک غور و فکر کی، اس دوران میں نے سیر و مغازی اور حدیث نبوی سے متعلق کئی کتابیں بھی پڑھیں، جس سے میں نے کئی صحیح اور حسن واقعات کو ضعیف واقعات سے الگ کر لیا، اور لغت کے معتمد کتابوں؛ جیسے لسان العرب، القاموس المحیط وغیرہ سے ان کلمات کے معانی کو بیان کرنے کا اہتمام کیا جن کا سمجھنا کچھ مشکل ہو سکتا ہو، رہی بات احادیث نبویہ اور سیرت نبوی کے ضمن مذکور تاریخی واقعات کی تو ان احادیث اور واقعات پر علماء کے حکم سے صحت و ضعف کا حکم لگایا ہے، اور بعض پر مجھے کسی کا کوئی حکم نہ ملا تو میں نے اسے ویسے ہی چھوڑ کر اس کے اصل مصدر کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

اسوقت میں درج ذیل اشخاص کا شکریہ ادا کرنے سے نہیں رہ سکتا:

۱-ڈاکٹر محمد الشطی۔

۲-ڈاکٹر خالد الصافی۔

۳-شیخ سالم خلیفہ الھواش۔

۴-استاذ محمد کوھیہ۔

۵-الاخ یزید القطان۔

۶-الاخ مہند الخارجی۔

---

(1) دیکھئے: فتح الباری (۳۴۸/۸)۔

جنہوں نے مجھے اہم ملاحظات سے نوازا، اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو خالص اپنی خوشنودی کے لئے بنائے، اور مجھے اجر سے محروم نہ کرے، اور وہ اس سے عام مسلمانوں کو فائدہ پہونچائے، بے شک وہ سبحانہ و تعالی اس پر قادر ہے، وہ ہمارے اس دعاء کو قبول کرنے والا ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد و على آله وصحبه أجمعين۔

تحریر کردہ

موسی بن راشد العازمی

۱۲/ ربیع الاخر ۱۴۳۱ھ

۲۸/ ۳/ ۲۰۱۰ھ

کویت

سیرت نبوی کے بارے میں چند اقوال

زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین کہتے ہیں کہ :
ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے غزوات اور سرایا کے بارے میں اسی طرح سکھایا جاتا تھا، جس طرح قرآن کی کوئی سورت سکھائی جاتی تھی[1]۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علم المغازی میں دنیا اور آخرت کے علم موجود ہیں[2]۔

اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین کہتے ہیں: میرے والد ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے غزوات کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے تھے: اے میرے بیٹے یہ تمہارے آباء واجداد کا ورثہ ہے، لہذا تم اسے ضائع نہ کرنا[3]۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کے مغازی سے بہت سارے احکام جڑے ہوئے ہیں، لہذا ان کا لکھنا اور انہیں یاد کرنا واجب ہے[4]۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام اصول کا اصل علم ہے اور سب سے نفع بخش علم رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کی سیرت میں نظر دوڑانا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [سورہ الأنعام: ٩٠][5]۔

---

(1) دیکھئے: الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی (٢/ ٢٨٧-٢٨٨)۔

(2) دیکھئے: الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی (٢/ ٢٨٧-٢٨٨)۔

(3) دیکھئے: الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی (٢/ ٢٨٧-٢٨٨)۔

(4) دیکھئے: الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادی (٢/ ٢٨٧-٢٨٨)۔

(5) امام بن الجوزی کا کلام صید الخاطر کی صفحہ نمبر ٢٧ پر دیکھئے۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہر گھر کے ذمہ دار پر واجب ہے کہ وہ اپنے گھر میں سیرت نبوی کی کتابوں میں سے کوئی جامع کتاب رکھے، اور اس میں ہمیشہ پڑھتے رہے، اور اسے اپنے اہل و عیال کو بھی سنائے، اور اس کے لئے دن میں کوئی وقت خاص کرلے تاکہ وہ لوگ رسول اعظم ﷺ کی سیرت کی معرفت پر پرورش پائیں، کیونکہ آپ کی سیرت فقہ کے طلبگار کے لئے صاف ستھرا سرچشمہ ہے، اور صلاح کے تلاش کرنے والے کے لئے رہنما اور اسلوب بلیغ کے لیے اعلی مثال اور تمام خیر کے شعبہ جات کے لیے شامل دستور ہے(1)۔

اور شیخ علی رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ: سیرت میں ایسے مکمل قصے موجود ہیں جن میں اہل قصص کی طرف سے مقرر کردہ تمام فنی عناصر پائے جاتے ہیں، اس کے علاوہ ان میں سچائی کے ساتھ عبرت و نصیحت بھی ہوتی ہے(2)۔

شیخ ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: بے شک سیرت نبوی اور سیرت صحابہ اور ان کی تاریخ ایمانی قوت اور دینی جذبہ کے سب سے اہم مصادر ہیں، جن سے یہ امت اور دینی دعوتیں برابر ایمانی شعلے اخذ کرتے ہوئے ان سے دلوں کی ان چنگاریوں کو روشن کرتے ہیں، جو مادیت کی آندھی اور تیز ہوا میں بہت جلد ہی بجھ جایا کرتے ہیں، اور اگر یہ جذبہ بجھ گیا تو امت اپنی طاقت اور اپنا امتیاز اور اثر کھو دے گی اور اس بے روح لاش کے مانند ہو جائے گی جسے زندگی اپنے کاندھوں پر لئے پھرے گی(3)۔

دکتور محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب سے بہترین چیز جو مسلمانوں اور بالخصوص نئی نسل اور متعلمین کو پڑھنی اور باحثین اور کاتبوں کو اہتمام کرنی چاہئے وہ سیرت محمدیہ کا دراسہ ہے، کیونکہ وہ سب سے بہتر معلم اور ثقافت، تہذیب و ادب کا سرچشمہ ہے، یہی اصل

(1) دیکھئے: کتاب رجال من التاریخ از شیخ علی طنطاوی ص ۲۱۔

(2) دیکھئے: ذکریات الشیخ علی الطنطاوی رحمہ اللہ (۱۲۷/۶)۔

(3) دیکھئے: کتاب حیاۃ الصحابۃ از شیخ امام علامہ محمد یوسف کاندھلوی (۱۵/۱)۔

مدرسہ ہے جس سے مسلمان مردوں اور عورتوں کی پہلی جماعت نکلی تھی، جن کی مثال رہتی دنیا تک ملنا ناممکن ہے، اس میں دین و دنیا، ایمان واعتقاد، علم و عمل، آداب واخلاق، سیاست و عقلمندی، امامت و قیادت، عدل ورحمت، بہادری وجاں نثاری، جہاد اور عقیدہ وشریعت کے راستے میں شہادت اور دیگر انسانی اعلی اقدار و فاضل اعلی اخلاق سے متعلق مسلمان اور کمال کے طالب کی ہر خواہش موجود ہے۔

سیرت نبوی وہ مدرسہ تھی جس سے انسانوں کے سب سے بہترین نمونے یعنی صحابہ کرام کی جماعت نکلی تھی، انہیں میں خلیفہ راشد، چالاک لیڈر، اصلی ہیرو، عقلمند سیاستداں، اور الہام والے عبقری، عالم باعمل، بارع فقیہ، حزم والے عاقل، وہ حکیم جن کے سینے سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹے، صحرا کی ریت کو سونے میں تبدیل کرنے والے تاجر اور ایسے کاشتکار اور صنعت کار جو اپنے عمل کو عبادت تصور کرتے تھے، ایسے محنت کش لوگ جو لکڑی چننے کو ایک ایسا شریف اور بہتر عمل مانتے تھے جس سے وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچتے تھے، وہ شکر گذار مالدار بھی تھے جو اپنی دولت کو اللہ کا عطیہ تصور کرتے ہوئے اسے بھلائی اور عام مصلحت میں خرچ کیا کرتے تھے، وہ فقیر اور صابر بھی تھے جن کی اصل حالت کو نہ جاننے والے انہیں سوال نہ کرنے کی وجہ سے بے نیاز تصور کرتے تھے، یہ سب اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کا نتیجہ تھا، اسی سبب وہ امت وسط اور لوگوں کے لئے بھیجے گئے بہترین امت قرار پائے[1]۔

اور شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ: نبی ﷺ کی زندگی ایک مسلمان کے لئے صرف وقت گذاری اور تسلی، اور ناقد محاید کے دراسہ کا ذریعہ نہیں ہے، ہر گز نہیں یہ اسوہ حسنہ کا وہ نمونہ ہے جسے ایک مسلمان کو اپنانا چاہئے، عظیم شریعت کا وہ منبع ہے جس کے مطابق انہیں زندگی گذارنی چاہئے، لہذا اس سیرت کو بیان کرنے میں کسی طرح کی معمولی غلطی اور اس کے واقعات کو

([1]) دیکھئے: السیرۃ النبویۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ از ڈاکٹر محمد أبو شہبہ (۱/ ۷-۸)۔

پیش کرنے میں ذرا سی ملاوٹ بھی ایمان کی حقیقت پر بہت بڑی چوٹ ہو گی... میں سیرت نبوی اس طرح لکھ رہا ہوں جس طرح سپاہی اپنے قائد، غلام اپنے آقا اور شاگرد اپنے استاد کے بارے میں لکھتا ہے... بے شک وہ مسلمان جس کی ضمیر میں اللہ کے رسول نہ بستے ہوں، اور اس کی بصیرت ان کے عمل اور تفکر میں غور نہ کرتی ہوں، اس کا اپنی زبان سے دن ورات ہزاروں درود وسلام پڑھنا کافی نہیں ہے[1]۔

اور حافظ ابن عبد البر کہتے ہیں: اور اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت میں ناسخ اور منسوخ سنتوں میں سے کئی ایک پر تنبیہ موجود ہے[2]۔

---

(۱) دیکھئے: فقه السيرة از شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ (ص ۵)۔

(۲) دیکھئے: جامع بیان العلم و فضله (۱۱۳۰/۲)۔

سیرت نبوی کی خصوصیات

سیرت نبوی کی کئی خصوصیات ہیں جن کے سبب اس کے پڑھنے میں روحی، عقلی اور تاریخی چاشنی ملتی ہے، اور اس کا دراسہ علماء شریعت اور دعاۃ الی اللہ اور معاشرتی اصلاح کے کام کرنے والوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے، تاکہ وہ لوگوں تک شریعت کو اس اسلوب میں پیش کر سکیں کہ اگر راستے دشوار ہوں اور آندھی تیز ہو جائے تو انہیں اعلی تریں مثال نظر آئے، اور ان کے سامنے لوگوں کے دل اور دماغ کھل جائیں اور مصلحین کی دعوت کامیابی اور درستگی سے قریب تر ہو جائے۔

● درج ذیل سطور میں ہم سیرت نبوی کی اہم خصوصیات مختصر طور پر ذکر کر رہے ہیں:

نمبرا: کسی بھی بھیجے گئے نبی، یا اصلاح پسند عظیم شخص کی تاریخ کی سب سے صحیح سیرت جو ہم تک پہونچی ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت ہے، جو ہم تک سب سے صحیح اور ثابت علمی طریق سے پہونچی ہے، جس سے ان کے اہم واقعات اور بڑے حوادث میں کسی شک کی گنجائش نہیں بچتی اور جو چیز ہمارے لیے یہ جاننا آسان بناتی ہے کہ بعد کے ادوار میں اس میں کون سے واقعات، معجزات یا واقعات شامل کیے گئے تھے جن کا انکشاف اس جاہل ذہن نے کیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید حیرت انگیز معیار عطا کرنا چاہتا تھا، اس سے بڑھ کر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے مقام، تقدس اور سیرت کے لحاظ سے کیا تھا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:... تمہیں اللہ کا واسطہ، اگر حضرت عمر کے زمانے میں سچائی اور عدالت اور اسانید نہ ہونے کے باوجود احادیث کی کثرت سے منع کئے جاتے تھے[1]، جبکہ وہ ابھی تازہ تازہ ہی تھیں زیادہ دن نہیں

---

(1) انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں حدیث کی روایت سے دو اسباب کی وجہ سے منع کیا جاتا تھا:

۱-پہلا سبب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسلامی سلطنت وقت کی کشادگی: تاکہ فتح کیے گئے شہروں کے لوگ قرآن کو چھوڑ کر صرف حدیث کو سیکھنے میں مشغول نہ ہوں۔

۲-دوسرا سبب: انہیں رقائق اور مواعظ کی روایت سے منع کیا جاتا تھا نہ کہ احکام اور عبادات کی احادیث کو روایت کرنے سے۔

گذرے تھے، تو ہمارے اس زمانے میں اسانید کی طوالت اور وہم وغلط کی کثرت کے وقت آپ کی غرائب ومناکیر کی روایت کے بارے میں کیا رائے ہے، یقیناً آج لوگوں کو اس سے منع کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، کاش کہ وہ صرف غریب وضعیف کی روایت پر اکتفاء کرتے، بلکہ وہ تو اللہ کی قسم موضوعات واباطیل اور اصول وفروع، اور ملاحم وزہد میں مستحیل تک روایت کرتے ہیں، ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں۔

پس جو اس کے باطل ہونے کو جانتے ہوئے اسے روایت کرکے مسلمانوں کو دھوکا دے گا تو وہ خود پر ظلم کرنے والا اور سنن وآثار سے متعلق مجرم قرار پائے گا، اسے توبہ کرایا جائے گا، اگر رجوع کیا اور باز آگیا تب تو ٹھیک ورنہ وہ فاسق ہوگا، اور اس کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرنے لگ جائے، لیکن وہ اگر انجانے میں ایسا کیا ہوگا تو اسے ایسا کرنے سے بچنا چاہئے، اور اس شخص سے مدد لینی چاہئے جو مرویات میں صحیح اور ضعیف کی تفریق میں اس کی مدد کرسکے، ہم اللہ سے عافیت کے طلبگار ہیں[1]۔

نمبر ۲: تمام مراحل میں نبی ﷺ کی زندگی بالکل واضح ہے، آپ ﷺ کے والد عبداللہ کے آپ ﷺ کی والدہ آمنہ سے نکاح سے لے کر آپ ﷺ کی وفات تک ہمیں آپ ﷺ کی ولادت، بچپن، جوانی، قبل از نبوت کے کاروبار اور مکہ کے باہر آپ کے رحلات یہاں تک کہ آپ ﷺ کو اللہ نے رسول بناکر مبعوث فرمایا، پھر ہم اس کے بعد کے مراحل کے بارے میں سال بہ سال بہت دقیق اور واضح طور پر جانتے ہیں، جس سے آپ کی سیرت بالکل واضح ہوجاتی ہے، جیسا کہ بعض مغربی نقاد کا کہنا ہے کہ: صرف محمد ﷺ ہی ایسی شخصیت ہیں جن کی ولادت سے ہی تمام احوال بالکل واضح ہیں۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روایت میں کمی سے نہی والی حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر (۲۸) اور حاکم نے مستدرک میں حدیث نمبر (۳۵۳) پر روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(1) دیکھئے: سیر أعلام النبلاء (۲/ ۶۰۱-۶۰۲)۔

اس طرح یااس سے قریب اللہ کے سابقین رسول میں سے کسی رسول کو حاصل نہ ہوا، موسی علیہ السلام کے بچپن جوانی اور نبوت سے قبل زندگی بسر کرنے کے طریقے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے، ہاں نبوت کے بعد آپ کی زندگی کے کچھ احوال جانتے ہیں، مگر اس سے آپ کی شخصیت کی مکمل صورتحال واضح نہیں ہوتی ہے، انہیں کی طرح عیسی اور دیگر انبیاء کرام کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے، توان کا مقابلہ سیرت کے ان صحیح مصادر سے کیسے کیا جاسکتا ہے جو کہ ہمارے رسول کی شخصیت کے دقیق ترین تفاصیل بیان کرتے ہیں جیسے آپ کا کھانا[1] اٹھنا اور بیٹھنا[2] لباس[3] اور آپ کی شکل[4] اور ہیئت بول چال[5] اہل خانہ کے ساتھ معاملہ[6] عبادت

---

(1) امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۰۳۲) حضرت ابن کعب بن مالک کے حوالے ان کے والد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے نبی ﷺ کو دیکھا آپ اپنی انگلیاں کھانے کے بعد چاٹ رہے تھے۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۵۳۹۸) حضرت أبو جحفہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

(2) امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۴۷۵)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۱۰۰) عباد بن تمیم کے حوالے سے ان کے چچا سے نقل کیا ہے کہ: انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو مسجد میں اپنے ایک پیر کو دوسرے پر رکھ کر چت لیٹے ہوئے دیکھا۔

(3) اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۷۱۱۷) بسند صحیح حضرت أبو رمثہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے نبی ﷺ کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔

(4) امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۳۵۴۸)، اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۳۴۷) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی پست قامت تھے اور نہ آپ ﷺ بہت زیادہ گورے تھے اور نہ ہی سانولے تھے اور نہ ہی آپ ﷺ گھنگریالے بال والے اور نہ ہی بالکل سیدھے بال والے تھے۔

(5) امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۳۵۶۸) اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۴۹۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں: بے شک اللہ کے رسول ﷺ بات کو لگاتار (جلدی جلدی) نہیں کرتے تھے جیسا کہ تم لگاتار بات کرتے ہو۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۹۵) پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ جب بات کرتے تھے تو اسے تین مرتبہ دہراتے تھے یہاں تک کی وہ لوگوں کی سمجھ میں آیا کرتی تھی۔

ابن المنیر کہتے ہیں جیسا کہ ان کے حوالے سے حافظ نے فتح الباری (۲۵۵/۱) میں نقل کیا ہے کہ: درست بات یہ ہے کہ یہ سامع کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوں گے چنانچہ اس سننے والے پر کوئی عیب نہیں کہ اگر وہ ایک مرتبہ کہنے پر کوئی بات یاد نہ کرسکے تو اسے دوبارہ طلب کرے اور بات کرنے والے کے لئے کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ بات کو نہ دہرائے بلکہ کہ دہرانا ابتدا سے زیادہ ضروری ہے کیونکہ شروع کرنے سے وہ چیز ضروری ہو جاتی ہیں۔

(6) امام احمد نے اپنی مسند میں جید سند کے ساتھ حدیث نمبر (۲۶۲۷۷) پر عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے بعض سفر میں تھی اس وقت میں چھوٹی بچی تھی ابھی میرے بدن پر زیادہ گوشت نہیں تھا اور

گذاری، نماز[1] اپنی ساتھیوں سے معاملات[2] کے بارے میں بہت کچھ جانکاری ہے، بلکہ آپ کی سیرت کو روایت کرنے والوں نے اتنی باریکی سے کام لیا ہے کہ آپ کے سر اور داڑھی میں سفید بال کی تعداد[3] سے متعلق بھی ہمیں خبر دی ہے۔

نمبر۳: بے شک اللہ کے رسول کی سنت ایک ایسے انسان کی سیرت بیان کرتی ہے جسے اللہ تعالی نے رسالت سے نوازا تھا، لیکن اس نے آپ کو آپ کی انسانیت سے نہیں نکالا تھا، آپ نے شادی بھی کی اور طلاق بھی دیا، خوش بھی ہوئے غصہ بھی ہوئے، خرید و فروخت بھی کئے، وہ انسان ہی تھے جو بھی معنی اس کلمہ انسان میں پایا جاتا ہے اس کو شامل تھے، آئیڈیل تلاش کرنے والے ہر فرد کے لئے آپ نمونہ تھے، آپ کی زندگی افسانہ نہ تھی، آپ میں تھوڑی یا بہت الوہیت بھی نہ تھی، اگر ہم عیسائیوں کی طرف سے بیان کردہ عیسی کی سیرت یا بوذیوں کی

موٹی نہیں ہوئی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا تم آگے بڑھ جاؤ، چنانچہ وہ لوگ آگے بڑھ گئے پھر مجھ سے کہا آؤ ہم ایک دوسرے سے آگے بڑھتے ہوئے دوڑ لگاتے ہیں تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوڑ لگائی اور میں نے آپ کو پیچھے کر دیا یہاں تک کہ جب میں موٹی ہو گئی اور میں یہ بات بھول گئی تو میں آپ کے ساتھ ایک بار پھر کسی سفر میں نکلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہا تم آگے نکل جاؤ چنانچہ وہ آگے ہو گئے پھر مجھ سے کہا: آؤ میں اور تم دوڑ لگاتے ہیں، تو میں نے دوڑ لگایا تو آپ ﷺ آگے نکل گئے اور ہنس کر کہنے لگے: یہ اس کا بدلہ ہے۔

(1) امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱۱۳۰) اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۸۱۹) پر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم میں سوجن (ورم) آجایا کرتی تھی، تو آپ ﷺ سے کہا گیا: آپ اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے پچھلے اور اگلے تمام گناہوں کو بخش دیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں ؟!۔

(2) امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۶۱۲۹) اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۱۵۰) پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے چھوٹے بھائی سے کہا کرتے تھے: ابو عمیر نغیر کا کیا ہوا۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۸۴۸۱) اور ترمذی نے اپنی جامع میں حدیث نمبر (۲۱۰۸) پر قوی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں صرف اور صرف حق بات ہی کہتا ہوں۔

(3) امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۲۶۹۰) اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۶۲۹۳) پر صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے سر اور داڑھی میں سوائے ۱۴ بالوں کے اور سفید بال نہ دیکھے۔

جانب سے بیان کردہ **بدھ** کی سیرت یابت پرستوں کی طرف سے بیان کی جانے والی اپنے معبودان کی سیرت سے آپ کی سیرت کا مقارنہ کریں، تو آپ کی اور ان تمام کی سیرتوں میں واضح فرق نظر آئے گا، جس کا انسانی اور معاشرتی اعتبار سے اپنے پیروکاروں کے سلوک پر کافی گہرا اثر ہوتا ہے، چنانچہ عیسیٰ اور بدھ کے الوہیت کا دعوی انہیں انسان کے لئے شخصی اور معاشرتی آئیڈیل شخصیت کے ہونے میں مانع ہے، جبکہ محمد انسانوں کے لئے مکمل نمونہ اور مثال تھے اور رہیں گے، ہر اس شخص کے لئے جو اپنے اور اپنے خاندان اور معاشرے کے لیے سعادت مند اور کریمی کی زندگی گذارنا چاہے، اسی لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب کریم میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا﴾ [الأحزاب:21]۔

نمبر۴: بے شک رسول کی سیرت ایک انسان کے تمام انسانی پہلوؤں کو شامل ہے، یہ ہمارے لئے امانت دار نوجوان اور مستقیم محمد کی رسالت سے سرفراز کئے جانے سے پہلے کی کہانی بیان کرتی ہے، اسی طرح ہمارے لئے اللہ کی طرف بلانے والے محمد کی کہانی پیش کرتی ہے جو اپنی دعوت کے قبولیت کے لئے سب سے مناسب وسائل کو اختیار کرتے ہیں، اپنی رسالت کو لوگوں تک پہونچانے کے لئے اپنی پوری طاقت لگا دیتے ہیں، اسی طرح آپ کی سیرت ہمارے لئے ایک ریاست کے صدر کی کہانی بھی بیان کرتی ہے۔ جو اپنی ریاست کے لئے سب سے مضبوط اور صحیح قانون بناتے ہیں، اور وہ اپنی بیداری اور اخلاص و سچائی سے ہر اس چیز کی حفاظت بھی کرتے ہیں، جو اس کی کامیابی کا ضامن ہو، اسی طرح آپ کی سیرت ہمارے لئے ایک شوہر اور باپ کی شفقت و محبت اور حسن تعامل اور بیوی، اولاد کے حقوق و واجبات کے درمیان واضح فرق بیان کرنے والے شخص کا قصہ بیان کرتی ہے۔ اسی طرح ہمارے لئے، سیرت رسول میں اس مربّی اور مرشد کی کہانی بھی موجود ہے جو اپنے صحابہ کی مثالی تربیت کرتے ہیں، جسے وہ اپنی روح سے ان کے روح اور اپنے جسم سے ان کے جسم تک منتقل کررہے ہوں، جس کی وجہ سے لوگ آپ کی باریک سے باریک اور بڑے سے بڑے تمام معاملے میں بھی اقتداء کرتے ہیں، اسی طرح سیرت رسول میں

ہمیں اس دوست کی زندگی بھی نظر آتی ہے جو اپنے دوستی کے واجبات اور التزامات اور آداب کو بخوبی ادا کرتے اور وفاداری سے کام لیتے ہیں، جس کے سبب آپ کے صحابہ آپ سے اپنے نفوس اور اپنے اہل وعیال اور قرابت داروں سے زیادہ محبت کرتے تھے[1]، اور آپ کی سیرت ہمارے لئے بہادر جنگجو اور فتحیاب لیڈر اور کامیاب سیاستدان اور امانت دار ہمسایہ اور سچے عہدہ دار کی کہانی بھی بیان کرتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ: رسول اللہ کی سیرت معاشرے میں موجود تمام انسانی پہلوؤں کو شامل ہے، جس کے سبب آپ ہر داعی ہر سپہ سالار ہر باپ ہر شوہر اور ہر دوست ہر مربّی اور ہر سیاستدان ہر رئیس دولہ وغیرہ... کے لئے آئیڈیل اور نمونہ قرار پائے۔

نمبر۵: سیرت نبوی ہمیں وہ دلیل دیتی ہے جس میں آپ کی رسالت و نبوت کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں بچتا، یہ ایک ایسے کامل انسان کی سیرت ہے جو اپنی دعوت کے ذریعہ یکے بعد دیگرے فتح کے منازل طے کرتا گیا، یہ کوئی خارق عادت اور معجزاتی طور پر نہ تھی بلکہ عام فطری طریقہ سے تھی، آپ نے دعوت دی، اس پر اذیتوں کا بھی سامنا کیا، تبلیغ کی آپ کے ساتھی بھی بنے جنگ کے لئے مجبور ہوکر جنگ بھی کی، آپ حد درجہ حکیم تھے، اپنی قیادت میں اللہ کی توفیق کے مستحق بھی تھے، اسی لئے جب آپ کی وفات کا وقت ہوا تو اس وقت پورا جزیرہ عرب آپ کی دعوت پر ایمان لاچکا تھا، یہ کسی قہر وغلبہ کے طور پر نہ تھا، اور جو عرب کی عادات وعقائد اور آپ کو آپ کی دعوت سے روکنے کے لئے ان کی مختلف طریقہ کار یہاں تک آپ کے اغوا کی کوشش سے باخبر ہے،

---

(1) امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (٦٣٣٢) عبداللہ بن ہشام کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ میرے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں سوائے میری جان کے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: **((نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہاں تک کہ میں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں))**، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تو اب ایسا ہی معاملہ ہے، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے نزدیک میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **((ہاں اے عمر اب بات بنی))**۔

جو آپ کی فتح والی تمام معرکوں آپ کی اور آپ کے مقابل فوج کے عدم تکافؤ کے بارے میں جانتا ہے، جو آپ کی وفات تک مختصر مدت یعنی صرف ۲۳ سال میں آپ کی رسالت کے پھیلنے سے واقفیت رکھتا ہے، اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں، اور اللہ تعالی آپ کو جو ثابت قدمی، قوت، اثر اور فتح عطا کرتے تھے وہ صرف اس لئے تھا کہ وہ سچے نبی تھے، اللہ تعالی اپنے اوپر جھوٹ بولنے یا گھڑنے والے کی اس طرح تاریخ کی سب سے علیحدہ تائید کبھی نہیں کرتا، رسول اللہ کی سیرت عقلی طور پر بھی ہمیں آپ کی رسالت کے سچائی کا ثبوت دیتی ہے اور یہ کہ جو معجزات آپ کے لئے ظاہر ہوئے تھے اس کو اساس بنا کر عرب کے لوگ آپ کی دعوت پر ایمان نہ لائے تھے؛ بلکہ ہمیں تو آپ کا ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا کہ جس سے ہٹ دھرم کفار ایمان لائے ہوں جب کہ مادی معجزات اس کے مشاہدہ کرنے والے پر حجت ہوتی ہیں، اور یہ تاکیدی بات ہے کہ وہ مسلمان جنہوں نے نہ آپ کو دیکھا ہے اور نہ ہی آپ کے معجزات کو دیکھا ہے وہ آپ کی رسالت کے سچائی کے سبب آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کے دعوہ نبوت میں عقلی قطعی دلائل کو دیکھتے ہوئے، ان عقلی دلائل میں سے قرآن کریم بھی ہے، جو کہ ایک عقلی معجزہ ہے، جو ہر عقلمند انصاف پسند شخص کو محمد کے دعوی رسالت میں آپ کی سچائی پر ایمان لانے پر مجبور کرتا ہے۔

یہیں سے ہم سیرت رسول ﷺ کی یہ واضح خصوصیت دیکھتے ہیں کہ آپ پر کوئی بھی معجزہ کو دیکھ کر ایمان نہ لایا، بلکہ عقلی، وجدانی قناعت کے بعد ایمان لائے، اور اللہ نے آپ کو جو معجزے عطا کئے تھے وہ آپ کی تکریم اور آپ کے متکبر دشمنوں کو خاموش کرنے کیلئے تھیں، اور جو قرآن میں غور کرے گا اسے یہ معلوم ہو گا کہ اس میں بھی عقلی طور اور اللہ کی محسوس کی جانے والی عظیم کاری گری کے سبب لوگوں کو قانع کرنے کا اہتمام ہوا ہے، اور یہ کہ آپ امی تھے آپ کا قرآن لانا ہی آپ کی رسالت کے سچائی کی دلیل ہے[1]۔

---

(1) دیکھیے: السیرۃ النبویۃ دروس وعبر از ڈاکٹر مصطفی سباعی (ص ۱۶-۲۳)۔

زمانہ جاہلیت میں جزیرہ عرب

اسلام سے پہلے اہل عرب کے اخلاق بالکل بگڑ چکے تھے، وہ جوئے اور شراب کے دلدادہ تھے، سنگدلی اور خود ساختہ حمیت اس درجہ بڑھ چکی تھی کہ وہ بچیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے، لڑائی جھگڑے عام سی بات تھیں، ڈاکہ زنی بھی کیا کرتے تھے، عورت کا مقام بالکل گر چکا تھا، وہ سامان اور چوپایوں کی طرح وراثت کے طور پر تقسیم کی جاتی تھی، کھانے کی چیزوں کو آدمیوں کے لئے خاص رکھتے تھے، جو کہ عورتوں کے لئے حرام سمجھی جاتی تھیں، مرد کے لئے بے شمار اور بغیر حد بندی کے مرضی کے مطابق عورتوں سے نکاح کرنا درست سمجھا جاتا تھا۔

خاندانی عصبیت زوروں پر تھی، خون خرابے تک کی نوبت آجاتی تھی، جنگ وجدال ان کی عادت بن گئی تھی، اسے وہ لوگ تسلی کا سامان اور پسندیدہ کام تصور کرتے تھے، جنگ وجدال کو کھیل سمجھ کر کھیلا کرتے تھے، وہ لڑنے جھگڑنے کے لئے کسی معقول سبب کی تلاش نہیں کرتے تھے، جیسا کہ جاہلی شاعر (رقاد بن منذر بن ضرار الضبی) کہتا ہے:

إذا المهرة الشقراء أدرك ظهرها | فشب الإله الحرب بين القبائل
و أوقدنارا بينهم بضـــــرامها | لها وحتّى للمصطلى غيـــر طــــائل

خون کا بہانا ان کے لئے معمولی بات تھے، چھوٹی سی وجہ کے باعث جنگ چھڑ جاتی اور پھر چالیس سال تک جنگ جاری رہتی، ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کے خون بہا دیئے جاتے تھے۔

رہی بات اخلاق کی تو ان میں کئی بیماریاں جڑ پکڑ چکی تھیں، اور ان کے اسباب بھی عام تھے[1]۔

(1) دیکھئے: السیرۃ النبویۃ ص۳۹ از ابوالحسن الندوی رحمہ اللہ۔

● شراب نوشی:

شراب نوشی بہت ہی زیادہ عام تھی، یہ عادت ان میں گھر کر چکی تھی، اس کے استعمال اور اس کے لئے خصوصی محفلیں سجائے جانے سے متعلق شعراء نے اشعار کہے ہیں، ان کے یہ شعر تاریخ اور ادب کا بیشتر حصہ ہے، ان کی زبان میں اس کے بکثرت نام پائے جاتے ہیں، اس بارے میں تدقیق و تفصیل تعجب کے حد تک کثرت اختیار کر چکی ہے، شراب کے ٹھیکے ہمہ وقت کھلے ہوتے تھے، اس پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔

لبید[1] بن ربیعہ عامری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قد بت سامرها و غاية تاجر — وافين إذا رفعت وعز مدامها

شراب کی تجارت اس قدر عام تھی کہ تجارت بولنے پر اسی کاروبار کا خیال ذہن میں آتا تھا یعنی تجارت شراب فروختی کا دوسرا نام تھا[2]۔

● جوا:

جاہلی زندگی میں جوا کو فخر سمجھا جاتا تھا، جاہلی شاعر کہتا ہے:

أعيرتنا ألبانها ولحومها — وذلك عارٌ يا ابن ريطة ظاهر

نحابي بها أكفاءنا و نهينها — و نشرب في أثمانها و نقامر

اور جوا کی مجلسوں میں شرکت نہ کرنا باعث عار مانا جاتا تھا۔

---

(1) وہ لبید بن ربیعہ بن صعصعہ عامری مشہور شاعر ہیں، بہت بڑے شاعروں میں سے تھے، یہ شہسوار بہادر اور سخی بھی تھے، معلقات سبع میں ان کا بھی ایک معلقہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی قوم بنو جعفر کے ساتھ آئے تھے، اور وہ مسلمان ہوئے ان کا اسلام اچھا رہا، دیکھئے الاصابہ (۵/ ۵۰۰)۔

(2) دیکھئے السیرہ النبویہ ص ۱۳۹ از ابو الحسن ندوی رحمہ اللہ۔

قتادہ کہتے ہیں: ایک شخص جاہلیت میں اپنے اہل اور مال پر جوا کھیل لیتا تھا، اور پھر وہ بے مال واولاد ہو جاتا تھا، اپنا مال دوسرے کے ہاتھ میں دیکھتا، جس کی وجہ سے ان میں بغض وعداوت کو بڑھاوا ملتا تھا[1]۔

● سود خوری:

اہل حجاز میں سے عرب اور یہودی سب ہی سود خوری کرتے تھے، یہ ان میں بہت عام تھا، وہ لوگ سامان لے کر اسے ہڑپ کر لیتے تھے، اور اس بارے میں ان کے یہاں حد درجہ سنگدلی اور غلو پائی جاتی تھی۔

امام طبری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: جاہلیت میں لوگ بڑھا کر سالوں سال اسے وصول کیا کرتے تھے، ایک شخص کسی کو قرض دیتا تھا، اور وقت ہونے پر آکر مطالبہ کرتا، اور کہتا میرا قرض چکاؤ گے یا زیادہ کروگے، اگر ادائیگی کے لئے کچھ ہوتا تو ادا کرتا ورنہ اسے اس سے بڑی عمر کی جانب تحویل کر لیتا؛ لہذا اگر بنت مخاض[2] ہوتی تو اسے دوسرے سال میں بنت لبون[3] سے تبدیل کر لیتے، پھر حقہ[4] پھر جذعہ[5] پھر (رباعی) دانتا[1] اسی طرح اوپر تک۔

---

(1) دیکھئے تفسیر الامام الطبری (۵/ ۳۶)، (سورہ المائدہ سے آیت نمبر) ۹۱۔

(2) **مخاض**: حاملہ اونٹنی کا نام ہے اور بنت مخاض اور ابن مخاض ان کے ان بچوں کو کہتے ہیں جو دوسرے سال میں داخل ہو جائیں کیونکہ ان کی ماں مخاض یعنی حوامل کے حکم میں ہو جاتی ہیں اگرچہ وہ حامل نہ ہو۔ دیکھئے: النھایہ (۴/ ۲۶۱)۔

(3) بنت لبون اور ابن لبون ان بچوں کو کہتے ہیں جو دو سال مکمل کر کے تیسرے میں داخل ہو جائیں، اس طرح ان کی مائیں دودھ والی ہو جاتی ہیں کیونکہ اس طرح اب کی ماں دوسری بار حاملہ ہو کر بچے دیتی ہے، دیکھئے: النھایہ (۴/ ۱۹۸)۔

(4) حقہ: حاء کے زیر کے ساتھ وہ اونٹ جو چار یا اس سے زیادہ سال کا ہو جائے اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ وہ اب سواری اور بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جاتی ہے اس کی جمع حقاق اور حقائق آتی ہے، دیکھئے: النھایہ: (۱/ ۳۹۹)۔

(5) جذعہ: (جانوروں میں سے نوجوان کو کہا جاتا ہے) اونٹ میں سے پانچویں سال میں داخل ہو چکے کو کہتے ہیں، اور گائے اور بکری میں سے جو دوسرے سال میں داخل ہو اور کہا جاتا ہے کہ گائے میں سے تیسرے سال کی اور بھیڑ میں سے ایک سالہ اور اس سے کم بھی کہا گیا ہے۔ دیکھیے التمہید (۱/ ۲۴۳)۔

اسی طرح سونے کے بارے میں بھی کہ وہ جب آتا تھا اگر اس کے پاس نہ ہوتا تو وہ آئندہ سال تک اس کا دوگنا کر دیتا، پھر نہ ہوتا تو پھر دوگنا کر دیتا، پھر تعداد سو ہو جاتی آئندہ سال بڑھ کر دو سو ہو جاتی، پھر آئندہ سال بھی نہ ہوتی تو بڑھا کر چار سو کر دیتا اور جب تک ادا نہیں کرتا دوگنا کرتا جاتا[2]۔

سود ان کے رگ رگ میں راسخ ہو چکی تھی، اور یہ ان کے یہاں فطری چیز شمار کی جاتی تھی، جس کے سبب وہ سود اور عام تجارت میں فرق نہیں کرتے اور کہتے تھے: ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ [البقرة:۲۷۵].

امام طبری رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں: جاہلیت میں جو لوگ سود کھاتے تھے، جب قرض خواہ کو مال واپس لوٹانے کا وقت ہوتا تھا، تو وہ اس سے کہتا کہ مجھے تھوڑی مہلت دو میں تمہیں مال بڑھا کر دوں گا، تو ان سے کہا جاتا کہ یہ ربا ہے ایسا کرنا حلال نہیں تو وہ کہتے تھے: چاہے ہم بیع کے وقت زیادہ طلب کر لیں یا واپسی کے وقت دونوں ایک ہی بات ہے[3]۔

● زنا کا پھیلاؤ:

زنا ان کے یہاں بہت عام تھی کوئی اسے برا تصور نہ کرتا تھا، ان کے یہاں بلا عقد مردوں کا لڑکی کو دوست بنانا اور عورتوں کا مردوں کو دوست بنانے کا رواج تھا، اسی طرح وہ بعض عورتوں کو زنا کیلئے مجبور کیا کرتے تھے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ[4] مِنكُمْ طَوْلًا[5] أَن يَنكِحَ

(1) یہ اونٹ میں سے مذکر کو جب اس کے رباعی یعنی سامنے کے دانت نکل آئیں تو رباع کہا جاتا ہے اور مونث کو رباعیہ تخفیف کے ساتھ کہا جاتا ہے یہ ان کے ساتویں سال میں داخل ہونے وقت ہوتا ہے۔ دیکھئے النھایہ: (۲/ ۱۷۳)۔

(2) دیکھئے تفسیر طبری (۳/ ۱۰۴)۔

(3) دیکھئے مرجع سابق (۳/ ۱۰۴)۔

(4) حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/ ۲۶۰) میں کہا ہے: یعنی جو نہ پائے۔

(۵) مرجع سابق (۲/ ۲۶۰) میں کہا ہے: یعنی استطاعت و وسعت۔

الْمُحْصَنَاتِ(1) الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ(2) وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ ۚ(3) ﴾ [النساء :۲۵].

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ :"جاہلیت میں نکاح چار طرح کے ہوتے تھے،... اور چوتھا نکاح اس طرح ہوتا تھا کہ کچھ لوگ ایک عورت کے پاس جاتے وہ کسی آنے والے کو نہیں روکتی تھی، یہ لوگ زانیہ ہوا کرتی تھیں، وہ اپنے دروازوں پر جھنڈے لگا کر رکھتی تھیں جو اس کی نشانی ہوتی جو چاہتا ان کے پاس جاتا تھا"(4)۔

اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:﴿ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾[سورہ نور آیت نمبر ۳۳۔]

اور امام مالک نے موطا میں صحیح سند کے ساتھ عثمان بن عفان سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :"تم کسی صنعت سے ناواقف لونڈی کو کمائی پر نہ لگاؤ کیونکہ وہ اس صورت میں اپنی شرم گاہ سے ہی کمائے گی"۔(5)

---

(1) مرجع سابق (۲/ ۲۶۱) میں کہا ہے: یعنی آزاد عورتیں۔

(2) قرطبی نے اپنی تفسیر (۲۳۶/۶) میں کہا ہے: یعنی: زنا کرنے والیاں نہیں، یعنی: علانیہ طور سے زنا کرنے والیاں؛ کیونکہ جاہلیت میں کچھ علانیہ طور پر زنا کرنے والیاں ہوتی تھیں انکے بلند جھنڈے ہوا کرتے تھے۔

(3) مرجع سابق (۶/ ۲۳۶) میں کہا ہے کہ: یعنی برائی کے دوست، یہ آیت سورہ نساء میں ۲۵ نمبر پر ہے۔

(4) اس کی تخریج بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب النکاح کے اندر باب ﴿واذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن﴾ میں حدیث نمبر ۵۱۲۷ پر کیا ہے۔

(5) اس کی تخریج امام مالک نے موطا میں کتاب الاستئذان باب الامر بالرفق بالمملوک میں کیا ہے اور ابن الاثیر نے اسے جامع الاصول (۱۰/ ۵۸۹) میں بھی نقل کیا ہے۔

اور اللہ کے رسول نے زناکاری کی کمائی کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں شیخین کی شرط پر صحیح سند سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث کی تخریج کی ہے کہتے ہیں کہ: ((اللہ کے رسول نے حجام کی کمائی اور زناکاری کی کمائی اور کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے))۔[1]

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بن سلوک کی ایک لونڈی جسے مسیکہ کہا جاتا تھا اور ایک دوسری جسے امیمہ کہا جاتا تھا وہ ان دونوں کو زناکاری پر مجبور کرتا تھا، تو انہوں نے نبی کے پاس شکایت کیں، اس پر اللہ تعالی نے یہ فرمان: ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾[النور:۳۳][2]۔

دور جاہلیت میں عورت کو بھول اور ظلم کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اس کے حقوق ہڑپ کر لئے جاتے تھے، اس کے مال چھین لئے جاتے تھے، اسے میراث سے محروم کر دیا جاتا تھا، اور طلاق یا شوہر کی وفات کے بعد اسے اپنی خوشی سے کسی اور کے ساتھ نکاح سے روک دیا جاتا تھا، اور اسے بھی سامان اور چوپایوں کی طرح بطور میراث تقسیم کر لیا جاتا تھا۔

● بچیوں کو درگور کیا جانا:

بچیوں سے نفرت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ وہ انہیں زندہ درگور کر دیتے تھے[3]، ہیثم بن عدی نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ ان سے میدانی نے بیان کیا ہے کہ درگور کرنا عرب کے تمام قبیلوں میں عام تھا، ایک اس پر عمل کرتا اور دس اس کو چھوڑ دیتے تھے، پھر اسلام کی آمد ہوئی، عرب کے

---

(1) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۷۹۷۶ پر کی ہے۔

(2) اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر میں باب قولہ تعالی: ﴿ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء﴾ میں حدیث نمبر (۳۰۲۹) (۲۷) پر کی ہے۔

(3) یعنی انکا قتل کرنا جب جاہلیت میں کسی کے گھر بچی کی ولادت ہوتی تو وہ اسے زندگی زمین میں عار کے ڈر سے دفن کر دیتا تھا، دیکھئے: النھایہ (۵/ ۱۲۵)۔

طریقے بچیوں کو در گور کرنے میں مختلف تھے کچھ انہیں غیرت اوران کے سبب عار کا حق ہونے کے ڈر سے در گور کرتے تھے اور کچھ صرف انہیں لڑکیوں کو در گور کرتے تھے جو نیلی کالی برص زدہ یا لنگڑی ہوتی تھیں وہ ان صفات سے بدشگونی کے سبب ایسا کرتے تھے۔

وہ بسا اوقات لڑکیوں کو قتل کرنے اور در گور کرنے میں بڑی بے رحمی کا مظاہرہ کرتے تھے، کبھی کبھار والد کے سفر کے سبب در گور کرنے میں تاخیر ہو جاتی تھی، پھر بڑی اور عقلمند ہونے کے بعد بھی اسے در گور کرتے تھے، اور وہ رو رو کر اپنے جان کی بھیک مانگا کرتی تھیں اور بعض لوگ تو بچی کو اونچائی سے ڈھکیل دیا کرتے تھے۔

اللہ تعالی ان کی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ﴿إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِٱلْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُۥ مُسْوَدًّا[1] وَهُوَ كَظِيمٌ[2] (58) يَتَوَٰرَىٰ مِنَ ٱلْقَوْمِ مِن سُوٓءِ مَا بُشِّرَ بِهِۦٓ ۚ أَيُمْسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُۥ[3] فِى ٱلتُّرَابِ ۗ أَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ (59)﴾ [سورہ نحل: ۵۸- ۵۹]۔

● فاقہ کے ڈر اسے بچوں کا قتل:

ان میں سے کچھ لوگ اپنی اولاد کو فاقے کے خوف سے قتل کر دیا کرتے تھے، ایسا بعض عرب قبائل کے فقیر کیا کرتے تھے، انہیں عرب کے بعض مالدار لوگ خرید لیتے، اسی بارے میں صعصعہ بن ناجیہ کہتے ہیں کہ: میں نے آمد اسلام سے قبل ہی تین سو در گور بچیوں کا فدیہ دیا ہے[4]۔

---

(1) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۵۷۸/۴) میں کہتے ہیں کہ: یعنی؛ غم سے پریشان۔

(2) مرجع سابق (۵۷۸/۴) میں کہتے ہیں کہ: یعنی؛ شدت غم کے سبب خاموشی۔

(3) مرجع سابق (۵۷۸/۴) میں کہتے ہیں کہ: یعنی؛ اسے در گور کرنا، وہ یہ کہ اسے زندہ ہی مٹی میں دفن کر دینا۔

(4) دیکھئے الاصابہ (۳/ ۳۴۷)۔

انہیں میں سے کچھ لوگ یہ نذر مانتے تھے کہ اگر ان کے دس بیٹے ہو گئے تو وہ ان میں سے ایک کو قربان کریں گے، جیسا کہ رسول ﷺ کے دادا نے کیا تھا۔

اللہ تعالی نے انہیں ایسا کرنے سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ إِمْلَاقٍ(1) ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ... ﴾[سورہ انعام آیت نمبر(۱۵۱)]۔

اور اللہ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ﴾[سورہ اسراء آیت نمبر(۳۱)]۔

اور شیخین نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:((یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جبکہ اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے))۔

میں نے کہا: پھر کون سا؟

آپ ﷺ نے فرمایا:((تم اس ڈر سے اپنے بچے کو قتل کرو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گا))۔

میں نے کہا: پھر کون سا؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:((یہ کہ تم اپنی پڑوسن سے زناکاری کرو))(2)۔

انہیں میں سے کچھ کہتے تھے کہ: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اللہ ان کی ان باتوں سے بلند و برتر ہے، یعنی وہ اللہ کے لئے بیٹیوں کو ثابت کرتے تھے(1)۔

---

(1) املاق: فقیری، دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۳/۳۶۲)۔

(2) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الحدود، باب اثم الزناۃ، حدیث نمبر (۶۸۱۱) پر کی ہے اور اسے کتاب التوحید باب قول اللہ تعالی: ﴿فلا تجعلوا للہ اندادا﴾ حدیث نمبر (۷۵۲۰) پر کی ہے، اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الایمان باب کون الشرک اقبح الذنوب حدیث نمبر (۱۴۱) میں کیا ہے۔

اللہ تعالی ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ﴾ [سورہ نحل: ۵۷]۔

اور فرمان باری تعالی ہے: ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُونَ (149) أَمْ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ (150)﴾ [سورہ صافات: ۱۴۸-۱۵۰]۔

● گھٹاٹوپ تاریکی اور قاتل مایوسی:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ: چھٹی صدی مسیحی جس میں نبی ﷺ کی بعثت ہوئی اور اس کے بعد کے زمانے تاریخ کے سب سے بدترین دور تھے، اس وقت سب سے سخت تاریکی چھائی تھی، اور یہ صدی انسانیت کی مستقبل اور ان کی بقاء اور ترقی کی صلاحیت سے بالکل مایوس ہو چکی تھی[2]۔

(1) دیکھئے: السیرہ النبویہ از ابوالحسن ندوی ص ۳۹۔
(2) دیکھئے: السیرہ النبویہ از ابوالحسن ندوی ص ۴۳۔

نبی ﷺ کی بعثت جزیرہ عرب میں کیوں ہوئی؟

اللہ تعالی کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ ان پر یہ سورج طلوع ہو جس سے وہ تاریکی ختم ہو اور جزیرہ عرب کے افق سے دنیا ہدایت اور نور سے بھر جائے جو کہ سب سے زیادہ تاریکی کا شکار تھا، اور اسے ہی سب سے زیادہ نور کی کرن کی ضرورت تھی۔

اللہ تعالی نے کئی اسباب کی بناء پر عرب کو اختیار کیا تاکہ وہ پہلے خود اس دعوت کو قبول کریں پھر اسے دنیا کے کونے کونے میں پھیلائیں، **ان میں سے چند اسباب یہاں پیش خدمت ہیں:**

۱- وہ لوگ فطرت پر تھے اور مضبوط ارادے کے مالک تھے، جب حق سمجھنے میں انہیں دشواری ہوئی تو انہوں نے اس کے خلاف مورچہ نکالا اور جب ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھا تو وہی اس کے رکھوالے اور اس سے محبت کرنے والے بن گئے، اور اس کے لئے اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے، یہ سہیل بن عمرو[1] کی اس بات سے بالکل عیاں ہو جاتا ہے جسے انہوں نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ میں هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله سننے پر کہی تھی، انہوں نے کہا تھا: "اللہ کی قسم اگر ہم تمہیں اللہ کا رسول مانتے تو نہ ہی ہم تمہیں بیت اللہ سے روکتے اور نہ تم سے قتال کرتے"[2]۔

اور جب وہ مسلمان ہوئے، تو وہ بہت زیادہ نماز، روزے اور صدقے کے پابند تھے، قرآن کو سن کر وہ خوب روتے تھے، اللہ ان سے راضی ہو اور وہ انہیں بھی راضی کر دے، اور وہ کہتے

---

(1) یہ سہیل بن عمرو عامری قریش کے خطیب اور فصیح اور ان کے اشراف میں سے ہیں، ان کی کنیت ابو زید تھی، یہ قریش کے بڑے اور عقلمند اور خطیبوں اور سرداروں میں سے تھے۔

وہ فتح مکہ والے دن اسلام لائے اور ان کا اسلام اچھا رہا تھا۔

آپ کی وفات سنہ ۱۸/ ہجری کے اندر طاعون عمواس میں ہوئی تھی، دیکھئے: الاصابہ (۳/ ۱۷۷)۔

(2) اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد حدیث نمبر (۲۷۳۱-۲۷۳۲) میں کی ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجهاد والسير باب صلح الحديبية فی الحديبية میں حدیث نمبر (۱۷۸۳) میں کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۸۹۰۹) پر کی ہے۔

تھے: "میں مشرکین کے ساتھ واقع ہر موقف کے بدلے مسلمانوں کے ساتھ بھی اسی طرح موقف اپناؤں گا، مشرکین کے ساتھ جس طرح میں نے خرچ کئے ہیں اسی طرح میں مسلمانوں پر بھی خرچ کروں گا، شاید کہ میرا معاملہ برابری کا ہو جائے"(1)۔

۲- اسی طرح ان کے دلوں کی تختیاں بالکل صاف تھیں، ان پر کوئی باریک اور گہری ایسی کتابت نہ ہوئی تھی جسکا مٹایا جانا مشکل ہو، جس طرح روم وفارس اور اہل ہند کا معاملہ تھا، جو کہ گمراہ تھے اور انہیں اپنے علوم اور ترقی یافتہ آداب اور بہترین شہریت اور کشادہ فلسفہ پر ناز بھی تھا، ان کے یہاں نفسی اور فکری ایسی گرہیں پائی جاتی تھیں، جن کا کھولنا آسان نہ تھا۔

رہی بات عرب کی تو ان کے دلوں کی تختیوں پر صرف جہالت اور بدویت کے چند کتا بات تھے، جن کو مٹا اور دھو کر اسکی جگہ نئی نقوش کا بنانا آسان تھا، نئے علمی تعبیر کے مطابق یہ کہ ان میں معمولی جہالت پائی جاتی تھی، جس کا علاج کرنا آسان تھا، جبکہ اس دور کی ترقی یافتہ قوموں میں شدید قسم کی جہالت تھی، جس کو مٹانا اور اس کا علاج کرنا مشکل کام تھا۔

۳- اسی طرح وہ لوگ یعنی عرب واقعیت اور جدیت مزاج والے تھے، وہ صراحت و صرامت کو پسند کرتے تھے، نہ وہ لوگوں کو دھوکا دیتے تھے نہ ہی خود کو، وہ درست بات کہنے کے عادی تھے، پکے عزم وارادہ کے مالک تھے، جس پر واضح دلالت بیعت عقبہ ثانیہ کے قصے میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، ابن اسحاق سیرت میں کہتے ہیں کہ: "جب اوس و خزرج کے لوگ عقبہ میں اللہ کے رسول سے بیعت کرنے کیلئے جمع ہوئے، عباس بن عبادہ بن نضلہ خزرجی رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: اے خزرج کی جماعت تم کو پتہ ہے کہ تم اس آدمی سے کس بات پر بیعت کر رہے ہو؟ انہوں نے ہاں میں جواب دیا اور پھر کہا: تم اس سے کالے، گورے تمام لوگوں کے خلاف جنگ پر بیعت کر رہے ہو"... انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر ہم اپنے وعدے کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا؟

(1) دیکھئے: سیر اعلام النبلاء (۱/ ۱۹۴)۔ الاصابہ (۳/ ۱۷۷)، اسد الغابہ (۲/ ۳۹۶)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔

انھوں نے کہا: آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں، آپ نے ہاتھ پھیلا اور سب نے بیعت کر لی[1]۔

اور یقیناً ان سے اللہ راضی ہوا انہوں نے اللہ سے کئے اپنے عہد اور نبی سے کئے بیعت کو پورا کیا اور سعد بن معاذ نے انصار کی طرف سے بدر والے دن نبی ﷺ سے کہا تھا:

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر کے پار لے جائیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ سمندر میں چلیں گے، ہم میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہے گا[2]۔

تو وہ -اللہ ان سے راضی ہو- پہلے لمحے سے ہی سچے تھے، ان کی یہ سچائی عزم اور عمل میں جدیت اور حق کی بجاوری میں صاف ظاہر تھی۔

۴-اسی طرح عرب کے لوگ عقیدہ کے لئے جذبے اور اس کے راستے میں فنا ہونے کے احساس کے درمیاں حائل ہونے والے مدنیت اور عیش و عشرت سے کافی دور تھے، جن کا علاج مشکل ہو سکتا تھا۔

۵-اسی طرح عرب کے لوگ سچے، امانت دار اور بہادر تھے، نفاق اور سازش ان کی فطرت نہ تھی، اس کا انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا ہے انہوں نے اپنے سارے وعدے سچے کر دکھائے ہیں، انہوں نے ہر غالی اور نفیس اللہ کے راستہ میں خرچ بھی کیا تھا۔

۶-اسی طرح وہ لوگ جنگ کے خوگر اور گھوڑ سواری کے دلدادہ بھی تھے، وہ مضبوط اور زندگی میں کم از کم پر اکتفاء کرنے والے بھی تھے، گھوڑ سواری ان کی ایک ظاہری صفت تھی، جو کہ اس وقت کسی بڑے کام کرنے والی امت کے لئے نہایت ضروری تھا؛ کیونکہ وہ وقت جنگ و مغامرات کا وقت تھا۔

---

(1) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۲/ ۵۹)۔

(2) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۲/ ۲۲۷)۔

۷-اسی طرح عرب وہ امت تھی جو آزادی، مساوات، طبیعت، عزت نفس اور اسلام کے ذریعہ ثابت کئے گئے چند آداب کی جنون کی حد تک خواہش رکھنے پر نشو نما پائے تھے۔

۸-اسی طرح انکی عملی اور فکری طاقت اور ان کے اندر موجودہ فطری مواہب کا استعمال نہ کیا گیا تھا گویا وہ ابھی تازہ قوم تھے، زندگی اور نشاط اور عزم و جذبے[1] سے پُر تھے۔

امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان اور ترمذی نے صحیح سند سے شیخین کی شرط پر انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں میری امت کے لئے سب سے رحم دل ابو بکر ہیں، اور اللہ کے دین کے معاملے میں سخت ترین[2] عمر ہیں اور سب سے حیاء والے عثمان ہیں اور حلال و حرام کے سب سے زیادہ جانکار معاذ بن جبل ہیں اور کتاب اللہ کے قاری ابی ہیں اور فرائض کے زیادہ جانکار زید بن ثابت ہیں[3] اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں[4]۔

یہ فترہ جس میں محمد ﷺ کی بعثت ہوئی جزیرہ عرب پر تاریکی، زوال اور اصلاح کی کوئی رمق باقی نہ ہونے کے اعتبار سے سب سے سخت ترین زمانہ تھا یہ زمانہ کسی نبی پر آنے والا سب سے سخت اور باریک ترین زمانہ تھا[5]۔

---

(1) دیکھئے: السیرہ النبویہ از ابو الحسن ندوی ص ۴۵۔

(2) سندی نے اسے مسند کی شرح (۳۵۵/۷) میں کہا ہے، یعنی دین کی روایت میں سب سے سخت بایں طور کی اس بارے میں وہ کسی کا خیال نہ کرے۔

(3) اسے حافظ نے فتح (۱۳/ ۴۸۶) میں کہا ہے کہ فرائض فریضہ کی جمع ہے، جو کہ مواریث کو کہتے ہیں، اور مواریث کو ہی صرف فرائض کا نام فرمان باری تعالی: ﴿ نصیبا مفروضا﴾ سے اخذ کر کے دیا گیا یعنی طے شدہ معلوم اور دوسرے لوگوں کے علاوہ۔

(4) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۲۹۰۴، ۱۳۹۹۰)، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب اخبارہ ﷺ عن مناقب الصحابة باب ذکر البیان بان معاذ بن جبل کان من اعلم الصحانة بالحلال و الحرام، حدیث نمبر (۷۱۳۱)، اور ترمذی نے اپنی جامع میں کتاب المناقب باب فضل معاذ بن جبل و زید بن ثابت و ابی عبیدہ بن الجراح حدیث نمبر (۴۱۲۴) میں کیا ہے۔

(5) دیکھئے: السیرہ النبویہ از ابو الحسن ندوی ص ۵۶۔

امام احمد نے اپنی مسند اور بخاری نے الادب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ مقداد بن عمرو کے طریق سے روایت کیا وہ کہتے ہیں کہ:... اللہ کی قسم اللہ نے اپنے نبی کو جس زمانے میں مبعوث کیا وہ زمانہ کسی بھی نبی کے بھیجے جانے کے زمانے میں جہالت کے اعتبار سے سب سے سخت تھا وہ لوگ بت پرستی سے افضل کسی دین کو مانتے ہی نہ تھے، پس آپ فرقان لے کر آئے جس نے حق و باطل کے مابین تفریق کی اور باپ اور بیٹے کے مابین فرق کی یہاں تک کہ ایک شخص اپنے والد، بیٹے یا بھائی کو کافر تصور کرتا تھا، اور اللہ نے اس کے دل کے تالے کو ایمان سے کھول دیا، وہ یہ جانتا تھا کہ اگر وہ ہلاک ہوا تو جہنم میں جائے گا، تو اسے یہ بات پسند نہ آتی کہ اس کا محبوب جہنم میں جائے اسی کے بارے میں اللہ عزو جل نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [سورہ فرقان: ۷۴]-[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [سورہ آل عمران: ۱۶۴]-

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ [سورہ جمعہ: ۲]-

---

(1) اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۳۸۱۰) اور امام بخاری نے الادب المفرد میں حدیث نمبر (۶۴) پر روایت کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۱۳۳/۶) میں نقل کیا ہے، اور کہا ہے یہ اسناد صحیح ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پہلے سے آپ کی ولادت باسعادت تک

● نسب نبوی شریف:

آپ کا نسب روئے زمین پر علی الاطلاق سب سے افضل نسب ہے، آپ کا نسب شرف کا بلند ترین درجہ ہے، اس کا اقرار آپ کے دشمن بھی کرتے تھے، اسی لئے بادشاہ روم کے سامنے اس وقت آپ کے دشمن ابوسفیان[1] نے بھی اس کی گواہی دی تھی، آپ کی قوم سب سے افضل قوم، آپ کا قبیلہ سب سے افضل قبیلہ اور آپ کا کنبہ سب سے افضل کنبہ تھا۔

آپ محمد[2] بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان[3] تھے۔

---

(1) ابوسفیان کے ساتھ ہرقل کے قصے والی حدیث میں ہے کہ اس نے ان سے سوال کیا کہ تمہارے درمیان اس کا نسب کیسا ہے؟ تو ابو سفیان نے کہا تھا: وہ ہم میں بلند نسب والا ہے۔ اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب کیف کان بدء الوحی الی الرسول حدیث نمبر ۷ میں اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۷۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

(2) قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۴۶/۷) میں ان سے نقل کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا محمد نام قرآن کریم میں موجود ہے وہ اس طرح سے کہ اللہ رب العالمین نے آپ کی تعریف کی ہے قبل اس کے کہ لوگ آپ کی تعریف کریں، اسی طرح سے اللہ رب العالمین آپ کی تعریف آخرت میں بھی کریں گے اور ان کی شفاعت کو قبول کریں گے اور لوگ آپ کی تعریف کریں گے، اور سورہ حمد اور لوائے حمد اور مقام محمود آپ کے لئے ہی خاص ہے اور آپ کے لئے کھانے کے بعد اور پینے کے بعد اور دعا کے بعد اور سفر سے واپسی کے بعد اللہ کی تعریف کرنا مشروع قرار دی گئی ہے اور آپ کی امت کو "حمادون" کا نام دیا گیا ہے، لہذا آپ کے لئے حمد کے تمام معانی اور انواع کو جمع کر دیا گیا ہے۔

(3) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کے اتنے حصے کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب مناقب الانصار باب مبعث النبی میں ذکر کیا ہے، مزید دیکھئے: طبقات ابن سعد (۱/ ۲۳-۲۴)، زاد المعاد (۷۰/۱)، تاریخ طبری (۴۷۹/۱)، البدایۃ والنہایۃ (۶۵۳/۲)، دلائل نبوت از امام بیہقی (۱۸۱/۱)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں سے یہی حصہ متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی بھی اختلاف نہیں ہے[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ نسب جس کو ہم نے عدنان تک بیان کیا ہے اس میں کوئی شک اور کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ اور اجماع سے ثابت ہے[2]۔

● آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کی اصالت:

اللہ تعالی نے اپنے نبی کو خیر القرون، سب سے اچھے قبیلے اور سب سے اچھے خاندان سے اختیار کیا تھا، آپ اپنی قوم میں سب سے اچھے حسب و نسب اور سب سے عظیم شرف و مقام والے تھے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاں تک آپ کے شرف نسب، کرم بلد اور مقام نشو نما کی بات ہے تو یہ ان امور میں سے ہے جن پر دلیل کے قیام یا مشکل اور پوشیدہ کے وضاحت کی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ بنو ہاشم کے چنندہ تھے، قریش کے سلالہ اور صمیم تھے، عرب میں سب سے اشرف تھے، ان میں اپنے والد اور والدہ دونوں کی جانب سے سب سے بلند مقام والے تھے مکہ سے آپ کا تعلق تھا جو کہ اللہ اور اس کے بندوں کو سب سے محبوب ہے[3]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((میں بنو آدم کے تمام قرون میں خیر القرون میں مبعوث کیا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس زمانہ میں آیا))[4]۔

---

(1) دیکھئے: زاد المعاد (۱/۷۰)۔

(2) دیکھئے: الفصول في سيرة الرسول (۱/۳۴)۔

(3) دیکھئے: کتاب الشفا از قاضی عیاض (۱/۷۷)۔

(4) امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب المناقب باب صفة النبي میں حدیث نمبر (۳۵۵۷) پر ذکر کیا ہے، اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۹۳۹۲) پر نقل کیا ہے۔

اور ہرقل کے ساتھ ابوسفیان کے قصے والی حدیث میں ہے کہ اس نے ان سے پوچھا: اس کا نسب تمہارے درمیان کیسا ہے؟

تو ابوسفیان نے کہا: وہ ہم میں اعلی نسب والے ہیں[1]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں واثلہ بن الأسقع سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اللہ تعالی نے اسماعیل کی اولاد سے کنانہ کو چنا اور قریش کو کنانہ سے چنا اور قریش سے بنوہاشم کو چنا اور مجھے بنوہاشم سے چنا))[2]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ترمذی نے حسن سند سے مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ: عباس اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے گویا انہوں نے کچھ سنا ہو تو نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ((میں کون ہوں؟)) انہوں نے کہا: آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے کہا: ((میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ نے مخلوقات کو پیدا فرمایا پھر مجھے سب سے بہتر لوگوں میں بنایا، پھر انہیں دو فرقوں میں بانٹ دیا اور مجھے ان میں بہتر فرقے میں رکھا پھر انہیں قبیلوں میں بانٹا اور مجھے سب سے اچھے قبیلے میں رکھا، پھر انہیں گھروں میں بانٹا اور مجھے سب سے اچھے گھر میں رکھا تو میں تم میں سب اچھے گھر سے ہوں اور تم میں سب سے بہتر نفس ہوں))[3]۔

❁❁❁

---

(1) امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب بدء الوحی باب کیف کان بدء الوحی الی الرسول ﷺ میں حدیث نمبر (۷) پر، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجھاد والسیر باب کتاب النبی إلی ھرقل حدیث نمبر (۱۷۷۳) پر ذکر کیا ہے۔

(2) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر (۲۲۷۶) میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۶۹۸۷) پر ذکر کیا ہے۔

(3) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۷۸۸) پر، اور امام ترمذي نے اپنی جامع میں کتاب المناقب باب فضل النبی ﷺ حدیث نمبر (۳۹۳۵) اور ابن اثیر نے جامع الاصول (۶۳۳۸) میں ذکر کیا ہے۔

نسب نبوی ﷺ کی طہارت

آپ ﷺ پاکباز آباء کی پشت سے پاکدامن ماؤں کے رحم میں منتقل ہوتے رہے، آپ کے نسب شریف میں زنااور جاہلیت کی گندگی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا، آپ ایسے افراد کی نسل سے ہیں جوسب کے سب سردار، اشراف اور پاکباز تھے۔

ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں شواہد کے ساتھ حسن سند سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واسطے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ((میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں نہ کہ زنا سے، آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کے مجھے پیدا کرنے تک مجھے جاہلیت کی زناکاری کا شائبہ تک لاحق نہیں ہوا))[1]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں کہ : اللہ کی یہ سنت ہے کہ وہ ہر نبی کو اعلی شرف و نسب میں مبعوث فرماتے ہیں، تو ہمارے نبی محمد ﷺ اس کی چوٹی تھے، آپ کے سارے آباء فضائل و مکارم سے مالا مال تھے، اور آپ کی ساری مائیں نسب و مقام کے اعتبار سب سے بہترین خواتین تھیں اور یہ فضائل اور بشری کمالات برابر ایک سے دوسرے میں منتقل ہوتے رہے، یہاں تک کہ سب کے سب اولاد آدم کے سلالہ اور ابراہیم واسماعیل کی اولاد کے خالص ترین نسب میں جمع ہو گئیں یہ ہیں ہمارے آقا محمد ﷺ[2]۔

---

(1) اس کی تخریج ابو نعیم نے دلائل النبوہ (۱/۵۷) میں کی ہے اور سیوطی نے الخصائص الکبریٰ (ص ۴۲) میں اسے نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اسے البداية والنهاية (۱/۲۵۸) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ جید مرسل روایت ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کے ابن عباس عائشہ اور ابو ہریرہ رضی الله عنهم کے حوالے سے شواہد موجود ہیں جن کے ذریعے سے یہ حسن درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

دیکھئے: صحيح الجامع ازامام البانی رحمہ اللہ حدیث نمبر (۳۲۲۵)۔

(2) دیکھئے السيرة النبويه فى ضوء القرآن والسنة از دکتور محمد ابو شہبہ (۱/۱۵۸)۔

نبی ﷺ کا خاندان

نبی ﷺ کا خاندان آپ کے دادا ہاشم بن عبد مناف کی جانب نسبت سے ہاشمی خاندان سے جانا جاتا ہے ، سطور ذیل میں ہم ہاشم اور ان کے بعد کے لوگوں سے متعلق کچھ باتیں زیب قرطاس کررہے ہیں:

● ہاشم بن عبد مناف:

ہاشم کا نام عمرو تھا، وہ بہت مالدار اور بڑے مقام والے تھے، جب بنو عبد مناف اور بنو عبد الدار نے آپس میں ذمہ داریوں کی تقسیم کرلی تھی تو بنو عبد مناف کے بعد سقایہ (1) اور رفادہ (2) کی ذمہ داری ان کے پاس تھی۔

ان کو ہاشم اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے ہی سب سے پہلے اپنی قوم کے لئے مکہ میں روٹی توڑ کر ثرید (3) بنا کر انہیں کھلایا تھا اور انہوں نے ہی قریش کے لئے گرمی اور سردی کے دو سفر کی ابتدا کی تھی، وہ حجاج کو مکہ میں یوم ترویہ سے پہلے کھانا کھلایا کرتے تھے اسی طرح منی، مزدلفہ، عرفات میں بھی کھلاتے تھے وہ ان کے لئے روٹی اور گوشت، روٹی گھی، کھجور اور ستو (4) تیار کرتے تھے، اور ان کی خاطر منی میں پانی رکھتے تھے جسے وہ وہاں سے لوٹنے تک پیا کرتے تھے۔

اسی کے بارے میں عبداللہ بن زبعری کہتے ہیں:

---

(1) السقاية : کا مطلب ہے مکہ کے مختلف کنوؤں سے پانی جمع کرنا اور اسے کعبہ کے قریب رکھنا، اور بسا اوقات اسے کھجور یا کشمش وغیرہ سے میٹھا کیا جاتا تھا جس سے حاجی لوگ پیا کرتے تھے دیکھئے: النهاية (۳۴۲/۲)۔

(2) الرفادة: وہ کھانا جو حاجیوں کے لیے مہمان نوازی کے طور پر تیار کیا جاتا تھا۔ النهاية (۲۲۰/۲)۔

(3) حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں "ثرید": ثاء کے زبر اور راء کے زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہے روٹی کو گوشت کے سالن میں ملانا اور هشم کا معنی ہے روٹی کو توڑنا۔

(4) سویق (ستو): یہ گیہوں یا جو کا بنا ہوا ایک کھانا ہے جس میں انہیں بھون کر پیس دیا جاتا ہے اور اسے زاد راہ کے طور پر لیا جاتا ہے جسے پانی، گھی یا شہد کے ذریعے سے بھگا کر کھایا جاتا ہے، دیکھئے: شرح المواهب (۳۴۳/۲)، لسان العرب (۴۳۸/۶)۔

عمرو الذی ھشم الثرید لقومہ ورجال مکة مسنتون[1] عجاف

سنت إلیه الرحلتان کلاھما سفر الشتاء ورحلة الاصیاف

ہاشم کی کہانی میں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ شام کی جانب تجارت کے لئے نکلے جب مدینہ پہونچے تو انہوں نے بنی عدی بن نجار کے سلمی بنت عمرو سے شادی کی جو کہ ان سے پہلے قبیلہ اوس کے احیحہ بن حلاج کے عقد میں تھیں،ان کے شرف کی وجہ سے پورا اختیار انہیں کے ہاتھ میں تھا بایں طور کہ اگر آدمی کو ناپسند کرتیں تو وہی طلاق دیتیں، ہاشم نے انہیں خطبہ دیا جب انہوں نے آپ کی شرف ونسب کو جانا تو انہوں نے ہاشم سے نکاح کر لیا، پھر وہ ان کے ساتھ کچھ دن رہے پھر شام چلے گئے، وہ اپنے گھر والوں کے یہاں تھیں ان کے پیٹ میں شیبہ کی تخلیق شروع ہوگئی، ہاشم سرزمین فلسطین کے اندر غزہ میں فوت ہوگئے،اور سلمی کے یہاں بچے کی ولادت ہوئی، جن کا نام شیبہ رکھا اور ہاشم کی چار بیٹے: شیبہ،اسد،ابو صیفی،نضلہ،اور پانچ بیٹیاں: شفاء،خالدہ ،ضعیفہ،رقیہ اور حیہ (بعض روایت کے مطابق: حنہ) تھیں[2]۔

● عبدالمطلب بن ہاشم:

ہاشم نے اپنی وفات کے وقت اپنے بھائی کے لئے وصیت کی تھی جس سے ان کے بعد سقایہ اور رفادہ کی ذمہ داری ان کی ہوگئی، یہ اپنے قوم میں شرف وفضل کے مالک تھے قریش کے لوگ سخاوت اور فضل کی وجہ سے انہیں **فیض** کہا کرتے تھے۔

جب شیبہ بن ہاشم بڑے ہوگئے اور مطلب کو ان کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ ان کو تلاش کرنے کے لئے نکل پڑے، جیسے ہی انہوں نے شیبہ کو دیکھا اور ان میں ان کے والد کی مشابہت

---

(1) "مسنتون": یعنی انہیں قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا تھا اور "سنة": قحط سالی کے معنی میں ہے، کہا جاتا ہے: انہیں قحط سالی کا سامنا ہوا، جب ان کے یہاں بارش نہ ہو اور قحط سالی ہو، دیکھئے: النھایة (٣٧١/٢)۔

(2) اس کی تفصیل دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد (٣٤/١)، تاریخ طبري (٥٠٤/١)، البدایة و النھایة (٢٥٥/٢)۔

پر نظر پڑی فوراً وہ آبدیدہ ہوگئے، اور انہیں سینے سے لگالیا انہیں یمنی جوڑا پہنایا، اور انہیں اپنے سواری پر پیچھے بٹھالیا، شیبہ نے اپنے چچا سے کہا: میں اپنی ماں کو ان کی اجازت کے بغیر چھوڑ کر نہیں جاسکتا، مطلب نے ان سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے انکار کر دیا، تو انہوں نے ان سے کہا کہ: میں انہیں لئے بغیر نہیں جاسکتا میرا بھتیجا بڑا ہو گیا ہے اور وہ اپنے قوم سے دور ہے، اور ہم اپنے قوم میں بڑے مقام و مرتبہ والے ہیں ان کے بہت سے معاملات ہمارے ذمہ ہیں، اس کا قوم، شہر اور اس کا خاندان اس کے لئے غیروں میں رہنے سے زیادہ بہتر ہے، چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی، تو آپ نے انہیں سوار کیا اور ان کو لے کر مکہ پہونچ گئے، اس وقت قریش نے کہا: یہ مطلب ہیں انہوں نے غلام خریدا ہے اسی لئے شیبہ کو عبدالمطلب کہا جانے لگا۔

پھر مطلب نے کہا: تمہاری بربادی ہو یہ میرا بھتیجا ہے میں اسے مدینہ سے لایا ہوں[1]۔

● مطلب بن عبد مناف کی وفات:

عبدالمطلب بڑے ہونے تک مکہ ہی میں مقیم رہے، مطلب بن عبد مناف تجارت کے لئے گئے تھے، وہ یمن کے اندر **ردمان** نامی جگہ پر فوت ہوگئے تو ان کے بعد عبدالمطلب نے سقایہ اور رفادہ کی ذمہ داری اٹھائی اور اس کا لوگوں کے لئے انتظام کیا، انہوں نے اپنے باپ داوں کی طرح لوگوں کی خدمت کی، عبدالمطلب تندرست گورے خوبصورت لمبے اور فصیح زبان والے نوجوان تھے، جو بھی انہیں دیکھتا انسے محبت کرتا، انہیں اپنی قوم میں اپنے آباء واجداد سے بڑھ کر مقام و مرتبہ ملا، ان کی قوم ان سے محبت کرتی ان کا مقام اپنے قوم میں بلند ہوا یہاں کہ کثرت تعریف کے سبب انہیں شیبۃ الحمد کہا جانے لگا، سخاوت کی وجہ سے انہیں فیاض بھی کہا جاتا اور انہیں آسمان میں پرندوں کو کھلانے والا بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ وہ اپنے دستر خوان سے چڑیوں اور درندوں کے لئے پہاڑوں پر کھانا رکھ دیتے تھے۔

---

(1) دیکھئے: تاریخ طبری (۱/ ۵۰۱-۵۰۲)، الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۳۷)، الروض الأنف (۱/ ۲۳)۔

عبدالمط لب کے کرم وسخاوت کی شہرت پر دلائل میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں اور طحاوی نے مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ شیخین کی شرط پر حضرت عمران بن حصین کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ حصین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسلام سے قبل آئے اور کہا: اے محمد عبدالمط لب تمہارے قوم کے لئے تم سے بہت اچھے تھے: وہ انہیں کلیجی اور کوہان کھلایا کرتے تھے...[1]۔

عبدالمطلب کی یہ عظمت صرف قریش کے نزدیک نہ تھی، بلکہ پورے جزیرہ عرب میں ان کی عظمت مسلم تھی، ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ جب یمن میں معدیکرب بن ذی یزن نے بادشاہت سنبھالا تو وہ اسے مبارکباد دینے گئے تھے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ عبدالمط لب کی عرب کے بادشاہوں کے نزدیک کافی اہمیت تھی، اسی طرح یہ قریش کے نزدیک بھی ان کی قدر و منزلت پر دلیل ہے کیونکہ وہی اس طرح کے عظیم واقعات میں ان کے وفد کے رئیس ہوا کرتے تھے[2]۔

(1) اس حدیث کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۹۹۹۲)، پر اور طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر (۲۵۲۵)، پر کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے الاصابۃ (۲/۷۶) میں نقل کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

(2) دیکھئے: شرح المواھب: (۱/۲۷۱)۔

عبدالمطلب کی زندگی کے اہم واقعات

عبدالمطلب کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات میں سے دو واقعات اہم ہیں: بئر زمزم کی کھدائی اور حادثہ فیل۔

● زمزم[1]:

یہ اللہ کی طرف سے سیرابی کا ذریعہ تھا، اس واقعہ کا خلاصہ دلائل النبوہ میں امام بیہقی نے صحیح سند سے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نے کہا: میں حجر میں سویا ہوا تھا کہ میرے پاس کوئی آیا[2] اور کہنے لگا طیبہ[3] کو کھودو، وہ کہتے ہیں: میں نے کہا طیبہ کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں: پھر وہ میرے پاس سے چلے گئے، وہ کہتے ہیں: پھر دوسرے دن وہ جب میں اپنے بستر پر جا کر سوئے تو وہ پھر آئے اور کہا برہ[4] کو کھودو، وہ کہتے ہیں: میں نے کہا برۃ کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں: پھر وہ میرے پاس سے چلے گیا، پھر جب تیسرا دن آیا اور میں اپنے سونے کی جگہ گیا اور وہاں سو گیا اس وقت میرے پاس وہ آیا اور کہنے لگا تم مضنونہ کی کھدائی کرو، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: مضنو

---

(1) زمزم: مکہ مکرمہ میں ایک مشہور کنواں ہے، دیکھئے: النهاية (۲/۲۸۲)۔
اور اس کے پانی کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں، جیسے:
امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۴۷۳) پر ابوذر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((یہ مبارک ہے یہ کھانے والے کے لئے کھانا ہے))۔
امام نووی مسلم کی شرح (۱۶/۲۶) میں فرماتے ہیں: یعنی: اس کا پینے والا اسی طرح سے آسودہ ہوگا جیسا کہ کھانا کھانے سے آسودہ ہوتا ہے۔

(2) یعنی خواب میں۔

(3) سہیلی الروض الانف (۱/۲۵۸) میں کہتے ہیں: کیونکہ وہ ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کی اولاد میں سے پاک مردوں اور عورتوں کے لئے ہے۔

(4) سہیلی الروض الانف (۱/۲۵۸) میں کہتے ہیں: یہ اس پر صادق آنے والا نام ہے کیونکہ وہ نیک لوگوں کے لئے بہنے والا ہے اور فاسق و فاجر سے دور ہونے والا ہے۔

نہ[1] کیا ہے ؟ وہ کہتے ہیں پھر وہ میرے پاس سے چلا گیا، جب اس کے بعد کا دن تھا اور میں اپنے کی جگہ گیا اور وہاں سو گیا پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا تم زمزم[2] کی ھدائی کرو، وہ کہتے ہیں میں نے کہا: زمزم کیا ہے ؟ اس نے کہا: اس کا پانی کبھی بھی ختم نہ ہوگا[3] اور نہ ہی اس میں کوئی عیب ہوگا ،اس سے حاجی لوگ سیراب ہوں گے اور یہ گوبر اور خون کے درمیان وہاں ہوگا، جہاں پر سفید پروں والا کوا چیونٹیوں کی بستی[4] کے پاس ٹھوڑ مارے گا۔

وہ کہتے ہیں: جب ان کو اس کے بارے میں بتا دیا گیا اور اس کے جگہ کی رہنمائی کر دی گئی اور انہیں پتہ چل گیا کہ وہ صحیح بات ہے تو وہ صبح سویرے کدال لے کر گئے ان کے ساتھ ان کے بیٹے حارث بن عبدالمطلب بھی تھے، اس وقت ان کے یہاں ان کے علاوہ کوئی اور اولاد نہ تھی، چنانچہ انہوں نے اسے کھودا ،اور جب عبدالمطلب کے لئے منڈیر ظاہر ہوئی تو انہوں نے تکبیر کہی، جس سے قریش نے یہ جان لیا کہ انہوں نے اپنی مقصد کو پا لیا ہے، چنانچہ وہ لوگ ان کے پاس گئے اور کہا اے عبدالمطلب جب یہ ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے تو تم اپنے ساتھ ہمیں بھی شامل کر لو تو انہوں نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا یہ ایسا معاملہ ہے جس میں میں تمہارے علاوہ اکیلا اس کا حقدار ہوں اور یہ صرف مجھے ہی دیا گیا ہے تو ان لوگوں نے ان سے کہا: ہاں

---

(1) سہیلی الروض الانف (۱/ ۲۵۸-۲۵۹) میں کہتے ہیں کہ : کیونکہ غیر مومنوں سے روک لیا گیا ہے، چنانچہ اس سے منافق کبھی سیراب نہیں ہو سکتا اور تضلع کا معنی ہے، جو زیادہ پئے یہاں تک کہ اس کے بازو اور ہڈیاں پھیل جائیں، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((بے شک ہمارے اور منافقین کے درمیان نشانی یہ ہے کہ وہ زمزم سے سیراب نہ ہونگے)) اس کی روایت امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر (۳۰۶۱) پر کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

(2) زمزم: اس کا یہ نام اس کے پانی کی کثرت کی وجہ سے پڑا، دیکھئے: النھایۃ (۲/۲۸۲)۔

(3) یعنی اس کا پانی کثرت سے پینے کے باوجود بھی ختم نہ ہوگا، النھایۃ (۵/۳۶)۔

(4) امام سہیلی الروض الانف میں کہتے ہیں: رہی بات چیونٹیوں کی بستیوں کی تو اس میں مشاکلت اور مناسبت پائی جاتی ہے، معنی یہ ہے کہ: زمزم مکہ کا وہ چشمہ ہے جس سے حاجی اور ہر جانب سے عمرہ کرنے کے لئے آنے والے پانی پیتے ہیں لوگ یہاں آتے وقت گیہوں اور جو وغیرہ لے کر آتے ہیں اور یہ سرزمین ایسی ہے جس میں نہ کھیتی کی جاتی ہے نہ فصل اگائی جاتی ہے اور چوٹیوں کی بستیوں میں بھی کھیتی نہیں ہوتی اور نہ ہی بیج بوئے جاتے ہیں بلکہ چوٹیاں دانے اپنی بستی کی جانب ہر طرف سے لے کر آتی ہیں۔

توتم ہمیں آدھا حصہ دے دو کیوں کہ ہم تمہیں چھوڑنے والے نہیں ہیں اور اس میں ہم تم سے حصہ لے کر ہی رہیں گے، انہوں نے کہا: ہاں تو تم میرے اور اپنے درمیان جس کو چاہو فیصلہ کرنے والا بنا دو میں اس کی طرف تمہارے اس بات کو پیش کروں گا تو انہوں نے کہا: ہاں بنو سعد کی عورت ہذیم، توانہوں نے کہا: ہاں وہ اس وقت شام کے بالائی علاقے کے معان نامی جگہ پر رہا کرتی تھی چنانچہ وہ لوگ اس کی جانب نکلے اور عبدالمطلب کے ساتھ بنو عبد مناف سے بھی ۲۰ لوگ نکلے اور قریش بھی اپنے قبیلوں میں سے ۲۰ لوگوں کو لے کر نکلے، چنانچہ جب وہ وہ شام کے راستے میں فقیر نامی جگہ یا اس کے برابر تھے تو عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا اور وہ پیاس کی شدت کے شکار ہوئے یہاں تک کہ انہیں ہلاک ہونے کا یقین ہو گیا، تو انہوں نے اپنے ساتھ موجود قریش کے قبیلوں سے پانی طلب کیا مگر انہوں نے انکار کیا تو انہوں نے کہا: ہم صحراء میں ہیں اور ہم اپنے آپ پر اسی چیز کا خدشہ محسوس کرتے ہیں جو تمہیں لاحق ہوا ہے چنانچہ جب عبدالمطلب نے لوگوں کے اس حرکت کو دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ وہ اور اس کے ساتھی کس حال میں ہیں تو انہوں نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کی رائے کے تابع ہیں تو آپ جو چاہیں ہمیں حکم دیں، تو انہوں نے کہا میرا خیال ہے کہ کی تم میں سے ہر شخص اپنے اپنے لیے ابھی اپنی طاقت کے اعتبار سے ایک گڑھا کھودے تاکہ جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو تو اس کا ساتھی اسے اس کے گڑھے میں ڈھکیل دے اور اسے سب لوگ اس میں دفن کر دیں، یہاں تک کہ تم میں سے صرف ایک ہی شخص بچے کیونکہ ایک شخص کا ضائع ہونا پورے لشکر کے ضائع ہونے سے آسان ہے، چنانچہ انہوں نے قبر کھودے اور پھر پیاس کی وجہ سے موت کے انتظار میں بیٹھ گئے گئے تو عبدالمطلب نے کہا: اللہ کی قسم ہمارا اس طرح سے خود کو موت کے ہاتھ میں ڈالنا اور زمین پر نہ چلنا اور نہ ہی اپنے لئے کسی چیز کو تلاش کرنا یہ عاجزی ہے، ہو سکتا ہے اللہ رب العالمین ہمیں کہیں پانی عطا کر دے تم سفر کرو اور عبدالمطلب اپنے سواری کے پاس گئے اور اس پر سوار ہوئے پھر جب اسے لے کر چل پڑے تو اس کے پیر کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ نکلا، عبدالمطلب نے تکبیر کہی اور سب لوگوں نے تکبیر کہی اور سب لوگوں

نے ایک ساتھ پانی پیااور انہوں نے اپنے پاس پانی بھی جمع کیا، پھر قریش کے قبائل کو بلایااور ان سے کہا: آؤ یہ پانی لے لو اللہ نے ہمیں پانی پلا دیا ہے، چنانچہ انھوں نے بھی پیااور اپنے ساتھ پانی لیااور انہیں عبدالمطلب کی فضیلت کا علم ہو گیااور انہوں نے ان سے کہا: اللہ کی قسم تمہارے لئے عبدالمطلب ہمارے اوپر فیصلہ کر دیا گیا ہے، اللہ کی قسم ہم زمزم کے سلسلے میں کبھی بھی تم سے جھگڑا نہ کریں گے، بے شک جس نے اس چٹیل میدان پہ تمہیں یہ پانی پلائی ہے اسی نے تمہیں زمزم کا پانی عطا کیا ہے تو تم اپنے پانی کی طرف آرام سے جاؤ، چنانچہ وہ اور سارے لوگ واپس ہو گئے اور کاہنہ عورت کے پاس نہ گئے اور لوگوں نے ان کے اور زمزم کے درمیان آنے سے اجتناب کیا[(1)]۔

اس وقت عبدالمطلب نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے عطا کئے اور وہ اس حالت کو پہنچ گئے کہ وہ ان کے ساتھ مل کر لڑائی کر سکیں تو ان میں سے کعبہ کے پاس ایک کو نحر کریں گے۔

● غیر صحیح روایات:

رہی بات اس کی جسے ابن سعد نے اپنے طبقات[(2)] میں ذکر کیا ہے کہ: جب عبدالمطلب نے زمزم کے کنویں کو کھودا تو اس میں انہوں نے ایک ہرن اور سونے کا ہتھیار پایا تو یہ ساری روایات ضعیف ہیں، ان میں سے کوئی بھی چیز ثابت شدہ نہیں ہے۔

❀❀❀

---

(1) عبدالمطلب کے ہاتھ پر زمزم کی کھدائی کا قصہ امام بیہقی نے دلائل نبوت (۹۳/۱) میں نقل کیا ہے۔

(2) دیکھئے: الطبقات الکبری، لابن سعد (۳۸/۱)۔

ہاتھی کا واقعہ

ہاتھی کا واقعہ بھی بہت بڑا حادثہ ہے، عرب کی تاریخ میں کوئی ایسا حادثہ پیش نہ آیا، یہ کسی بڑے واقعہ کے رونما ہونے اور عرب کے ساتھ اللہ کے بھلائی کے ارادے اور کعبہ کے اس مقام پر دلیل تھا جو دنیا میں کسی بھی اور گھر یا مرکز عبادت کا نہیں، اور یہ کہ اس سے ایک پیغام اور دیانات کی تاریخ کا ایک دور، اور انسانیت کا وہ انجام جڑا تھا جس کی ادائیگی اور اس پر عمل از حد ضروری تھا[1]۔

یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ابرہہ اشرم نامی یمن پر نجاشی کے گورنر نے صنعاء میں ایک عظیم کنیسہ تعمیر کرائی جس کے مثل روئے زمین پر کوئی دوسری عمارت نہ دیکھی گئی اس کا نام قلیس[2] رکھا گیا پھر اس نے نجاشی کے پاس خط لکھا کہ بادشاہ سلامت میں نے آپ کے لئے ایک ایسا کنیسہ تعمیر کیا ہے جس کے مثل آپ سے پہلے کسی بادشاہ کے لئے نہیں بنائی گئی اور میں عربوں کے حج کو اس کی طرف موڑے بغیر نہیں رہوں گا۔

جب عرب کے لوگوں کو ابرہہ کی طرف سے نجاشی کو لکھے گئے اس خط کی اطلاع ہوئی تو یہ بات قبیلہ کنانہ کے ایک فرد نے سنی جو اس پر بھاری گذری وہ بھی ان عربوں ہی میں سے تھا، جنہیں کعبہ سے بہت محبت تھی وہ اس کی خوب تعظیم کرتے تھے اس کے مقابل کسی گھر کو نہیں شمار کرتے تھے۔نہ ہی کسی کو اس کا بدل مان سکتے تھے، لہذا وہ شخص گیا اور رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کے قبلہ کی جگہ گندگی پھیلادی اور مردار جمع کر کے وہاں رکھ دیا۔

---

(1) دیکھئے: السیرۃ النبویۃ از ابوالحسن الندوی رحمہ اللہ ص ۷۷۔

(2) امام سہیلی الروض الانف (۱/۱۱۲) میں فرماتے ہیں: ...ابرہہ نے اہل یمن کو اس ذلیل کنیسہ کی تعمیر کے لئے اپنا غلام بنایا تھا اور اس کے لئے سنگ مرمر اور اور تخت بلقیس سے سونے سے منقوش پتھر لے کر آیا تھا اور اس میں سونے اور چاندی کے صلیب نصب کئے تھے اور اس نے ارادہ کیا تھا کہ اس کی عمارت کو بلند بنائے تاکہ عدن پر اس کے ذریعہ سے نگرانی رکھے اور اس نے کاریگر کو یہ حکم دیا تھا کہ اگر سورج طلوع ہو گیا اور اس نے اپنے کام کو مکمل نہ کیا تو ان کے ہاتھ کو کاٹ دیا جائے گا۔

اس وقت ابرہہ کو غصہ آیا اور اس نے قسم کھائی کہ وہ بیت اللہ جا کر اسے ڈھادے گا، پھر وہ بڑی سی فوج لے کر چل پڑا، اس کے ساتھ ۹ یا ۱۳ ہاتھی بھی تھے، اس نے اپنے لئے سب سے بڑے ہاتھی کا انتخاب کیا جس کا نام "محمود" تھا، عرب نے اس کے بارے میں سن رکھا تھا، انہیں یہ خبر بجلی گرنے کے مانند لگی، انہیں یہ بات بڑی لگی اور جب انہوں نے سنا کہ وہ کعبہ کو ڈھانا چاہتا ہے تو انہوں نے اس سے لڑنے کو اپنے اوپر ضروری سمجھا، یمن کے اشراف اور بادشاہوں میں سے ذو نفر نامی ایک شخص اس کے پاس گیا، اور اس نے اپنی قوم اور ابرہہ سے لڑنے اور بیت اللہ کو ہدم و خراب کرنے سے بچانے کے لئے اس سے جہاد کے لئے تیار عرب کے لوگوں کو بلایا، اس نے ان کا سامنا کیا اور جنگ ہوئی تو ذو نفر اور اس کے ساتھی شکست کھا گئے اور ذو نفر اس کے پاس قیدی بنا کر لے جایا گیا جب ابرہہ نے اسے قتل کرنا چاہا تو ذو نفر نے اس سے کہا: اے بادشاہ تو مجھے قتل نہ کر ہو سکتا ہے میرا تیرے ساتھ زندہ رہنا تیرے لئے بہتر ہو لہذا اس نے اس کو قتل نہیں کیا اور اپنے پاس مضبوط رسی سے باندھ دیا، اور ابرہہ اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے چلتا رہا یہاں تک کہ خثعم قبیلے کی سرزمین پر پہونچ گیا وہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے خثعم کے دو قبیلے شہران اور ناہس اور عرب قبیلوں میں اس کے پیروکاروں کے ساتھ اس کا سامنا کیا اور قتال کیا ابرہہ نے انہیں بھی سکشت دے دی اور نفیل قیدی بنا کر ابرہہ کے پاس لایا گیا، ابرہہ نے جب اسے قتل کرنا چاہا تو اس نے کہا: اے بادشاہ تو مجھے قتل مت کر میں تجھے عرب کی سرزمین تک پہونچنے میں رہنمائی کروں گا اور خثعم کے دونوں قبیلوں شہران اور ناہس کے سمع و طاعت کے طور پر میرے دو ہاتھ آپ کے سامنے ہیں، لہذا اس نے اسے چھوڑ دیا اور وہ اس کے ساتھ رہنمائی کرتا رہا جب طائف پہونچے تو مسعود بن معتب ثقفی ثقیف کے کچھ لوگوں کے ساتھ نکلا اور اس سے کہا: اے بادشاہ ہم تیرے غلام اور تیری فرماں برادری کرنے والے ہیں ہم تمہارے مخالف نہیں ہیں اور ہمارا بیت وہ نہیں جہاں تم جارہے ہو، وہ لات کو مراد لے رہے تھے جو کہ طائف میں ان کا گھر تھا جس کی وہ کھانے کعبہ کی طرح تعظیم کیا کرتے تھے بلکہ تم اس گھر کا ارادہ کرتے ہو جو مکہ میں ہے اور ہم تمہارے ساتھ ایسے شخص کو بھیج دیں

گے جو اس سے متعلق تمہاری رہنمائی کرے گا تو تم اس کے ساتھ در گزر کا معاملہ کرنا، چنانچہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ ایک شخص کو بھیجا جس کا نام ابو رغال تھا جو مکہ کی جانب اس کی رہنمائی کر رہا تھا چنانچہ ابرہہ نکلا اس وقت اس کے ساتھ اس کا راستہ بتانے والا شخص بھی تھا یہاں تک کہ اسے مکہ سے قریب طائف کے راستے میں مغمس[1] نامی جگہ پر لے گیا اور وہاں پر ابرہہ نے اپنے ساتھیوں کو لوگوں کے مویشیوں پر دھاوا بولنے کا حکم دیا چنانچہ حبشیوں میں سے ایک شخص کو اس کے گھوڑے پر بھیجا جسے اسود بن مقصود کو کہا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ مکہ پہنچا اور اس کے پاس قریش وغیرہ کے اموال کو ہانک لایا جن میں سے ۲۰۰ اونٹ عبدالمطلب بن ہاشم کے بھی تھے جو نبی صلی اللہ وسلم کے دادا تھے وہ ان دنوں قریش کے مکھیا اور سردار تھے تو قریش، کنانہ اور ہذیل کے لوگ اور جو اس جانب کے تھے ان کے قتال کا ارادہ کیا پھر انہوں نے جان لیا کہ ان کے پاس اس کی طاقت نہیں ہے تو انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔

اور ابرہہ نے (**حناطہ حمیری**) کو مکہ کی جانب بھیجا اور اس سے کہا کہ اس شہر کے سردار سے متعلق پوچھنا پھر اس سے کہنا بادشاہ تم سے کہہ رہے ہیں کہ میں تم سے جنگ کے لئے نہیں آیا ہوں میں صرف اس گھر کے منہدم کرنے کے لیے آیا ہوں، اگر تم اس کو بچانے کے لیے جنگ پر آمادہ نہ ہو تو مجھے تمہارے خون کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر اسے مجھ سے جنگ کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو میرے پاس لے کر آنا چنانچہ جب **حناطہ** مکہ میں داخل ہوا اور عبدالمطلب کے پاس گیا تو اس نے عبدالمطلب کو وہ خبر دیں جو ابرہہ نے اسے حکم دیا تھا تو اس سے عبدالمطلب نے کہا اللہ کی قسم ہم اس سے جنگ نہیں لڑنا چاہتے ہمارے پاس اس کی طاقت ہی نہیں ہے، یہ اللہ اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا گھر ہے، اگر وہ اس کو بچائے تو وہ اسی کا گھر اور حرم ہے اور اگر وہ نہ بچائے تو اللہ کی قسم ہمارے پاس اسے بچانے کی طاقت نہیں، اس پر حناطہ نے کہا: میرے ساتھ اس کے پاس چلو،

(1) مغمس: طائف کے راستے میں مکہ سے قریب ایک جگہ کا نام ہے، دیکھئے: معجم البلدان: (۱۸۸/۵)۔

عبدالمطلب اوران کے کچھ بیٹے اس کے پاس گئے، یہاں تک کہ فوج کے پاس پہونچ گئے اور ذو نفر کے بارے میں دریافت کیا جو کہ اس کا دوست تھا اس کے پاس اس کے قید کی جگہ گیا اور اس سے کہا اے ذو نفر کیا تم اس مصیبت میں ہماری کچھ مدد کر سکتے ہو؟ اس سے ذو نفر نے کہا ایک قیدی جو ایسے بادشاہ کے ہاتھ ہو جو اسے کبھی بھی قتل کر سکتا ہے وہ آخر کیا مدد کرے گا؟ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا، ہاں مگر ہاتھی چلانے والا انیس نامی شخص میرا دوست ہے میں اس کے پاس کسی کو بھیج کر تمہارے ساتھ تعاون کی وصیت کردوں گا اس پر تمہارے عظیم حق کا تذکرہ کرکے کہوں گا کہ تمہارے لئے بادشاہ تک پہونچنے کی اجازت مانگے، پھر وہاں تم اپنے حساب سے بات کر لینا، اور وہ بھی حسب استطاعت تمہارے لئے وہاں سفارش کردے گا، توانہوں نے کہا: میرے لئے اتنا کافی ہے، لہذا ذو نفر نے انیس کے پاس قاصد بھیجا اور اس سے کہا: عبدالمطلب قریش کے سردار اور عیر مکہ کے قائد ہیں یہ زمیں پر لوگوں کو کھلاتے ہیں اور پہاڑوں پر درندوں کو اور بادشاہ نے ان کے دو سو اونٹ اپنے قبضہ میں لے لئے ہیں، توتم ان کے لئے بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت مانگو اور حسب استطاعت بادشاہ کے پاس ان کی مدد کرو۔

● عبدالمطلب کا بادشاہ کے پاس جانا:

انیس نے ایسا ہی کیا اور ابرہہ نے عبدالمطلب کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دی عبدالمطلب بہت خوبصورت تھے، سب سے حسین اور سب سے عظیم تھے جب ابرہہ نے دیکھا توان کی عزت کی ان کی تعظیم کی اور انہیں نیچے بٹھانا گوارا نہ کیا اور یہ بھی ناپسند کیا کہ حبشہ والے انہیں اس کی شاہی کرسی پر ساتھ بیٹھا دیکھیں لہذا وہ اپنی کرسی یا چارپائی سے اتر گیا اور اپنے قالین پر بیٹھ گیا اور انہیں بھی اپنے بغل میں ساتھ بٹھایا، پھر بادشاہ نے ترجمان سے انہیں اپنی بات رکھنے کو کہا: ترجمان نے یہ بات ان سے کہی توانہوں نے کہا: بات یہ ہے کہ بادشاہ میرے دو سو اونٹ واپس کردے، جب انہوں اس سے یہ کہا تو بادشاہ نے ترجمان سے کہا ان سے کہو مجھے آپ دیکھتے ہی پسند

آ گئے پھر جب آپ نے مجھ سے بات کی تو میں نے خاکساری دکھائی کیا تم مجھ سے دوسو اونٹ کی بات کر رہے ہو جو میں نے لیا ہے اور اپنے اور اپنے اجداد کے دین سے متعلق گھر جس کو ہم ڈھانے آئے ہیں اسے چھوڑ رہے ہو اس کے بارے میں بات نہیں کر رہے ہو؟

عبدالمطلب نے اس سے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اور بیت کا مالک دوسرا ہے وہ اسکی حفاظت کرے گا، پھر ابرہہ نے کہا: وہ مجھ سے نہیں بچ پائے گا انہوں نے کہا: تم اور وہ جانو۔

ابرہہ نے عبدالمطلب کے اونٹ انہیں واپس کرنے کا حکم دیا، جب انہوں نے اپنے اونٹ لے لیا انہیں علامت لگائی[1] اور ان کا اشعار[2] کیا اور انہیں ہدی بنا دیا اور انہیں حرم میں پھیلا دیا تاکہ اس کا کچھ حصہ حرم میں لگے اور حرم کے مالک کو غصہ آئے پھر عبدالمطلب کھڑے ہو کر کعبہ کے دروازے کے حلقے کو پکڑ کر دعا کرنے لگے اور کہہ رہے تھے:

لا هم إن المرء يمنع رحله فامنع رحالك

لا يغلبن صليبهم و محالهم غدوا محالك

إن كنت تاركهم و قبلتنا فأمر ما بدا لك

اور عبدالمطلب نے اپنی قوم کو فوج کی جانب سے نقصان پہونچنے کے خوف سے گھاٹیوں میں بکھر جانے اور پہاڑوں کے اوپر پناہ حاصل کرنے کا اشارہ دیا، کیونکہ انہوں نے جان لیا تھا کہ ابرہہ اور اسکے لشکر سے مقابلے کی طاقت ان میں نہیں اور کعبہ کا ایک رب ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔

---

(1) یعنی اس کے گردن میں ایک علامت ڈال دی جائے جس کے ذریعے سے یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے، لسان العرب: (۲۷۶/۱۱)۔

(2) اشعار: یعنی اس پر علامت لگا دی جس کا معنی یہ ہے کہ اس کے چمڑے کو چیر دیا جائے یا اس کے کوہان میں کسی ایک جانب زخم کر دیا جائے یہاں تک کہ اس سے خون نکل آئے اور اسے پہچان لیا جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے، دیکھئے: لسان العرب (۱۳۵/۷)۔

ابرہہ نے مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اپنے لشکر کو ترتیب دی اور اپنی ہاتھی کو تیار کیا جب وہ مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی محسر میں پہونچا تو ہاتھی بیٹھ گیا اور کعبہ کی جانب بڑھنے کو تیار نہ ہوا کہا جاتا ہے کہ جب انہوں نے ہاتھی کو مکہ کی جانب موڑا اسی وقت نفیل بن حبیب خثعمی آئے اور ہاتھی کے بغل میں کھڑے ہوگئے، اور اس کے کان کو پکڑ کر اسے کہا: محمود بیٹھ جاؤ کیونکہ تم بلد حرام میں ہو پھر اس کا کان چھوڑ دیا اور ہاتھی بیٹھ گیا اور نفیل بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا ان لوگوں نے ہاتھی کو کھڑا کرنے کے لئے اسے مارا مگر وہ تیار نہ ہوا، کھڑا کرنے کے لئے اس کے سر پر بھی مارا مگر تیار نہ ہوا اسے یمن کی جانب موڑا تو وہ تیار ہو گیا، اور تیزی سے چلنے لگا، شام کی جانب موڑا اس طرف بھی چلنے لگا مشرق کی جانب موڑا اس طرف بھی چل پڑا مگر مکہ کی جانب موڑتے ہی بیٹھ جاتا۔

● ابابیل چڑیوں کا پہونچنا:

وہ اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ان پر سمندر کی جانب سے صف بستہ چڑیوں[1] کو بھیج دیا، ہر چڑیے کے ساتھ تین پتھر تھے، ایک پتھر چونچ میں دو اس کے پیر میں ان پتھروں کا حجم چنے یا دال کے مانند تھا، ان میں سے وہ جس کو بھی لگتا اس کے اعضاء کٹ جاتے اور وہ ہلاک ہو جاتا، ان سب کو وہ لاحق نہ ہوا تھا بلکہ کچھ جس راستے آئے تھے اسی راستے بھاگ کھڑے ہوئے، اور وہ نفیل بن حبیب سے یمن کے راستے کی رہنمائی مانگتے، نفیل نے ان پر نازل شدہ عذاب الٰہی کو دیکھ کر فرمایا:

أين المفر والإله الطالب — والاشرم المغلوب ليس الغالب

اور یہ بھی کہا کہ:

ألا حييت عنا يا ردينا — نعمناكم مع الإصباح عينا
ردينة، لو رأيت فلا تريه — لدى جنب المحصب ما رأينا
إذا لعذرتني وحمدت أمري — ولم تأسى على ما فات بينا

---

(1) أبابيل: یکے بعد دیگرے صف بستہ جماعتیں، تفسیر ابن کثیر (۴۷۸/۸)۔

حمدت الله إذ أبصرت طيرا | وخفت حجارة تلقى علينا
وكل القوم يسأل عن نفيل | كان علي للحبشان دينا

وہ لوگ جاتے ہوئے راستے میں گرپڑرہے تھے، اور ہر طرف ہلاک ہورہے تھے۔

●ابرہہ الاشرم کی ہلاکت:

اور ابرہہ اشرم پر اللہ نے ایک بیماری بھیج دی جس سے اس کی انگلی کے کنارے[1] یکے بعد دیگرے گررہے تھے، وہ صنعاء پہونچنے سے پہلے چڑیا کے بچے کے مانند ہوگیا اور اس کا سینہ اس کے دل سے پھٹ گیا اور وہ بری موت مرا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ (١) أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (٢) وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ (٣) تَرْمِيهِم بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ (٤) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ (٥)﴾ [سورہ فیل: ۱-۵]۔

جب اللہ نے حبشہ کو مکہ سے لوٹادیا اور انہیں اللہ کا عذاب لاحق ہوچکا تو عرب کے لوگ قریش کو عظمت کی نگاہ سے دیکھنے لگے، اور کہا وہ اللہ والے ہیں اللہ نے ان کی جانب سے جنگ کی اور دشمن کے مقابلے ان کی طرف سے اللہ کافی رہا، اور وہ اور زیادہ بیت اللہ کی تعظیم کرنے لگے، اور انہیں اللہ کی عظمت پر ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے اس بارے میں کئی اشعار کہے جن میں وہ حبشہ کے ساتھ اللہ کے عذاب اور قریش سے ان کے مکر کے دفاع کا تذکرہ کرتے ہیں، انہیں میں سے عبداللہ بن زبعری کا یہ شعر بھی ہے:

تنكلوا عن بطن مكة إنها | كانت قديماً لا يرام حريمها
لم تخلق الشعرى ليالي حرمت | إذ لا عزيز من الانام يرومها
سائل أمير الجيش عنها ما رأى | ولسوف ينبي الجاهلين عليمها

(1) یعنی انگلیوں کے اوپری سرے، دیکھئے: لسان العرب (۲۹۵/۱۴)۔

ستون ألفا لم يؤوبوا أرضهم   بل لن يعش بعد الإياب سقيمها

دانت بها عاد و جرهم قبلهم   والله من فوق العباد يقيمها

اور یہ حادثہ ماہ محرم میں مولد نبوی سے پچاس یا پچپن دن قبل پیش آیا تھا جو کہ اللہ کی نشانیوں اور مکہ کو بتوں سے پاک کرنے اور اس کی کھوئی شان و شوکت کو واپس لانے کے لئے وہاں پر ایک نبی کی بعثت کے پیش خیموں میں سے تھا تاکہ اس کے دین کا ہمیشہ ہمیش کے لئے اس گھر سے گہرا تعلق ہو جائے۔

اور عرب کے لوگوں نے اس واقعہ کو بڑا جانا اور اس سے انہوں نے اپنی تاریخ جوڑ دی اور کہا یہ عام الفیل میں واقع ہوا تھا، اور فلان عام الفیل میں پیدا ہوا اور یہ عام الفیل کے اتنے دن بعد پیش آیا[1]۔

---

(1) اصحاب فیل کے قصے کی تفصیل دیکھئے: البداية والنهاية (۵۶۵/۲)، سيرة ابن هشام (۷٦/۱)، الروض الأنف (۱۱۷/۱)، دلائل النبوة، لابی نعیم (۱۴۴/۱)، دلائل النبوة، للبیھقی (۱۱۵/۱)۔

عبدالمطلب کی اپنے ایک بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر

ہم نے عبدالمطلب کو زمزم کے بارے میں قریش کی جانب سے لاحق پریشانی کو ملاحظہ کیا، انہوں نے جب ان کے خلاف کسی کو اپنا مددگار نہ پایا اور نہ ہی ان کے بیٹے حارث کے علاوہ ہی کوئی ان کے ساتھ تھا تو انہوں نے اللہ کے لئے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ نے انہیں دس بیٹے عطا کئے اور وہ سب ان کے ساتھ ان کی مدد کے قابل ہو گئے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ کے پاس ذبح کریں گے۔

واقعی اللہ نے انہیں بیٹیوں کے علاوہ درج ذیل دس بیٹے عطا کئے:

۱-حارث جو سب سے بڑے تھے ان کی والدہ صفیہ بنت جندب تھیں۔

۲-زبیر جن کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ المخزومیہ تھیں۔

۳-ابو لہب عبدالعزی جن کی ماں آمنہ بنت ہاجر تھیں۔

۴-مُقَوَّم جن کی والدہ ہالہ بنت وہیب تھیں۔

۵-ضرار جو کہ عباس کے سگے بھائی تھے ان کی ماں نتلہ تھیں۔

۶-ابو طالب ان کی ماں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ تھیں۔

۷-جحل جنہیں جیم کو حاء پر مقدم کر کے حجل بھی کہا جاتا ہے ان کی ماں ہالہ بنت وہیب تھیں۔

۸-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ جو ابو طالب اور زبیر کے سگے بھائی تھے۔

۹-حمزہ رضی اللہ عنہ جن کی والدہ ہالہ بنت وہیب تھیں۔

۱۰-عباس جن کی والدہ نتلہ تھیں۔

میں کہتا ہوں: عباس بن عبدالمطلب عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے، جبکہ ابن اسحاق نے السیرہ النبویہ میں اس کے خلاف کہا ہے کہ عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے والد کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے[1]۔

---

(1) دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام (۱/۱۹۰)۔

سہیلی نے الروض الانف میں یہ کہتے ہوئے ان پر تعقیب کی ہے کہ: یہ غیر معروف ہے، شاید روایت: اپنے ماں کے سب سے چھوٹے بیٹے کی بابت ہے، ورنہ حمزہ عبداللہ سے چھوٹے تھے، اور عباس حمزہ سے چھوٹے تھے[(1)]۔

اور ابن اثیر نے اسد الغابہ میں کہا ہے کہ: عباس بن عبدالمطلب اپنے والد کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے[(2)]۔

اور ان کی چھ بیٹیاں درج ذیل تھیں: صفیہ، ام حکیم (جنہیں بیضاء کہا جاتا تھا) عاتکہ، امیمہ، اروی اور برہ[(3)]۔

جب عبدالمطلب کے دس بیٹے ہوگئے اور مدد کے قابل ہوگئے تو انہیں جمع کیا اور اپنے نذر کی بابت خبر دی اور انہیں نذر کو پورا کرنے کو کہا تو سب نے ان کی بات مان لی اور کہا یہ ہم لوگ کیسے کریں؟ انہوں نے کہا: تم میں سے ہر ایک تیر پر پناہ اپنا نام لکھ کر میرے پاس لاؤ سب نے یہی کیا اور ان کے پاس آئے وہ کعبہ کے اندر موجود ہبل نامی بت کے پاس گئے اور تیر والے سے[(4)] نذر کی بابت بتا کر کہا: میرے ان بیٹوں پر ان کے تیر نکالو تو اس نے ایسا ہی کیا۔

● تیر کا عبداللہ پر نکلنا:

عبداللہ عبدالمطلب کے بہت چہیتے بیٹے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر وہ عبداللہ سے ہٹ جائے تو میں بخیر ہوں۔

---

(1) دیکھئے: الروض الأنف (۲۷۱/۱) ۔

(2) دیکھئے: أسد الغابۃ (۵۴۶/۲) ۔

(3) دیکھئے: طبقات ابن سعد (۴۱/۱)، البدایۃ والنھایۃ (۶۵۰/۲)، الروض الأنف (۲۷۱/۱)۔

(4) تیر کو عربی میں قداح (جس کی جمع قدح ہے) اور اسے ازلام بھی کہا جاتا ہے (جس کی جمع زلم ہے) مطلب وہ تیر ہے جس کو پر نہ لگائے گئے ہوں، جس میں ترکش رکھا جاتا ہے اور وہ جاہلیت میں ان میں أمر اور نہی کے الفاظ لکھتے تھے کہ کرو اور نہ کرو اور جو کوئی شخص ان میں سے اسے اپنے برتن میں رکھتا تھا اور جب سفر یا شادی یا کسی اہم کام کا ارادہ کرتا تھا تو اپنا ہاتھ اس میں داخل کرتا اور اس میں سے ایک تیر نکالتا اگر حکم کے الفاظ والا تیر نکلا تا تو وہ اپنے کام کو کر گزرتا اور اگر ممانعت والا نکلا تا تو اس سے رک جاتا اور اسے انجام نہ دیتا، دیکھئے: النھایۃ (۲۸۱/۲)، لسان العرب (۷۵/۶) (۵۱/۱۱)۔

اس نے تیروں کو نکالا تو تیر عبداللہ پر نکلا اسے عبدالمطلب نے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر لیا اور پھر کعبہ کے پاس لے جا کر ذبح کرنا چاہا مگر قریش نے منع کیا خصوصاً اُن کے بھائی اور بنو مخزوم سے ان کے ماموں لوگ۔

تو عبدالمطلب نے کہا: پھر میں اپنے نذر کا کیا کروں؟ انہوں نے کہا تم حجاز میں ایک عرافہ کے پاس جاؤ اور اس سے اس بارے میں پوچھو، عبدالمطلب اس کے پاس چلے گئے پہونچ کر پوری تفصیل بتائی تو اس نے کہا تمہارے یہاں دیت کی کیا مقدار ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا: دس اونٹ، اس نے کہا: عبداللہ پر تیر مارنے کے ساتھ دس اونٹ پر بھی تیر مارو اگر عبداللہ پر نکلے تو دس اور زیادہ کرو یہاں تک کہ اس کا رب راضی ہو جائے، پھر جب اونٹ پر نکلے تو تم انہیں ان کے بدلے نحر کردو۔

● اونٹوں میں سے عبداللہ کا فدیہ:

واپسی پر انہوں نے عبداللہ اور دس اونٹوں پر تیر نکالا وہ عبداللہ پر ہی نکلا دس اضافہ کیا پھر عبداللہ پر نکلا وہ اسی طرح ہر مرتبہ دس دس کا اضافہ کرتے گئے اور قرعہ صرف عبداللہ پر آیا یہاں تک کہ سو اونٹ ہو گئے[1]، تو قرعہ اونٹوں پر نکلا، پھر قریش نے کہا: اے عبدالمطلب تمہارا رب تم سے راضی ہو گیا تو عبدالمطلب نے کہا نہیں جب تک میں تین مرتبہ اس پر قرعہ نہ ڈال لوں، انہوں نے ایسا ہی کیا اور ہر بار قرعہ اونٹ پر نکلتا تھا پھر وہ اونٹ نحر کر کے چھوڑ دیئے گئے، کسی کو بھی روکا نہیں جاتا چاہے انسان ہوں یا پرندے یا درندے[2]۔

● کمزور حدیث:

(1) ابن سعد نے طبقات الکبریٰ (۱/۴۱) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ان دنوں دیت دس اونٹ تھی اور عبدالمطلب سب سے پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے نفس کی دیت سو اونٹ شروع کی اس کے بعد یہ رواج قریش اور عرب لوگوں میں عام ہو گیا اور اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سے باقی رکھا۔

(2) دیکھئے: الطبقات لابن سعد (۱/۴۱)، البدایۃ والنھایۃ (۲/۲۵۰)، الروض الأنف (۱/۲۷۱)۔

وہ مشہور حدیث جس میں ہے کہ میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں، اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک[1] میں کی ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور امام ذہبی نے یہ کہہ کر تعاقب کیا ہے کہ اس کی اسناد کمزور ہے۔

اور امام قرطبیؒ نے کہا ہے: اس حدیث میں کوئی حجت نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند ثابت نہیں ہے[2]۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اسے نقل کر کے کہتے ہیں کہ: یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے[3]۔

اور اسے سیوطی نے فتاوی میں نقل کر کے کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے، اور اس کی اسناد میں غیر معروف راوی موجود ہیں[4]۔

اسے امام البانی نے سلسلہ ضعیفہ میں نقل کر کے کہا ہے: اس کی کوئی اصل نہیں ہے[5]۔

❀❀❀

---

(1) اس کی تخریج امام حاکم نے اپنی مستدرک کتاب تواریخ المتقدمين من الأنبياء والمرسلين، باب ذكر من قال: إن الذبيح إسحاق بن ابراهيم عليه السلام میں حدیث نمبر (۴۱۰۲) پر کیا ہے۔

(2) دیکھئے: تفسیر القرطبی (۸۲/۱۸)۔

(3) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۳۵/۷)۔

(4) اسے امام عجلونی نے کشف الخفاء (۱۹۹/۱) میں نقل کیا ہے۔

(5) دیکھئے: السلسلة الضعيفة حدیث نمبر (۳۳۱) (۱۶۷۷)۔

عبداللہ بن عبدالمطلب کی شادی

جب عبداللہ ۲۵ سال کے ہوئے، وہ بہت ہی خوبصورت، چمکدار جلد اور مضبوط بدن والے نوجوان تھے، عبدالمطلب نے ان کی شادی کرانی چاہی اور انہوں نے آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ سے ان کی شادی کرادی، جو اس وقت قریش میں حسب ونسب اور مقام[1] کے اعتبار سے سب سے افضل خاتون تھیں، ان کے والد بنی زہرہ کے سردار تھے، عبداللہ کے لئے ان کی رخصتی مکہ میں ہوئی[2]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ اپنی قوم میں سب سے اعلی نسب والے تھے، اپنے والدین کی جانب سے بھی وہ بلند شرف کے مالک تھے[3]۔

● غیر درست اور منکر قصہ:

ابن سعد نے اپنی طبقات میں اور ابن اسحاق نے السیرہ النبویہ میں روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے اللہ کے رسول کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب سے سامنا کیا اور ان سے زنا کا ارادہ کرنا چاہا کیونکہ اس نے ان کے چہرے پر بکھرتا نور دیکھا تھا، جب انہوں نے آمنہ بنت وہب والدہ رسول سے شادی کرلی اور ان سے صحبت کی تو عبداللہ کے چہرے کا وہ نور چلا گیا، عبداللہ اس عورت کے پاس آئے اور انہوں نے اس سے کہا: کیا جو تم نے مجھ سے کہا تھا اس پر اب بھی باقی ہو؟

---

(1) والد کے جانب سے نسب اور والدہ کی جانب سے مقام میں قریش کی سب سے افضل خاتون تھیں، دیکھئے مواہب پر زرقانی کی شرح (۱/۱۰۳)۔

(2) دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام (۱/۱۹۳)۔

(3) دیکھئے: مرجع سابق (۱/۱۹۴)۔

اس نے کہا: نہیں میں نے اس وقت تمہارے پاس سے گذرتے ہوئے تمہارے چہرے پر نور دیکھا تھا اور اب جب تم آئے ہو وہ نور تمہارے چہرے پر نہیں ہے، مجھے اب تمہاری کوئی ضرورت نہیں [1]۔

یہ روایت سند اور متن دونوں اعتبار سے منکر ہے، اور جو بھی اس سے متعلق مختلف روایات پڑھے اسے اس کے بیان کرنے میں اختلاف اور اضطراب کا اندازہ ہوگا، چاہے عورت کی تعیین کے بارے میں ہو تو کبھی خثعمیہ کہا گیا ہے، کبھی اسدیہ قرشیہ کہا گیا ہے جس کا نام قتیلہ تھا کبھی عدویہ بتایا گیا ہے جس کا نام لیلی تھا اسی طرح اس سے ملاقات کے وقت عبداللہ کی صفت میں بھی ہے کبھی بتایا گیا ہے کہ ان کا کپڑا مٹی سے بھرا تھا کبھی انہیں زیب وزینت [2] کے ساتھ بتایا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد ابوشہبہ کہتے ہیں کہ: حقیقت یہ ہے کہ میں اس بیان [3] کے سلسلے میں شک میں مبتلا ہوں، ... اللہ اس قصہ کی صحت کو زیادہ بہتر جانتے ہیں [4]۔

● عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات:

عبداللہ شام کی جانب قریش کے ایک تجارتی قافلے میں نکلے، جب تجارت سے فارغ ہوکر واپس آرہے تھے تو مدینہ سے ان کا گذر ہوا اس وقت عبداللہ بیمار تھے تو انہوں نے کہا: میں بنو عدی بن النجار میں اپنے ماموؤں کے پاس رک جاتا ہوں، وہ ان کے یہاں ہی بیماری کی حالت میں ایک ماہ رکے رہے اور انکے ساتھی چل کر مکہ پہونچ گئے، عبدالمطلب نے ان سے عبداللہ کے بارے میں

(1) اسے ابن سعد نے اپنی طبقات (۱/۴۴)، اور ابن اسحاق نے السیرۃ (۱/۱۹۲) اور بیھقي نے دلائل نبوت (۱/۱۰۷) میں نقل کیا ہے۔
(2) دیکھئے: السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ (۱/۹۵) از دکتور اکرم العمری۔
(3) یعنی: اس خاتون کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ پر اپنے آپ کو پیش کرنے میں۔
(4) دیکھئے: السیرۃ النبویۃ في ضوء القرآن والسنۃ (۱/۱۶۴) از دکتور محمد أبوشہبہ رحمہ اللہ۔

پوچھا تو انہوں نے کہا کہ: وہ اپنے ماموؤں کے پاس بنو عدی بن النجار میں رک گئے ہیں، وہ بیمار ہیں تو ان کے پاس عبد المطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو بھیجا پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور انہیں نابغہ کے گھر میں دفن کر دیا گیا ہے، جو کہ بنو عدی بن نجار کے ایک فرد تھے، حارث بن عبد المطلب اپنے والد عبد المطلب کے پاس واپس ہو گئے اور عبد اللہ کے وفات کی خبر دی تو عبد المطلب اور ان کے بھائیوں اور بہنوں کو بہت غم لاحق ہوا[1]۔

● اللہ کے رسول یتیم پیدا ہوئے:

جب رسول ﷺ کے والد عبد اللہ فوت ہوئے اس وقت اللہ کے رسول اپنی ماں کے شکم میں دو ماہ کے حمل ہی تھے، امام حاکم نے مستدرک میں قیس[2] بن مخرمہ سے روایت نقل کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے کہ آپ کے والد فوت ہوئے تو آپ کی والدہ ان سے حمل سے تھیں[3]۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: خلاصہ یہ کہ جب آپ ﷺ کی والدہ آپ سے حامل ہوئیں تو ان کے والد عبد اللہ کا انتقال ہو گیا اور وہ ابھی مشہور قول کے مطابق اپنی والدہ کے شکم میں ہی تھے[4]۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ: آپ کے والد عبد اللہ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ آپ کے حمل ہوتے ہوئے ہی فوت ہوئے تھے یا ولادت کے بعد؟

دو قول ہیں:

---

(1) دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد (۴۶/۱)، زاد المعاد (۷۵/۱) الروض الأنف (۲۸۳/۱)، السیرۃ النبویۃ للذھبي (۶۶۵/۱)۔

(2) یہ قیس بن مخرمہ بن مطلب قرشی مطلبی تھے یہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی سال پیدا ہوئے تھے اور یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اور ان کا اسلام اچھا رہا تھا، دیکھئے: الاصابۃ (۳۷۹/۵)۔

(3) اس کی تخریج امام حاکم نے المستدرک میں کتاب التاریخ، باب زیارتہ قبر أمہ حدیث نمبر (۴۲۴۷) پر کر کے فرمایا: یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے اس پر امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

(4) دیکھئے: البدایۃ والنہایۃ (۶۶۵/۲)۔

ان میں صحیح ترین یہی قول ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے حمل کی حالت میں ہی فوت ہوئے تھے[1]۔

میں کہتا ہوں: نبی ﷺ کے یتیم کی حالت میں پیدا ہونے پر سورہ ضحی (آیت نمبر:٦) میں فرمان باری تعالی: ﴿ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴾ بھی دلالت کرتا ہے۔

● وفات کے وقت عبداللہ کی عمر کیا تھی؟:

رسول ﷺ کے والد عبداللہ کی عمر وفات کے وقت ٢٥ سال ہی تھی۔

واقدی کہتے ہیں: یہی سب سے مضبوط قول ہے[2]۔

● اللہ کے رسول کا والد سے حاصل ہونے والا میراث:

عبداللہ بن عبدالمطلب نے اپنے پیچھے پانچ اونٹ، بکری کا ایک ریوڑ اور ایک حبشی لونڈی چھوڑا تھا (جن کا نام برکہ تھا جنہیں ام ایمن[3] کہا جاتا ہے۔ رضی اللہ عنہا۔)[4]۔

❀❀❀

---

(1) دیکھئے: زاد المعاد (١/٧٥)۔

(2) دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد (١/٤٦)، شرح المواھب (١/٢٠٤)۔

(3) یہ ام ایمن حبشیہ ہیں جنھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا یہ بہت پہلے مسلمان ہوئی تھیں اور انہوں نے حبشہ اور مدینہ کی جانب ہجرت کیا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا جن سے ان کے یہاں ان کے بیٹے اسامہ کی ولادت ہوئی تھی اور ان کی وفات عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی تھی، دیکھئے: الاصابۃ (٨/٣٥٨)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (١٧٧١) پر ابن شہاب زہری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ام ایمن یعنی ام اسامہ ابن زید کے بارے میں یہ بات بھی ہے کہ وہ عبداللہ بن عبدالمطلب کی لونڈی تھیں، ان کا تعلق حبشہ سے تھا جب بی بی آمنہ کے یہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی جبکہ ان کے والد فوت ہو چکے تھے تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلاتی تھیں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو آزاد کر دیا۔

(4) الطبقات الکبری ابن سعد (١/٤٦)۔

مولد نبوی ﷺ سے نزول وحی تک

● آپ کی ولادت:

۱۲ ربیع الاول پیر کے دن عام الفیل کو سید الخلق محمد ﷺ مکہ مکرمہ میں بنی ہاشم کی گھاٹی کے اندر پیدا ہوئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے، واللہ اعلم[(1)]۔

اور امام مسلم نے اپنے صحیح میں ابو قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے روزے سے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اسی دن میں پیدا ہوا تھا اور مجھ پر وحی بھی اسی دن نازل ہوئی تھی))[(2)]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند اور ترمذی نے اپنی جامع میں قیس بن مخرمہ کے واسطے حسن سند سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں اور اللہ کے رسول ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے[(3)]۔

آپ ﷺ کے ربیع الاول میں پیدا ہونے کی کئی حکمتیں ہیں، جیسے:

۱-آپ کی شریعت میں فصل ربیع سے مشابہت ہے جس طرح ربیع کا موسم سب سے معتدل ہوتا ہے اسی طرح آپ کی شریعت بھی ہے۔

۲-اس لئے کہ آپ کے ظہور میں غور کرنے والے کے لئے لفظ ربیع کے اشتقاق میں اشارہ ہے، کیونکہ اس میں آپ کی امت کے لئے فال حسن کی بشارت ہے، کیونکہ فصل ربیع میں

---

(1) دیکھئے: البداية والنهاية (۲۶۳/۱)۔

(2) صحیح مسلم کتاب الصوم باب استحباب صيام ثلاثة أيم من كل شهر وصوم يوم عرفة و عاشوراء والاثنين والخميس حدیث نمبر (۱۱۶۲) (۱۹۸)۔

(3) مسند أحمد حدیث نمبر (۱۷۸۹۱) جامع ترمذی حدیث نمبر (۳۹۴۷)، السيرة النبوية از امام ذهبي (۳۳/۱) اور کہا ہے کہ: اس کی سند حسن ہے۔

زمین کے اندر سے اللہ کی نعمتیں باہر آتی ہیں اور آپ کی ولادت ربیع میں ہونے کے اندر آپ کی عظیم قدر ومنزلت کی جانب اشارہ ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں[1]۔

● آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے نشانیاں:

آپ کی ولادت کے وقت کئی نشانیاں ظاہر ہوئیں، انہیں میں سے بعض درج ذیل ہیں:

□ آپ کی والدہ سے شام کے محلوں کو روشن کرنے والے نور کا نکلنا:

امام احمد نے اپنی مسند اور ابن حبان اور حاکم نے بھی صحیح سند سے عرباض بن ساریہ کے حوالے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جبکہ ابھی اس وقت آدم علیہ السلام مٹی ہی تھے[2]، اور میں تمہیں اس سے پہلے کے بارے میں بتاؤں گا: میرے والد ابراہیم کی دعا[3] میرے بھائی عیسی کی بشارت[4] اور میری والدہ کا خواب جسے اس نے میری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا[5]۔

اور حاکم نے مستدرک میں صحیح سند سے خالد بن معدان سے صحابہ کرام کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہمیں اپنی بابت میں بتایئے؟

---

(1) دیکھئے: شرح المواهب (۲۴۹/۱)۔

(2) یعنی زمین پر پھینکے ہوئے تھے، دیکھئے: النهاية (۲۴۰/۱)۔

(3) اللہ تعالی نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر (۱۲۹) میں ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی زبانی ارشاد فرمایا جب کہ وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے: ﴿ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك ويعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم إنك أنت العزيز الحكيم﴾۔

(4) سورہ صف کی آیت نمبر (٦) میں عیسی علیہ السلام کی زبانی بنو اسرائیل کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری دیتے ہوئے اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿وإذ قال عيسى ابن مريم يبني اسرائيل إني رسول الله إليكم مصدقا لما بين يدي من التوراة ومبشرا برسول يأتي من بعد اسمه أحمد فلما جاءهم بالبينت قالوا هذا سحر مبين﴾۔

(5) مسند أحمد حدیث نمبر (۱۷۱۶۳)، صحیح ابن حبان حدیث نمبر (۶۴۰۴)، مستدرک حاکم حدیث نمبر (۳۶۱۹-۴۲۳۰)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے والد ابراہیم کی دعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے جب میں ان کے پیٹ میں تھا تب خواب دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا[1]۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: شام کو اس نور سے خاص اسلئے کیا گیا ہے کیونکہ اس میں آپ کے دین کے وہاں پر استقرار اور ثابت ہونے کی جانب اشارہ ہے، اسی لئے آخری زمانے میں شام اسلام اور مسلمانوں کا قلعہ ہوگا وہیں پر حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نزول بھی دمشق کے مشرقی سفید منارے[2] پر ہوگا اسی لئے صحیحین میں ہے کہ: ((میری امت سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گی انہیں ان کی مخالفت کرنے والے اور ذلیل کرنے والے نقصان نہ پہونچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے وہ اسی حالت پر رہیں گے))۔

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ: معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شام میں ہوں گے[3]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس گروہ کے بارے میں کہا ہے کہ: وہ اہل علم ہوں گے[4]۔

اور امام احمد نے کہا ہے کہ: اگر وہ اہل حدیث نہیں تو مجھے نہیں پتہ وہ کون ہوں گے[1]۔

---

(1) مستدرک حاکم حدیث نمبر (۴۲۳۰) اور ابن کثیر نے اسے البدایۃ والنہایۃ میں (۲/۳۰۷) پر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ: اس کی سند جید ہے۔

(2) عیسیٰ علیہ السلام کے دمشق کے اندر سفید منارے کے پاس نزول سے متعلق حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الفتن وأشراط الساعۃ باب ذکر الدجال حدیث نمبر (۲۹۳۷) پر روایت کیا ہے۔

(3) صحیح بخاري کتاب الاعتصام باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حدیث نمبر (۷۳۱۱) اور کتاب التوحید باب قول اللہ تعالی: إنما قولنا لشيء إذا أردناه (النمل: ۴۰) حدیث نمبر (۷۴۵۹)، (۷۴۶۰) اور صحیح مسلم کتاب الإمارة باب قوله تعالی: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حدیث نمبر (۱۹۲۰) (۱۹۲۱)۔

دیکھئے: ابن کثیر کا کلام ان کی تفسیر میں (۱/۴۴۴)۔

(4) صحیح بخاری کتاب الاعتصام باب قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: ((لا تزال طائفة من أمتى ظاهرين على الحق))۔

امام نووی نے مسلم کی شرح میں کہا: اس بات کا احتمال ہے کہ وہ گروہ مومنوں کے تمام اصناف کو شامل ہو گی، ان میں بہادر جنگجو ہوں گے، ان میں فقہا ہوں گے، ان میں محدث ہوں گے، ان میں زاہد ہوں گے، امر بالمعروف وانہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے والے ہوں گے، اور ان میں دیگر خیر کی صفات سے متصف لوگ بھی ہوں گے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب اکٹھے ہوں بلکہ وہ زمین کے مختلف حصوں میں بٹے ہو سکتے ہیں(2)۔

میں کہتا ہوں: جس پر امام نووی کی تحقیق ہے وہی درست بات ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

□تارے کا ظاہر ہونا:

ابن اسحاق نے ال[1] سیرہ میں حسن سند کے ساتھ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں بلوغت کے قریب پہونچ چکا سات یا آٹھ سالہ نوجوان تھا ہر سنی بات سمجھتا تھا میں نے ایک یہودی کو مدینہ کے ایک ٹیلے سے بلند آواز سے شور مچاتے ہوئے سنا کہ: اے یہود کی جماعت، جب وہ اس کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے اس سے کہا: تیری بربادی ہو بتا آخر کیا ہوا؟ اس نے کہا: آج رات احمد کا تارہ طلوع ہوا جو اس کے ولادت کی نشانی ہے(3)۔

---

(1) اس کی تخریج امام حاکم نے ع لوم الحدیث میں کی ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۲۷/۱۵) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) دیکھئے: صحیح مسلم بشرح نووی (۵۷/۱۳)۔

(3) دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام (۱۹۶/۱)۔

□ آپ کا ولادت کے وقت آسمان کی جانب سر اٹھائے رہنا:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن اسحاق نے السیرہ میں منقطع سند سے آمنہ بنت وہب نبی کی والدہ سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ: ... پھر میں نے انہیں جنا مگر وہ عام بچوں کی طرح واقع نہ ہوئے، وہ اپنے ہاتھ زمین پر رکھے تھے اور اپنے سر کو آسمان کی جانب اٹھایا تھا[1]۔

□ چند مشہور نشانیاں جو صحیح نہیں ہیں:

یہ علامات کسی صحیح واسطہ سے ثابت نہیں مگر مشہور ہیں:

۱- آپ کی ولادت کے وقت ایوان کسری میں لرزہ طاری ہونا۔

۲- ایوان کسری کے ۱۴ کھڑکیوں کا گرنا۔

۳- اس آگ کا بجھنا جس کی مجوسی عبادت کرتے تھے۔

۴- بحیرہ ساوہ کا نیچے ہونا۔

۵- بحیرہ ساوہ کے گرد موجود عبادت گاہوں کا منہدم ہونا[2]۔

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ ان ضعیف آثار کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

یہ کلام صحیح فکر کی غلط تعبیر ہے، کیونکہ میلاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دراصل ظلم کے زوال اور اس کے عہد کا خاتمہ اور اس کی نشانیوں کا مٹنا تھا، جب لوگوں نے ظلم کی بیڑیوں سے آزادی کو محبوب جانا تو انہیں ان نشانیوں[3] کا خیال آیا اور انہوں نے اس کے لئے ضعیف روایتیں گھڑ لیں اللہ کے رسول

---

(1) اس کی تخریج ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۶۳۳۵) اور ابن اسحاق نے السیرۃ میں (۲۰۲/۱) کی ہے۔

(2) اس کی تخریج امام ذہبی نے السیرۃ النبویۃ (۴۴/۱) میں کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث منکر غریب ہے اور بیہقی نے اسے دلائل نبوت میں (۱/ ۱۲۶-۱۲۷) پر نقل کیا ہے۔

دلائل النبوۃ بیہقی کے محقق ڈاکٹر عبدالمعطی قلعہ جی کہتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

(3) ارہاصات: یعنی ابتدائی علامات، دیکھئے: لسان العرب (۳۴۳/۵)۔

ان سب سے بے نیاز ہیں کیونکہ آپ کا بلند مقام جو آپ کی حقیقی عظمت کے لئے کافی ہے وہ ہمیں ان روایات اور اس طرح دیگر روایات سے دوری پر ابھارتا ہے[1]۔

احمد شوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تجلى مولد الهادي وعمت	بشائره البوادي والقصابا
وأيدت للبرية بنت وهب	يدا بيضاء طوقت الرقابا
لقد وضعته وهاجا منيرا	كما تلد السماوات الشهابا
فقام على سماء البيت نورا	يضيء جبال مكة والنقابا

□ رسول اللہ کی ولادت سے عبد المطلب کا خوش ہونا:

اور جب آپ کی والدہ آمنہ نے آپ کو جنا تو آپ کے دادا کے پاس پوتے کی ولادت کی خبر دینے کے لئے بھیجی، تو عبد المطلب اپنے پوتے سے بہت خوش ہوئے، اور فرحت وانبساط ظاہر کی۔

عباس بن عبد المطلب[2] نے نبی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ:

وأنت لما ولدت أشرقت	الأرض وباءت بنورك الأفق
فنحن في ذلك الضياء وفي	النور سبل الرشاد نخترق

(1) دیکھئے: فقہ السیرہ (ص ۵۸-۵۹)، از شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ۔

(2) یہ عباس بن عبد المطلب بن ہاشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں ان کی ولادت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دو سال ہوئی اور یہ لوگوں میں بہت زیادہ لمبے انسان تھے اور حسین وجمیل صورت والے تھے اور ان کی آواز بہت بلند تھی ساتھ ہی یہ بہت بردبار اور اور اچھے انسان تھے زمانہ جاہلیت میں انہیں سقایہ اور عمارہ کی ذمہ داری سونپی گئی تھی انہوں نے انصار کے ساتھ اسلام لانے سے پہلے عقبہ میں شرکت کی تھی اور یہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے ان کی وفات مدینہ میں سن ۳۲ ہجری میں ہوئی، دیکھئے: اسد الغابہ (۵۴۳/۲)۔

اللہ کے رسول کا ختنہ [1]

اللہ کے رسول کے ختنے کے بارے میں درست بات یہی ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے ولادت کے ساتویں دن عرب کی عادت کے مطابق آپ کا ختنہ کیا، جیسا کہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: عبدالمطلب نے آپ کی ولادت کے ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا اور اس مناسبت سے لوگوں کو کھانا بھی کھلایا[2]۔

اور کمال الدین بن عدیم[3] اور ابن عبدالبر[4] اسی طرف گئے ہیں کہ آپ کی ولادت کے ساتویں دن آپ کے دادا عبدالمطلب کے ہاتھوں آپ کا ختنہ کیا گیا جیسا کہ عرب کی عادت تھی۔

رہی بات ان احادیث کی جن میں آپ کے ختنہ کیے ہوئے حال میں ولادت کا ذکر ہے وہ سبھی ضعیف ہیں انہیں میں سے:

وہ روایت بھی ہے جس کی روایت ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں ضعیف سند کے ساتھ انس بن مالک سے کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((اللہ کی طرف سے میری کرامت یہ بھی ہے کہ میں ختنہ کرکے پیدا کیا گیا اور میرے ستر کو کسی نے نہیں دیکھا))[5]۔

---

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۵۳۰/۱۱) میں کہتے ہیں: الختان: خاء کے زیر اور تاء کہ زبر کے ساتھ ختن کا مصدر ہے، یعنی کاٹنا اور الختن: خا کے زبر کے ساتھ کا معنی ہے مخصوص عضو میں سے بعض مخصوص حصے کو کاٹنا۔

اور ماوردی کہتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۵۳۰/۱۱) میں ان سے نقل کیا ہے، ختان الذکر: شرمگاہ کے اوپری حصے کو ڈھکنے والی چمڑی کو کاٹنا۔

(2) دیکھئے: الاستیعاب (۱۵۱/۱)۔

(3) دیکھئے: زاد المعاد (۸۱/۱)۔

(4) دیکھئے: الاستیعاب (۱۵۱/۱)۔

(5) اس حدیث کو ابو نعیم نے دلائل نبوت (۱۵۴/۱)، اور الحلیۃ میں حدیث نمبر (۳۰۲۶) پر نقل کیا ہے دیکھئے: ضعیف الجامع، للالبانی رحمہ اللہ حدیث نمبر (۵۳۱۰)، السلسلۃ الضعیفۃ للالبانی رحمہ اللہ حدیث نمبر (۶۲۷۰)۔

اور ابن سعد نے طبقات میں ضعیف سند سے عباس بن عبدالمطلب سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: نبی ﷺ مختون اور مسرور[1] پیدا ہوئے تھے، وہ کہتے ہیں کہ عبدالمطلب نے ان کو خوب پسند کیا اور انہیں اپنے پاس رکھا اور کہا میرے اس بیٹے کا بڑا مقام ہوگا))[2]۔

ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ: عباس کے اس حدیث کی اسناد درست نہیں ہے[3]۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ عباس کی حدیث سے متعلق فرماتے ہیں: اس حدیث کی صحت میں نظر ہے...، بعض لوگوں نے اس کی صحت کا دعوی کیا ہے کیونکہ یہ کئی طرق سے مروی ہے بعض لوگوں نے اسے متواتر بھی گمان کیا ہے، یہ سب محل نظر ہے[4]۔

اور ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ مختون و مسرور پیدا ہوئے تھے، اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے، اسے ابو الفرج ابن الجوزی نے الموضوعات میں ذکر کیا ہے۔

اس بارے میں کوئی ثابت حدیث نہیں ہے، اور یہ آپ کی خصائص میں سے بھی نہیں کیونکہ بہت سارے لوگ ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوتے ہیں[5] ... یہ مسئلہ دو فاضل آدمی کے ساتھ بھی پیش آئے ہیں، ان میں سے ایک نے کتاب تصنیف کی ہے کہ آپ ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے انہوں نے اس میں ایسی حدیثیں پیش کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں وہ کمال الدین بن طلحہ ہیں ان کی

---

(1) یعنی: پوشیدہ رسی کا کٹا ہوا ہونا۔

(2) الطبقات الکبری لابن سعد (۴۸/۱)، اور دیکھئے: السلسلۃ الضعیفۃ للالباني رحمہ اللہ حدیث نمبر (۶۲۷۰)۔

(3) دیکھئے: الاستیعاب (۱۵۱/۱)۔

(4) دیکھئے: البدایۃ والنھایۃ (۲۶۸/۱)۔

(5) میں کہتا ہوں جو لوگ ختنہ کیے ہوئے پیدا ہوئے انہیں میں سے ابن صیاد بھی ہے، جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر (۳۸۶۸۳) پر صحیح سند کے ساتھ ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اسے اس کی والدہ نے ختنہ کیا ہوا پیدا کیا تھا یعنی ابن صیاد کو، اور عبدالرزاق الا صنعانی نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر (۲۰۸۳۱) پر صحیح سند کے ساتھ عروہ بن زبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن صیاد ختنہ کیا ہوا اندھا پیدا ہوا تھا۔

تردید کمال الدین ابن عدیم نے کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ نبی ﷺ عرب کی عادت کے مطابق ختنہ کئے گئے تھے، اور اس سنت کا عموم کسی خاص منقول سے اوپر پورے عرب کے لئے تھا، واللہ اعلم [(1)]۔

اور حاکم کا مستدرک میں یہ کہنا کہ: حدیثیں اس بارے میں تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں کہ نبی ﷺ ختنہ کئے ہوئے مسرور پیدا ہوئے تھے [(2)]، تو اس پر امام ذہبی نے اپنی تلخیص میں یہ کہتے ہوئے تعاقب کیا ہے کہ: مجھے اس کی صحت کے بارے میں کوئی علم نہیں تو یہ متواتر کیسے ہوگا۔

● ساتویں دن آپ کا ختنہ کرنا اور نام رکھا جانا:

اور جب آپ کی ولادت کا ساتواں دن تھا، عبدالمطلب نے عرب کی عادت کے مطابق آپ کا ختنہ کیا اور ان کی طرف سے ایک مینڈھا عقیقہ کیا اور لوگوں کو دعوت دی اور آپ کا نام محمد رکھا [(3)]، عربوں میں یہ نام اس وقت عام نہ تھا قریش کا جو بھی شخص یہ نام سنتا اسے یہ نیا لگتا اور عبدالمطلب سے پوچھا گیا کہ: انہوں نے نومولود ﷺ کا اپنے گھر والوں سے الگ نام کیوں رکھا تو انہوں نے ان سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالی آسمان میں اور اہل زمین زمین پر ان کی تعریف کریں [(4)]۔

---

(1) دیکھئے: زاد المعاد (۸۰/۱)۔

(2) دیکھئے: المستدرک للحاکم (۴۹۸/۳)۔

(3) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ (۲۶۹/۱) میں کہتے ہیں: بعض علماء کا کہنا ہے کہ اللہ نے الہام کیا کہ وہ آپ کا نام محمد رکھیں کیونکہ اس نام میں اچھی صفات کا معنیٰ پایا جاتا ہے تاکہ نام اور کام دونوں ایک جیسے ہوں اور اسم اور مسمی صورت اور معنوں میں برابر ہوں جیسا کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

وشق له من اسمه ليجله　　فذو العرش محمود وهذا محمد

(٤) دیکھئے: دلائل نبوت (۱۱۳/۱)۔

اور یہ بھی کیا جاتا ہے کہ محمد نام کا سبب یہ ہے کہ عبدالمطلب اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ شام کے سفر پر تھے تو وہاں پر ان کی ملاقات ایک پادری سے ہوئی اس نے ان لوگوں سے پوچھا تم لوگ کہاں سے ہو تو انہوں نے کہا: مکہ سے، اس نے کہا تمہارے شہر سے ایک نبی مبعوث ہوگا انہوں نے اس سے کہا اس نبی کا نام کیا ہوگا؟ اس نے کہا: اس کا نام محمد ہوگا، اس وقت عرب کے یہاں محمد نام معروف بھی نہ تھا۔

جب وہ چاروں واپس ہوئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ اگر انہیں نئی اولاد حاصل ہوگی تو وہ اس کا نام محمد رکھیں گے۔

عبدالمطلب بوڑھے ہو گئے اور جب ان کے یہاں ان کے بیٹے عبداللہ کے یہاں اولاد پیدا ہوئی تو انہوں نے ان کا نام محمد رکھا باقی درج ذیل تینوں نے بھی اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا:

سفیان بن مجاشع، احیحہ بن جلاح، حمران بن ربیعہ؛ ان سب نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے، یہ سب سے پہلے عرب میں محمد نام رکھنے والے تھے، جیسا کہ امام سہیلی نے الروض الانف میں کہا ہے[1]۔

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أغر عليه للنبوة خاتم — من الله مشهود يلوح و يشهد
وضم الإله اسم النبي إلى اسمه — إذا قال في الخمس المؤذن أشهد
وشق له من اسمه ليجله — فذو العرش محمود وهذا محمد
نبي أتانا بعد يأس و فترة — من الرسل والأوثان في الأرض تعبد

(1) دیکھئے: الروض الأنف (۸۲۰/۱)۔

اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲۴۷/۷) میں یہ کہہ کر اس کا تعاقب کیا ہے کہ یہ حصر ناقابل قبول ہے میں نے یہ نام رکھے جانے والوں کے نام کو ایک الگ کتاب میں جمع کیا ہے چنانچہ وہ لوگ بیس لوگوں تک پہنچتے ہیں مگر بعض کے سلسلے میں تکرار واقع ہوا ہے اور بعض کے سلسلے میں وہم واقع ہوا ہے پس ان میں سے پندرہ اشخاص باقی بچیں گے۔

فأمسى سراجا مستنيرا و هاديا — يلوح مما لاح الصقيل المهند

وأنذرنا نارا وبشر جنة — وعلمنا الاسلام فالله محمد

وأنت إله الخلق ربى و خالقى — بذلك ما عمرت فى الناس أشهد

تعاليت رب الناس عن قول من دعا — سواك الها انت أعلى و أمجد

لك الخلق والنعماء والأمر كله — فإياك نستهدى و إياك نعبد[1]

(1) دیکھئے: دیوان حسان بن ثابت رضي الله عنہ (ص ۵۴)۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاعت

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے دودھ پلانے والی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ آمنہ تھیں، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آپ کو تین دن تک دودھ پلایا اور کہا جاتا ہے کہ سات دن تک اور نو بھی کہا گیا ہے، پھر اس کے بعد ثویبہ [1] نے اپنے بیٹے مسروح [2] کے ساتھ آپ کو کئی دن حلیمہ سعدیہ کی آمد سے قبل دودھ پلایا، آپ سے قبل انہوں نے حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ [3] کو پھر ان کے بعد ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی [4] کو دودھ پلایا تھا، اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حمزہ اور ابو سلمہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے۔

---

(1) ابن حجر فتح الباری (۱۰/۱۸۱) میں فرماتے ہیں: ثویبہ ابو لہب کی لونڈی تھیں، انہیں ابن مندہ نے صحابہ میں ذکر کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کے اسلام کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

اور اصابہ (۸/۶۰) میں کہا ہے: اور طبقات بن سعد (۱/۵۱) کے اس باب میں جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلانے والیوں کا تذکرہ ہے ایسی چیز ذکر کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھیں، لیکن ابن مندہ کے قول کو اس سے ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔

اور ابو نعیم فرماتے ہیں کہ: ہم ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں جانتے ہیں جنہوں نے ان کے اسلام لانے کی بات کہی ہو۔

اور ابن الجوزی صفۃ الصفوہ (۱/۳۱) میں فرماتے ہیں: اور ہم کسی کو نہیں جانتے جنہوں نے یہ کہا ہو کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

(2) حافظ ابن حجر الاصابہ (۸/۶۱) میں کہتے ہیں: مجھے کسی بھی تاریخ سے یہ بات معلوم نہ ہوئی کہ ان کے بیٹے مسروح اسلام لائے تھے حالانکہ یہ ممکن ہے۔

(3) یہ حمزہ ابن عبد المطلب ابو عمارہ القرشی الہاشمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپ کے رضاعی بھائی ہیں، آپ دونوں کو ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا ان کی ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال پہلے ہوئی اور کہا گیا ہے کہ ۲۴ سال پہلے ہوئی انہوں نے بعثت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو لازم پکڑا اور وہ آپ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں بھی شریک ہوئے، انہیں غزوہ احد میں وحشی بن حرب نے شہید کیا جو کہ شوال سنہ ۳ ہجری کے بعد کی بات ہے، یہ اور عبداللہ بن جحش ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے، دیکھیے: الإصابۃ: (۲/۱۰۵)۔

(4) یہ عبداللہ بن عبدالاسد مخزومی ہیں جو سردار اور بڑی شخصیت کے حامل تھے یہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے ہیں یہ دس لوگوں کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب تھیں، یہ بدر اور احد میں شریک ہوئے اور اُحد کے ایک مہینے بعد جمادی الآخرۃ سنہ ۴ ہجری میں فوت ہوئے، دیکھئے: أسد الغابۃ (۴/۴۷۵)۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ام حبیبہ بنت ابو سفیان سے روایت نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ :... میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: ہم نے سنا ہے کہ آپ ابو سلمہ کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، آپ نے کہا: ام سلمہ کی لڑکی؟(1) میں نے کہا: ہاں۔

آپ نے کہا: اگر وہ میرے گود میں نہ ہوتیں (2) مجھ پر حلال نہ ہوتیں، کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہیں مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا تو تم مجھ پر اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو پیش نہ کرو(3))۔

اور شیخین نے اپنی صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کہا گیا: آپ حمزہ کی بیٹی سے نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ میرے لئے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، اور رضاعت سے بھی ہر وہ چیز حرام ہو جاتی ہے جو نسب سے حرام ہوتی ہے(4)۔

● بنو سعد میں آپ ﷺ کی رضاعت:

پھر عبدالمطلب نے اللہ کے رسول ﷺ کے لئے اہل مکہ کی عادت کے مطابق دیہات سے دودھ پلانے والیاں تلاش کیا ان کے ایسا کرنے کی کئی وجوہات ہوتی تھیں، جیسے:

۱- تاکہ بچہ دیہات میں پرورش پائے اور اس کے زبان کی فصاحت باقی رہے۔

---

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۷۹/۱۰) میں لکھتے ہیں کہ: یہ اشکال کو ختم کرنے کے لیے تاکید کی غرض سے سوال ہے یا انکار کے لیے سوال ہے اور معنی یہ ہے کہ اگر وہ ابو سلمہ کی بیٹی ام سلمہ سے ہوتی تو وہ دو اسباب کی وجہ سے حرام ہوتیں، **پہلا سبب:** وہ آپ کی ربیبہ ہوئیں، **دوسرا سبب:** یہ آپ کے رضاعی بھائی کی بیٹی ہوئیں۔

(2) یعنی: دوسرے شوہر سے بیوی کی بیٹی، دیکھئے: النھایة (۱۶۶/۲)۔

(3) صحیح بخاري کتاب النکاح باب (۲۱) حدیث نمبر (۵۱۰۱)۔

(4) صحیح بخاري کتاب الشهادات باب الشهادة علی الأنساب...، حدیث نمبر (۲۶۴۵) کتاب النکاح باب (۲۱) حدیث نمبر (۵۱۰۰) صحیح مسلم کتاب الرضاعة باب تحریم ابنة الأخ من الرضاعة حدیث نمبر (۱۴۴۷) (۱۲) (۱۳)۔

۲-تاکہ بدن مضبوط اور ٹھوس رہے، جیساکہ عمر بن خطاب فرماتے ہیں: "مضبوط بنو اچھے اخلاق والے بنو ٹھوس بنو گویا تم معد[1] قبیلے کے ہو اور تم رفاہیت اور عیش پسندی سے دوری اختیار کرو"[2]۔

۳-تاکہ بچے پیدا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہو اور دماغ صاف رہے[3]۔

شیخ محمد غزالی کہتے ہیں: دیہاتوں میں بچوں کی پرورش کا مقصد طبیعت کے ساتھ میل اور آزاد فضاء اور کھلی روشنی سے لطف اندوز ہونا ہے، جو کہ فطرت کی پاکی اور اعصاء واحساس کی نشو نما اور فکر و عاطفہ کی آزادی سے زیادہ قریب ہے، ... بہت سے تربیت کے ماہرین یہ چاہتے ہیں کہ اگر طبیعت بچے کی پہلی درسگاہ ہو تو اس کے اندر موجود کائنات سے حقائق سے جڑنا آسان ہوتا ہے[4]۔

احمد شوقی کہتے ہیں:

يا أفصح الناطقين الضاد قاطبة — حديثك الشهد عند الذائق الفهم

حليت من عطل جيد البيان به — في كل منتثر في حسن منتظم

بكل قول كريم أنت قائله — تحيي القلوب و تحيي ميت الهمم

---

(1) کہا جاتا ہے تمعدد الغلام جب لڑکا نوجوان اور سخت ہو جائے، دیکھئے: النہایۃ (۲۹۱/۴)۔

معد: میم کے زبر اور دال کے تشدید کے ساتھ یہ ایک معروف قبیلہ ہے اس کے لوگ بہت ہی سخت دل ہوا کرتے تھے، دیکھئے: النہایہ (۲۹۱/۴)۔

(2) عمر رضی اللہ عنہ کے اس بات کو امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار (۳۳۹/۵) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ: اس کی اسناد صحیح ہے۔

(3) دیکھیے: الروض الأنف (۲۸۷/۱)۔

(4) فقہ السیرۃ از شیخ محمد الغزالی (ص ۶۰)۔

● ایک موضوع حدیث:

ابن سعد نے اپنی طبقات میں ضعیف سند سے زکریا بن یحی بن یزید سعدی عن ابیہ کے واسطے سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((میں تم میں سب سے بڑا دیہاتی ہوں، میں قریش سے ہوں اور میری زبان بنی سعد بن بکر کی زبان ہے))[1]۔

شیخ البانی نے سلسلہ ضعیفہ میں اسے موضوع کہا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی سند تالف ہے[2]۔

● دودھ پلانے والیوں کی آمد:

دیہات سے اشراف مکہ کے بچوں کی پرورش کے لئے دودھ پلانے والیاں آئیں، عبدالمطلب نے اپنے پوتے کے لئے قبیلہ سعد بن بکر کی ایک عورت کو دودھ پلانے کے لئے سونپا جن کا نام حلیمہ بنت ابوذویب سعدیہ[3] تھا ان کے شوہر حارث بن عبدالعزی تھے، جن کی کنیت ابی کبشہ تھی جو کہ اسی قبیلہ کے فرد تھے۔

● حلیمہ سعدیہ کے آپ ﷺ کی رضاعت کا قصہ:

حلیمہ سعدیہ نبی ﷺ کی رضاعت کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ وہ اپنے شوہر اور چھوٹے دودھ پیتے بچے کے ساتھ بنی سعد بن بکر کی عورتوں کی جماعت میں اپنے شہر سے مکہ جا کر بچوں کی تلاش میں نکلیں، کہتی ہیں وہ قحط سالی کا سال تھا ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھے، وہ کہتی ہیں: میں

---

(1) طبقات ابن سعد (۵۳/۱)، اور سیرت (۲۰۴/۱) میں ابن اسحاق نے بلاسند نقل کیا ہے۔

(2) دیکھیے: السلسلة الضعیفة حدیث نمبر (۱۶۸۹) اور ضعیف الجامع حدیث نمبر ۱۳۰۳۔

(3) یہ حلیمہ بنت ابی ذؤیب سعدیہ ہیں جن کا تعلق مضر قبیلے سے تھا، انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا پھر اپنے شوہر کے ساتھ حنین کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کے لیے اپنی چادر بچھادی اور اس پر وہ بیٹھیں پھر وہ اور ان کے شوہر حارث نے اسلام قبول کر لیا، دیکھئے: الإصابة (۸۷/۸)۔

سفید گدھی پر بیٹھ کر نکلی، ہمارے ساتھ بوڑھی اونٹنی بھی تھی اس سے ایک قطرہ بھی دودھ نہ ہوتا تھا بچے کے بھوک کے سبب رونے کے سبب ہم رات سو نہ سکے تھے میری پستان میں بھی اس کی حاجت بھر دودھ نہ تھا اور نہ ہی ہماری اونٹنی سے اسے پیٹ بھر دودھ مل سکتا تھا، مگر ہمیں مدد اور آسانی کی امید تھی میں اپنی اسی گدھی پر سوار نکلی، میں سواری کے کمزوری کے باعث قافلہ کے پریشانی کا باعث بن گئی یہاں تک کہ ہم مکہ پہونچ گئے تمام عورتوں پر اللہ کے رسول ﷺ کو پیش کیا گیا مگر سب نے یتیم ہونے کے سبب انکار کر دیا کیونکہ ہم سب بچے کے باپ سے تحائف حاصل کرنا چاہتے تھے، لہذا ہم کہتے یہ تو یتیم ہے اس کی والدہ اور دادا ہمیں آخر کیا دے پائیں گے ہم اسے ناپسند کرتے ،اب میرے علاوہ میرے ساتھ کی تمام عورتوں کو بچے مل گئے ،جب ہم نے واپس جانا چاہا میں نے اپنے شوہر سے کہا: مجھے یہ ان سب کے درمیان اکیلے بغیر بچے کے لوٹنا اچھا نہیں لگتا میں جاکر اس یتیم کو لے آتی ہوں، اس نے کہا: کوئی بات نہیں ایسا ہی کرو ہو سکتا ہے اللہ اس میں ہمارے لئے برکت ڈال دے۔

وہ کہتی ہیں کہ : میں گئی اور انہیں لے لیا، میں نے ایسا کوئی اور بچہ نہ ملنے کی وجہ سے کیا تھا۔

کہتی ہیں: جب میں نے انہیں لیا اور اپنی سواری کے پاس آئی اور انہیں میں نے اپنے گود میں رکھا تو میرے پستان دودھ سے بھر آئے ،انہوں نے آسودہ ہونے تک پیا اور پھر اسکے بھائی نے بھی آسودہ ہو کر پیا پھر سو گئے اور ہم پہلے اسکے ساتھ سو نہیں پاتے تھے میرے شوہر اونٹنی کے پاس گئے وہ دودھ سے بھر چکی تھی اسے دوہا اور پی لیا، میں نے بھی ان کے ساتھ پیا، ہم بالکل آسودہ اور سیراب ہو گئے وہ رات ہماری بہت اچھی گذری، وہ کہتی ہیں: میرے شوہر نے مجھ سے کہا: اے حلیمہ جانتی ہو تم نے مبارک بچہ پالیا ہے، وہ کہتی ہیں: میں نے کہا: ہاں مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے، کہتی ہیں کہ: ہم نکلے اور میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی اور انہیں ہم نے ساتھ رکھا تو وہ سب سے آگے نکل گئی اس کی برابری کوئی نہ کر سکتا تھا یہاں تک کہ میری سہیلیاں کہتی اے حلیمہ ہم پر ترس کھاؤ! کیا یہ تمہاری وہی پہلے والی گدھی نہیں ہے ؟۔

میں ان سے کہتی ہاں وہی ہے، وہ کہتیں یقیناً اس میں کوئی خاص بات ضرور ہے۔

وہ کہتی ہیں: پھر ہم دیار بنو سعد میں اپنے گھر پہونچے اور ہم اس زمین سے زیادہ خشک کوئی اور زمین نہیں جانتے تھے، میری بکریاں اب ہمارے پاس آسودہ ہو کر دودھ کے ساتھ واپس آتیں ہم اسے دوہتے اور پیتے مگر کوئی اور ایک قطرہ بھی نہ دوہتا، اور نہ ہی کسی کی بکری میں دودھ ہی ہوتا، یہاں تک کہ ہمارے قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تم بھی وہیں چراؤ جہاں بنت ذویب کا چرواہا چراتا ہے پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی لوٹتیں کسی کو ایک قطرہ دودھ تک نہ ہوتا، اور میری بکریاں آسودہ اور دودھ سے لیس واپس آتیں (1)۔

---

(1) بنو سعد کی دیہات میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے کے قصے کو درج ذیل ائمہ نے نقل کیا ہے:

ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۶۳۳۵) پر منقطع سند کے ساتھ اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت (۱/۱۹۹) میں اور امام ذہبی نے اپنی سیرت (۱/۵۲) میں اس کی سند کو اچھا قرار دیا ہے۔

اور علامہ البانی نے اس خبر کو اپنی کتاب دفاع عن الحدیث النبوی والسیرۃ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے بہت سے ثابت شواہد ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بنو سعد کے دیہات میں دودھ پینے پر دلالت کرتے ہیں۔

● ان میں سے ایک وہ روایت ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح حدیث نمبر (۱۶۲) (۲۶۱) پر نقل کیا ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کے قصے سے متعلق ہے جب آپ چھوٹے لڑکے تھے اور یہ روایت امام احمد کی مسند میں حدیث نمبر (۱۷۶۴۸) پر موجود روایت کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے، اور امام حاکم نے مستدرک میں حدیث نمبر (۴۲۸۸) اور ابن اسحاق (۱/۲۰۱) نے بنو سعد کے دیہات میں آپ کے دودھ پینے کے زمانے میں شق صدر کی حدیث کو حسن سند سے روایت کیا ہے۔

● اور انہی میں سے وہ روایت بھی ہے جسے ابن اسحاق نے اپنی سیرت (۱/۲۰۳) میں اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲/۶۷۹) میں جید سند کے ساتھ خالد بن معدان کے حوالے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے نقل کیا ہے انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں اپنے بارے میں بتلایئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں اپنے والد ابراہیم کی دعا اور عیسی علیہ السلام کی بشارت ہوں اور میری والدہ نے خواب دیکھا تھا کہ جب وہ حمل سے ہوئیں تو ان سے ایک نور نکلا تھا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے تھے اور مجھے بنو سعد بن بکر میں دودھ پینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

● اور انہیں میں سے وہ روایت بھی ہے جسے ابن اسحاق نے اپنی سیرت (۴/۱۴۱) میں حسن سند کے ساتھ ہوازن کے وفد کے جعرانہ میں حنین سے لوٹتے وقت اللہ کے رسول کے پاس آنے کا قصہ ہے اور اس کے لفظ یہ ہیں کہ ہوازن کا ایک شخص کھڑا ہوا اور ایک شخص بنو بکر کا

یہ حلیمہ سعدیہ اور ان کے شوہر پر نبی ﷺ کی برکتوں کا اثر تھا۔

اور نبی ﷺ حلیمہ سعدیہ ہی کے پاس رہے یہاں تک کہ دو سال گذر گئے اور انہوں نے آپ کا دودھ چھڑا دیا اور آپ عام بچوں سے جلدی نشو نما پارہے تھے، آپ دو سال کی عمر میں ہی چار سال کے معلوم ہوتے تھے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اللہ کی طرف سے ہم پر برابر برکتیں نازل ہوتی رہیں ہم انہیں پہچانتے بھی تھے، یہاں تک کہ آپ دو سال کے ہو گئے، آپ عام بچوں کے مقابلے جلدی بڑے ہو رہے تھے[1]۔

اور امام ذہبی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن میں عام بچوں کے ایک ماہ کے مقدار میں بڑھ رہے تھے اور ایک ماہ میں ایک سال کے بقدر[2]۔

بردونی کہتے ہیں:

وشب طفل الهدى المنشود متزرا   بالحق متشحا[3] بالنور والنار

فی کفه شعلة تهدی وفی فمه   بشری وفی عينيه اصرار أقدار

وفی ملامحه وعد وفی دمه   بطولة تتحدی کل جبار[4]

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں: ہم انہیں لے کر ان کی ماں کے پاس زیارت کے طور پر گئے، اور ہم انہیں اپنے پاس ہی رکھنا چاہتے تھے، کیونکہ ہمیں ان کے سبب کافی برکتیں حاصل ہوئی تھیں، لہذا

کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اللہ کے رسول بے شک قیدیوں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور آپ کو دودھ پلانے والیاں ہیں جنہوں نے آپ کی تربیت اور پرورش کی تھی۔

(1) اس کی تخریج ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب التاریخ باب صفتہ صلی اللہ علیہ وسلم واخبارہ میں حدیث نمبر (٦٣٣٥) پر کی ہے اور اس کی اسناد منقطع ہے لیکن اس کے بہت سے ثابت اور صحیح شواہد ہیں جیسا کہ تھوڑی دیر پہلے گزر چکا ہے۔

(2) دیکھئے: السيرة النبویۃ از امام ذھبي (١/٥١)۔

(3) توشح الرجل بثوبه: جب انسان اسے پہن لے، دیکھئے لسان العرب (١٥/٣٠٦)۔

(4) دیکھئے: دیوان البردوني (ص٥٠٧)۔

ہم نے ان کی والدہ سے بات کی اور ہم نے کہا: اگر ہمارے بچے کو ہمارے پاس رہنے دیتے تو اچھا تھا تاکہ اور مضبوط ہو جائے کیونکہ مجھے اس پر مکہ کے وباء کا خوف لاحق ہوتا ہے۔

حلیمہ کہتی ہیں: ہم ان سے برابر کہتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے ساتھ واپس بھیج دیا[1]۔

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ پھر بنی سعد کے دیہات پہونچ گئے۔

❁❁❁

(1) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۲۰۱/۱) السیرۃ النبویہ از امام ذہبی (۵۱/۱) اور اس کی اسناد کو امام ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کئے جانے کا واقعہ

جب آپ ﷺ بنو سعد کے دیہات میں تھے اسی وقت رسول ﷺ کا سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ پیش آیا،اس کی صراحت مسند میں امام احمد اور مستدرک میں حاکم کی عتبہ بن عبد سُلمی کی روایت میں آئی ہے کہ: ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا کہ آپ کا ابتدائی معاملہ کیسا تھا؟۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :((میری دایہ بنی سعد بن بکر سے تھیں، تو میں اور ان کا ایک بیٹا بکریاں لے کر گئے، اور ہم نے اپنے ساتھ کھانا نہیں لیا تھا، میں نے کہا: میرے بھائی جا کر ہماری ماں[1] کے پاس سے کچھ کھانا لے آؤ، تو میرا بھائی چلا گیا اور میں بکریوں کے پاس رہا اس وقت دو سفید پرندے آئے گویا وہ نسر ہوں، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: کیا یہ وہی ہے؟ اس نے کہا: ہاں، وہ جلدی سے میرے پاس آئے، اور مجھے پکڑ کر مجھے میرے پیٹھ کے بل لٹا دیا اور انہوں نے میرے پیٹ کو پھاڑا اور پھر میرا دل نکالا اور اسے چیر کر اس میں سے دو کالے لوتھڑے نکالے اور ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: میرے پاس برف کا پانی لاؤ، اس سے میرے پیٹ کو دھویا، پھر کہا: میرے پاس ٹھنڈا پانی لاؤ اس سے انہوں نے میرے دل کو دھویا، اور کہا مجھے سکینت دو انہوں نے اسے میرے دل میں پھیلا دیا پھر اس میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اسے سلو، تو اس نے اسے سل دیا، اور اس پر نبوت کی مہر لگا دی، پھر وہ دونوں چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا، میں اس سے کافی خوف زدہ ہوا، میں نے اپنی والدہ کے پاس جا کر سارا معاملہ بیان کیا، تو وہ میرے عقل پر اثر کے خوف[2] سے گھبرائیں اور کہا میں تمہارے لئے اللہ کے ذریعہ پناہ چاہتی ہے، پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوئیں اور پیچھے مجھے بھی سوار کیا یہاں تک کہ ہم اپنی والدہ کے پاس پہونچ گئے، اور کہا کہ: میں

---

(1) یہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

(2) یعنی میرے عقل میں کوئی شائبہ نہ ہو گیا ہو، دیکھئے: النھایۃ (۱۹۶/۴)۔

نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے اور انہوں نے وہ سب بتایا جو مجھے لاحق ہوا تھا، تو انہیں اس کا کوئی خوف نہ ہوا اور انہوں نے کہا: اس کی ولادت کے وقت میں نے ایک نور نکلتے دیکھا تھا جس نے شام کے محلوں کو روشن کر دیا تھا))[1]۔

اور امام مسلم نے انس بن مالک سے روایت کیا ہے کہ: ((اللہ کے رسول کے پاس جبریل آئے اس وقت وہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ کو پکڑ کر لٹایا اور آپ کے سینے کو چیر کر دل نکالا اور اس میں سے ایک لوتھڑا نکالا اور کہا یہ تم میں شیطان کا حصہ تھا پھر اسے سونے کی تھالی میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا پھر سب کو اکٹھا کیا اور اسے اپنی جگہ کر دیا، تو سارے بچے آپ کی والدہ یعنی دایہ[2] کے پاس آئے اور کہا محمد قتل کر دیئے گئے، سب نے آپ کو بدلے ہوئے چہرے کے ساتھ پایا))۔

انس کہتے ہیں کہ: میں آپ کے سینے میں اس سلائی کے اثر دیکھا کرتا تھا[3]۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ: آپ ﷺ کے بچپن میں ہی آپ کے سینے کو چاک کرنے کی حکمت یہ ہے کہ تاکہ ہر بشر میں موجود شیطانی حصہ کا کالا لوتھڑا نکال لیا جائے، واضح رہے کہ اسے اسکی تخلیق کے بعد نکالنا ربانی کرامت ہے، یہ مزید بلندی اور کرامت کی دلیل ہے، اس کے نکالنے سے آپ ﷺ شیطان کی شر سے محفوظ مکمل ترین حالت پر نشو نما پانے لگے[4]۔

---

(1) مسند أحمد حدیث نمبر (۱۷۶۴۸)، مستدرک حدیث نمبر (۴۲۸۸) السیرۃ از امام ذهبي (۵۲/۱)، امام ذهبي نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور اسے ابن اسحاق نے ال سیرۃ (۲۰۳/۱) میں خالد بن معدان کے حوالے بسند حسن نقل کیا ہے اور اسے ابن کثیر نے البدا یۃ والنھایۃ (۶۷۹/۲) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے: یہ اسناد بہت مضبوط ہے۔

(2) ایسی عورت جس نے اپنے بچے کے علاوہ کو دودھ پلایا ہو، دیکھئے: النھایۃ (۱۴۰/۳)۔

(3) صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ الی السماوات حدیث نمبر (۱۶۲)(۲۶۱)۔

(4) فتح الباري (۲۰۴/۷)۔

● سینے کو چاک کئے جانے کے وقت آپ ﷺ کی عمر:

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی عمر آپ کے سینہ کے چاک کئے جانے کے وقت دو سال تھی، ان کا لفظ یوں ہے: حلیمہ نے کہا وہ اپنے دو سال کے کھانے کی عمر کو بھی نہ پہونچے تھے[1]۔

اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے: آپ ﷺ کی عمر آپ کے سینے کو چاک کئے جانے کے وقت چار سال تھی، ان کا لفظ ہے کہ حلیمہ نے کہا|اور جب وہ چار سال کو پہونچے اور اپنے بھائی کے ساتھ بکریوں میں جانے لگے ...[2]۔

اور زرقانی مواہب میں کہتے ہیں: راجح یہ ہے کہ آپ کا سینہ چاک کئے جانے کا واقعہ آپ کی چار سال کے عمر میں پیش آیا تھا، جیسا کہ عراقی نے جزم کے ساتھ نظم السیرہ[3] میں کہا ہے اور ان کے شاگرد حافظ ابن حجر نے اپنی سیرت میں بھی یہی بات کہی ہے، یہ مختصر مگر مفید ہے[4]۔

● شق صدر کا تکرار:

رسول اللہ ﷺ کے سینہ کے چاک کئے جانے کا واقعہ اس کے علاوہ بھی پیش آیا ہے، انہیں میں سے:

---

(1) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۱/۲۰۱)۔

(2) دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد (۱/۵۳)۔

(3) اس کا لفظ ہے:

أقام في سعدبن بكر عندها   اربعةً سنين تجنى سعدها

وحين شق دره جبريل   خافت عليه حدثا يؤول

(4) دیکھئے: شرح المواھب (۱/۲۸۲)۔

دوسری مرتبہ: جب آپ ﷺ کی عمر دس سال تھی:

امام احمد نے اپنی مسند میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے، کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول سے ہر وہ چیز پوچھ لیا کرتے تھے جس کے بارے میں پوچھنے کی کسی کو ہمت نہ ہوتی تھی، تو انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے نبوت کے بارے میں سب سے پہلے کیا دیکھا؟۔

اللہ کے رسول ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ابو ہریرہ تم نے بہت خوب سوال کیا، میں ایک دس سال اور کچھ ماہ کا لڑکا ایک وقت صحراء میں تھا، میں نے سر کے اوپر کچھ گفتگو سنی ایک آدمی کہہ رہا تھا: کیا یہ وہی ہے؟ دوسرے نے کہا: ہاں، دونوں میرے سامنے ایسے چہرے کے ساتھ آئے کہ ویسا کسی کو ہم نے نہیں دیکھا تھا، اور ایسے روح کے ساتھ جیسا ہم نے کبھی نہ پایا، اور ایسے کپڑے کے ساتھ جیسا کسی پر نہ دیکھا، میرے پاس وہ چل کر آئے، دونوں نے میرے بازو کو پکڑا، ان کے پکڑ کا مجھے ذرا سا بھی احساس نہ ہوا، ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: اسے لٹاؤ دونوں نے مجھے لٹایا، ایک نے دوسرے سے کہا: اس کے سینے کو چاک کرو، ان میں سے ایک میرے سینے کی طرف جھکا اور اسے پھاڑا، میرے حساب سے کوئی خون نہ نکلا اور نہ کوئی تکلیف ہوئی، اس سے کہا غل وحسد کو نکالو، اس نے لوتھڑے کی شکل کا کوئی چیز نکال پھینکا اور کہا نرمی اور رحمت داخل کرو، پھر اس نے چاندی کے مثل کچھ نکالا پھر میرے پیر کی انگلی پکڑ کر ہلایا اور کہا اٹھو صحیح سالم رہو، میں اس وجہ سے چھوٹے پر نرم اور بڑوں پر رحمت ہو کر لوٹا[1]۔

تیسری مرتبہ: بعثت کے وقت:

طیالسی نے اپنی مسند میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے ضعیف سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ... جبریل زمین پر تشریف لائے اور مجھے گدی کے درمیانی حصے

---

(1) مسند أحمد نمبر (۲۱۲۶۱)۔

پر لٹایا[1] اور میرا پیٹ پھاڑا اور جو اللہ نے چاہا اسے نکالا پھر اسے سونے کے برتن میں دھویا اور اسے اس میں واپس کر دیا، پھر مجھے اسی طرح پلٹا جیسے برتن کو پلٹا جاتا ہے، پھر میرے پیٹھ میں مہر لگائی یہاں تک کہ مہر کے چھونے کو میں نے محسوس کیا، پھر انہوں نے مجھ سے کہا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾، جب کہ میں نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھا تھا[2]۔

چوتھی مرتبہ: اسراء اور معراج کے وقت:

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول نے فرمایا: ((میں مکہ میں اپنے گھر ہی میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھولی گئی پھر جبریل داخل ہوئے اور انہوں نے میرا سینہ کھولا پھر اسے زمزم کے پانی سے دھویا اور سونے کا ایک برتن ایمان و حکمت سے پر لایا گیا اسے میرے سینے میں ڈال دیا گیا، پھر اسے سل دیا گیا، پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر آسمان کی طرف گئے...)) اور پھر اسراء اور معراج کی پوری حدیث ذکر کی[3]۔

حافظ ابن حجر فتح میں کہتے ہیں: پھر معراج کے وقت سینہ چاک کرنے کا واقعہ پیش آیا تاکہ آپ ﷺ سرگوشی کے لئے تیار ہو جائیں[4]۔

ہمیں ان احادیث کی سندوں کے دراسہ کے بعد راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جو صحیح ہے وہ یہ کہ یہ واقعہ صرف دو بار پیش آیا ہے:

---

(1) یعنی انہوں نے مجھے میرے گدی کے درمیانی حصے پر لٹایا یعنی مجھے کسی ایک جانب نہیں جھکایا، دیکھئے: النھایة (۴۱۸/۱)۔

(2) مسند الطیالسي حدیث نمبر (۱۶۴۳)۔

(3) صحیح بخاري کتاب الصلاة باب کیف فرضت الصلوات في الاسراء؟ حدیث نمبر (۳۴۹)، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إلی السماوات حدیث نمبر (۱۶۳)۔

اور امام بخاری نے اسے مالک بن صعصعہ کے طریق سے روایت کیا ہے کتاب مناقب الأنصار باب المعراج حدیث نمبر (۳۸۸۷) اور صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ إلی السماوات حدیث نمبر (۱۶۴)۔

(4) فتح الباري (۲۰۴/۷)۔

پہلی بار: جب آپ چھوٹے سے اپنی دایہ کے پاس تھے، جیسا کہ حضرت انس کی روایت میں ہے۔

دوسری بار: اسراء اور معراج کی رات، جیسا کہ ابوذر اور مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے[1]۔

حافظ ابن حجر فتح میں کہتے ہیں: جو بھی سینے کے چاک کرنے اور دل کے نکالنے اور دوسرے خارق عادت امور کے سلسلے میں وارد ہے جس پر ایمان لانا اس کی حقیقت سے پھیرے بغیر واجب ہے اس میں سے کوئی بھی چیز محال نہیں ہے[2]۔

اور شاید شق صدر کی احادیث انہیں حفاظتوں کی جانب اشارہ کرتی ہیں جنہیں اللہ نے اپنے رسول کے لئے انتظام کیا تھا، جس سے آپ بچپن ہی سے انسانی طبیعت اور زمینی زندگی کے فتنوں سے محفوظ رہے[3]۔

● مہر نبوت:

یہ آپ کے بائیں کندھے کے پاس ابھرا ہوا گوشت کا ٹکڑا تھا، جس پر بال اگا تھا جس کا حجم کبوتری کے انڈے کے مانند تھا[4]۔

اور یہ مہر جسے خاتم نبوت سے جانا جاتا ہے یہ سابقہ کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت کی نشانی کے طور پر موجود تھی، جیسا کہ بحیرا راہب کا قصہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا۔

---

(1) الموسوعة الحديثية (۲۵۲/۱۹)۔
(2) فتح الباري (۲۰۵/۷)۔
(3) فقه السيرة (ص ۶۳) از شیخ محمد غزالي۔
(4) فتح الباري (۲۵۴/۷)۔

یہ مہر آپ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود نہ تھا یہ ولادت کے بعد ہوا تھا اور صحیح قول کے مطابق یہ بچپن میں سینے کے چاک کئے جانے والے واقعہ کے بعد کی بات ہے[1]۔

علماء کہتے ہیں کہ: آپ کے بائیں کندھے کے پاس مہر کے رکھے جانے میں حکمت یہ ہے کہ دل اسی جانب ہوتا ہے اور اس لئے کہ آپ شیطان کے وسوسوں سے محفوظ تھے، اور شیطان اسی جگہ سے داخل ہوتا ہے[2]۔

امام ترمذی نے شمائل میں صحیح سند کے ساتھ ابو نضرہ عوقی سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابو سعید خدری سے اللہ کے رسول کے مہر یعنی مہر نبوت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا: وہ آپ ﷺ کے پیٹھ میں ابھرا ہو گوشت کا ایک ٹکڑا تھا[3]۔

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں سائب بن یزید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میری خالہ مجھے لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میری بہن کے بیٹے کو تکلیف ہے تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیراا ور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے وضو کیا اور میں نے آپ کے وضو کے باقی پانی کو پیا اور پھر میں آپ کے پیٹھ کے پیچھے کھڑا ہوا اور میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا جیسے قبہ نما گھر کا بٹن ہو[4]۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کے پیٹھ میں کبوتری کے انڈے کے مانند ایک مہر کو دیکھا[5]۔

---

(1) مرجع سابق (۲۵۵/۷)۔

(2) مرجع سابق (۲۵۶/۷)، الروض الأنف (۲۹۴/۱)، صحیح مسلم بشرح النووي (۸۰/۸)۔

(3) اس حدیث کو امام ترمذي نے الشمائل میں حدیث نمبر (۲۲) پر تخریج کیا ہے: اور دیکھئے: السلسلة الصحیحة از الباني رحمہ اللہ حدیث نمبر (۲۰۹۳)۔

(4) صحیح بخاری کتاب المناقب باب ختم النبوۃ حدیث نمبر (۳۵۴۱) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات خاتم النبوۃ و صفتہ حدیث نمبر (۲۳۴۵)۔

(5) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات خاتم النبوۃ وصفتہ حدیث نمبر (۲۳۴۵)۔

اور مسلم نے عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنی صحیح میں تخریج کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا اور میں نے آپ کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا (یا کہا ثرید کھایا)... کہتے ہیں: پھر میں آپ کے پیچھے گھوما اور میں نے مہر نبوت کو آپ کے کندھوں کے درمیان دیکھا بائیں کندھے کے اوپری حصے کے پاس بند مٹھی کے مانند جس پر تل (للا) تھے[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابوزید رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: مجھ سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((مجھ سے قریب آؤ))، میں آپ سے قریب ہوا، پھر آپ نے کہا: ((تم اپنا ہاتھ داخل کرکے میری پیٹھ چھوؤ)) ۔

وہ کہتے ہیں: میں نے آپ کی قمیص میں اپنا ہاتھ داخل کیا اور آپ کی پیٹھ کو چھوا تو مہر نبوت میرے انگلیوں کے درمیان پڑی، کہتے ہیں کہ: ان سے مہر نبوت کے بارے میں پوچھا گیا؟

تو کہا: آپ کے دو کندھے کے درمیان چند بال تھے۔

اور مستدرک میں حاکم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان جمع بال تھے[2]۔

● چند ضعیف روایات:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں ضعیف سند کے ساتھ ابن عمر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مہر نبوت اللہ کے رسول ﷺ کی پیٹھ میں تھی بندق کے مانند گوشت کا کچھ ابھرا ہوا حصہ تھا اس پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا[3]۔

---

(1) وہ دانہ جو چمڑے پر ظاہر ہوتا ہے چنے یا اس سے چھوٹے مقدار میں دیکھیے: النھایۃ: (۱/ ۲۰۰)۔
صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات خاتم النبوۃ وصفتہ حدیث نمبر (۲۳۴۶) اور مسند احمد حدیث نمبر (۲۰۷۷۰)۔
(2) مسند أحمد حدیث نمبر (۲۰۷۳۲) مستدرک حاکم حدیث نمبر (۴۲۵۴)۔
(3) صحیح ابن حبان کتاب التاریخ باب صفۃ رسول اللہ وأخبارہ حدیث نمبر (۶۳۰۲)۔

حافظ نے فتح میں کہا ہے کہ: رہی بات ان روایات کی جن میں مہر کے حجامہ کی نشانی کے مانند ہونا وارد ہے یا کالے یا ہری تل کے مانند یا اس پر "محمد رسول اللہ" یا "سر فانت منصور" یا اس جیسی دیگر چیز کا لکھا ہونا وارد ہے تو اس میں سے کچھ بھی ثابت نہیں اور صحیح ابن حبان میں واقع روایت سے آپ دھوکہ نہ کھائیں انہوں نے اسے غفلت میں صحیح کہا ہے، واللہ اعلم [1]۔

● نبی ﷺ کا اپنی مشفق والدہ کے پاس واپسی:

اور آپ کے سینہ انور کے چاک کئے جانے کے واقعہ کے بعد حلیمہ کو نبی ﷺ کے بارے میں خدشہ لاحق ہوا، تو انہوں نے آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لوٹا دیا، اس وقت آپ پانچ سال کے ہو گئے تھے۔

حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں کہ: مجھ سے ان کے والد یعنی میرے شوہر حارث نے کہا: اے حلیمہ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں اسے کچھ لاحق نہ ہو گیا ہو!، اس کے ظاہر ہونے سے پہلے پہلے ہی ان کے گھر والوں کے پاس چھوڑ آؤ۔

حلیمہ نے کہا کہ: پھر ہم انہیں لے کر ان کی والدہ کے پاس گئے اور آمنہ نے حلیمہ سے کہا: تم اسے لے کر کیوں آئی ہو، میں تو اس پر بہت حریص تھی اور تمہارے پاس ہی رہنے دینا چاہتی تھی؟ حلیمہ نے کہا: اب ہمارا بیٹا بڑا ہو گیا ہے اور میں نے اپنی ذمہ داری بھی پوری کر دی ہے، اور مجھے اب اس کے اوپر حوادث کا خطرہ ہے، لہذا میں اسے تم تک جیسا کہ تم چاہتی ہو ویسے پہونچا رہی ہوں، آمنہ نے کہا: یہ بات تو نہیں ہے مجھے سچ سچ بتاؤ کیا ماجرا ہے؟۔

حلیمہ کہتی ہے: مجھے انہوں نے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ میں نے پوری بات نہ بتادی، آمنہ نے کہا: کیا تمہیں اس پر شیطان کا خوف ہے؟

(1) فتح الباري (٧/٢٥٦) ۔

حلیمہ نے کہا: ہاں، آمنہ نے کہا: ہر گز نہیں میرے بیٹے پر شیطان کا کوئی چال ہی نہیں چل سکتا اور میرے بیٹے کی بڑی شان ہو گی تم فکر مت کرو[1]۔

●رسول ﷺ کی والدہ آمنہ کی وفات:

جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کا مقام ابواء[2] پر انتقال ہو گیا، جب وہ نبی کے ساتھ مدینہ میں آپ کے دادا عبد المطلب کے ماموزادوں کی زیارت سے واپس ہو رہی تھیں[3]۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ: پھر آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب فوت ہو گئیں اس وقت آپ چھ سال کے تھے[4]۔

اور ابن قیم فرماتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کی والدہ مکہ اور مدینہ کے مابین مقام ابواء پر فوت ہوئیں تھیں جبکہ وہ اپنے ماموزادوں سے ملاقات کر واپس ہو رہی تھیں اس وقت آپ ﷺ نے سات سال بھی مکمل نہ کی تھی[5]۔

---

(1) اللہ کے رسول ﷺ کے حلیمہ کے پاس دودھ پینے والے قصہ کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۶۳۳۵)، اور ابن اسحاق نے السیرہ (۱/ ۲۰۲) میں تخریج کی ہے اس کی سند منقطع ہے، لیکن قصہ کے کئی صحیح شواہد بھی ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے جو اس قصہ کے صحیح ہونے پر دلالت کرے ہیں۔

(2) ابواء: اس کا یہ نام وہاں سیلاب کا پانی جمع ہونے کی وجہ سے پڑا، یہ مدینہ کے پاس ایک گاؤں ہے اس کے اور مدینہ کی جانب والے جحفہ کے درمیان ۲۳ میل کی مسافت ہے، اور کہا جاتا ہے کہ ابواء "آرۃ" کے دائیں جانب اور مدینہ سے مکہ جانے والے کے راستے کے دائیں طرف ایک پہاڑ ہے وہاں ایک بستی ہے جو اس پہاڑ کی جانب منسوب ہے۔ دیکھئے: معجم البلدان (۱/ ۷۳)۔

(3) دیکھئے سیرت ابن ہشام (۱/ ۲۰۴)۔

(4) دیکھئے: تفسیر ابن کثیر (۴۲۶/۸)۔

(5) دیکھئے: زاد المعاد (۷۵/۱)۔

● اللہ کے رسول کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت:

نبی ﷺ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کیا کرتے تھے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی والدہ کے قبر کی زیارت کی اور روپڑے آپ ﷺ کے ارد گرد کے لوگ بھی روپڑے، پھر فرمایا: ((میں نے اپنی والدہ کے لئے مغفرت طلب کرنے کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی اور میں نے ان کے قبر کے زیارت کی اجازت مانگی تو اجازت مل گئی))[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں شیخان کے شرط پر صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب سے روایت کیا ہے کہ : ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے، ہم ایک جگہ ٹھہرے اور ہمارے ساتھ ایک ہزار سوار کے قریب تھے، آپ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر ہماری جانب متوجہ ہوئے،اس وقت آپ کی آنکھیں بہہ رہی تھیں، آپ کے پاس عمر بن خطاب آئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کو کیا ہوا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ((میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لئے استغفار کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی اس لئے میری آنکھیں ان کے جہنم میں جانے کے سبب ترس کھاتے ہوئے اشکبار ہو گئیں))[2]۔

آپ ﷺ دادا عبد المطلب کی کفالت میں

جب آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب فوت ہو گئیں تو ام ایمن آپ کو لے کر مکہ آئیں اور پھر دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کی کفالت کی، اور انہوں نے آپ کے ساتھ ایسی نرمی کا معاملہ کیا کہ وہ اپنی کسی اولاد کے ساتھ ایسی نرمی نہ اپناتے وہ آپ کو اپنے قریب رکھتے اور تنہائی اور نیند کی

---

(1) صحیح مسلم کتاب الجنائز باب استئذان النبی ربه فی زیارة فبر أمه، حدیث نمبر (۹۷۶)، مسند أحمد حدیث نمبر (۹٦۸۸)۔

(2) مسند أحمد حدیث نمبر (۲۳۰۰۳)۔

حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس آجاتے اور عبدالمطلب اس وقت تک کچھ نہ کھاتے جب تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ساتھ نہ بٹھا لیتے[1]۔

● ایک قصہ جو عبدالمطلب کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کو واضح کرتا ہے:

امام حاکم نے صحیح سند سے مستدرک میں کندیر بن سعید عن ابیہ والی سند سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے جاہلیت میں حج کیا تو میں نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے کسی کو گنگناتے ہوئے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ:

رب رد الی راکبی محمدا ۔۔۔ ردہ الی واصطنع عندی یدا

میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟

تو لوگوں نے کہا یہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں، انہوں نے اپنے بھتیجے محمد کو اپنے اونٹ تلاش کرنے کے لئے بھیجا ہے، اور وہ انہیں جس کام کے لئے بھی بھیجتے ہیں وہ کامیاب ہو کر آتا ہے، مگر اس بار انہیں دیر ہو گئی ہے وہ اسی حال پر تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اونٹ واپس آ گئے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گلے لگایا اور کہا: اے میرے بیٹے میں تمہارے لئے اتنا پریشان ہوا جتنا کبھی کسی کے لئے نہ ہوا، اللہ کی قسم! میں تمہیں کبھی بھی کسی کام کے لئے نہ بھیجوں گا اور تم آج کے بعد کبھی بھی مجھ سے الگ نہ ہو گے[2]۔

● اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عبدالمطلب کے بستر پر بیٹھنا:

اور عبدالمطلب کے لئے خانہ کعبہ کے سائے میں ایک بستر لگایا جاتا تھا چنانچہ ان کے بیٹے بستر کے ارد گرد بیٹھے تھے یہاں تک کہ وہ وہاں پر نکل کر آئیں اور ان کے بیٹوں میں سے کوئی بھی

---

(1) دیکھئے: طبقات ابن سعد (۱/ ۵۵)۔

(2) اس کو امام حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر (۴۲۴۰) پر تخریج کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

عبدالمطلب کی تعظیم کے سبب اس پر نہیں بیٹھ سکتا تھا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آتے (جو کہ ابھی چھوٹے بچے تھے) اور اس پر بیٹھ جاتے تو ان کے چچا انہیں اٹھا کر آپ کو دور کرنا چاہتے تو عبدالمطلب کہتے میرے بیٹے کو بیٹھنے دو اللہ کی قسم اس کا ایک الگ ہی مقام ہے، پھر وہ آپ کو اپنے بستر پر اپنے ساتھ بٹھاتے اور آپ کے پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے اور آپ کی حرکتوں سے خوش ہوتے[1]۔

● عبدالمطلب کی وفات:

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۸ سال کے ہو گئے تو آپ کے دادا عبدالمطلب کی وفات ہو گئی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں تھے یہاں تک کہ جب آپ صلی علیہ وسلم کی عمر ۸ سال ہوئی تو وہ بھی فوت ہو گئے[2]۔

اور ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ ﷺ کی کفالت آپ کے دادا عبدالمطلب نے کی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ۸ سال کے قریب تھے تو ان کی بھی وفات ہو گئی[3]۔

● نبی ﷺ چچا ابو طالب کی کفالت میں:

عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابو طالب کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت اور حفاظت اور سہارے کے لئے وصیت کی، وہ اس لئے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ اور ابو طالب دونوں سگے بھائی تھے ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنت عامر وبن عائذ تھیں، چنانچہ ابو طالب

(1) دلائل نبوت از امام بیہقی (۲/۲۲)، سیرت نبوی از ابن اسحاق (۱/۲۰۵) اور کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔
(2) تفسیر ابن کثیر (۸/۴۲۶)۔
(3) زاد المعاد (۱/۷۵)۔

نے اپنے بھتیجے کی پوری طرح سے تربیت کی اور انہیں اپنے بچوں کے ساتھ شامل کر لیا بلکہ اس سے بڑھ کر انہوں نے اپنے بچوں پر انہیں فوقیت دی(1)۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں ضعیف سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: جب عبدالمطلب کی وفات ہو گئی تو ابو طالب نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس لے لیا، چنانچہ وہ آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور ابو طالب کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھی اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خوب محبت کرتے تھے جتنا اپنے کسی بچے سے محبت نہ کرتے اور وہ آپ کے پاس ہی سویا کرتے تھے اور جب نکلتے تو اپنے ساتھ نکالا کرتے تھے اور خاص طور پر کھانا کھلایا کرتے تھے اور جب ابو طالب کے گھر والے کھانا کھاتے ساتھ میں یا تنہا تو وہ آسودہ نہ ہوتے تھے، اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کھاتے تو وہ آسودہ ہو جایا کرتے تھے، چنانچہ جب وہ لوگوں کو کھانا کھلانا چاہتے تھے تو کہتے تھے اپنی جگہ پر رہو یہاں تک کہ میرا بیٹا آ جائے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آتے تو آپ ﷺ ان سب کے ساتھ مل کر کھانا تناول کرتے(2)۔

● نبی ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ شام کی جانب سفر:

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: ابو طالب شام کی جانب نکلے اور ان کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے شیوخ کے ساتھ نکلے چنانچہ جب وہ ایک پادری کے پاس پہنچے یعنی بحیرا(3) کے پاس تو وہاں

---

(1) سیرت ابن ھشام (۲۱۶/۱)۔

(2) دیکھئے: الطبقات لابن سعد (۵۶/۱)، اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن ابو طالب کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بہت سے صحیح قصے موجود ہیں انہیں میں سے وہ بھی ہے جو بحیرا راہب کے قصے میں ظاہر ہوا تھا جیسا کہ بیان کیا جائے گا۔

(3) سہیلی الروض الانف (۳۱۳/۱) میں کہتے ہیں کہ: امام زہری کی سیرت میں یہ بات ہے کہ بحیرا تیماء کے یہودیوں کے بڑے علماء میں سے ایک عالم تھا۔

اترے، اور انہوں نے اپنی سواری کو کھڑا کیا تو ان کے پاس وہ پادری آیا اور پہلے بھی یہ لوگ اس کے پاس سے گزرا کرتے تھے مگر وہ کبھی ان کے پاس نہ آتا تھا، اور نہ ہی ان کی جانب متوجہ ہوتا جب وہ اپنی سواریوں کو کھڑا کر رہے تھے تو اس نے کہا: اور وہ انکے درمیان آیا یہاں تک کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو پکڑا اور کہا یہ دونوں عالم کے سردار ہیں یہ اللہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ رب العالمین انہیں دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجیں گے تو اس سے قریش کے سرداروں نے کہا تم کیسے جانتے ہو؟

اس نے کہا: جب تم اس گھاٹی پر چڑھے تھے تو کوئی بھی درخت یا پتھر نہیں بچا تھا مگر وہ سجدے میں گر گیا تھا اور وہ صرف نبی کے لئے ہی سجدہ کرتے ہیں اور میں انہیں ختم نبوت سے جانتا ہوں جو ان کے کندھے کے نچلے حصے پر سیب کے مانند ہے، پھر وہ واپس گیا اور اس نے ان کے لئے کھانا بنایا جب وہ ان کے پاس لے کر آیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے، تو اس نے کہا: ان کو یعنی نبی ﷺ کو بلاؤ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو آپ کے اوپر ایک بدلی سایہ کر رہی تھی جب لوگوں سے قریب ہوئے تو انہیں پایا کہ وہ سبھی درخت کے سائے کے نیچے چلے گئے ہیں، چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم بیٹھے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف متوجہ ہو گیا، تو بحیرا نے کہا: دیکھو اس درخت کا سایہ ان کی طرف مائل ہو گیا ہے، وہ کہتے ہیں: وہ جب ان کے پاس کھڑا تھا تو وہ ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ اسے روم نہ لے کر جائیں کیوں کی روم کے لوگ اگر اس کی صفت سے اس کو جان لیں گے تو اسے قتل کر دیں گے، چنانچہ وہ سات

اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۶۹۱/۲) میں ان کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: قصہ کے سیاق سے جو بات ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ وہ نصرانی پادری تھا، واللہ أعلم۔

حافظ ابن حجر نے الاصابہ (۴۰۵/۱) میں کہا ہے کہ بحیرا باء کے زبر اور حا کے زیر کے ساتھ ہے۔

میں کہتا ہوں: امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں سعید بن عقبہ کے ترجمے میں یہ بات تاکید سے کہی ہے کہ بحیرا نے آپ ﷺ کی بعثت کا وقت نہیں پایا اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۲۸۳/۳) میں ان کے اس بات کو مانا ہے۔

لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے جو لوگ روم سے آرہے تھے تو انہیں اپنے پاس بلایا اور کہا: تم کیوں آئے ہو؟۔

ان لوگوں نے کہا کہ: ہم اس مہینے میں نمودار ہونے والے نبی کے پاس آئے ہیں، کوئی بھی راستہ ایسا نہیں ہے جس پہ ان کے لیے آدمی نہ بھیجے گئے ہوں اور ہمیں ان کی خبر لگی ہے تو ہمیں تمہارے اس راستے کی جانب بھیجا گیا ہے، تو اس نے کہا: کیا تمہارے پیچھے کوئی ایسا ہے جو تم سے بہتر ہو؟۔

توانہوں نے کہا: ہاں، ہمیں تمہارے اسی راستے پر اس کی خبر دی گئی ہے۔

تواسن ے کہا: تمہارا کیا خیال ہے اگر اللہ رب العالمین کوئی فیصلہ کرنا چاہے تو کیا کوئی اسے روک سکتا ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں، تو اس نے کہا کہ: ان لوگوں نے بیعت کی اور اس کے ساتھ اس کے پاس قیام کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ: بحیرا راہب نے کہا: میں تمہیں اللہ کا حوالہ دیتا ہوں، تم میں سے اس کا سرپرست کون ہے؟۔

کہا گیا ابو طالب، اب وہ برابر اللہ کا حوالہ دیتے رہا یہاں تک کہ ابو طالب نے آپ کو واپس کر دیا اور ان کے ساتھ ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اور راہب نے کیک اور تیل انہیں زادہ راہ کے طور پر دیا[1]۔

(1) جامع ترمذی کتاب المناقب باب ماجاء في بدء نبوة النبي صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر (۳۶۴۸)۔

● اس حدیث کی تصحیح میں علماء کا اختلاف:

اور علماء کا اس حدیث کی تصحیح کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور حافظ نے اسے الاصابہ میں اسے صحیح قرار دیا ہے، اور حافظ ابن کثیر[1] حاکم[2] اور البانی[3] نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر الاصابہ میں کہتے ہیں کہ: اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں اور اس میں کوئی بھی چیز منکر نہیں ہے سوائے اس لفظ کے یعنی ابو بکر اور بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر کے تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ مدرج ہے جو دوسرے کسی حدیث سے کا ٹکڑا ہے اس کے کسی راوی کے وہم کی وجہ سے[4]۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ترمذی وغیرہ کی کتاب میں یہ بات واقع ہے کہ: انہوں نے انکے ساتھ بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا جو کہ واضح غلطی ہے کیونکہ بلال رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت شاید موجود ہی نہ رہے ہوں اور اگر تھے تو وہ ان کے چچا کے ساتھ نہ تھے اور نہ ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے[5]۔

● امام ذہبی کا اس قصہ پر انکار:

امام ذہبی نے اس حدیث کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث **منکر جدا** ہے، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ وہ تو صرف دس سال کے تھے، کیونکہ وہ اللہ کی رسول ﷺ سے ڈھائی سال چھوٹے

---

(1) ابن کثیر نے الفصول فی سیرۃ الرسول (۴۹/۱) میں کہا ہے کہ: اس حدیث کے سبھی رجال ثقات ہیں۔

(2) امام حاکم نے اسے اپنی المستدرک حدیث نمبر (۴۲۸۷) پر روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

(3) دیکھئے: کتاب دفاع عن الحدیث النبوي والسیرۃ (ص ۶۲-۷۲)۔

(4) دیکھئے: الإصابة (۴۷۶/۱)۔

(5) دیکھئے: زاد المعاد (۷۵/۱)۔

تھے،اور اس وقت بلال کہاں تھے،ابو بکر نے انہیں بعثت کے بعد خرید اتھا،وہ تواس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے،اور یہ بھی ہے کہ جب آپ کو بدلی سایہ کر رہا تھا تو یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ درخت کا سایہ آپ کی جانب مائل ہو؟

کیونکہ بدلی کا سایہ تو اس درخت کے سایہ کو ختم کر دے گا، جس کے نیچے آپ بیٹھے تھے، اور ہم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ نبی ﷺ نے کبھی ابو طالب کو راہب کی بات یاد دلائی ہو۔اور نہ ہی اس کا تذکرہ قریش نے ہی کیا ہے،اور نہ ہی ان بزرگوں نے اسے بیان کیا ہے، جب کہ ان میں اس کی ہمت اور اس کے بیان کی ضرورت موجود تھی،اور اگر یہ واقع ہوا ہوتا تو وہ ان کے درمیان بہت مشہور ہوا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نبوت کا احساس ضرور باقی رہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں پہلی مرتبہ وحی کے نازل ہونے کو نئی بات نہ تصور کرتے،اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے عقل پر خوف کی وجہ سے آئے تھے اور یہ بھی بات ہے کہ اگر یہ خوف صرف ابو طالب میں اثر کیا ہوتا اور انہیں واپس کر دیتے تو انکا دل کیسے گوارا کیا کہ ان کو خدیجہ کا مال لے کر شام کی طرف سفر کرنے کے لئے تجارت کے لئے بھیجتے؟!

اور اس حدیث میں منکر الفاظ موجود ہیں جو صوفیوں کے الفاظ سے مشابہ ہیں باوجود اس کے کہ ابن عائذ نے اس کا معنی اپنے مغازی میں اس بات کے علاوہ نقل کی ہے کی: "اور ان کے ساتھ ابو بکر اور بلال کو بھی بھیجا"[1]۔

میں کہتا ہوں: ابن اسحاق[2] کے یہاں ترمذی کی سیاق کے مانند واقع ہے اور اس میں ابو بکر اور بلال کا ذکر نہیں ہے مگر وہ دونوں بلا اسناد ہیں، چنانچہ مغازی میں ان کی امامت کی وجہ سے ان کی روایت سے تسلی لی جائے گی۔

اور اللہ رب العالمین احمد شوقی پر رحم فرمائے جب وہ کہتے ہیں:

---

(1) دیکھئے: السیرۃ النبویۃ از امام ذہبی (۵۸/۱)۔

(2) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۲۱۷/۱)۔

لما رآه بحيرا قال نعرفه — بما حفظنا من الأسماء والسيم[1]

● آپ ﷺ کا بکری چرانا:

ابن سعد اپنی طبقات میں کہتے ہیں: ابو طالب کے پاس کوئی مال دولت نہ تھی[2]۔
چنانچہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس سفر سے واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب رزق کے لیے کوشش شروع کیا اور نبی ﷺ نے اپنے بچپن میں بکری چرانے کی مشغولیت کا اختیار کیا اور مکہ کے بعض لوگوں کی بکریاں چرائیں اور اس کے ذریعے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن میں محنت کر کے رزق کمانے کی اعلی مثال پیش کی۔

احمد شوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کان رسول الله في شبابه — لا يدع الرزق وطرق بابه
أي رسول أو نبي قبله — لم يطلب الرزق ويبغ سبله
موسى الكليم استؤجر استئجارا — وكان عيسى[3] في الصبا نجارا

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((اللہ رب العالمین نے جو بھی نبی بھیجے انہوں نے بکریاں ضرور چرائی تھیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ

---

(1) السیم: سیمۃ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں، دیکھئے: لسان العرب (۴۴۱/۶)۔ اور اسی باب سے سورہ فتح میں اللہ رب العالمین کا قول بھی ہے: ﴿سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ﴾۔

(2) دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد (۵۶/۱)۔

(3) عیسی علیہ السلام کا بڑھئی ہونا ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ جیسا کہ اللہ رب العالمین نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ: ((وہ اللہ کے حکم سے مریضوں کو شفا دیتے تھے، کوڑھ کی بیماری کو ختم کرتے تھے اور مردے کو زندہ کرتے تھے))۔
اور صحیح مسلم میں حدیث نمبر (۲۳۷۹) پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے))۔

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں اہل مکہ کی بکریوں کو چند قیراط[1] کے بدلے چرایا کرتا تھا))[2]۔

اورامام بخاری نے الأدب المفرد میں اور طیالسی نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ عبدہ بن حزن کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((موسی علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا وہ بکریوں کے چرواہے تھے، داؤد علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا وہ بکریوں کے چرواہے تھے اور مجھے مبعوث کیا گیا اور میں اپنے شہر والوں کے لئے اجیاد میں بکریاں چرایا کرتا تھا))[3]۔

• آپ ﷺ کے بکری چرانے میں حکمت:

علماء کہتے ہیں انبیاء کے پاس اس نبوت سے پہلے بکریاں چرانے کی کئی ایک حکمتیں ہیں جیسے:

۱-ان کے چرانے کے ذریعے سے اپنی امت کے امر کے قیام کی کفالت کرنے پر انہیں مشق حاصل ہوتی ہے۔

۲-یہ کہ ان کے ساتھ گھلنے ملنے سے ان کو شفقت اور بردباری کی صفت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ جب وہ چراگاہ میں ان کے پھیل جانے کے بعد ان کے چرانے اور جمع کرنے پر صبر کرتے ہیں اور ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ کی طرف منتقل کرتے وقت صبر کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں جیسے: درندوں وغیرہ اور جیسے چور اور کو ان سے دور بھگاتے ہیں اور ان کے طبیعتوں کے اختلاف کو

---

(1) فتح الباري لابن حجر (۱۹۹/۵) قیراط: یہ دینار اور درہم کا ایک جزء ہے۔

(2) صحیح بخاري کتاب السلم باب الاجارۃ حدیث نمبر (۲۲۶۲)۔

(3) أجیاد: ہمزہ کے زبر اور جیم کے سکون کے ساتھ مکہ میں ایک پہاڑ ہے، دیکھئے: النہایۃ (۳۱/۱)۔
اور اس حدیث کو امام بخاری نے الأدب المفرد میں نقل کی ہے، حدیث نمبر (۴۵۰) اور طیالسی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۴۰۷) پر نقل کی ہے۔

سمجھ جاتے ہیں اوران کی کمزوری کے باوجودان کے بہت زیادہ بھاگنے کو جان جاتے ہیں اور یہ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کتنے اہتمام کی حاجت مند ہوتی ہیں تو اس سے وہ امت پر صبر کرنے کے عادی بن جاتے ہیں،اوراب وہ انکے درمیان کے اختلاف اور عقلوں کی تفاوت کو دیکھتے ہیں تو وہ ان کے دکھ کو دور کرتے ہیں اوران کے کمزوروں کے ساتھ نرمی کرتے ہیں اوران کا خاص اہتمام کرتے ہیں تو اس طرح سے مشقت کو برداشت کرنا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے بمقابل اس کے کی اگران کو اچانک یہ ذمہ داری دے دی جائے کیونکہ ان کو بکریوں کو چرانے سے تسلسل حاصل ہوتی ہے۔

۳- بکریوں کو خاص اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ کمزور ہوتی ہیں اوراس لئے بھی کی یہ اونٹوں اور گایوں سے زیادہ یہاں وہاں بکھرنے والی ہوتی ہیں کیونکہ اونٹ اور گائے کو عام طور پہ باندھ کر کنٹرول کیا جاسکتا ہے اوران کے زیادہ دور دور رہنے کے باوجود بھی یہ ان کے علاوہ لوگوں کے مقابلے میں زیادہ بات ماننے والی ہوتی ہیں اور بہت جلدی بات مان جاتی ہیں۔

۴- یہ ہاتھ کی محنت سے روزی کمانے کے باب سے ہے،اور سب سے بہتر روزی وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل ہو۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں مقدام بن معدیکرب کندی کے واسطے نبی ﷺ سے روایت کیاہے،آپ ﷺ نے فرمایا:((کسی نے بھی کبھی اپنی ہاتھ کی کمائی سے بہتر[1] کھانا نہیں کھایااور اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کے کمائی سے کھاتے تھے))[2]۔

(1)حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں(۵/۲۶) کہا ہے کہ:"خیریت" سے مراد لوگوں سے بے نیاز رہنے کے لئے ہاتھ سے جو کام کرنا ضروری ہو۔

(2)صحیح بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل و عمله بیده حدیث نمبر(۲۰۷۲)۔

۵-اس بارے میں نبی ﷺ کا ذکر جب کہ آپ کا تمام مخلوقات میں اللہ کے نزدیک سب سے کریم ہونا معلوم ہے اس سے آپ کا اپنے رب کے لئے عظیم تواضع ظاہر ہوتا ہے، اور آپ ﷺ اور تمام انبیاء پر رب کے احسان کے جانب اشارہ ہے[1]۔

● حدیث کے فوائد:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: اس حدیث میں کئی فوائد ہیں:

۱- ہاتھ سے کام کرنے کی فضیلت، اور انسان کے خود کئے کام کو دوسرے کے کئے گئے کام پر برتری بیان کی گئی ہے۔

۲- داود علیہ السلام کے خصوصی تذکرے میں حکمت یہ ہے کہ: ان کا اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھانا حاجت کے سبب نہ تھا، کیونکہ وہ تو زمین کے خلیفہ تھے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے[2]، بلکہ انہوں نے افضل طریقے سے کھانے کو پسند فرمایا، اسی لئے نبی ﷺ نے ان کے قصہ کو اس مقام پر ذکر کیا ہے، جہاں پر یہ دلیل دینی تھی کہ ہاتھ کی کمائی سب سے بہتر کمائی ہے، اس سے پہلے یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے خصوصا جس کی ہماری شریعت میں تعریف کی گئی ہو، اور اسے اچھا کہا گیا ہو اور وہ اللہ تعالی کے فرمان: ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ کے عموم میں بھی داخل ہے۔

۳-اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کمانا توکل میں نقص کی دلیل نہیں ہے۔

۴-اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس کی دلیل کے ساتھ ذکر کرنے سے سامع کے نفس میں اس کا گہرا اثر ہوتا ہے[3]۔

---

(1) فتح الباري (۵/۲۰۰)۔

(2) سورہ ص آیت نمبر (۲۶): ﴿يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ﴾۔

(3) فتح الباري (۵/۲۷)۔

● نبی ﷺ کا حرب فجار[1] میں حاضر ہونا:

اور جب اللہ کے رسول ﷺ پندرہ سال یا بیس سال کے ہوئے تو قریش اور کنانہ میں سے ان کے ساتھی اور قیس اور ان کے حلیفوں کے مابین حرب فجار واقع ہوئی اس میں قریش اور کنانہ کے لیڈر حرب بن امیہ تھے، دن کے پہلے پہر قیس کا پلڑا قریش اور کنانہ پر بھاری رہا اور جب دن کا درمیانی پہر آیا تو قریش اور کنانہ کا پلڑا قیس پر بھاری ہو گیا، اللہ کے رسول ﷺ دن کے کچھ حصے اس میں شریک رہے، وہ اپنے چچاؤں کو تیر دے رہے تھے، یا ان سے دشمنوں کے تیر روکتے تھے[2]۔

● نبی ﷺ کا حلف الفضول میں شریک ہونا:

امام سہیلی کہتے ہیں: حلف الفضول سب سے زیادہ کرم والا اور عرب میں سب سے زیادہ شرف والا حلف سنا گیا تھا[3]۔

یہ حلف حرب فجار کی بعد ایک یا چار ماہ بعد ذوالقعدہ کے حرمت والے ماہ میں واقع ہوا تھا۔

اس حلف کا سبب یہ تھا کہ یمن کے زبید کا ایک شخص سامان لے کر مکہ آیا اس سے عاص بن وائل نے سامان خریدا اور اسے اس کا حق دینے سے انکار کر دیا، اس پر زبیدی شخص نے اپنے حلیفوں عبدالدار، مخزوم، جُمح، سہم اور عدی بن کعب کو آواز دی مگر سب نے عاص بن وائل کے خلاف اس کی مدد سے انکار کیا اور اسے ڈانٹا۔

---

(1) الفجار: فاء کی زیر کے ساتھ قتال کے وزن پر اس کا نام یہ اس لیے پڑا کیوں کہ یہ حرمت والے مہینوں میں واقع ہوئی تھی جن میں اللہ رب العالمین نے قتال کو حرام قرار دیا تھا، دیکھئے: النہایۃ (۳/۴۱۵)۔

(2) سیرت ابن ھشام (۱/۲۲۱) میں اسے بلا اسناد نقل کیا گیا ہے، اور مزید دیکھئے: الطبقات الکبری لابن سعد (۱/۶۰)۔

(3) الروض الأنف (۱/۲۴۲)۔

جب زبیدی نے یہ برائی دیکھی تو وہ طلوع آفتاب کے وقت جبل ابی قبیس پر نمودار ہوا اس وقت قریش کے لوگ کعبہ کے پاس تھے، اس نے اپنے مشہور اشعار کے ذریعے ان سے مدد کی گہار لگائی، اس میں اس نے اپنے مظلوم ہونے کو بیان کیا اور بآواز بلند کہا:

یا ال فهر لمظلوم بضاعته — ببطن مكة نائى الدار والنفر
ومحرم أشعث لم يقض عمرته — ياللرجال وبين الحجر والحجر
ان الحرام لمن تمت كرامته — ولا حرم لثوب الفاجر الغدر

اس پر نبی ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب اٹھے اور کہا: اس بے سہارے شخص کا کیا مسئلہ ہے، اس پر بنو ہاشم، زہرہ اور بنو تیم بن مرہ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور عہد و پیمان کیا اور اللہ کی قسم کھائی کہ ہم سب ظالم کے خلاف مظلوم کے ساتھ ایک ہاتھ کے مانند ہوں گے، یہاں تک کہ وہ اس کا حق واپس کر دے، لہذا قریش نے اس قسم کو حلف الفضول کا نام دیا اور انہوں نے کہا: اب یہ لوگ معاملے کی فضیلت میں داخل ہو گئے ہیں پھر وہ لوگ عاص بن وائل کے پاس گئے اور انہوں نے اس سے اس زبیدی شخص کا سامان چھینا اور اسے دے دیا۔

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حلف الفضول نام اس لیے پڑا کیونکہ اس کی طرف جن لوگوں کو پہلے بلایا گیا یا ان سب کے نام فضل تھے، جو یہ ہیں: فضل ابن فضالہ، فضل بن وداعہ اور فضل بن حارث[1]۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم میں شرکت کی، جیسا کہ امام حمیدي نے محمد اور عبدالرحمان بن بکر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ دونوں کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی

(1) سیرت ابن ہشام (۱/۱۶۹)، الروض الأنف (۲/۲۴۲)۔

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((میں عبداللہ بن جدعان[1] کے گھر میں ایک ایسے قسم میں شریک ہوا تھا اگر میں اسلام کے اندر اس کی جانب بلایا جاؤں تو ضرور آؤں گا))[2]۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:((میں حلف المطیبین[3] میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا،اس وقت میں لڑکا تھا،مجھے کے توڑنے کے بدلے سرخ اونٹ[4] بھی پیارے نہیں))[1]۔

---

(1)عبداللہ بن جدعان: یہ قریش کے بنو تیم بن مرہ کا ایک آدمی تھا،یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کا چچیرا بھائی تھااور ان کے سرداروں میں سے ایک سردار تھااور یہ جاہلیت میں مشہور سخی لوگوں میں سے ایک تھااور یہ لوگوں کو بہت زیادہ کھانا کھلایا کرتا تھا،اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بعثت سے پہلے اس نے پایا تھا،دیکھئے: کتاب الاعلام از زرکلی (۷۶/۴)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۱۴) عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ : میں نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابن جدعان جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھامسکینوں کو کھانا کھلا کرتا تھا کیااس کو اس کا فائدہ ہوگا؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا،کیونکہ اس نے کبھی نہیں کہا کہ :اللہ قیامت والے دن میرے گناہوں کو بخش دے۔

(2)اس کی تخریج امام حمیدی نے کی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۶۹۶/۲) میں ان سے نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(3) امام بیہقی نے دلائل النبوہ (۲/ ۳۹) میں فرمایا ہے: بعض اہل سیرت کے گمان کے مطابق اس سے مراد حلف الفضول ہے کیونکہ نبی ﷺ کو حلف المطیبین حاصل نہ ہوئی تھی۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲/ ۶۹۶) میں بیہقی کے کلام پر تعلیق لگاتے ہوئے کہا ہے کہ : اس میں کوئی شک نہیں،وہ اس لئے کہ قریش نے قصی کی وفات کے بعد یہ حلف لیا تھا،ان کا تنازعہ قصی کا اپنے بیٹے کو سقایہ،رفادہ،لواء،ندوہ اور حجابہ کی ذمہ داری دینے سے متعلق تھا،ہر گروہ کے ساتھ قریش کے لوگ ہی تھے جنہوں نے اپنے گروہ کی مدد پر قسم اٹھائی تھی،بنی عبد مناف کے لوگوں نے ایک برتن لائی جس میں خوشبو تھی تمام لوگوں نے اس میں ہاتھ رکھ کر قسم کھائی جب وہ وہاں سے اٹھے تو اپنے ہاتھ آکر خانہ کعبہ کے کونوں پر مسح کیا اس لئے اس کا نام مطیبین پڑااور یہ پرانی بات ہے۔

ابن الاثیر نے النہایہ (۵۰۸/۳): میں کہا کہ :رسول اللہ ﷺ نے حلف الفضول کو مطیبین کا نام دیا جبکہ آپ ﷺ اس میں شریک بھی نہ تھے کیونکہ وہ حلف بھی خیر خواہی اور طاقتور سے کمزور اور شہری سے اجنبی کے حق کو دلانے میں اس کے مثل ہی تھا۔

(4)امام نووی مسلم کی شرح (۱۵/ ۱۴۵) میں فرماتے ہیں کہ :"حمر نعم" یعنی سرخ اونٹ جو کہ عرب کے یہاں سب سے قیمتی مال تھے جن کے ذریعہ کسی چیز کے قیمتی ہونے کی مثال دی جاتی تھی،کیونکہ اس وقت ان سے قیمتی کچھ اور تھی ہی نہیں۔

رسول ﷺ کا خدیجہ کی تجارت کے لئے نکلنا

پچیس سال کی عمر مبارک میں نبی ﷺ حضرت خدیجہ کا مال لے کر شام کی جانب تجارت کے لئے نکلے۔

خدیجہ بنت خویلد ایک باشرف اور مالدار تاجر خاتون تھیں، وہ لوگوں کو اپنا مال دے کر ایک مخصوص نسبت کی اجرت کے بدلے تجارت کے لئے بھیجا کرتی تھیں [(2)]۔

جب آپ ﷺ کی سچائی امانت داری اور بلند اخلاق کے بارے میں انہیں معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کے پاس قاصد بھیج کر اپنا مال شام کی جانب تجارت کی خاطر لے جانے کی پیشکش کی اور دوسرے تاجروں سے زیادہ نسبت دینے کا وعدہ کیا جس پر آپ ﷺ نے رضامندی ظاہر کی۔

ایک روایت میں ہے کہ: ابو طالب نے نبی ﷺ سے کہا کہ: میرے پاس مال نہیں ہے، اور اب ہم کافی تنگی سے گذر رہے ہیں، اور تمہارے قوم کا قافلہ شام جانے والا ہے، اور خدیجہ تمہارے قوم کے لوگوں کو اپنے مال کی تجارت کیلئے بھیجتی ہیں، اگر تم جا کر ان سے کہو تو وہ تمہیں لوگوں پر فوقیت دیں گی، کیونکہ وہ تمہاری پاکبازی اور فضیلت کو جانتی ہیں، لہذا خدیجہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کے پاس اس سے متعلق قاصد بھیجا اور کہا میں تمہیں تمہارے قوم کے دوسرے لوگوں کا دوگنا دوں گی، تو ابو طالب نے کہا: یہ روزی ہے جسے اللہ نے تمہارے لئے آسان کیا ہے۔

---

(1) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (١٦٥٥) اور بخاری نے الادب امفرد میں حدیث نمبر (٤٤١) اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (٤٣٧٣) پر کی ہے۔

(2) یہ عمل مضاربہ کہلاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کسی کو اپنا مال تجارت کے لئے دو اور اس کے منافع میں اس کا بھی ایک متعین مقدار مقرر کردو، یہ ضرب فی الارض (یعنی تجارت کے لئے زمین پر چلنا) سے مفاعلہ کا صیغہ ہے، دیکھئے النھایہ (٣/ ٧٢)۔

اللہ کے رسول ﷺ ان کے مال کی تجارت کے لئے نکل پڑے ، آپ ﷺ کے ساتھ ان کا غلام میسرہ بھی تھا، آپ ﷺ کے چچاؤں نے قافلہ والوں سے آپ کا دھیان رکھنے کی وصیت کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ شام کے ایک علاقے بصری پہونچ گئے،اور وہ نسطور[1] نامی ایک پادری کے گرجاگھر کے پاس ایک درخت کے سائے تلے قیام پذیر ہوئے، پادری نے میسرہ کی جانب دیکھااوران سے کہا: یہ آدمی جو درخت کے نیچے رکاہے وہ کون ہے؟

میسرہ نے اس سے کہا: یہ اہل حرم میں سے قریش کے ایک فرد ہیں، پادری نے کہا: اس درخت کے نیچے کبھی بھی نبی کے علاوہ کسی نے قیام نہیں کیا[2]۔

اس نے میسرہ سے کہا: کیاان کے دونوں آنکھ میں لالی ہے،اس نے کہا: ہاں؛وہ کبھی اس سے الگ نہیں ہوتی،اس نے کہا: وہ نبی ہیں اور نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔

پھر نبی ﷺ نے اپنے وہ سامان بیچے جسے آپ لے کر نکلے تھے،اسی درمیان آپ ﷺ اور ایک دوسرے آدمی کے درمیان جھگڑا ہونے لگا اور اس نے آپ سے کہا: لات اور عزی کی قسم کھاؤ اس سے آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کبھی بھی ان کی قسم نہیں کھائی اور جب میں ان کے پاس سے گذرتا ہوں تو ان سے منہ موڑ لیتا ہوں،اس شخص نے کہا: بات تمہاری ہی ہوگی، پھر اللہ کے رسول نے جو خریدنا چاہا اسے خریدا اور پھر آپ ﷺ میسرہ کے ساتھ مکہ کے لئے واپس ہوگئے۔

اللہ تعالی نے میسرہ کے دل میں آپ ﷺ کی محبت ڈال دی گویا وہ آپ ہی کے غلام ہوں جب وہ مرظہران نامی جگہ پر تھے، تو میسرہ نے کہا: اے محمد خدیجہ کے پاس چلو اور انہیں وہ بتادو جو اللہ نے ان کے لئے آپ کے ذریعہ کیا ہے وہ آپ کے لئے اسے جانتی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ

---

(1) حافظ نے اصابہ (۶/ ۱۸۹) میں فرمایا: مجھے کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس میں یہ پتہ چلے کہ وہ بعثت تک باقی تھا۔

(2) امام سہیلی نے الروض الانف (۱/ ۳۲۳) میں کہا ہے کہ: اس سے مراد یہ کہ اس درخت کے نیچے اس وقت جو رکا تھا وہ نبی تھا،اس سے ان کا یہ کہنا تھا کہ اس کے نیچے کبھی بھی نبی کے علاوہ کوئی نہیں رکا ہے، کیونکہ اس سے قبل انبیاء کے مابین لمبا فاصلہ تھا،اور کسی درخت کی عمر عام طور پر اتنی لمبی نہیں ہوتی ہے، کہ اسے معلوم ہو سکے کہ اس کے نیچے عیسی علیہ السلام یا کوئی اور نبی رکے تھے۔

آگے بڑھے یہاں تک کہ دوپہر کے وقت مکہ پہونچ گئے اس وقت خدیجہ دوسری منزل پر اپنے کمرے میں تھیں، انہوں نے اللہ کے رسول کو دیکھا وہ اونٹ پر سوار تھے اور دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوئے تھے، انہوں نے یہ منظر عورتوں کو دکھایا انہیں یہ منظر پسند آیا، اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس آئے اور سفر کے منافع کی خبر دی تو وہ خوش ہوئیں جب میسرہ ان کے پاس آئے تو انہوں نے ان سے فرشتوں کا سایہ کرنے والا وہ ماجرا بتایا تو انہوں نے کہا: میں نے یہ ماجرا شام سے نکلتے وقت ہی سے دیکھا ہے، اور میسرہ نے انہیں نسطور نامی راہب کی بات بھی بتائی، پھر خدیجہ نے آپ ﷺ کی لائی ہوئی سامان تجارت کو فروخت کیا جس میں انہیں خوب منافع ہوا اور انہوں نے آپ ﷺ کو اپنے قوم کے دوسرے لوگوں سے دوگنا اجرت دی[1]۔

● اضطراب کے سبب ایک ضعیف روایت:

امام احمد نے اپنی مسند اور ابوداود اور ابن ماجہ نے سنن میں اضطراب کے سبب ضعیف سند سے سائب بن ابو سائب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: مجھے اللہ کے نبی ﷺ کے پاس فتح مکہ والے دن لایا گیا تو لوگ میری تعریف کرنے لگے تو ان سے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: مجھے اس کی پہچان مت بتاؤ یہ تو جاہلیت میں میرا ساتھی تھا۔

میں نے کہا: ہاں اے اللہ کے رسول ﷺ آپ بہت ہی اچھے ساتھی تھے۔

(1) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خدیجہ کے مال کو لے کر نکلنے کا قصہ درج ذیل لوگوں نے تخریج کیا ہے: طبقات ابن سعد (۱/ ۶۱-۶۲)، اور ا سیرۃ لابن اسحاق (۱/ ۲۲۴) بلا اسناد، اور امام ذہبی نے اپنی سیرت (۱/ ۶۲) میں اسے محاملی کے طریق سے عبداللہ بن شبیب کے حوالے سے نقل کیا ہے، اور وہ کمزور روایت ہے پھر اس نے اس کو بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ: یہ منکر حدیث ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے سائب تم جاہلیت میں اپنے اخلاق پر غور کرو اور اسے اسلام میں بھی نافذ کرو مہمان نوازی کرو، یتیم کی تکریم کرو، اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو[1]۔

حافظ نے تہذیب التہذیب میں کہا ہے کہ: یہ حدیث جس میں نبی ﷺ کے شریک کا ذکر ہے وہ بہت ہی مضطرب ہے[2]، بعض لوگ اسے سائب بن سائب کے بارے میں بتاتے ہیں اور کچھ لوگ ان کے والد اور کچھ لوگ قیس بن سائب کے بارے میں اور کچھ عبداللہ یعنی عبداللہ بن سائب کے بارے میں، اور یہ سخت اضطراب ہے۔

اور ابن اسحاق نے السیرہ میں ذکر کیا ہے کہ: سائب بدر کے دن حالت کفر میں قتل کئے گئے تھے[3]، پھر دوسری جگہ ذکر کیا ہے کہ: وہ اسلام لائے تھے اور انہوں نے نبی ﷺ سے بیعت کی تھی، اور ان کا اسلام اچھا ہوا تھا، اللہ اعلم[4]۔

❀❀❀

---

(1) اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں کی ہے، حدیث نمبر (۱۵۵۰۰)، اور ابوداود نے اپنی سنن میں کی ہے حدیث نمبر (۴۸۳۶) اور ابن ماجہ نے اپنے سنن (۲۲۸۷) میں کی ہے اسے ابن الاثیر نے جامع الاصول میں حدیث نمبر (۳۲۱۶) پر تخریج کی ہے۔

(2) جس نے اس حدیث کو اضطراب کے سبب معلول قرار دیا ہے ان میں ابن عبدالبر بھی ہیں انہوں نے الاستیعاب (۲/ ۱۴۱) اور سہیلی نے الروض الانف (۳/ ۱۷۲) میں کی ہے۔

(3) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۳۲۵/۳)۔

(4) دیکھئے: تہذیب التہذیب (۱/ ۶۸۲)۔

نبی ﷺ کی حضرت خدیجہ [1] سے شادی

حضرت خدیجہ کو قریش کے عورتوں کا سردار کہا جاتا تھا،ان کی عفت و پاکدامنی کے سبب انہیں طاہرہ بھی کہتے تھے،وہ پاکباز اور کشادہ عقل اور حسب و مال کی مالک تھیں۔

جب انہوں نے رسول ﷺ کی عظیم امانت داری اور آپ کے اچھے اخلاق اور آپ کی سچی گفتگو کے بارے میں سنا تو انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے اپنی کھوئی ہوئی چیز واپس پالی ہے،تو انہوں نے جانا کہ وہ ایسے شخص ہیں جنہیں کوئی ضرورت جھکا نہیں سکتی اور نہ ہی انہیں مال کی خواہش ہے اور نہ ہی خوبصورتی ان کے نزدیک کوئی معنی رکھتی ہے،تو انہوں نے اپنے دل کی بات اپنی سہیلی

---

(1)حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری(۵۱۲/۷)میں فرماتے ہیں:حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنے زمانے میں پورے جہان کی عورتوں کی سردار تھیں،ام قاسم قریشی اور اسدی تھیں،یہ ان عورتوں میں سے تھیں جو بالکل مکمل تھیں اور یہ بہت ہی زیادہ عقل والی اعلی مقام اور دین والی باپردہ اور اور کریم خاتون تھیں،اہل جنت میں سے تھیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف کیا کرتے تھے اور انہیں تمام امہات المومنین پر فصیلت دیا کرتے تھے اور ان کی تعظیم میں مبالغہ کیا کرتے تھے یہ پہلی خاتون ہیں جن سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نکاح کیا یہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی ہیں،ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاکر کے قصی میں ملتا ہے یہ نسب کے اعتبار سے آپ ﷺ کے سب سے قریب خاتون ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصی کی ذریت سے ان کے علاوہ ام حبیبہ کے سوا کسی سے بھی نکاح نہ کیا جاہلیت میں انہیں طاہرہ کے نام سے جانا جاتا تھا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بعثت سے پندرہ سال پہلے نکاح کیا تھا یہ بہت مالدار خاتون تھیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابراہیم کے علاوہ تمام اولادیں انہیں سے ہوئی تھیں۔
اور یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں اور ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے سب سے پہلی شخص تھیں،اللہ رب العالمین نے ان کے ذریعے سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیفوں کو کم کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی ناپسندیدہ چیز سنتے تھے ان کی جانب رجوع کرتے تھے وہ آپ کو حوصلہ دیتی تھیں اور لوگوں کے معاملے کو آپ پر ہلکا کرتی تھیں اور وحی کی ابتدا سے متعلق ابواب میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ:انہوں نے سب سے پہلے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی تھی اور معاملے میں ان کا ثابت قدم ہونا سے ان کے یقین کی قوت اور عقل کی کثرت اور صحیح عزم پر دلیل ہے اور اس میں کوئی بھی تعجب کی بات نہیں کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راجح قول کے مطابق سب سے افضل بیوی تھیں،امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ:((حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا:اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ خدیجہ ہیں جو اپنے ساتھ ایک سالن سے بھرا ہوا برتن لے کر آئی ہیں یا کھانے یا پینے کی برتن لے کر آئی ہیں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں اپنے رب کی جانب سے سلام پیش کریں اور میری جانب سے بھی اور انہیں جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دیں جو موتیوں کی ہوگی جس میں تھکاوٹ وغیرہ نہ ہوگی))۔

نفیسہ بنت منیہ سے کہی اور وہ نبی ﷺ کے پاس گئیں اور آپ ﷺ سے خدیجہ سے شادی کی پیشکش کی آپ اس کے لئے راضی ہو گئے۔

اور اب آیئے ہم خدیجہ سے نبی کی شادی کا قصہ نفیسہ بنت منیہ کی زبانی سنتے ہیں، نفیسہ کہتی ہیں کہ: خدیجہ بنت خویلد اللہ کی طرف سے خاص کرامت و بھلائی کے مستحق ہونے کے ساتھ مضبوط ارادے والی شریف خاتون تھیں، وہ ان دنوں قریش کے بلند نسب اور اعلی ترین شرف اور سب سے زیادہ مال والی خاتون تھیں، ان کی قوم کا ہر فرد امکان کی صورت میں ان سے نکاح کا ارادہ رکھتا تھا، لوگوں نے ان کو پانے کی خاطر کوششیں بھی کی تھیں، انہوں نے مجھے محمد ﷺ کے شام کے تجارتی سفر سے واپسی کے بعد چپکے سے ان کے پاس بھیجا، اور میں نے کہا اے محمد: تم شادی کیوں نہیں کرتے آپ ﷺ نے کہا: میرے پاس شادی کے لئے کچھ نہیں ہے، میں نے کہا: اگر کوئی آپ کی جانب سے انتظام کر دے اور کوئی خوبصورت مال و شرف والا اور مناسب رشتہ ملے تو کیا تم اسے قبول کروگے؟ آپ نے کہا: وہ کون ہے؟ میں نے کہا: خدیجہ، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میرے لئے کیونکر ممکن ہے؟ وہ کہتی ہیں: میں نے کہا یہ میرے اوپر چھوڑ دو آپ ﷺ نے کہا: تو میں تیار ہوں، نفیسہ کہتی ہیں کہ: پھر میں نے جاکر خدیجہ کو ماجرا سنایا تو انہوں نے آپ کے پاس وقت کے تعیین کی خبر دی اور اپنے چچا عمرو بن اسد کو شادی کرانے کا پیغام بھیجا کیونکہ آپ کے والد حرب فجار سے قبل ہی فوت ہو گئے تھے[(1)]۔

●ابو طالب کا خطبہ:

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے کیا، انہوں نے آپ کو اس کی اجازت دے دی، اور انہیں آپ کی بیوی کے طور پر پسند کیا، آپ کے ساتھ آپ کے چچا ابو طالب

(1) الطبقات الکبری لابن سعد (۶۲/۱)۔

، حمزہ نکلے اور عمرو بن اسد[1] یعنی خدیجہ کے چچا کے پاس پہونچے اور انہوں نے اپنی بھتیجی کا پیغام نکاح دیا اس عقد میں مضر قبیلہ کے سردار بھی حاضر ہوئے، ابو طالب نے کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے کہا: تمام تعریف اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ابراہیم کی ذریت اسماعیل کی کھیتی، معد کی بنیاد سے بنایا، اور ہمیں اپنے گھر کا رکھوالا[2] اور اپنے حرم کے انتظام اور دیکھ بھال کی ذمہ داری عطا کی اور ہمارے لئے ایک پناہ گاہ بنایا، اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا، اور میرا یہ بھتیجا محمد بن عبداللہ کسی بھی آدمی سے مقابلہ کیا جائے شرف، مرتبہ فضل اور عقل میں وہ سب سے اوپر ہی ہوں گے، اگر مال میں کم ہوں گے تو مال تو ختم ہو جانے والا ہے، اور حائل ہو جانے والا ہے اور محمد کے قرابت کو تم تو جانتے ہی ہو، انہوں نے تمہاری طرف تمہاری لخت جگر خدیجہ سے نکاح کا پیغام دیا ہے، اور انہیں فوری طور پر مہر بھی دیا اور بعد میں ساڑھے بارہ اوقیہ سونا دینے کا وعدہ ہے، اور اللہ کی قسم اس کا معاملہ بہت عظیم ہونے والا ہے، تو اس کے جواب میں خدیجہ کے ولی کا کہنا تھا کہ: یہ تو بالکل برابری کا رشتہ ہے، یہ ہمیں منظور ہے[3]۔

---

(1) یہ جمہور کا قول ہے کہ سب سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خدیجہ کی شادی کے وقت جو ولی بنے تھے وہ ان کے چچا عمرو ابن اسد تھے۔

امام سہیلی الروض الانف (۳۲۵/۱) میں کہتے ہیں یہی صحیح بات ہے کیونکہ ان کے والد حرب فجار سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔

اور حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۷۰۱/۲) میں کہتے ہیں کی اتفاق اسی بات پر ہے کہ ان کے چچا عمرو بن اسد ہی نے ان کی شادی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائی تھی۔

(2) السیاسة: کسی چیز کا اہتمام کرنا جس سے اس کی اصلاح ہو جائے دیکھیے: النہایة (۳۷۸/۲)۔

اور اسی سے حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے حدیث نمبر (۳۴۵۵) اور مسلم نے اپنی صحیح میں آیت نمبر (۱۸۴۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کیا کرتے تھے))۔

یعنی ان کے معاملات کے وہی ذمہ دار ہوتے تھے، جیسے کہ امراء اور ولاۃ اپنی رعایہ کے ساتھ کرتے ہیں، دیکھیے: النہایة (۳۷۸/۲)۔

(3) یعنی وہ برابری اور یکسانیت کا رشتہ تھا جس کے نکاح کو واپس نہیں کیا جا سکتا، دیکھیے: النہایة (۳۹/۴)۔

اور اللہ کے رسول ﷺ نے خدیجہ سے دخول کیا، اور ولیمہ کیا، اس وقت آپ ﷺ نے ایک یا دو اونٹنیاں ذبح کیں اور لوگوں کو کھلایا، اس طرح خدیجہ وہ پہلی خاتون تھیں جن سے نبی ﷺ نے نکاح کیا اور ان کی موجودگی میں آپ ﷺ نے کسی سے بھی نکاح نہ کیا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئیں۔ اللہ ان سے راضی ہو۔[1]

امام بوصیریؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ورأته خديجة و التقى والزهـ ... ـد فيـه سجية والحياء

وأتاها أن الغمامة والسرح[2] ... أظلته منهما أفيـاء

وأحاديث أو وعد رسول الله ... بالبعث حـان منه الوفاء

فدعته الى الزواج ومـا ... أحسن أن يبلغ المنى الاذكياء

● ایک ضعیف روایت:

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند ضعیف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ کو یاد کیا اور ان کے والد ان کی آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے[3] لہذا انہوں نے کھانا اور پینا تیار کیا اور انہوں نے اپنے والد اور قریش کے کچھ لوگوں کو بلایا انہوں نے کھانا کھایا اور پانی پیا، یہاں تک کہ وہ وہ نشے کے شکار ہو گئے انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ: محمد مجھے نکاح کا پیغام دے رہے ہیں تو آپ میری شادی ان سے کرا دیں تو ان کے والد نے ان کی آپ ﷺ سے شادی کر دی، اب انہوں نے آپ کو خوشبو لگایا، اور آپ کو اچھا جوڑا پہنایا اس وقت

---

(1) دیکھئے: سیرت ابن ہشام (۲۲۶/۱)۔

(2) السرح: وہ درخت جس کی ٹہنیاں اس پر لٹکی ہوئی ہوں۔ دیکھئے: سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد (۱۹۱/۲)۔

(3) سندی مسند کی شرح (۹۷/۳) میں کہتے ہیں: یعنی ان سے نکاح نہیں کرنا چاہتے تھے نہ کہ جیسا کہ بعد میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کرنا چاہتے تھے۔

لوگ اپنے آباء واجداد کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے تھے پھر جب ان کا نشہ ختم ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ :ان کو خوشبو لگا یا گیا ہے اور ان پر اچھا جوڑا ہے تو انہوں نے کہا: مجھے کیا ہو گیا یہ کیا ہے ؟انہوں نے کہا کہ :تم نے میری شادی محمد بن عبداللہ سے کی ہے، انہوں نے کہا: میں تمہاری شادی ابو طالب کے یتیم سے کروں گا! نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

پھر خدیجہ نے کہا: کیا تم شرم نہیں کرتے! کیا تم چاہتے ہو کہ قریش کے لوگوں کے سامنے تم اپنے آپ کو بیوقوف بناؤ، تم لوگوں کو بتاؤ گے کہ تم نشے میں تھے؟ وہ ان کے ساتھ اسی طرح سے رہیں یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئے [1]۔

میں کہتا ہوں کہ :ابن سعد نے اسے اپنے طبقات میں اسی طرح سے محمد بن عمر الواقدی کے طریق سے نقل کیا ہے، پھر واقدی کا کہنا ہے :یہ میرے نزدیک غلط اور غیر درست ہے اور ہمارے نزدیک اہل علم سے محفوظ اور صحیح بات یہی ہے کہ ان کے والد خویلد بن اسد واقعہ فجار سے پہلے فوت ہو گئے تھے،اور ان کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی آپ کے چچا عمرو بن اسد نے کرائی تھی [2]۔

میں کہتا ہوں ہو: یہی زبیر بن بکار وغیرہ کا بھی کہنا ہے،اور اسے ابن اثیر [3] نے بھی ذکر کیا ہے اور یہی مبرد اور ان کے علاوہ اور ان کے ساتھیوں کا بھی کہنا ہے، اسے سہیلی نے ذکر کیا ہے [4]۔

---

(1)مسند أمام أحمد حدیث نمبر (۲۸۴۹)۔

(2)الطبقات الکبری لابن سعد (۶۳/۱)۔

(3)أسد الغابة (۲۶۱/۵)۔

(4)الروض الأنف (۳۲۴/۱)۔

● حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت اللہ کے رسول ﷺ کی عمر:

جب آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۲۵ سال تھی اور یہ واقعہ آپ ﷺ کے شام سے واپسی کے دو مہینے بعد کا ہے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی[1]۔

خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دو آدمیوں سے نکاح کیا تھا تھا پہلے شخص عتیق بن عائذ تھے جن سے عبد اللہ اور ایک بیٹی جن کا نام ہند تھا کی ولادت ہوئی جس سے ان کے چچازاد بھائی صیفی بن امیہ مخزومی نے شادی کی اور ان سے ان کے بیٹے محمد کی ولادت ہوئی اور دوسرے شخص تھے ابو ہالہ بن مالک جو بنو تمیم سے تھے ان کا نام ہند تھا، ان کے ذریعے سے ایک بیٹا جس کا نام ہالہ تھا اور دوسرے کا نام ہند تھا اور ایک بیٹی جس کا نام زینب تھا ان کی ولادت ہوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ان کے اپنے گھر میں رخصتی کی اور وہیں پر آپ کی تمام اولاد ان سے ہوئیں اور وہیں پر وفات بھی پائیں وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکون پذیر رہے یہاں تک کہ مدینہ ہجرت کر کے نکل گئے تو پھر اس گھر کو عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے لے لیا[2]۔

---

(1) اس کو ابن سعد نے طبقات میں (۲۵۰/۸) واقدی کے حوالے سے روایت کیا ہے اور واقدی متروک ہیں۔

(2) خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے نکاح کے تفصیل دیکھئے: سیرۃ ابن ھشام (۲۲۴/۱)، الروض الأنف (۳۲۴/۱)، دلائل نبوت از بیہقی (۲/ ۶۸- اور اسکے بعد) الطبقات الکبری لابن سعد (۶۲/۱)۔

● ایک موضوع حدیث:

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں زہری کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالی کا شکر ہے جس نے مجھے روٹی کھلایا اور ریشم پہنایا اور خدیجہ سے میری شادی کرائی اور میں ان کا دیوانہ تھا[1]۔

یہ موضوع حدیث ہے یہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

● خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اللہ کے نبی ﷺ کی اولاد:

خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے ابراہیم کے علاوہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سبھی اولاد کو جنم دیا تھا ان کی والدہ ماریہ[2] قبطیہ تھیں۔

سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کے یہاں خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بعثت سے پہلے قاسم کی ولادت ہوئی، آپ ﷺ نے انہیں کی نسبت سے اپنی کنیت ابو القاسم رکھی تھی، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں بہت ہی کمزور سند کے ساتھ حسین ابن علی رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب قاسم بن رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو خدیجہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ قاسم کا دودھ ابھی بھی آرہا ہے، تو اللہ رب العالمین انہیں اس وقت تک کیوں نہیں باقی رکھتے یہاں تک کہ وہ اپنی رضاعت کو مکمل کر لیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: ((ان کی رضاعت کی تکمیل جنت میں ہو گی))۔

---

(1) مستدرک حاکم حدیث نمبر (۴۸۹۳)۔

(2) یہ ماریہ بنت شمعون ہیں جنہیں اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس نے اللہ کے رسول ﷺ کو سنہ ۷ ہجری میں تحفہ میں دیا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملک یمین کے طور پر ہم بستری کیا کرتے تھے اور آپ ﷺ نے انہیں حجاب کا حکم دیا تھا یہ آپ ﷺ سے حمل سے ہوئی اور آپ کے لئے ابراہیم کو جنم دیا ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں محرم ۱۶ ہجری میں ہوئی، دیکھئے: الإصابة (۸/۳۱۰)۔

وہ کہتی ہیں کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ اگر میں یہ جانتی تو مجھ پر ان کا معاملہ آسان ہو جاتا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((اگر آپ چاہیں تو میں اللہ سے دعا کر کے تمھیں ان کی آواز سنا دوں))۔

انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ نہیں میں اللہ کے رسول کی تصدیق کرتی ہوں[1]۔

پھر زینب[2] رقیہ[3] ام کلثوم[4] اور فاطمہ[5] کی ولادت ہوئی اور حالت اسلام میں عبد اللہ کی ولادت ہوئی عبد اللہ کا لقب طیب اور طاہر تھا کیوں کہ ان کی ولادت نبوت کے بعد ہوئی تھی -اللہ تعالی ان سب سے راضی ہو-۔

---

(1) سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء في الصلاۃ علی ابن رسول اللہ حدیث نمبر (۱۵۱۲)۔

(2) یہ زینب بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو آپ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی تھیں اور ان میں سے سب سے پہلے انہوں نے ہی نکاح کیا تھا ان سے ان کے خالہ کے لڑکے ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا ان کی والدہ ہالہ بنت خویلد تھیں، زینب مسلمان ہوئیں اور اپنے والد پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کیں اور ان کی وفات ۸ ہجری میں ہوئی، دیکھئے: الإصابۃ (۱۵۱/۸)۔

(3) یہ رقیہ بنت رسول ﷺ ہیں، جب رقیہ کی ولادت ہوئی تو اللہ کے رسول ﷺ کی عمر ۳۳ سال تھی ان سے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے نکاح کیا تھا اور ان کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی جانب ہجرت کر کے گئی تھیں اور ان کے لئے وہاں پر انہوں نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا، اس کا نام انہوں نے عبد اللہ رکھا چنانچہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو اسی کنیت سے پکارا جاتا تھا یہ بدر والے دن فوت ہوئیں اور اس دن دفن کی گئیں جب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بدر کے دن فتح کی خوشخبری لے کر آئے، دیکھئے: أسد الغابۃ (۲۸۵/۵)۔

(4) یہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ ہیں یہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے بڑی تھیں ان سے عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کی بہن رقیہ کی وفات کے بعد نکاح کیا جو کہ جمادی الآخرۃ سنہ ۳ ہجری کی بات ہے اور ان کے یہاں عثمان رضی اللہ عنہ کے ذریعہ سے کوئی اولاد نہ ہوئی ان کی وفات سنہ ۹ ہجری میں ہوئی اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نماز جنازہ پڑھایا، دیکھئے: الاستیعاب (۵۰۶/۴)۔

(5) یہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہیں جو اپنے زمانے میں تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار تھیں، اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹیوں میں سب سے چھوٹی تھیں یہ بعثت سے چار یا پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں اور اپنے والد (نبی ﷺ) کی وفات کے چھ مہینے کے بعد فوت ہوئیں اور یہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے آپ سے ملنے والی تھیں، ان کی نماز جنازہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے پڑھائی اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ۳۰ سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے ۳۵ سال تھی، دیکھیں: الإصابۃ (۲۶۲/۸)۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: پھر آپ ﷺ کے یہاں عبداللہ کی ولادت ہوئی، کیا ان کی ولادت نبوت کے بعد ہوئی یا پہلے اس سلسلے میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ ان کی ولادت نبوت کے بعد ہوئی ہے، کیا وہی طیب وطاہر ہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور اس بارے میں دو قول ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں انہی کا لقب ہے، واللہ اعلم [1]۔

آپ ﷺ کے سارے بیٹے چھوٹے عمر میں ہی انتقال کر گئے، قاسم کی وفات اس وقت ہوئی جب وہ چلنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ جانور پر سوار ہونے کے عمر کو پہنچ کر فوت ہوئے پھر عبداللہ کی وفات ہوئی جو بالکل چھوٹے بچے تھے۔

رہی بات اللہ کے رسول ﷺ کے صاحبزادیوں کی تو ان سب نے اسلام کو پایا تھا، انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور شادی کی عمر کو پہنچ کر انہوں نے شادی بھی کی تھی ان میں سے فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہ کے علاوہ سارے لوگوں کی وفات نبی ﷺ کی زندگی میں ہی ہو گئی تھی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات رسول ﷺ کے چھ مہینے بعد ہوئی [2]۔

● مشرکین کا اللہ کے رسول ﷺ کے نسب کے انقطاع کا طعنہ دینا:

مشرکین مکہ نبی ﷺ کو آپ کے نسب کے منقطع ہونے کا طعنہ دیتے تھے، کیونکہ آپ کے سارے مرد اولاد فوت ہو چکے تھے، ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں: قاسم کی وفات ہوئی جو کہ اور آپ ﷺ کی اولاد میں سب سے پہلے مکہ میں فوت ہونے والے تھے، پھر عبداللہ کی وفات

(1) زادالمعاد (۱/۱۰۱)۔

(2) سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (۱۱/۱۶)، دلائل نبوت از امام بیہقي (۲/۶۹)، الطبقات الکبری لابن سعد (۱/۶۳)۔

ہوئی تو عاص بن وائل نے کہا: ان کے بیٹے فوت ہو گئے اب ان کا ذکر ختم ہو جائے گا[1] تو اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ [الکوثر: ۳][2]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے کہ آپ کے اولاد میں سے کوئی بھی آدمی زندہ نہ رہے تاکہ بعد کے لوگ ان کی وجہ سے فتنے میں نہ پڑیں اور ان کے لئے نبوت کا دعوی نہ کریں، اللہ رب العالمین نے آپ کی بشری فطرت کی تکمیل کے لیے آپ کو مذکر اولاد دیں، ان کے ذریعے اللہ رب العالمین نے آپ کے انسانی حاجت کو پورا کیا کیا تاکہ آپ ﷺ کی رجولت میں کوئی کمی نہ ہو یا آپ کو کوئی کسی طرح کی بات نہ کہے، پھر انہیں اللہ رب العالمین نے چھوٹے عمر ہی میں لے لیا اور اس لئے بھی کی تاکہ جن لوگوں کو بیٹے ہوں نہ یا چھوٹے عمر ہی میں فوت ہو جائیں ان کو تسلی ہو سکے اور ان کو دلاسہ ہو سکے اور یہ اس لیے بھی کی یہ آزمائش کے شکلوں میں سے ایک شکل ہے اور لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کو لاحق ہوتی ہے پھر جو سب سے زیادہ نیک ہوتے ہیں[3]۔

❁❁❁

---

(1) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۵۰۵/۸) میں کہتے ہیں کہ: نہیں ہر گز نہیں بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ کے ذکر کو تمام لوگوں کے سامنے رکھا اور آپ کی شریعت کو تمام بندوں کے کندھوں پر واجب کیا یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رہیں گے حشر کے دن تک، ہمیشہ کے لئے قیامت تک آپ پر سلام ہو۔

اور حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

أغر عليه للنبوة خاتم ... من الله مشهود يلوح ويشهد

وضم الإله اسم النبي مع اسمه ... إذ قال المؤذن في الخمس أشهد

وشق لـه من اسمه ليجله ... فذو العرش محمود وهذا حامد

(2) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۶۳/۱)۔

(3) السيرة النبوية في ضوء الكتاب والسنة (۲۲۴/۱) از دکتور محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ۔

خانہ کعبہ کی تعمیر اور ایک عظیم فتنے کا سد باب

کعبہ[(1)] یہ اللہ رب العالمین کی عبادت کے لیے زمین پر تعمیر کیا گیا اللہ کا پہلا گھر ہے، فرمان باری تعالی ہے:﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾.[آل عمران:۹٦]

شیخان نے اپنی صحیحین ہے میں ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ،میں نے کہا:اے اللہ کے رسول ﷺ زمین میں سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ تو آپ نے فرمایا:مسجد حرام[(2)]۔

خانہ کعبہ کو بہت سارے حوادث سے دوچار ہونا پڑا جس کی وجہ سے اس کی بنیاد ہل گئی اور اس کی دیوار پھٹ گئی تھی، نبی ﷺ کی بعثت کے پچاس سال پہلے[(3)] مکہ میں بہت زبردست سیلاب آیا، جو بیت حرام کے پاس تک پہنچ گیا تھا، جس کی وجہ سے خانہ کعبہ گرنے کے دہانے پر تھا، اس سے قبل اس میں ایک عورت جو خوشبو لگایا کرتی تھی اس کے سبب آگ بھی لگ گئی تھی اور خانہ کعبہ کو آدمی کی قد کے برابر پتھروں کو ایک دوسرے پر رکھ کر بغیر کسی مضبوط کرنے والی شيء کے بنایا گیا تھا، لہذا اس کے مقام کو دیکھتے ہوئے اور اس کے حرمت کو برقرار رکھتے ہوئے قریش کے لوگوں نے

---

(1) ہر وہ چیز جو بلند اور اٹھی ہو وہ کعب کہلاتی ہے، اسی سے بیت اللہ الحرام کے لئے کعبہ کا بھی نام پڑا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام اس لئے پڑا کیونکہ وہ چوکون ہے، دیکھئے:النہایۃ(۴/۱۵۵)۔

(2) صحیح بخاری کتاب الأنبیاء حدیث نمبر(۳۳٦٦)، صحیح مسلم(کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ حدیث نمبر(۵۲۰)۔

(3) کعبہ کے تعمیر کے وقت کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے؛ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر(۹۱۰۳) ابن جریج کے حوالے سے مجاہد سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:....یہاں تک کہ جب نبی ﷺ کی بعثت سے ۱۵ سال پہلے کا عرصہ تھا تو قریش نے اسے تعمیر کیا....
اسی کو موسی بن عقبہ نے اپنی مغازی میں جزم کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کی تاکید ابن اسحاق نے بھی کی ہے کہ کعبہ کی تعمیر بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی۔
اور حافظ ابن حجر فتح الباری(۴/۲۳۳) میں کہتے ہیں کہ:ابن اسحاق کا قول زیادہ مشہور ہے اور دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے آگ لگنے کا واقعہ تعمیر کی شروعات سے پہلے کا ہو۔

ضرورت محسوس کی کہ اس کی تعمیر نئے سرے سے کی جائے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ کعبہ کی تعمیر میں صرف اور صرف حلال کمائی لگائیں گے، لہذا وہ اس میں زانیہ کی کمائی، اور سود کی کمائی اور کسی کے ظلم کے طریقے سے لیے گئے مال کو اس میں نہ لگائیں گے [1]۔

جب قریش نے اسے گرانا چاہا تو انہیں خوف طاری ہوا، اور انہیں یہ ڈر ہوا کہ کہیں انہیں کوئی پریشانی نہ آپہونچے، کیونکہ اکثر لوگوں نے ابرہہ کے ساتھ پیش آنے واقعے کو دیکھ رکھا تھا، تو ولید بن مغیرہ مخزومی نے ان سے کہا: آخر تم اس کے گرانے سے اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہو یا اسے نقصان پہونچانا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: نہیں ہم تو اصلاح ہی چاہتے ہیں، تو اس نے کہا: پھر اللہ اصلاح کرنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا، اور اس نے کدال لے کر اسے ڈھانا شروع کردیا، تو ولید نے کہا: اٹھو میری مدد کرو، انہوں نے کہا: نہیں ہم کل تک انتظار کریں گے، اگر ولید کو کچھ ہوا تو ہم کچھ بھی نہ گرائیں گے اور اسے پہلے کی طرح لوٹادیں گے اور اگر کچھ نہ ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ ہم سے راضی ہے اور ہم اسے ڈھائیں گے۔

لہذا ولید کو صبح لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ نہ ہوا ہے، تو سب نے اس کے ساتھ ڈھانا شروع کیا، وہ کہا کرتے کہ: اے اللہ ہم نے صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے، یہاں تک کہ وہ گراکر ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیاد تک پہونچ گئے، تو انہیں اونٹنی کی کوہان کے مانند [2] سبز پتھر نظر آئے جو ایک دوسرے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔

(1) ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب السیرۃ النبویہ (۱/۲۲۷) میں فرماتے ہیں: یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عرب کے بہت سے لوگ حلال رزق تلاش کرتے تھے اور ان کے یہاں سود کا رواج یہودیوں کی طرف سے ہوا تھا۔

(2) ان کا مراد یہ ہے کہ وہ پتھر ایک دوسرے کے اوپر اسی طرح سے تھے جس طرح سے کہ ان کی ہڈیاں ایک دوسرے کے اندر ہوتی ہیں چنانچہ انہوں نے اسے اس کے ذریعے سے تشبیہ دی، دیکھئے: النہایہ (۲/۳۶۷)۔

پھر قریش کا ایک آدمی جو خانہ کعبہ کو ڈھا رہا تھا وہ کھڑا ہوا اور اس نے اپنا ہتھیار[1] ان میں سے دو پتھروں کے درمیان رکھا تاکہ ان دونوں میں سے اس کے ذریعہ سے ایک کو اکھاڑ دے جیسے یہ پتھر ہلا تو پورا کا پورا مکہ لرز اٹھا، تو انہوں نے اس بنیاد کو اسی حالت پر چھوڑ دیا۔

مکہ کے سارے سردار اور اور تمام لوگ گرانے اور بنانے کے کام میں شامل ہوئے انہوں نے کعبہ کو تقسیم کیا اور ہر قبیلے کے لئے اس کا ایک خاص حصہ متعین کیا، لہذا دروازے والا سرا بنی عبد مناف اور زہرا کے حصے میں آیا اور رکن اسود اور رکن یمانی کے درمیان کا حصہ بنو مخزوم اور قریش کے دیگر قبائل کے حصے میں آیا اور کعبہ کا اوپری حصہ جمح اور سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئ کے دونوں بیٹوں کے حصے میں آیا اور حجر کا حصہ بنی عبد الدار بن قصی اور بنو اسد بن عبد العزی بن قصی اور بنو عدی بن کعب بن لوئی کے حصے میں آیا، جسے سے حطیم کہا جاتا ہے[2]۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے چچاؤں کے ساتھ تعمیر اور پتھر ڈھونے میں شریک ہوئے اس وقت آپ ﷺ کی عمر ۳۵ سال تھی[3]۔

شیخان نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ ان کے ساتھ خانہ کعبہ کے لئے پتھر ڈھویا کرتے تھے اور آپ پر ازار تھا ،آپ کے چچا عباس نے آپ سے کہا: میرے بھتیجے تم اپنا ازار نکال دو اور اسے اپنے کندھے پر پتھر

(1) بڑا لوہا جس کے ذریعہ سے درخت اور پتھر اکھاڑے جاتے ہیں، دیکھئے: النھایۃ (۱۶۳/۳)۔

(2) حطیم: اس میں اختلاف پایا جاتا ہے لیکن سب سے مشہور بات یہ ہے کہ یہ حجر اسماعیل علیہ السلام ہے اور حطیم اس کا نام اس لیے پڑا کیوں کہ لوگ اس میں اتنی بھیڑ لگایا کرتے ہیں جس سے ایک دوسرے کو کچل دیا کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کیوں کہ عرب کے لوگ اس میں اپنے وہ کپڑے سکھاتے تھے جس کو پہن کر طواف کیا کرتے تھے اور انہیں اس وقت تک چھوڑ دیتے تھے کہ وہ پھٹ جاتا اور زیادہ دن ہونے کی وجہ سے خراب ہو جاتا، دیکھئے: النھایۃ (۳۸۸/۱)۔

(3) رسول ﷺ کے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت عمر سے متعلق صحیح بات یہی ہے اور یہ مصنف عبدالرزاق الصنعانی میں ثابت بھی ہے ،حدیث نمبر (۹۱۰۶) اور اس کی سند صحیح ہے۔

کے نیچے رکھ لو آپ نے اسے نکال لیا اور اپنے کندھے پر رکھ لیا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اس کے بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے پردہ نہیں دیکھا گیا[1]۔

اور ایک لفظ میں ہے کہ :"جب خانہ کعبہ بنایا گیا یا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عباس پتھر ڈھونے کے لئے گئے ،عباس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ : تم اپنے ازار کو اپنے کندھے پر رکھ لو ،پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمین پر گر گئے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی جانب اٹھ گئیں پھر آپ نے کہا کہ : مجھے میرا ازار اڑھاؤ اور پھر آپ نے اسے باندھ لیا[2]۔

جب سارے قبائل کے لوگ تعمیر کر کے حجر اسود[3] کی جگہ پر پہنچے مجھے تو لوگوں میں جھگڑا ہوا کہ کون اسے رکھے گا ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ وہی اس شرف سے مشرف ہوں یہاں تک کہ سرزمین حرم میں ان کے درمیان جنگ کی نوبت پیش آنے والی تھی تو یہاں بنو عبدالدار کے لوگ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک خون سے بھرا برتن رکھا اور اس نے اور بنو عدی بن کعب بن لوئ نے موت پر معاہدہ کیا انہوں نے اپنے ہاتھوں کو برتن میں رکھا جس کا نام لعقہ دم رکھا گیا۔

---

(1) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ باب کراھیۃ التعري في الصلاۃ حدیث نمبر (۳۶۴) صحیح مسلم کتاب الحیض باب الاعتناء بحفظ العورۃ حدیث نمبر (۳۴۰) (۷۷)۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں :اس حدیث میں یہ بات موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی قبیح چیزوں سے حفاظت کی جاتی تھی اور اس کے بعد بھی اور اس حدیث میں لوگوں کے سامنے ننگا ہونے سے ممانعت کی دلیل موجود ہے۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں كتاب الحج باب فضل مكة وبنيانها حدیث نمبر (۱۵۸۲) اور مسلم نے اپنی صحیح میں كتاب الحيض باب الاعتناء بحفظ العورة حدیث نمبر (۳۴۰) میں کیا ہے۔

(3) الحجر الأسود: حجر اسود یہ روئے زمین پر موجود سب سے افضل اور پاکیزہ پتھر ہے اور اس کو بوسہ دینے کی فضیلت سے متعلق کئی احادیث وارد ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

وہ حدیث جس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے حدیث نمبر (۳۷۱۱) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ : اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((اس پتھر کے زبان اور ہونٹ ہونگے جو اپنے چھونے والے کے لئے قیامت کے دن گواہی دے گا))۔

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں مضبوط سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۳۶۹۸) ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ : اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((حجر اسود اور رکن یمانی کو چھونے سے گناہ ڈھل کر گرتے ہیں))۔

پھر قریش کے لوگ اسی حالت پر چار یا پانچ رات تک رہے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے ان کے ایک عقلمند یعنی ابوامیہ بن مغیرہ مخزومی کے پاس یہ الہام کیا جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ کے والد تھے اور وہ اس وقت قریش کے سب سے بزرگ انسان تھے انہوں نے کہا: اے قریش کے لوگوں تم اپنے درمیان اختلاف کو سلجھانے کے لئے باب بنی شیبہ [(1)] سے سب سے پہلے داخل ہونے والے کو حکم بنالو وہ اس کا فیصلہ کرے گا سب لوگ اس پر راضی ہو گئے اور ان سب نے اس رائے کو قبول کیا۔

• بڑی عقل والے شخص:

تمام لوگوں نے مسجد کے دروازے کی جانب اپنی نظر کو مرکوز کیا اور ساری گردنیں بلند ہو کر دیکھ رہی تھیں کہ یہ داخل ہونے والا شخص کون ہوگا؟ اچانک **صادق و امین** اللہ کے رسول ﷺ پر لوگوں کی نگاہ پڑی گویا اللہ رب العالمین نے آپ کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ قریش کے درمیان واقع ہو رہے اس شر سے انہیں نجات دیں، جب انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہا: یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں یہ محمد ہیں۔

جب آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے اور انہوں نے یہ خبر آپ کو بتائی تو آپ ﷺ تھوڑی ہی دیر ٹھہرے اور پھر اپنا سب سے عظیم حل انہیں دیا اور کہا کہ ایک کپڑا میرے پاس لاؤ، آپ ﷺ کے پاس کپڑا لایا گیا، آپ ﷺ نے حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پر رکھا اور کہا کہ ہر قبیلے کے لوگ اس کپڑے کے ایک کونے کو پکڑ لیں پھر اسے سارے لوگ مل کر اٹھائیں جب

---

(1) یہ آج باب السلام کے نام سے معروف ہے۔

انہوں نے ایسا کیا اور حجر اسود اپنی جگہ پر پہنچ گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اس کی جگہ رکھ دیا اور تعمیر کا کام مکمل کیا گیا[1]۔

اس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے قریش سے ایک بڑی جنگ کو ہٹادیا، جو بہت حکمت بھرا حل تھا، اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں ہو سکتی تھی اور یہ آپ ﷺ کے لوگوں کے درمیان لڑائی اور جھگڑے اور اور نبوت کے بعد شعوب اور امتوں کی پریشانیوں کے حل میں حکمت اور تعلیم اور نرمی اور معاملات میں لطف کے ذریعے لوگوں میں اصلاح کے ذریعے ختم کرنے کی شروعات تھی تاکہ آپ دونوں جہانوں کے لئے رحمت ہوں اور آپ ﷺ ان پڑھ اور سیدھے سادے لوگوں میں جھگڑا کرنے والوں کے درمیان سراپہ رحمت تھے[2]۔

• حلال نفقے کی تنگی:

کعبہ کی تعمیر میں قریش کی کوشش اور مشقت کے باوجود ابراہیمی بنیادوں پر خانہ کعبہ کو مکمل کرنے سے حلال نفقے میں کمی پڑ گئی، مجبوراً انہوں نے شمالی جانب ایک ٹکڑا خالی چھوڑ دیا اور اس پر انہوں نے ایک چھوٹی سی دیوار قائم کر دی تاکہ یہ پتہ چلے کہ یہ کعبہ کا حصہ ہے جو اب حجر کے نام سے جانا جاتا ہے[3]۔

کعبہ کی اونچائی ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے زمانے میں ۹ گز تھی،اور اس میں مشرق اور مغرب کی جانب دو دروازے تھے ،تاکہ لوگ ایک دروازے سے داخل ہوں اور

(1) حجر اسود کے رکھنے سے متعلق آپ ﷺ کو حکم بنائے جانے کی تفصیل درج ذیل ائمہ نے تحریر کی ہے: مسند أحمد حدیث نمبر(۱۵۵۰۴)، شرح مشکل الآثار للطحاوي حدیث نمبر(۵۵۹۶)، مسند الطیالسي حدیث نمبر(۱۱۵) مستدرک حاکم حدیث نمبر(۱۷۲۶) (۱۷۲۷)۔

(2) السیرۃ النبویۃ از أبو الحسن الندوي رحمہ اللہ (ص ۱۱۲)۔

(3) شرح مسلم (۷۸/۹) میں امام نووی فرماتے ہیں: یہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے اسی لئے طواف اس کے باہر سے ہی درست ہے اور اس کا نام اس لیے پڑا کیوں کہ اسے کاٹ دیا گیا ہے یعنی کعبہ سے الگ کر دیا گیا ہے۔

دوسرے سے نکل جائیں، جب قریش نے اسے تعمیر کیا تو انہوں نے لمبائی میں نو گز کا مزید اضافہ کر دیا اور صرف ایک ہی دروازہ لگایا اور انہوں نے اس کے دروازے کو زمین سے اوپر اٹھا دیا تو اب اس میں بغیر سیڑھی کے کوئی نہیں چڑھ سکتا تھا سوائے اس کے جسے وہ چاہتے اور جسے چاہتے منع کر دیتے۔

شیخین نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ سے کہا کہ: اے عائشہ اگر آپ کی قوم کے لوگ جاہلیت سے ابھی نئے تعلق والے نہ ہوتے تو میں خانہ کعبہ کو ڈھانے کا حکم دیتا اور جو اس سے نکالا گیا ہے اس کو اس میں داخل کر دیتا، اور میں اسے زمین سے لگا دیتا اور اس میں دو دروازہ لگا دیتا ایک کے مشرقی جانب سے اور دوسرا مغربی جانب سے اور میں ابراہیم علیہ السلام کے بنیادوں پر اسے قائم کر دیتا[1]۔

شیخین نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے جدر[2] کے بارے میں سوال کیا کہ: کیا وہ خانہ کعبہ کا حصہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں نے کہا کہ: پھر اسے انہوں نے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ: تمہارے قوم کے لوگوں کے پاس اخراجات کی کمی ہوگئی تھی، میں نے کہا: اس کا دروازہ اتنا اونچا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ وہ جسے چاہے داخل کریں اور جسے چاہیں روکیں اور اگر تمہارے قوم کے لوگ جاہلیت سے ابھی ابھی تازہ رشتے والے نہ ہوتے تو مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں ان کے دل میں یہ چیز ناگوار نہ گزرے کہ میں جدر کو بیت اللہ میں شامل کر دوں اور اسے زمین کے برابر کر دوں[3]۔

---

(1) صحیح بخاري كتاب الحج باب فضل مكة وبنيانها حديث نمبر (١٥٨٦)، صحيح مسلم كتاب الحج باب نقض الكعبة وبنائها حديث نمبر (١٣٣٣)۔

(2) الجدر: جیم کے زبر اور دال کے سکون کے ساتھ ہے یہ حجر ہی ہے، جس میں خانہ کعبہ کے بنیاد بھی شامل ہیں اور یہ خانہ کعبہ کے مغربی سمت میں گول دیوار کا نام ہے، النهاية (٢٣٩/١)، فتح الباري (٢٣٥/٤)۔

(3) صحیح بخاری کتاب الحج باب فضل مكة وبنيانها حديث نمبر (١٥٨٤) صحيح مسلم كتاب الحج باب جدر الكعبة وبابها حديث نمبر (١٣٣٣) (٤٠٥)۔

● اس حدیث کے فوائد:

حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر والی حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

۱- ولی الامر کو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس کے انکار میں لوگ جلد بازی کے شکار ہوں اور جس سے ان کے دین یا دنیا میں نقصان کا ذرا سا خدشہ ہو۔

۲- اس میں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو جوڑنا چاہیے، خاص طور سے ایسے معاملات میں جس میں کسی واجب کو چھوڑنے کی نوبت نہیں آتی ہو۔

۳- اس میں یہ بھی ہے کہ فساد کو ختم کرنے اور مصلحت کو حاصل کرنے سلسلے میں اہم اہم ترین چیز کو دیکھنا چاہیے اور اگر دونوں میں تعارض ہو جائے تو فساد کو ختم کرنے سے شروع کیا جائے گا۔

۴- اس میں یہ بھی ہے کہ اگر فساد کے واقع ہونے سے امن ہو تو مصلحت کو عمل میں لانا درست ہو جائے گا۔

۵- اس میں یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں سے عام لوگوں کے بارے میں گفتگو کر سکتا ہے۔

۶- اس میں یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے احکام کی بجاآوری کے کس قدر حریص تھے۔[1]

❁❁❁

---

(1) فتح الباري (۲۴۲/۴)۔

نبی ﷺ کی جاہلیت کی گندگی سے حفاظت

اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی بعثت تک فضیلت والی اور شریف زندگی تھی آپ ﷺ کے اس زندگی میں بھی کوئی داغ نہ تھا اور نہ ہی آپ ﷺ سے کوئی غلطی صادر ہوئی تھی، آپ ﷺ کی پرورش اللہ رب العالمین کی نگرانی اور عنایت میں ہوئی، اللہ رب العالمین نے آپ کو جاہلیت کی گندگی سے محفوظ رکھا ہوا تھا کیوں کہ اللہ رب العالمین آپ کو رسالت کے ذریعے سے کرامت دینا چاہتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنی قوم میں سب سے افضل مروت والے اور سب سے اچھے اخلاق والے اور حسب و نسب میں سب سے کریم تھے اور آپ جوار میں بھی سب سے اچھے تھے اور آپ کا عزم وارادہ بھی بہت بلند تھا اور باتیں بھی آپ سب سے اچھی اور سچی کرتے تھے اور آپ امانت دار بھی تھے اور آپ برائی اور برے اخلاق سے بھی دور تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو امین کے نام سے جانا جاتا تھا[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر اپنی نعمتوں کو شمار کروایا، آپ ﷺ پر اللہ رب العالمین کی طرف سے درود اور سلام ہوں، اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ...﴾ وہ اس لئے کہ آپ ﷺ کے والد فوت ہو گئے تھے اس وقت آپ ﷺ اپنی ماں کے پیٹ میں حمل ہی کی صورت میں تھے، پھر آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب کا بھی انتقال ہو گیا جب آپ کی عمر چھ سال تھی، پھر اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں تھے یہاں تک کہ وہ بھی فوت ہو گئے جب آپ کی عمر ۸ سال کی تھی، پھر آپ کی کفالت آپ کے چچا ابو طالب نے کی اور وہ برابر آپ کی مدد کرتے رہے، آپ کی حفاظت کرتے رہے اور آپ کی قدر اور وقار کو بڑھاتے رہے اور ان کے قوم کی طرف سے لاحق ہونے والی ہر تکلیف اور پریشانی کو دور کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا

---

(1) السیرۃ النبویۃ از دکتور محمد أبو شہبہ (۲۳۵/۱)۔

اور ابو طالب اپنے باپ دادوں اور اپنی قوم کے بت پرستی والے دین ہی پر تھے ، یہ ساری اللہ رب العالمین کی حسن تدبیر اور تقدیر کا نتیجہ تھا، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے ابو طالب کو ہجرت سے کچھ روز پہلے وفات دے دی، پھر آپ ﷺ پر قریش کے بے وقوف اور جاہل لوگ ظلم کرنے لگے ، تو اللہ تعالی نے ان کے درمیان سے اوس و خزرج میں سے انصار کے شہر کو ہجرت کے لیے اختیار کیا، اسی طرح اللہ رب العالمین نے اپنے سنت کو مکمل اور اور کامل طریقے سے پورا کیا، جب آپ ﷺ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ ﷺ کی مدد کی، آپ کو پناہ دی، آپ کی حفاظت کی اور آپ کے ساتھ انہوں نے مل کر جہاد کیا، اللہ رب العالمین سب سے راضی ہو، یہ سب آپ ﷺ اور ان کے دین کی حفاظت کے طور پر تھا[1]۔

● اللہ کے رسول ﷺ کو بت بہت ہی ناپسند تھے:

اللہ کے رسول ﷺ صحیح عقیدے کے ساتھ پروان چڑھے، آپ کا ایمان سچا تھا، آپ گہری سوچ والے تھے ، آپ جاہلیت کے طور طریقوں کے سامنے جھکنے والے نہ تھے ، آپ ﷺ سے کبھی بھی یہ نہیں جانا گیا کہ آپ نے کسی بت کو سجدہ کیا ہو یا آپ نے اسے چھوا ہو یا آپ کسی کاہن یا عراف کے پاس گئے ہوں، بلکہ آپ ﷺ کو بت پرستی بہت زیادہ ناپسند تھی اور آپ ﷺ کو ان کا چھونا بہت ہی ناگوار تھا، امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند سے عروہ بن زبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ : مجھ سے خدیجہ کے ایک پڑوسی نے بیان کیا کہ : انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہتے ہوئے سنا تھا کہ : اے خدیجہ اللہ کی قسم میں کبھی بھی لات اور عزیٰ کی پوجا نہیں کروں گا، وہ کہتے ہیں: پھر خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کہتیں کہ آپ لات و عزیٰ کو چھوڑو[2]۔

---

(1) تفسیر ابن کثیر (۴۲۶/۸)۔

(2) مسند امام أحمد حدیث نمبر (۱۷۹۴۷)۔

اور جب آپ ﷺ کی ملاقات بحیرا راہب سے ہوئی تو بحیرا نے آپ سے کہا تھا: میں تمہیں لات و عزیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ: جو بھی میں تم سے پوچھوں گا اسے بتاؤگے، کیونکہ بحیرا کو یہ معلوم تھا کہ ان کی قوم کے لوگ ان کے ذریعے سے ہی قسم کھاتے ہیں، تو آپ ﷺ نے اس سے کہا تھا کہ: تم مجھ سے لات اور عزیٰ کا واسطہ دے کر کچھ بھی مت پوچھو؛ اللہ کی قسم مجھے ان سے زیادہ ناپسند دنیا میں کوئی اور نہیں[1]۔

امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی السنن الکبریٰ میں مضبوط سند سے زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں:.... پیتل کے دو بت تھے جنہیں اساف اور نائلہ کہا جاتا تھا سب مشرک لوگ ان کا طواف کرتے[2] وقت انہیں چھوا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے طواف کیا، میں نے بھی طواف کیا، جب میں وہاں سے گزرا تو میں نے اسے چھوا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اسے نہ چھوؤ، زید نے کہا کہ: پھر ہم نے طواف مکمل کیا، میں اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ میں اسے چھو کر رہا ہوں گا اور میں دیکھتا ہوں کیا ہوتا ہے، میں نے اسے چھوا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: اسے نہ چھوؤ، کیا تم کو منع نہیں کیا گیا؟۔

زید کہتے ہیں کہ: اللہ کی قسم جس نے انہیں عزت دی اور ان پر کتاب نازل کیا انہوں نے کبھی بھی کسی کو نہ چھوا یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے انہیں جس سے چاہا عزت دیں اور جو چاہے اللہ تعالی نے ان پر نازل کیا[3]۔

---

(1) بحیرا راہب کے حدیث کی تخریج گزر چکی ہے اور وہ صحیح ہے۔

(2) یعنی: کعبہ کے ارد گرد۔

(3) اس حدیث کی تخریج امام نسائی نے سنن کبریٰ کتاب المناقب، باب زید بن عمرو بن نفیل حدیث نمبر (۸۱۳۲) میں اور امام ذھبی نے السیرۃ النبویہ میں (۷۳/۱) پر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور اسے امام حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳۰۸/۴) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو مضبوط کہا ہے۔

● شعر بھی اللہ رب العالمین نے رسول ﷺ کو ناپسند تھا:

اسی طرح سے شعر کہنا[1] بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا کبھی بھی آپ ﷺ سے یہ نہیں جانا جاتا کہ آپ نے کہیں شعر کہا ہو، یا آپ نے کوئی قصیدہ لکھا ہو یا اس کی کوشش کی ہو کیوں کہ یہ نبوت کے مرتبے سے موافقت نہیں کرتا اور آپ ﷺ کے زمانے میں شعراء اور اچھے اخلاق اور اچھی سیرت والے نہیں ہوا کرتے تھے، تو اس میں کوئی عجیب بات نہیں کہ اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو شعر سے دور رکھا اور رسالت اُسلوب اور تعبیر میں انتخاب کا متقاضی ہوتا ہے جبکہ شعر تقیّد اور التزام کا نام ہے اور اللہ تعالی نے سچ ہی کہا ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنبَغِي لَهُ﴾[یس:٦٩]۔

اس سب کے باوجود آپ ﷺ شعر کی خوبصورتی اور حکمت اور عمدگی کا ذوق رکھتے تھے اور کبھی کبھار آپ ﷺ اپنے صحابہ سے شعر کہنے کو کہا کرتے تھے[2] تھے اور اس میں کوئی حرج

---

(1) اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (٢٥٠٢٠) پر روایت کیا ہے، شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابو نوفل ابن ابو عقرب کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے پوچھا: کیا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس شعر سنا جاتا تھا؟ تو انہوں نے کہا: شعر آپ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی تھی۔

(2) امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں حدیث نمبر (٢٢٥٥) پر روایت کیا ہے شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ: میں ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھا تو آپ نے فرمایا: کیا تم امیہ ابن ابی صلت کی کوئی شاعری یاد کئے ہوئے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: پڑھو، تو میں نے ایک شعر پڑھا تو آپ نے کہا: اور بھی پڑھو، تو میں نے ایک اور شعر پڑھا تو آپ ﷺ نے کہا اور پڑھو تو میں نے سو اشعار پڑھ کر آپ کو سنائے۔

امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (١٠/١٥) میں کہتے ہیں: اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ نبی ﷺ کو امیہ کے شعر اچھے لگتے تھے اور آپ نے ان سے اس کے پڑھنے کا مطالبہ کیا، کیونکہ اس میں وحدانیت اور بعث بعد الموت کا اقرار موجود تھا چنانچہ اس میں ایسے شعر کا جواز موجود ہے جس میں فحش گوئی نہ ہو، اس کو سنا بھی جاسکتا ہے، چاہے وہ جاہلیت کا شعر ہو یا کوئی اور فحش کلامی کے علاوہ اشعار میں مذموم وہ ہے جس کی کثرت کی جائے، اور یہ کہ وہ انسان پر غالب ہو، رہی بات تھوڑے کی تو اس کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کے سننے اور یاد کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

بھی نہیں کیوں کہ آپ ﷺ ہی نے کہا ہے کہ :((بہت سے بیان میں جادو ہوتا ہے اور بہت سے شعر میں حکمت ہوتی ہے))۔[1]

اور وہی حسان بن ثابت[2] سے کہتے تھے کہ : ((تم مشرکین کی ہجو بیان کرو جبرئیل علیہ السلام تمہارے ساتھ ہیں))[3]۔

● آپ ﷺ نے کبھی شراب نہ پیا اور نہ ہی کبھی زناکاری کی:

آپ صلی ﷺ نے کبھی بھی شراب نہیں پی اور نہ ہی آپ نے کبھی زناکاری کی اور نہ ہی آپ کو اہل جاہلیت کے مانند لہو ولعب اور جوے کی عادت تھی، اور نہ ہی برے لوگوں اور ناچنے والوں کے ساتھ رہے... باوجود یہ کہ آپ بھی جوان تھے اور آپ میں بھی جذبہ تھا اور آپ بھی شرف و نسب والے اور اچھے قبیلے والے اور کمال اور جمال اور دیگر ابھارنے والے وسائل کے مالک تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ اس کا ذکر کرتے جبکہ وہ بڑے ہوئے اور اسے اللہ رب العالمین کی نعمتوں اور اللہ رب العالمین کی حفاظت میں شمار کیا کرتے تھے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ : میں نے کبھی بھی ایسے برے کام نہ کئے جاہلیت کے لوگ جس کے دلدادہ تھے، سوائے دو مرتبہ کے اور اس میں بھی اللہ رب العالمین

---

(1) اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب النکاح باب الخطبۃ حدیث نمبر (۵۱۴۶) پر روایت کیا ہے اور امام بخاری نے کتاب الادب باب (۹۰) حدیث نمبر (۶۱۴۵) پر بھی اس کی تخریج کی ہے۔

(2) یہ حسان ابن ثابت بن منذر انصاری خزرجی ہیں نبی ﷺ کے شاعر اور مومن شعرا کے سردار جن کی روح قدس سے تائید کی گئی تھی اللہ کے نبی ﷺ مسجد میں ان کے لئے ممبر رکھتے تھے جس پر کھڑے ہو کر وہ آپ کا دفاع کرتے تھے، انہوں نے ۶۰ سال کی عمر جاہلیت میں اور ساٹھ سال کی عمر اسلام میں پائی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وہ سنہ ۵۴ ہجری میں فوت ہوئے۔

(3) اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب المغازی، باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب حدیث نمبر (۴۱۲۴) پر کی ہے اور مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل حسان بن ثابت رضي اللہ عنہ حدیث نمبر (۲۴۸۶) پر کی ہے۔

نے مجھے بچا لیا، میں نے ایک رات ایک نوجوان سے کہا جو میرے ساتھ قریش سے تھا، ہم ایک مرتبہ صبح اپنے بکریوں کو لے کر چرانے کے لئے مکہ کے اوپری حصے میں تھے تو میں نے کہا کہ: تم میری بکریوں کو دیکھو میں جس طرح سے نوجوان رات جاگتے ہیں ویسے میں بھی رات جاگتا ہوں، آپ ﷺ کہتے ہیں کہ: میں نکلا، جب میں مکہ کے گھروں میں سب سے باہر کے گھر کے پاس پہنچا تو میں نے ڈھول اور تاشے بجنے اور گانے کی آواز سنی تو میں نے کہا: یہ کیا ہے؟

تو لوگوں نے کہا: کہ فلاں نے فلاں سے شادی کی ہے، قریش کے ایک آدمی اور قریش کی ایک عورت کے بارے میں تو میں نے اس گانے کو سننا چاہا اور اس آواز کی طرف لالچ آئی یہاں تک کہ میں سو گیا اور سورج کی تپش سے بیدار ہوا تو میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا: تو نے کیا کیا؟

پھر میں نے اسے ساری بات بتائیں، پھر دوسری رات بھی اسی طرح سے کیا پھر میں نکلا میں نے اسی طرح سے بات سنیں مجھ سے وہی کہا گیا جو پہلے کہا گیا تھا تو جتنا میں نے کل سنا تھا اتنا پھر سنا یہاں تک کہ میری آنکھ لگ گئی اور مجھے سورج کی تپش نے بیدار کیا پھر میں اپنے ساتھی کے پاس گیا، پھر اس نے مجھ سے کہا کہ: تو نے کیا کیا؟

تو میں نے کہا: میں نے کچھ نہ کیا۔

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ: پھر میں نے اس کے بعد کبھی بھی کسی برائی کا ارادہ نہ کیا جو کہ جاہلیت کے لوگ کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالی نے مجھے نبوت سے سرفراز کیا[1]۔

---

(1) اس حدیث کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں كتاب التاريخ باب بدء الخلق حدیث نمبر (۶۲۷۲) میں اور امام حاکم نے المستدرک میں كتاب التوبة والانابة باب عصمة النبي ﷺ من عمل الجاهلية قبل النبوة حدیث نمبر (۷۶۹۳) پر کی ہے۔

● اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے ساتھ عرفہ میں وقوف کیا کرتے تھے:

اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے ساتھ عرفات کے میدان میں آپ پر وحی کے نزول سے پہلے جو کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے آپ کے لیے توفیق تھی آپ ﷺ اس طرح سے نہیں کرتے تھے جس طرح قریش کیا کرتے تھے کہ وہ عرفات اور مزدلفہ میں لوگوں کے ساتھ وقوف نہیں کرتے تھے، شیخان نے اپنی صحیحین میں جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میرا ایک اونٹ غائب ہو گیا تھا تو میں نے عرفہ کے دن اسے تلاش کرتے ہوئے عرفات کے میدان میں گیا، تو اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا وہ لوگوں کے ساتھ عرفہ میں وقوف کئے ہوئے تھے[1]۔

● اللہ کے رسول ﷺ امانت داری میں بھی معروف تھے:

اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے یہاں سچے تھے اور امانت دار تھے، جو بھی آپ ﷺ کوئی امانت دیتا تھا، آپ ﷺ اسے ادا کر دیتے تھے اور جو بھی آپ ﷺ سے کوئی راز کی بات کرتا تھا یا کوئی کلام کرتا تھا، تو آپ ﷺ اس کی حفاظت کرتے تھے، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ آپ ﷺ قریش کے نزدیک نبوت سے پہلے ہی امانت داری میں مشہور تھے۔

● آپ ﷺ سچ بولنے میں بھی معروف تھے:

سچائی آپ ﷺ کی واضح ترین صفات میں سے تھی، آپ ﷺ کے لئے اس کی گواہی دشمن اور دوست سبھی نے دی تھی، جب اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کو لوگوں کی جانب مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کو اللہ رب العالمین نے قرابت داروں کو ڈرانے کا حکم دیا تو آپ ﷺ

---

(1) صحیح بخاري كتاب الحج باب الوقوف بعرفة حدیث نمبر(١٦٦٤)۔

نے قریش کے تمام قبیلوں کو اکٹھا کیا جب لوگ جمع ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے کہا: تمہارا کیا خیال ہے؟ اگر میں تمہیں یہ بات بتاؤں کہ ایک لشکر اس وادی سے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے کیا تم مجھے سچا مانو گے ؟، انہوں نے کہا: ہاں، کیوں کہ ہم نے کبھی بھی آپ ﷺ کو جھوٹ بولتے نہیں پایا ہے(1)۔

اور جب شاہ روم ہرقل نے ابو سفیان (جو کہ اب تک حالت شرک پر ہی قائم تھے) سے کہا کہ: کیا تم نے انہیں اس دعوی سے پہلے جھوٹ بولتے پایا ہے، انہوں نے کہا: نہیں، تو ہرقل نے کہا مجھے یہ تو معلوم تھا کہ جو لوگوں کے ساتھ عام زندگی میں جھوٹ نہ بولے وہ اللہ پر جھوٹ نہیں بول سکتا ہے(2)۔

احمد شوقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

بسوی الأمانة فی الصبا والصدق لم	یعرفه اهل الصدق و الامناء
یا من له الاخلاق ما تهوی العلا	منها وما یتعشق الکبراء
لو لم تقم دینا لقامت وحدها	دینا تضیء بنوره الاناء
زانتك فی الخلق العظیم شمائل	یغری بهن ویولع الکرماء

● اللہ کے رسول ﷺ صلہ رحمی کرنے والے تھے:

اللہ کے رسول ﷺ ان سب کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی کرنے والے اور فقیروں اور حاجت مندوں سے شفقت کرنے والے اور مہمان نوازی کرنے والے، کمزور کی مدد کرنے والے

(1) صحیح بخاری کتاب التفسیر باب وأنذر عشيرتك الأقربين حدیث نمبر(۴۷۷۰)اور کتاب التفسير باب سورة تبت يدا أبي لهب وتب حدیث نمبر(۴۹۷۱) صحیح مسلم کتاب الإيمان باب في قوله تعالى وأنذر عشيرتك الأقربين حدیث نمبر۲۰۸۔

(2) صحیح بخاری کتاب بدء الوحي باب كيف كان بدء الوحي إلى الرسول حدیث نمبر۷ صحیح مسلم کتاب الجهاد والسير باب كتاب النبي إلى هرقل حدیث نمبر۱۷۷۳۔

بھی تھے اور آپ اپنے ہاتھوں سے پریشان حال لوگوں کی پریشانی کو دور کیا کرتے تھے اور آپ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے، آپ ﷺ کی یہ صفت حضرت ام المؤمنین خدیجہ نے وحی کی ابتدا میں بیان کی تھی اور کہا تھا ہر گز نہیں اللہ رب العالمین آپ کو کبھی بھی مایوس نہ کرے گا ،آپ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں، محتاج کی مدد کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدگان کا ساتھ دیتے ہیں(1)۔

اس مختصر تذکرے سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ نبی ﷺ بعثت سے پہلے بھی بہت ہی اچھی اور کرم سے بھری زندگی گزارتے تھے، ان میں انسانیت، شرافت، کرامت، عظمت نفس کے تمام معانی جمع تھے، پھر اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو نبی بنایا اور آپ کو مبعوث فرمایا، پھر یہ فضائل اور پروان چڑھے اور بڑھے اور اس کی شاخیں اور بڑھتی رہیں اور اس کی جڑیں اور مضبوط ہوتی رہیں اور اس کی چھاؤں اور زیادہ کشادہ ہوئی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر شخصیت بن گئے۔

یہ فضیلت والی زندگی بھی آپ ﷺ کی نبوت کے ثبوت پر سب سے عظیم دلیل ہے، کیوں کہ ہم نے دنیا کی نئی اور پرانی تاریخ میں یہ نہیں سنا ہے کہ کوئی زندگی پوری کی پوری فضل اور ہدایت و نور، خیر اور حق کی اس طرح رہی ہو جیسے زندگی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی کی تھی، اور انسانی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ ایک انسان اپنے معاشرے میں پلے بڑھے ان کے ساتھ زندگی گزارے اور ان کے اندر موجود عیب، کمیوں اور خرابیوں سے پاک ہو، حالانکہ وہیں اس کی پیدائش ہوئی ہو اور یہ بھی نہیں دیکھا گیا کہ تاریکیوں میں سے کوئی نور نکلا ہو، اور یہ بھی نہیں پایا گیا کہ پاکی ناپاکی اور گندگیوں کے پاس سے نکلے اور علم جہالت اور خرافات کے درمیان سے نکلے

(1) صحیح بخاری کتاب بدء الوحي باب نمبر ۳ حدیث نمبر ۳ اور صحیح مسلم کتاب الایمان باب بدء الوحي الی الرسول ﷺ حدیث نمبر ۱۶۰۔

الا یہ کہ وہ کسی حکمت کی وجہ سے ہو یا وہ غیر معہود اور مالوف امر ہو اور یہ اسی وجہ سے تھا کہ اللہ رب العالمین نبی ﷺ کو نبوت کے لیے تیار کر رہے تھے(1)۔

بوصیری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

کفاک بالعلم في الامی معجزۃ   في الجاھلیہ والتادیب في الیتم

ابن اسحاق رحمہ اللہ اپنی سیرت میں کہتے ہیں کہ: پھر اللہ کے رسول ﷺ پروان چڑھے، اللہ رب العالمین آپ کی نگرانی اور حفاظت کرتے تھے اور جاہلیت کی گندگیوں سے آپ کو محفوظ رکھتے تھے کیونکہ اللہ رب العالمین آپ کو اپنی کرامت اور رسالت سے نوازنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ بڑے ہو کر ایک آدمی بن گئے اور اپنے کام میں آپ ﷺ سب سے مضبوط اور سب سے اچھے اخلاق سب سے زیادہ بلند حسب والے اور سب سے اچھے جوار سب سے بردبار اور سب سے اچھی اور سچی گفتگو کرنے والے اور سب سے ایماندار اور انسان کو ناپاک کر دینے والے برائی اور بد اخلاقی سے سب سے دور رہنے والے تھے، سب سے زیادہ زیادہ کرم کرنے والے بن گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا نام آپ کی قوم میں امین رکھا گیا، کیونکہ اللہ رب العالمین نے آپ کے اندر تمام اچھی صفات کو جمع کر دیا تھا(2)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ اصل خلقت اور اول فطرت سے ہی اچھے اخلاق پر پیدا کئے گئے تھے، آپ ﷺ کو یہ چیز محنت اور ریاضت کے ذریعے سے نہ ملی تھی یہ اللہ رب العالمین کی سخاوت تھی اور اللہ رب العالمین کی طرف سے ایک خاصیت تھی جو آپ ﷺ کو دی گئی تھی(3)۔

---

(1) دیکھئے السیرۃ النبویۃ از ڈاکٹر محمد ابوشہبہ (۲۳۹/۱)۔

(2) سیرت ابن ہشام (۲۲۰/۱)۔

(3) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی (۸۹/۱)۔

امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جس بات میں کوئی شک نہیں کہ مصطفی ﷺ وحی سے پہلے بھی معصوم تھے اور اس کے بعد بھی، شریعت کے پہلے بھی آپ ﷺ کبھی زنا کے قریب نہ گئے اور آپ ﷺ نے کبھی خیانت نہ کی کبھی جھوٹ نہ بولا کبھی نشہ نہ کیا کبھی آپ نے کسی بت کے سامنے سجدہ نہ کیا اور نہ ہی آپ نے پانسے نکالے اور آپ ﷺ رذائل اور بے وقوفی اور بدزبانی اور بے پردگی سے دور رہتے تھے اور آپ ﷺ نے کبھی بھی خانہ کعبہ کا ننگے ہو کر طواف نہ کیا اور نہ ہی عرفہ کے دن لوگوں کے ساتھ مزدلفہ میں قیام کرتے تھے بلکہ عرفہ میں قیام کیا کرتے تھے ہر حال میں اگر آپ کو کوئی ایسی چیز ظاہر ہوتی تو بھی آپ ﷺ پر کوئی پکڑ نہ ہوتی کیونکہ آپ ﷺ نہیں جانتے تھے لیکن کمال کے رتبہ کو منظور نہ تھا سے یہ کچھ آپ سے واقع ہوئے ہوں(1)۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ہم نے حکیموں فلسفیوں عبقریوں مصلحوں اور نئے پرانے اصحاب مذاہب و نحل کی سیرتیں پڑھی ہیں ان میں سے ہم نے کسی کی زندگی کو ایسا نہیں پایا کہ جو فطرت سلیم اور فکر سلیم اور اچھے اخلاق سے کبھی الگ نہ ہوئی ہو چاہے عقیدے یا تفکیر کے ناحیہ سے یا سلوک و اخلاق کے ناحیہ سے ان میں سب سے اچھے اور سب سے پاکباز کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے شریف ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کے عیوب کو شمار کیا جائے! انبیاء اور مرسلین کے علاوہ کیوں کہ اللہ رب العالمین نے انہیں سب سے مکمل حالت سب سے عظیم اخلاق پر پرورش دی ہے اور آپ ﷺ کمال میں چوٹی کو پہنچے ہوئے تھے جو نبیوں کی آخری کڑی اور ہم سب کے نبی اور تمام انسانوں کے سردار ہیں(2)۔

---

(1) سیر أعلام النبلاء (۱/ ۱۳۰، ۱۳۱)۔

(2) دیکھئے السیرۃ النبویۃ از ڈاکٹر محمد ابو شہبہ (۱/ ۲۴۰)۔

● بے چینی اور نبوت ورسالت سے کنارہ کشی:

اللہ کے رسول ﷺ اپنے آپ میں ایک باریک اور پوشیدہ پریشانی محسوس کرتے تھے اور آپ اس کا مصدر یا اس کا انجام نہیں جانتے تھے اور آپ ﷺ کو یہ کبھی بھی محسوس نہ ہوا کہ اللہ رب العالمین آپ کی وحی اور رسالت کے ذریعے سے تکریم کرنے والے ہیں اور آپ کسی بھی دن اس کی سوچ بھی نہیں رکھتے تھے، اللہ تعالی نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا ۚ مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ [الشوری:۵۲]۔

اور فرمان باری تعالی ہے: ﴿وَمَا كُنتَ تَرْجُو أَن يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ﴾ [القصص:۸۶]۔

بے شک اللہ کے رسول ﷺ نبوت کے لئے کبھی لالچ بھری نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے اور نہ ہی آپ اس کا خواب سجائے ہوئے تھے بلکہ اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کے لئے خلوت کو محبوب کر دیا تھا، تاکہ آپ ﷺ وہاں عبادت کریں اور آپ کی تطہیر ہو سکے اور آپ روحانی اعتبار سے رسالت کے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے تیار ہو جائیں اگر نبی ﷺ نبوت کا انتظار کر رہے ہوتے تو آپ پر جو وحی نازل ہوئی تھی اس کی وجہ سے آپ ﷺ کبھی گھبراتے نہیں اور جب آپ ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی تو آپ خدیجہ کے پاس جا کر کے ان سے اس غار حرا میں دیکھی ہوئی بات سے متعلق پوچھتے نہیں اور آپ ﷺ کو آپ کے رسول ہونے کی تاکید دوسری مرتبہ فترہ کے بعد وحی کے نزول سے پہلے نہ ہوئی[1]۔

اور اللہ رب العالمین کی حکمت اور اور تربیت تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ امی تھے اور آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، تاکہ آپ ﷺ پر دشمن غلط بیانی سے کام نہ لے سکے، اسی جانب

---

(1) دیکھئے السیرة النبویة دروس وعبر (ص۴۸) از ڈاکٹر مصطفی السباعي ۔

اشارہ کرتے ہوئے اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾ [العنکبوت:۴۸]۔

اور اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کو امی کا لقب بھی دیا ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾ [الأعراف:۱۵۷]۔

بعثت کے مقدمات

● بعثت نبوی ﷺ کے قریب شیطانوں کو باتیں سننے سے منع کیا جانا:

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جب اللہ کے رسول ﷺ کا معاملہ قریب ہوا اور آپ ﷺ کی بعثت کا وقت آیا تو شیطانوں کو باتیں سننے سے روک دیا گیا اور ان کے اور سننے کی خاطر ان کے بیٹھنے کی جگہوں کے درمیان آڑ بنادیا گیا پس وہ ستاروں سے مارے جانے لگے اور جنوں کو یہ پتہ چل گیا کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے بندوں میں کسی اہم معاملے کے واقع ہونے کی دلیل ہے ،اللہ تعالی نے اپنے نبی سے بعثت کے بعد ان جنوں کے قصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے جنہیں سننے سے منع کیا گیا تھا تو انہوں نے جو جانا وہ جانا اور اوراس کو دیکھنے کے بعد کچھ کا انکار بھی کیا:﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (١) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا (٢) وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا (٣) وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا (٤) وَأَنَّا ظَنَنَّا أَنْ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا (٥) وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا (٦) وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا (٧) وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا (٨) وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا (٩) وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (١٠)﴾[الجن:١-١٠]۔

جب جنوں نے قرآن سنا تو انہیں یہ پتہ چل گیا کہ انہیں اس سے پہلے ہی قرآن کے سننے سے منع کیا گیا تھا،تاکہ ان کی کوئی خبر قرآن سے مل نہ جائے، جس سے لوگوں کو التباس پیدا ہو جائے کہ یہ بھی اللہ رب العالمین کی طرف سے ہے، حجت کے واقع ہونے اور شبہ نہ رہنے کی وجہ سے چنانچہ لوگ ایمان لائے اور تصدیق کی پھر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس ڈرانے والا بن کر

گئے: ﴿قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾۔ [الاحقاف: ۳۰]۔(1)

● اس نگرانی کا واقعہ کب کا ہے؟

اس نگرانی کا واقعہ بعثت سے پہلے پیش آیا یا بعد میں؟ اور کیا یہ لگاتار تھا یا کچھ وقت کے لئے اس متعلق اختلاف ہے:

شیخان نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب بھی اللہ کے رسول ﷺ جنوں پر قرآن پڑھتے اور انہیں دیکھتے(2) تو اللہ کے رسول ﷺ اپنے اصحاب کی ایک گروہ کے ساتھ عکاظ نامی بازار میں جاتے، اس وقت شیطانوں اور آسمان کے خبر کے درمیان حائل بنا دیا گیا تھا اور ان پر شہاب ثاقب بھیج دیئے گئے تھے، تو شیطان اپنی قوم کے لوگوں کے پاس واپس آئے اور ان سے کہا کہ تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے اور ان کے درمیان آڑ اور پردہ بنادیا گیا ہے اور ہم پر آگ کے گولے بھیجے جانے لگے ہیں، تو ان لوگوں نے کہا: تمہارے اور آسمان کے

---

(1) اس خبر کو دیکھئے: سیرت ابن ہشام میں (۱/ ۲۴۱-۲۴۲)۔

(2) امام بیہقی دلائل النبوۃ (۲/۲۲۷) میں کہتے ہیں: یہ بات جس کی حکایت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے یہ ابتدا کی بات ہے جب جنوں نے نبی ﷺ کی بات سنی تھی اور آپ کی حالت کے بارے میں جانا تھا اور اس وقت آپ ﷺ نے ان پر قرآن نہیں پڑھا تھا اور نہ ہی ان کو دیکھا تھا، جیسا کہ انہوں نے حکایت کیا ہے پھر جنوں کا داعی آپ کے پاس دوبارہ آیا تو آپ ان کے ساتھ گئے اور ان پر قرآن پڑھا جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور آپ ﷺ نے ان کے اور ان کے آگ کے آثار دیکھے، واللہ أعلم۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۵۶۲) میں کہتے ہیں کہ: ابن مسعود کی نفی اور ابن عباس کے اثبات کے درمیان اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ: آپ ﷺ کے پاس جنوں کا وفد کئی مرتبہ آیا، رہی بات مکہ میں واقع ہونے کی تو یہ قرآن کو سننے کے لئے تھا اور وہ لوگ واپس اپنے قوم کے پاس ان کو ڈرانے والے بن کر گئے تھے، جیسا کہ قرآن میں واقع ہے اور رہی بات مدینہ میں تو ان کی آمد احکام کے بارے میں سوال کے لئے تھی جو کہ دونوں مذکورہ حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ دوسری مرتبہ آنا بھی مکہ میں ہی تھا اسی پر ابن مسعود کی حدیث دلالت کرتی ہے، رہی بات ابو ہریرہ کی تو اس میں کوئی تصریح نہیں ہے کی یہ مدینہ میں ہی واقع ہوا تھا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کی ان کا مکہ میں آنا دو مرتبہ ہوا تھا اور اس طرح سے مدینہ میں بھی آئے تھے۔

درمیان کسی چیز کے واقع ہونے کے سبب آڑ لگا یا گیا ہے، توتم زمین کے مشرق اور مغربی کنارے کا چکر کاٹ کر دیکھو کہ یہ چیز جو تمہارے اور خبر آسمان کے درمیان لاحق ہوئی ہے یہ کیا ہے، پھر جو لوگ تہامہ کی جانب رسول اللہ ﷺ کے پاس جارہے تھے جب کہ آپ نخلہ[1] نامی جگہ پر تھے اور آپ بازار عکاظ کی جانب جارہے تھے اس وقت آپ ﷺ اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے[2] جب انہوں نے قرآن سنا تو اسے وہ سننے لگے اور کہا کہ: اللہ کی قسم ہمارے اور آسمان کی خبر کے لئے یہی حائل ہے! کہتے ہیں کہ: جب وہ لوگ اپنی قوم کے پاس سے اس کے بعد لوٹے تو کہا: ﴿فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا (١) يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ﴾ [الجن: ۱-۲] پھر اللہ رب العالمین نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ ...﴾ [الجن: ١] اور آپ ﷺ پر جنوں کی بات کے سلسلے میں وحی کی گئی(3)۔

امام ترمذی اور احمد نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ذریعے سے نقل کیا ہے ابن عباس راوی ہیں کہتے ہیں کہ: جن وحی کو سنتے تھے تو وہ ایک کلمہ سنتے اور اس میں دس کا اضافہ کردیتے، جو وہ سنے ہوئے ہوتے وہ درست ہوتا اور جو زیادتی کرتے وہ باطل ہوتا، ستاروں کی اس سے قبل ان کو مار نہیں پڑتی تھی جب نبی پاک ﷺ کی بعثت ہوئی، تو اب جنوں میں سے جو بھی آتا انہیں مارا جاتا جس سے وہ جل جاتے، تو انہوں نے ابلیس کے پاس شکایت کی تو اس نے کہا: یہ کسی واقع ہونے والے امر کی وجہ سے ہے، اور اس نے اپنے لشکروں کو پھیلا دیا اور جب ان لوگوں نے اللہ کے رسول

---

(1) نخلہ: یہ مکہ کے قریب حجاز کی ایک جگہ ہے، جہاں پر کھجور کے باغات اور کھیتیاں موجود ہیں، دیکھئے: معجم البلدان (۳۸۱/۸)۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (۶۷۵/۹) میں کہتے ہیں کہ: اس پر کوئی بھی چیز داغ نہیں ڈال سکتی سوائے اس خبر میں ان کے یہ کہنے کے کہ انہوں نے دیکھا کہ: آپ ﷺ اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے، ان کا نماز فجر کا اطلاق اس باب کی حدیث میں زمانے کے اعتبار سے ہے نہ کی اسراء کی رات فرض ہونے والی پانچ نمازوں میں سے ایک مراد ہے کہ جس کی وجہ سے جنوں کا یہ قصہ پہلی مرتبہ بعثت سے پہلے کا ہو۔

(3) اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الاذان باب الجهر بقراءة صلاة الفجر حدیث نمبر (۷۷۳) پر اور کتاب التفسیر میں باب قول ابن عباس لبدا اعوانا حدیث نمبر (۴۹۲۱) اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الصلوٰۃ باب الجهر بالقراءة فی صلاة الصبح و القراءة علی الجن حدیث نمبر (۴۴۹) پر کی ہے۔

ﷺ کو نخلہ کے علاقے کے دو پہاڑوں کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا تو وہ لوگ اس کے پاس گئے اور اسے بتایا تو اس نے کہا: اسی وجہ سے زمین میں یہ چیز واقع ہو رہی ہے[1]۔

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں معمر کے ذریعے ابن شہاب کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ ان سے ستارے کی مار کے بارے میں سوال کیا گیا: کیا یہ جاہلیت میں بھی تھا؟ انہوں نے کہا: ہاں، مگر جب اسلام آیا تو اور زیادہ سختی اختیار کی گئی[2]۔

اور اس فرمان باری تعالی: ﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا (٨)﴾ [الجن:٨] میں یہ نہیں کہا کہ: پہرہ لگا دیا، جو اس بات پر دلیل ہے کہ اس کی کچھ چیز پہلے سے تھی اور جب نبی ﷺ کی بعثت کا وقت آیا تو اسے حراست اور آگ سے بھر دیا گیا، اس لئے تاکہ شیطان کا معاملہ ختم ہو جائے، اور وہ کچھ ملاوٹ نہ کر سکیں، اور آیت بالکل واضح ہو اور حجت بالکل قاطع ہو، اگرچہ آج بھی کاہن پائے جاتے ہیں تو بھی اس سے اللہ تعالی کے شیطانوں کے سننے سے روکنے کی خبر غلط نہیں ہوتی، اس لئے کی سختی نبوت کے زمانے میں تھی اور اس میں سے کچھ چیزیں بچ گئیں یعنی آسمان سے خبروں کے آنے کے بعد جو اس بات پر دلیل ہے کہ بعض جگہوں اور بعض اوقات میں وہ موجود ہوتے ہیں[3]۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے: اور فرمان باری تعالی: ﴿فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا (٩)﴾ [الجن:٩] تو اس کا معنی ہے کہ: آگ سے ان کو مارا جاتا تھا تو کبھی پہنچتا تھا اور کبھی نہیں پہنچتا تھا اور بعثت کے بعد انہیں ہمیشہ وہ لاحق ہوتی تھی اس لئے انہوں نے اسے "رصد" سے تعبیر کیا ہے کیونکہ جو کسی چیز کے گھات میں ہو وہ اس سے غلطی نہیں کرے گا اس لئے نئی چیز ہمیشہ پہنچنے کے بارے میں ہوگی نہ کہ اصل کے بارے میں اور جہاں تک سہیلی کی بات ہے کہ: اگر

---

(1) جامع ترمذی کتاب نفسیر القرآن باب وم سورة الجن حدیث نمبر (٣٦١٣) اور مسند أحمد حدیث نمبر (٢٤٨٢)۔

(2) فتح الباری (٦٧٦/٩) پر حافظ ابن حجر کہتے ہیں: یہ بہت اچھی جمع ہے۔

(3) الروض الأنف (٣٥٦/١)۔

آگ شیطانوں سے کبھی کبھار نہ چوکتا تو شیطان پھر دوبارہ نہ کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ لاحق ہونے کے باوجود بھی کسی کلمہ کے اچکنے کی کوشش میں وہ تعرض کرتے رہے ہوں اور آگ کے پہنچنے سے پہلے ہی اسے نیچے بھیج دیتے رہے ہوں اور پھر یہ بھی بات ہے کہ اچکنے والے اس کے لاحق ہونے کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ وہ شر اور برائی سے بھرے ہوتے ہیں(1)۔

● کیا اس رمی کا سلسلہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا ہے؟:

اگر کہا جائے کہ جب وہ مارا جانا وحی کے نزول کے سبب سخت ہو گیا تھا تو کیا وحی کے منقطع ہونے یعنی رسول ﷺ کی موت کے بعد وہ منقطع ہوا یا نہیں...؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ: زہری کی سابقہ حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ: ہم کہتے تھے آج رات کسی عظیم آدمی کی ولادت ہوئی ہے اور کوئی آدمی فوت ہوا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: یہ کسی کے موت کی وجہ سے نہیں مارا جاتا، لیکن ہمارا رب جس کا نام بلند اور بالا ہے جب کوئی معاملہ کرتا ہے تو عرش کے فرشتے تسبیح کرتے ہیں... کہا کہ: بعض اہل سماوات کو ایک دوسرے کو خبر سے متعلق سوال کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ خبر آسمان دنیا پر آتی ہے اور جن اسے سن لیتے ہیں اور وہ اپنے دوستوں کے پاس اسے پہونچا دیتے ہیں(2)۔

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ سختی اور حفاظت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے کیونکہ بہت سے واقعات بدلتے رہتے ہیں اور ان کی باتیں فرشتوں تک پہنچائی جاتی ہیں اور شیطان کی لالچ نبی ﷺ کے زمانے میں بعثت کے بعد سختی کے باوجود ختم نہ ہوئی تھی تو آپ ﷺ کے زمانے کے بعد ان کی لالچ کیسے ختم ہو سکتی ہے؟۔

---

(1) فتح الباري (۹/۶۷۷)۔

(2) صحیح مسلم کتاب السلام باب تحريم الكهانة و إتيان الكهان حدیث نمبر (۲۲۲۹)۔

اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے غیلان بن سلمہ سے جب اس نے اپنی عورتوں کو طلاق دی تھی تو کہا تھا: میں یہ گمان کرتا ہوں کی خبروں کو اچکنے والے شیطان نے تیری موت کی خبر چرالیا ہے اور اسے تجھ تک پہنچا دیا ہے...[1]۔

تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے اس کے اچکنے کا سلسلہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی جاری ہے، یعنی وہ حادثے کے بارے میں سننے کی کوشش کرتے تھے مگر وہاں تک پہنچ نہیں پاتے تھے اور اگر کوئی ہلکی چال کے ذریعے سے کچھ کرتا تھا تو اسے شہاب ثاقب پالیتا تھا اور اگر اسے اپنے ساتھیوں تک پہنچانے سے پہلے شہاب ثاقب لاحق ہو جاتا تو اسے لاحق ہوتا ورنہ اسے سن لیتے اور ایک دوسرے کو بتاتے، اس سے امام سہیلی کی گزشتہ بات کی تردید ہوتی ہے[2]۔

● ابن اسحاق اور ابن سعد کا وہم:

میں کہتا ہوں کہ: ابن اسحاق[3] اور ابن سعد[4] نے یہ ذکر کیا ہے کہ جنوں کا قبول اسلام اور ان کا نبی ﷺ سے قرآن پڑھتے ہوئے ان کی آپ سے پہلی مرتبہ ملاقات ثابت ہے جو کہ آپ کے طائف سے واپسی اور ابو طالب اور خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے تو یہ محل نظر ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: محمد بن اسحاق نے سیرت میں نبی پاک ﷺ کے طائف کی جانب نکلنے اور ان کو اللہ کی جانب دعوت اور ان کے انکار کا مکمل کا قصہ بیان کیا ہے اور اس کے بعد وہ اچھی دعا بھی بیان کی ہے: ((اللھم الیک اشکو ضعف قوتي وقلة حيلتي...))، آخر تک، وہ

(1) مسند احمد حدیث نمبر (۴۶۳۱) اور صحیح ابن حبان حدیث نمبر (۴۱۵۶) اور اسکی سند صحیح ہے۔
(2) فتح الباری (۹/۶۷۷)۔
(3) سیرۃ ابن ھشام (۲/۳۵)۔
(4) الطبقات الکبری (۱/۱۰۲)۔

کہتے ہیں کہ: جب وہ ان کے پاس سے واپس ہوئے تو نخلہ کے مقام پر رات گزاری تو آپ ﷺ نے قران پڑھا جسے نصیبین والوں میں سے جنوں نے سن لیا۔

یہ صحیح ہے، لیکن ان کا قول کہ بے شک جنوں نے اس رات قرآن سنا تھا تو یہ محل نظر ہے کیونکہ جنوں کا قرآن سننا وحی کے ابتدائی دنوں میں تھا، جیسا کہ ابن عباس کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے[1]۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: حدیث کے سیاق[2] سے جو بات ظاہر ہوتی ہے؛ جس میں باتوں کو اچکنے والوں سے پہرے داری کے لئے آگ کے پھینکے جانے میں مبالغہ کی بات ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بعثت نبوی اور زمین پر وحی کے اتارے جانے سے پہلے کا واقعہ ہے، تو انہوں نے اس بات کا انکشاف اس لئے کیا کہ: انہوں نے سبب کو پا لیا تھا، پھر جب دعوت پھیلی اور جو اسلام لائے، ان سے متعلق جنہوں نے سنا وہ بھی اسلام لائے پھر ان کا مدینہ میں آنا جانا کئی بار ہوا[3]۔

ایک اور جگہ فتح الباری میں انہوں نے کہا ہے کہ: جس سلسلے میں حدیثیں بہت زیادہ ہیں یہ بھی ہے کہ: بعثت نبوی کی ابتداء میں یہ بات واقع ہوئی... چنانچہ جنوں کا یہ قصہ بعثت کے ابتدائی ایام کا ہے اور یہ جگہ ان مقامات میں سے ہے جن کے بارے میں کسی نے بھی تنبیہ نہیں کی ہے جن کے بھی اقوال میں نے اس حدیث کی شرح کے باب میں پڑھی ہے[4]۔

● ایک ضعیف حدیث:

(1) تفسیر ابن کثیر ۷/ ۲۹۰۔

(2) یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جنوں پر معاملہ کے مشتبہ ہونے اور ان پر ستاروں کو بھیجنے کے سبب کے سلسلے میں حدیث ہے جس کو ہم نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے۔

(3) فتح الباري (۷/۵۶۳)۔

(4) مرجع سابق (۹/۶۷۴)۔

رہی بات اس حدیث کی جسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے تخریج کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے جن والی رات میں کہا تھا کہ :((تمہارے برتن میں کیا ہے؟))۔

تو میں نے کہا کہ : نبیذ، آپ ﷺ نے کہا: یہ اچھی کھجور ہے اور اچھا پانی ہے اور اس سے آپ ﷺ نے وضو کیا کیا[1]۔

یہ حدیث ضعیف ہے، رسول ﷺ سے جس دن پہلی مرتبہ جنوں سے ملاقات ہوئی اس وقت آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ : اس حدیث کے ضعیف ہونے پر علماء اس کا اجماع ہے[2]۔

میں کہتا ہوں کہ :امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کی جنوں سے ملاقات ہوئی اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا،اس کے الفاظ یہ ہیں کہ علقمہ نے کہا کہ میں نے ابن مسعود سے کہا: کیا اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس رات تم میں سے کوئی تھا؟۔

انہوں نے کہا کہ :اس وقت ہم میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہیں تھا[3]،لیکن صبح ہم نے آپ کو گم پایا تو کہا شاید آپ کو اغوا کر لیا گیا ہے؟ یا آپ کو جن لوگ لے کر اڑ گئے ہیں؟ یا اور کیا ہوا؟۔

---

(1)جامع ترمذی کتاب الطهارة باب الوضوء بالنبيذ حدیث نمبر(۸۸)سنن أبي داود کتاب الطهارة باب الوضوء بالنبيذ حدیث نمبر(۸۴)مسند أحمد حدیث نمبر(۳۷۸۲) (۳۸۱۰)جامع الأصول از ابن اثیر حدیث نمبر(۵۰۴۷)۔

(2)مرجع سابق(۴۷۱/۱)۔

(3)امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح میں کہتے ہیں یہ سنن ابی داؤد میں مروی حدیث کے باطل ہونے کے سلسلے میں صریح دلیل ہے، جس میں نبید سے وضو اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آپ ﷺ کے ساتھ جنوں کی رات موجود ہونے کا تذکرہ موجود ہے اور محدثین کے اتفاق کے ساتھ نبید والی حدیث ضعیف ہے۔

پھر ہم نے اس رات کو بڑی پریشانی کے ساتھ گزارا پھر جب صبح ہوئی یا سحر کا وقت ہوا اور ہم نے آپ کو حرا کی جانب سے آتے ہوئے دیکھا تو ہم نے کہا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ، پھر ان لوگوں نے جو ہوا تھا اسے بتایا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں کا بلانے والا آیا، تو میں ان کے پاس گیا اور میں نے انہیں قرآن پڑھ کر سنائی۔

ابن مسعود کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ ہمیں لے کر گئے اور ہمیں ان کے آثار دکھائے اور انکے آگ کی جگہ دکھائی[1]۔

● جنوں کا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کئی بار آنا:

نبی ﷺ کے پاس جنوں کے کئی وفود کے آنے کا ثبوت ملتا ہے کیوں کہ جو لوگ پہلے آئے تھے ان کے آنے کا سبب وہ تھا جو حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آگ بھیجے جاتے تھے اور جو لوگ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ[2] کے قصے میں آئے تھے ان کے آنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے، قرآن سننے اور دین کے احکام جاننے کے لئے آئے تھے اور اس بارے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں[3] بات گزر چکی ہے، وہ اس قصے کے متعدد بار پیش آنے کے سلسلے میں قوی ترین دلیل ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا تھا اور پہلا قصہ بعثت کے فورا بعد کا تھا[4]۔

❁❁❁

---

(1) صحيح مسلم كتاب الصلاة باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن حدیث نمبر (۴۵۰) اور مسند أحمد حدیث نمبر (۴۱۴۹)۔

(2) صحيح مسلم كتاب الصلاة باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن حدیث نمبر (۴۵۰)(۱۵۰) اور مسند أحمد حدیث نمبر (۴۱۴۹)۔

(3) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۳۸۶۰) پر تخریج کیا ہے۔

(4) فتح الباري (۹/۶۷۸)۔

نزول وحی کے مقدمات

بعثت کے پہلے آخری ایام میں اللہ کے رسول ﷺ پر نبوت کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے ،انھی میں سے کچھ علامات اور آثار درج ذیل ہیں:

● پہلا: سچے خواب:

اللہ کے رسول ﷺ کی نبوت کا آغاز سب سے پہلے سچے خواب[1] کے ذریعے سے ہوا جب بھی آپ ﷺ اپنی نیند میں خواب دیکھتے تھے تو وہ صبح کی روشنی کی مانند[2] بالکل اسی طرح واقع ہوتی یہاں تک کہ اس پر چھ مہینے کا عرصہ گزر گیا پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے کہتی ہیں کہ سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ پر جو وحی آئی وہ نیند کی حالت میں خواب کی شکل میں تھی ، آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کے مانند ہو بہو اسی طرح سے ہوا کرتی تھی[3]۔

---

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۳۴) میں کہتے ہیں کہ: سچے خواب کے ذریعے سے ابتدا کی گئی تاکہ یہ بیداری کی حالت کے لئے تمہید اور مقدمہ ہو جائے۔

اور ایک دوسری صحیح روایت میں ہے کہ: نیک خواب۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۱۴/۳۷۷) میں لکھتے ہیں کہ: یہ دونوں آخرت کے امور کی نسبت سے انبیاء کے حق میں ایک ہی معنی میں ہیں، رہی بات دنیا کے امور کی نسبت سے تو اصل میں صالحیت زیادہ خاص ہے کیونکہ نبی ﷺ کے سبھی خواب سچے ہوتے تھے اور کبھی کبھار صالح ہوتے تھے جو کہ اکثر ہیں اور کبھی کبھار دنیا کی نسبت سے غیر صالح ہوتے تھے جیسا کہ اُحد والے دن سے متعلق خواب میں ہے۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۳۴) میں لکھتے ہیں: فلــق صــبح سے مراد اس کی روشنی ہے اور تشبیہ اس کے ساتھ خاص طور پر دی گئی کیونکہ وہ وہ ایسا واضح اور ظاہر ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں ہوتی۔

(3) صحیح بخاری كتاب بدء الوحي باب نمبر (۳) حدیث نمبر (۳) اور كتاب التفسير باب نمبر (۱) حدیث نمبر (۴۹۲۳) اور صحیح مسلم كتاب الايمان،باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ حدیث نمبر (۱۶۰)۔

● دوسرا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت پسندی:

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سال کے قریب ہوئے، تو اللہ رب العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلوت اور تنہائی محبوب کر دیں، تو اکیلے اور تنہا رہنے سے زیادہ محبوب کوئی چیز نہ تھی ہر سال مکہ چھوڑ کر رمضان گزارنے کے لئے غار حرا[1] میں چلے جایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش جو جاہلیت میں عبادات انجام دیتے تھے انہیں ہی انجام دیا کرتے تھے[2]۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہینے بھر کی راتوں میں تنہائی کے لئے توشہ لیتے تھے اور جب توشہ ختم ہو جاتا تھا تو اپنے گھر والوں کے پاس آکر پھر سے اسی مقدار میں توشہ لے جایا کرتے تھے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر سال ایک مہینے غار حرا میں قیام کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں پر اپنے ارد گرد کائنات کے مشاہد کے بارے میں غور و فکر کرتے ہوئے گزارتے تھے، کہ کس قدر اللہ رب العالمین نے اس

---

(1) حرا: "حاء" کے کسرہ کے ساتھ مکہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے جس میں چھوٹا سا غار ہے جو آج جبل نور کے نام سے جانا جاتا ہے دیکھئے: النھایۃ (۱/۳۶۲)۔

ابن ابی جمرہ کہتے ہیں جیسا کہ ان سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۱۴/۳۷۷) میں لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غار حرا میں تنہائی اختیار کرنے کے لئے خاص کرنے کی حکمت یہ ہے کہ وہاں پر قیام کرنے والے کو کعبہ کی رؤیت واضح طور پر ہوتی تھی چنانچہ وہاں پر خلوت اختیار کرنے والے کے لئے تین عبادتیں یکجا ہو جاتی تھیں خلوت، عبادت اور بیت اللہ کی طرف دیکھنا۔

(2) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (۹/۳۶۷) میں لکھتے ہیں: اس میں ایک اصولی مسئلہ کی جانب اشارہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزول وحی سے پہلے اپنے پہلے نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے؟

جمہور کہتے ہیں: نہیں، کیوں کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تابع ہوتے تو یہ اس بات کو نہ گزیر کرتی کی آپ متبوع ہوں اور اس لئے کہ اگر آپ تابع ہوتے تو یہ منقول ہوتا کہ آپ کس کی جانب منسوب تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ہاں، اور پھر انہوں نے اس کی تعیین میں ۱۸ قوال پر اختلاف کیا ہے: پہلا قول: آدم علیہ السلام، دوسرا قول: نوح علیہ السلام، تیسرا قول: ابراہیم علیہ السلام اور اسی جانب ایک جماعت گئی ہے اور انہوں نے اللہ رب العالمین کے سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۲۳ میں فرمان: ((أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا)) سے استدلال کیا ہے، چوتھا قول: موسی علیہ السلام، پانچواں قول: عیسی علیہ السلام اور چھٹا قول: ہر وہ بات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہلے انبیاء کی شریعت سے پہنچی تھی اور اس کی دلیل اللہ رب العالمین کا سورہ انعام کی آیت نمبر ۹۰ میں یہ فرمان: ((أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ)) ہے اور ساتواں قول: توقف اور تیسرے کی مضبوطی مخفی نہیں ہے خاص طور سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حج اور طواف کو لازم پکڑنے سے متعلق منقول ہے اور اس طرح کی اور باتیں جو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے ان کے پاس باقی بچی تھیں، واللہ أعلم۔

کائنات کو بنایا ہے یہاں تک کہ آپ ﷺ چمک اور اشراق کے اس بلند مرتبے پر پہنچ گئے جس میں چمکدار دل کے صفحوں پر غیب کی پرچھائی پڑنے لگی، اب آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کے مانند واقع ہوا کرتے تھے[1]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کا سلسلہ جو پہلے شروع ہوا وہ سچے خوابوں کی صورت میں تھا، پھر آپ ﷺ کو تنہائی پسند ہو گئی آپ ﷺ غار حرا میں تنہا رہا کرتے تھے اور وہاں پر جا کر رات بھر عبادت کیا کرتے تھے[2]۔

اور آپ ﷺ جب اس مہینے کا اعتکاف کر لیتے تھے تو سب سے پہلے جب آپ واپس ہوتے تو اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے خانہ کعبہ کا سات مرتبہ طواف کرتے تھے یا اللہ تعالی جتنا چاہے پھر آپ ﷺ اپنے گھر واپس آتے تھے۔

نبی ﷺ اسی طرح تین سال کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ پر انہیں تنہائیوں کے وقت میں سے ایک وقت وحی کا نزول ہوا[3]۔

• تیسرا: درخت اور پتھر کا نبی ﷺ کو سلام کہنا:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا اور کہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: میں مکہ میں ایک پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھ پر سلام کیا کرتا تھا میں آج بھی اسے پہچانتا ہوں[1]۔

---

(1) فقہ السیرۃ از شیخ محمد غزالی (ص ۸۵)۔

(2) صحیح بخاری کتاب بدء الوحي باب نمبر (۳) حدیث نمبر (۳) اور کتاب التعبير باب أول ما بدئ به رسول الله من الوحي حدیث نمبر (۶۹۸۲) اور صحیح مسلم کتاب الایمان باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ حدیث نمبر (۱۶۰)۔

(3) صحیح بخاری کتاب بدء الوحي باب نمبر (۳) حدیث نمبر (۳) اور صحیح مسلم کتاب الایمان باب بدء الوحي إلى رسول الله حدیث نمبر (۱۶۰)۔

امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ نے مستدرک میں ایسی ضعیف سند کے ساتھ جس کے کئی ایسے شواہد ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں علی بن ابی طالب کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نبی ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھا پھر ہم مکہ کے گرد میں نکلے تو جو بھی پہاڑ اور درخت آپ کے سامنے ہوتے وہ کہتے: السلام علیک یارسول اللہ[2]۔

ابن اسحاق نے بعض اہل علم سے روایت کیاہے کہ جب اللہ رب العالمین نے رسول ﷺ کی تکریم فرمانی چاہی اور نبوت کا آغاز ہوا تو آپ ﷺ اپنی حاجت کے لئے جاتے تھے تو دور ہو جاتے یہاں تک کہ گھروں سے چھپ جاتے تھے اور گھاٹیوں کے جانب چلے جاتے تھے تو جس بھی درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ کہتا تھا: السلام علیک یارسول اللہ[3]، کہتے ہیں کہ: جب اللہ کے رسول ﷺ اپنے گرد اور دائیں بائیں اور پیچھے گھومتے تھے تو صرف اور صرف پتھر پاتے تھے اللہ کے رسول ﷺ اسی طرح سے سنتے رہے جب تک کہ اللہ رب العالمین نے چاہا ،پھر جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس اللہ رب العالمین کا پیغام لے کر آئے جب آپ ﷺ رمضان میں غار حرا کے اندر تھے[4]۔

● چوتھا: نبی ﷺ کا آواز سننا اور روشنی دیکھنا:

(1) صحیح مسلم كتاب الفضائل باب فضل نسب النبي تسليم الحجر عليه قبل النبوة حدیث نمبر (۲۲۷۷)۔

(2) جامع ترمذی، كتاب المناقب ، باب ما جاء في آيات نبوة النبي -صلى الله عليه وسلم، حدیث نمبر (۳۹۵۴) ،اور مستدرک حاکم حدیث نمبر (۴۲۹۶) اور علامہ البانی نے اسے سلسلہ صحیحہ (حدیث نمبر ۲۶۷۰) میں نقل کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے۔

(3) امام سہیلی الرَّوض الأُنف (۳۹۹/۱): میں کہتے ہیں یہ سلام کرنے میں یہ بات ظاہر ہے کہ یہ حقیقت ہو اور اللہ رب العالمین نے انہیں بلوایا تھا جیسا کہ اللہ نے کھجور کے تنے میں ایسی قوت پیدا کی تھی۔
کھجور کے تنے کے رونے کے قصے کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تخریج کیا ہے حدیث نمبر (۳۵۸۳) (۳۵۸۴) (۳۵۸۵)۔

(4) سیرۃ ابن ھشام (۲۷۱/۱)۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں ۱۵ سال رہے آپ آواز سنتے اور روشنی دیکھتے[1] سات سال تک اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کچھ نہ دیکھتے اور آپ پر آٹھ سال تک وحی نازل ہوئی[2]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا کہ میں روشنی دیکھتا ہوں اور آواز سنتا ہوں اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ کہیں مجھے پاگل پن نہ ہو تو انہوں نے کہا: اے عبداللہ کے بیٹے اللہ رب العالمین آپ کے ساتھ ایسا کبھی نہیں کرے گا، پھر وہ ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں اور ان سے پورا قصہ بیان کیا اور انہوں نے کہا کہ اگر وہ سچے ہیں تو یہ وہی ناموس[3] ہے یعنی رازدار ہے جو موسی علیہ السلام کے پاس آتا تھا، اگر وہ میری زندگی میں مبعوث ہوئے تو میں ان کی خوب مدد کروں گا اور ان کو قوت دونگا اور ان پر ایمان لاؤں گا[4]۔

❀❀❀

(1) قاضی عیاض مسلم کی شرح میں کہتے ہیں یعنی فرشتوں میں سے آپ کو چپکے طور پر آواز دینے والے کی آواز اور روشنی یعنی فرشتے کا نور اور اللہ رب العالمین کے نشانیوں کا نور جب فرشتوں کو اپنے آنکھ سے دیکھا اور اللہ رب العالمین کی وحی کو دیکھا۔

(2) صحیح مسلم کتاب الفضائل باب كم أقام النبي بمكة و المدينة حديث نمبر (۲۳۵۳) (۱۲۳)۔

(3) ناموس: خیر کا رازدار، مراد جبریل کیونکہ اللہ رب العالمین نے انہیں غیب اور وحی کی خصوصیت عطا کی تھی جن پر اللہ کے علاوہ کسی کو اطلاع ممکن نہیں، دیکھئے: النهاية (۱۰۴/۵)۔

(4) اس حدیث کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۸۴۸) پر کیا ہے۔

نزول وحی سے ہجرت تک کے واقعات

اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کا نزول

جب آپ ﷺ کی عمر ۴۰ سال مکمل ہو گئی اور آپ ﷺ غار حرا کی طرف نکلے جیسا کہ آپ ﷺ پہلے بھی رمضان کے مہینے میں نکلا کرتے تھے تو وہاں پر جبرئیل علیہ السلام بھی اللہ کے حکم سے آئے اور آپ ﷺ کو دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا اور تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی آپ ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک رہے آپ پر وحی آتی رہی پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے دس سال کے لیے ہجرت کی اور آپ کی وفات ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی[1]۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ کو چالیس سال کے شروع میں مبعوث کیا گیا، یہی مشہور ہے جس پر علمائے کرام کے اقوال متفق ہیں[2]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جب آپ ﷺ کی عمر ۴۰ سال مکمل ہوئی تو آپ پر نبوت کی روشنی روشن ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبوت سے سرفراز کیا اور آپ ص ﷺ کو اپنی مخلوق کے جانب بھیجا اور اپنی کرامت سے مخصوص کیا اور آپ کو اللہ رب العالمین نے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان امین بنایا[3]۔

---

(1) صحیح بخاري- كتاب مناقب الأنصار- باب هجرة النبي -صلى الله عليه وسلم- وأصحابه إلى المدينة—حدیث نمبر(۳۹۰۲)۔

(2) صحیح مسلم بشرح نووي(۸۱/۱۵)۔

(3)زاد المعاد(۷۶/۱)۔

جمال الدین ابوزکریا یحییٰ بن یوسف صرصری[1] رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

وأتت علیه اربعون فأشرقت شمس النبوة منه فی رمضان

ترجمہ: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال مکمل ہوئے تو نبوت کا سورج آپ پر رمضان کے مہینے میں طلوع ہوا۔

اور وہ رمضان کی ۷ا تاریخ سوموار کا دن تھا، اس کی دلیل فرمانِ باری تعالی: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ﴾ [البقرة::۱۸۵] ہے۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ سے پیر کے دن کے روزے کی بابت سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن میں پیدا ہوا ہوں اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی[2]۔

● حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث:

آیئے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ہم وہ قصہ سنتے ہیں جس میں وہ وحی کی شروعات کو بیان کرتی ہیں، وہ کہتی ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کے پاس وحی کی شروعات سچے خواب

---

(1) ان کی نسبت صرصر کی جانب ہے جو بغداد سے دو فرسخ کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے یہ علامہ حافظ اور لغوی تھے لغت کی معرفت میں ان کی جانب رجوع کیا جاتا تھا یہ اچھے اشعار کہتے تھے اور ان کے دیوان اور مدح خوانیاں معروف اور عام تھی یہ اپنے زمانے میں حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دیئے جاتے تھے آپ نیک اور آئیڈیل اور زیادہ تلاوت کرنے والے اور بہت زیادہ محنت کرنے والے انسان تھے ان کو تاریوں نے قتل کیا جب وہ لوگ سنہ ٦٥٦ ہجری میں بغداد میں داخل ہوئے، دیکھئے: شذرات الذھب (٥/٢٨٦)۔

(2) صحیح مسلم- کتاب الصیام- باب استحباب صیام ثلاثة أیام من کل شهر...—حدیث نمبر (۱۱۶۲) (۱۹۸)۔

[1] کے صورت میں ہوئی پھر جو بھی آپ ﷺ خواب میں دیکھتے تھے صبح کی روشنی کے مانند وہ ویسے ہی واقع ہوتی تھی... یہاں تک کہ حق بات یعنی وحی آگئی [2] جب آپ غار حرا میں تھے، آپ ﷺ کے پاس فرشتہ آیا اور اس نے کہا: پڑھو آپ ﷺ نے فرمایا: میں پڑھنا نہیں جانتا آپ ﷺ کہتے ہیں کہ پھر اس نے مجھے پکڑا اور مجھے ڈھانپ لیا یہاں تک کہ میں بالکل پریشان ہو گیا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر کہا: پڑھو میں نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا [3] پھر اس نے مجھے پکڑا اور مجھے ڈھانپ لیا یہاں تک کہ میں پریشان ہو گیا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو میں نے پھر کہا کہ: میں پڑھنا نہیں جانتا پھر اس نے مجھے پکڑا اور ڈھانپ لیا اور [4] تیسری مرتبہ پھر مجھے چھوڑا اور کہا: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ

---

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۹/۳۵۷) میں کہتے ہیں یعنی وحی کی ابتدا میں سب سے پہلے خواب ایا کرتے تھے رہے بات اپ کی نبوت پر دلالت کرنے والے دیگر امور کی تو اس بارے میں پہلے کئی چیزوں کا بیان گزر چکا ہے مثال کے طور پر پتھر کا سلام کرنا جیسے کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۳۵) میں کہا ہے: یعنی حق بات اور حق اس لئے نام دیا گیا کیوں کے یہ اللہ کی طرف سے وحی تھا۔

(3) حافظ ابن حجر فتح الباری (35/1) میں کہتے ہیں کہ: یعنی میں صحیح طور پر پڑھنا نہیں جانتا، جب آپ ﷺ نے اس طرح تین مرتبہ کہا تو آپ سے کہا گیا یعنی تم اپنی طاقت اور معرفت سے نہ پڑھو بلکہ تم اپنے رب کی طاقت اور مدد سے پڑھو وہ تمہیں اسی طرح سکھائے گا جس طرح تمہیں پیدا کیا ہے اور جس طرح سے تم سے خون کے لوتھڑے کو نکالا اور بچپن میں شیطان کے غمز کو ختم کیا اور تمہارے امت کو سکھایا یہاں تک کہ وہ قلم سے لکھنے پڑھنے والی ہو گئی جبکہ پہلے وہ امی تھے اور اس کا صحیح معنٰی یہ ہے کہ: میں کبھی بھی نہیں پڑھا ہوں۔

(4) حافظ ابن حجر فتح الباری (۹/۳۸۷) میں لکھتے ہیں کہ: اس دبانے سے حکمت یہ تھی کہ شدت ظاہر ہو جائے اور اس معاملے میں جدیت آجائے اس بات کے وزن پر تنبیہ کے طور پر جو ابھی ان پر ڈالی جانی تھی چنانچہ جب یہ بات ظاہر ہوئی کہ وہ صبر کرنے والے ہیں تو ان پر وہ بات القاء کردی گئی۔

اور شاید اس پڑھانے کے مکرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس طرف اشارہ اس کیا جائے کہ ایمان کا انحصار جو وحی سے معلوم ہو گی تین چیزوں میں ہے: قول ، عمل اور نیت اور وحی تین چیزوں کو شامل ہے توحید، احکام اور قصص اور پھر ڈھانپنے کی تکرار میں تین شدتوں کی جانب اشارہ ہے جو آپ کے لئے واقع ہوئی تھی اور وہ ہے گھاٹی میں گھیراؤ، ہجرت کے لئے نکلنا اور اُحد کے دن پیش آمد پریشانی اور تین مرتبہ چھوڑے جانے میں اشارہ ہے ان تین مذکورہ پریشانیوں کے بعد حاصل ہونے والی آسانی کی طرف دنیا میں برزخ اور آخرت میں۔

رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ (۱) ۞ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۞ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۞﴾۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ ان آیات کو لیکر واپس ہوئے اس وقت آپ کا دل کانپ رہا تھا آپ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس گئے تو کہا: مجھے چادر اوڑھادو اور آپ نے انہیں چادر اوڑھادیا یہاں تک کہ ﷺ سے خوف چلے گیا، پھر آپ نے خدیجہ سے کہااور خدیجہ کو پوری خبر آپ ﷺ نے بتائی اور کہا کہ میں اپنے نفس پر خوف کھاتاہوں، توخدیجہ نے کہا: ہر گز نہیں اللہ تعالی آپ کو بے سہارا نہیں چھوڑے گا[2] آپ صلہ رحمی کرتے ہیں لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں فقیروں کی مدد کرتے ہیں[3] مہمان نوازی کرتے ہیں اور آپ مجبوروں کی مدد کرتے ہیں، وہ آپ ﷺ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو کہ ان کے چچیرے بھائی تھے اور وہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور وہ عبرانی زبان لکھتے تھے وہ انجیل کی زبان سے جتنا چاہتے تھے لکھتے اور وہ اس وقت بڑے عمر کے بزرگ ہوگئے تھے اور اندھے تھے خدیجہ نے ان سے کہااے میرے پیارے بھائی اپنے بھتیجے کی بات سنو ورقہ بن نوفل نے کہا:اے میرے بھتیجے تم کیا دیکھتے ہو ؟آپ ﷺ نے جو

---

(1)امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح(۲/۱۷۲) میں کہتے ہیں یہ صریح دلیل ہے کی سب سے پہلے قرآن سے جو آیت نازل ہوئی وہ اقرأ ہے اور یہی درست بات ہے جس پر سلف اور خلف میں سے جمہور اہل علم ہیں۔

(2)امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد(۳/۱۷) میں فرماتے ہیں: دیکھئے کیسے انہوں نے آپ ﷺ کی قابل صفات اور اچھے اخلاق اور عادات کے ذریعے سے اس بات پر کا استدلال کیا کہ جو اس طرح سے ہو اسے کبھی بھی ذلیل نہیں ہونا پڑے گا چنانچہ انہیں ان کے عقل اور فطرت کی وجہ سے یہ علم ہوا کہ نیک اعمال اور اچھے اخلاق اور اچھے عادات اللہ رب العالمین کی کرامت، تائید اور احسان کے مستحق ہوتے ہیں اور ذلت اور خواری اس کے لئے مناسب نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے ان کا الٹا مناسب ہوتا ہے چنانچہ جسے اللہ رب العالمین اچھے صفات اور اچھے اخلاق اور اعمال کا مالک بنائے تو اس کے لئے اس کی کرامت اور اس کے مکمل نعمت، عزت اس کے لئے مناسب ہوں گے۔

(3)اور امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح(۲/۱۷۵) میں کہتے ہیں کہ :یعنی آپ لوگوں کو اچھے فوائد اور اچھے اخلاق کے طور پر وہ چیز دیتے ہیں جو دوسروں کے پاس انہیں حاصل نہیں ہوتا یا آپ بہت زیادہ مال کماتے ہیں جس سے آپ کے علاوہ لوگ عاجز ہو جاتے ہیں پھر آپ انہیں اچھے کاموں اور بھلائی کے امور میں خرچ کرتے ہیں۔

دیکھا تھا ساری بات بتادیں تو کہا کہ : یہ وہی (ناموس) رازدار ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا[1] اے کاش کہ میں اس وقت طاقتور ہوتا یا کاش کہ میں زندہ ہوتا جب تمہاری قوم کے لوگ تمہیں نکال دیں گے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: کیا میری قوم کے لوگ مجھے نکال دیں گے[2] انہوں نے کہا : ہاں کیونکہ تمہاری طرح کوئی بھی آدمی نہیں آیا ہے مگر یہ کہ اس سے دشمنی کی گئی ہے اور اگر میں تمہارے وہ دن پاؤں گا تو میں تمہاری بھرپور مدد کروں گا پھر وہ نہیں رکے اور ان کی وفات ہو گئی اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا[3]۔

احمد شوقی رحمہ اللہ کہتے ہیں :

ونودی اقرا تعالی الله قائلها — لم تتصل قبل من قيلت له بفم
هناك اذن للرحمن فامتلات — اسماء مكة من قدسيه النغم
فلا تسل عن قريش كيف حيرتها — وكيف نبرتها فی السهل والعلم

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۳۸/۱) میں لکھتے ہیں کہ : آپ ﷺ نے موسیٰ پر کہا عیسیٰ پر نہیں کہا باوجود اس کے کہ وہ نصرانی تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا کتاب بیشتر احکام پر مشتمل ہے عیسیٰ علیہ السلام کے برخلاف اور اس لئے بھی کیوں کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون اور ان کے ساتھیوں پر عذاب کے ساتھ بھیجے گئے تھے عیسیٰ علیہ السلام کے برخلاف یا انہوں نے ایسا رسالت کی تحقیق کے لئے کہا کیونکہ جبرئیل علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونا اہل کتاب کے درمیان متفق علیہ ہے جبکہ عیسیٰ سے متعلق یہودیوں کے بیشتر لوگ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (۳۹/۱) (۳۸۳/۱۴) میں لکھتے ہیں کہ : نبی ﷺ نے اس بات کو دور سمجھا کہ وہ لوگ آپ کو نکال دیں گے کیونکہ وہاں کوئی سبب ہی موجود نہ تھا جس کی وجہ سے آپ کو نکالا جا سکے کیونکہ آپ میں اچھے اخلاق موجود تھے جیسا کہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی صفات کو بیان کیا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ کا پریشان ہونا اس خوف کی وجہ سے تھا کہ آپ کو آپ کی قوم کے اللہ پر ایمان لانے کی امید تھی اور شرک کے نقصان سے انہیں بچانے اور جاہلیت کی گندگی سے باہر نکالنے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ کرنے کی امید آپ کو تھی اور اس لئے کہ تا کہ اللہ رب العالمین ان کی جانب آپ کے بھیجے جانے کے مقصد کو پورا کرے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ کی پریشانی دونوں وجوہات کی وجہ سے تھی۔

(3) اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب بدء الوحي حديث نمبر (۳) پر اور کتاب التعبير باب أول مابدئ به رسول الله من الوحي الرؤيا الصالحة حدیث نمبر (۶۹۸۲) پر بھی کی ہے اور امام مسلم نے اسے کتاب الإيمان باب بدء الوحي إلى رسول الله حدیث نمبر (۱۶۰) پر کیا ہے۔

تسـاءلوا عن عظيم قد الم بهم رمل المشائخ والوالـدان باللمم

يا جاهلين على الهادي ودعوته هل تجهلون مكان الصادق العلم

● ایک ضعیف اور مرسل روایت:

میں کہتا ہوں کہ: ابن اسحاق کی سیرت میں عبید بن عمیر سے ایک روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((میرے پاس جبریل ایک ریشم کے کپڑے میں ایک کتاب لے کر آئے اس وقت میں سورہا تھا اور کہا: پڑھو))[(1)]۔

یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ صحیحین کی روایت کے مخالف بھی ہے کیونکہ کہ آپ ﷺ پر جبرئیل علیہ السلام کا آنا بیداری کی حالت میں تھا نیند کی حالت میں نہ تھا جیسا کہ صحیحین کی روایت میں ہے کہ یہ بیداری کی حالت کی بات ہے نیند کی بات نہیں ہے، واللہ اعلم۔

● وحی کا رک جانا:

جب اللہ کے رسول ﷺ نے جبریل علیہ السلام پہلی مرتبہ کو دیکھا تو اس کے بعد وحی کا سلسلہ کچھ دنوں کے لئے منقطع ہو گیا، امام احمد نے اپنی مسند میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے بسند صحیح نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے پہلی مرتبہ وحی روک لیا گیا اور آپ ﷺ کو تنہائی پسند ہو گئی اور آپ ﷺ غار حرا میں اکیلے رہنے لگے[(2)]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: وحی کے رکنے کا سبب یہ تھا کہ آپ ﷺ پر جو خوف تھا وہ چلا جائے اور تا کہ آپ ﷺ وحی کے آنے کے لئے منتظر رہیں[(3)]۔

---

(1) سیرت ابن ہشام (۱/۲۷۳)۔

(2) مسند أحمد حدیث نمبر (۱۵۰۳۳)۔

(3) فتح الباري (۱/۴۰)۔

● ایک اور ضعیف اور مرسل روایت:

میں کہتا ہوں کہ: صحیح بخاری میں زہری کے حوالے سے ایک روایت مروی ہے کہ پھر نبی ﷺ غمزدہ ہوئے، جیسا کہ ہمیں پہنچی ہے یہ بات کہ اس قدر پر غمزدہ ہوئے تھے کہ آپ نے کئی مرتبہ خود کو پہاڑ کی بلند چوٹی سے نیچے پھینکنے کی کوشش کی تھی، جب آپ ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر جاتے تاکہ اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرالیں تو جبرئیل علیہ السلام ظاہر ہوتے تھے اور کہتے ہیں محمد آپ یقیناً اللہ کے سچے رسول ہیں اس سے آپ کا دل مطمئن ہوتا اور آپ کے نفس کو قرار آتا ہے پھر آپ واپس آجاتے پھر جب وحی کا سلسلہ رکتا اور لمبا ہوتا تو آپ پھر سے جاتے جب پوری اونچائی پر پہونچتے تو جبریل ظاہر ہوتے اور اسی طرح سے کہا کرتے تھے[1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ: یہ قصہ زہری کے بلاغات میں سے ہے اور یہ موصول نہیں ہے[2]۔

میں کہتا ہوں کہ: اسی لئے امام بخاری نے اس روایت کو اپنی کتاب بدء الوحي میں نقل نہیں کیا ہے بلکہ اسے کتاب التعبیر میں روایت کی ہے تاکہ اس کی ضعف کو بیان کریں۔

● وحی رکنے کی مدت:

رہی بات وحی کے رکنے کی مدت کی تو ابن سعد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ کچھ دنوں تک تھی[3] یہی راجح ہے بلکہ یہی حقیقت ہے اور رہی بات مشہور بات کی کہ یہ دو یا ڈھائی یا تین سال کی مدت تک تھا تو یہ روایات میں غور کرنے کے بعد کسی بھی صورت میں صحیح نہیں لگتا[4]۔

---

(1) صحیح بخاري، کتاب التعبیر، بابُ أوّل ما بُدِئَ به رسُولُ الله صلى الله عليه وسلم من الوحى ،حدیث نمبر (۶۹۸۲)۔

(2) فتح الباري (۳۸۳/۱۴) اور السِلسلة الضَّعيفة للألبانى رَحِمَهُ اللّٰهُ — حدیث نمبر (۴۸۵۸)۔

(3) الطبَّقات الکُبریٰ لابن سعد (۹۴/۱)۔

(4) الرَّحیق المختوم ص ۶۹۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جس چیز کو میں راجح کہتا ہوں اور جس کی طرف میرا امیلان ہے وہ یہ ہے کہ کچھ دنوں تک تھی اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے رہی بات یہ کہنے کی کہ نبی ﷺ نے اسلامی دعوت کی عمر سے تین یا ڈھائی سال کی عمر بغیر دعوت کے گزاری تو اس کو عقل قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس کے بارے میں کوئی دلیل ہے[1]۔

● دوسری بار وحی کا نزول اور دعوت الی اللہ کا حکم:

جب اللہ کے رسول ﷺ نے یقینی طور پر یہ جان لیا کہ آپ ﷺ اللہ رب العالمین کے نبی ہو گئے ہیں اور جو آپ ﷺ کے پاس آتا ہے وہ اللہ کی طرف سے وحی ہے تو آپ ﷺ کی وحی کے آنے کا شوق اور اس سے متعلق محبت اور بڑھ گئی اور اس سے آپ کو ثابت قدمی حاصل ہوئی اور جب آپ کو اس چیز کے دوبارہ آنے کا تحمل ہو گیا تو جبریل علیہ السلام دوسری بار تشریف لائے۔

نبی ﷺ وحی کے رکنے کے دوران غار حرا کی جانب جاتے تھے اور وہاں پر تنہائی اختیار کرتے تھے اور جب آپ ﷺ وہاں سے اتر رہے تھے ایک دن آپ نے آسمان سے ایک آواز سنی آپ نے سر اٹھایا تو دیکھا جبرئیل علیہ السلام اپنی اصل صورت میں جس میں پیدا کیا ہے اسی صورت میں موجود ہیں اور پورا آسمان ڈھک گیا ہے، آپ ﷺ اس سے خوف زدہ ہوئے اور آپ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس واپس آئے اور کہا: مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو ، مجھے چادر اوڑھادو، آپ کو چادر اوڑھادیا گیا اور اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَٱلرُّجْزَ فَٱهْجُرْ ۝﴾ [المدثر: ۱-۵]۔

یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے ایک بہت ہی بھاری بات کے لئے ندا تھی، اس بشریت کو ڈرانے اور اس کو بیدار کرنے اور اسے اس دنیا میں شر سے محفوظ کرنے کی بات تھی اور

(1) السيرة النَّبويّة في ضوء القرآنِ والسُّنّة للدكتور محمد أبو شهبة (۲/۲۶۴)۔

آخرت میں جہنم کے آگ سے بچانے کی بات تھی اور وقت رہتے ہی نجات کے راستے کی طرف رہنمائی کی بات تھی جو کہ بہت ہی پر مشقت اور ثقیل واجب ہے بطور خاص جب کسی ایک انسان کے سر پر یہ بوجھ ہو چاہے وہ نبی ہوں یا رسول ہوں کیونکہ پوری انسانیت گمراہی، نافرمانی، سرکشی اور نادانی اور دشمنی اصرار اور امر کو ٹھکرانے والے تھے جو دعوت کو اس وجود کا سب سے سخت اور دشوار گزار کام بنا لیتے تھے(1)۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے رکنے کے بارے میں بتاتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا کہ: میں چل رہا تھا اسی وقت آسمان سے ایک آواز سنی میں نے اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف کیا تو اس فرشتہ کو دیکھا جو میرے پاس صحرا میں آیا تھا وہ آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا تھا مجھے خوف لاحق ہوا اور میں زمین پر گر پڑا میں اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا: مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو پھر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ ۞ قُمۡ فَأَنذِرۡ ۞ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۞ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرۡ ۞ وَٱلرُّجۡزَ فَٱهۡجُرۡ ۞﴾ پھر وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور لگاتار وحی کا نزول جاری رہا(2)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس آیا اور کہا مجھے چادر اوڑھا دو اور میرے اوپر ٹھنڈا پانی چھڑکو(3) آپ فرماتے ہیں کہ: پھر لوگوں نے

---

(1) في ظلال القرآن لسید قطب (۳۷۵۴/۶)۔

(2) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المدثر، حدیث نمبر (۴۹۲۶)، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحي إلى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر (۱۶۱)۔

(3) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷۴۳/۹) میں لکھتے ہیں کہ گویا چادر اوڑھنے کے بعد آپ پر پانی کا چھینٹا لگانے میں حکمت یہ تھی کہ اندرونی تکلیف سے سکون حاصل ہو جائے اور یا تو یہ بات ہے کہ کانپنے کے بعد فوراً بخار بھی آجاتا ہے اور طب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات معروف ہے کہ اس کا علاج ٹھنڈے پانی سے کیا جاتا ہے۔

مجھے چادر اوڑھائی اور مجھ پر ٹھنڈا پانی چھڑکا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ ۝ قُمۡ فَأَنذِرۡ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۝﴾ [المدثر:۱-۳] [1]۔

یہ آیتیں وحی کے رکنے کے بعد سب سے پہلے نازل ہوئیں اور یہ لگاتار احکام آپ کو یہ بتا رہے تھے کہ اب خواب اور سکون واطمینان کا وقت نہیں ہے اب ایک نیا عمل تمہارے ذمہ ہے جو بیداری اور چشتی، چالاکی اور لوگوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہے اب ذمہ داری کو اٹھاؤ اور لوگوں کو ڈراؤ اور وحی سے مدد لو اور اللہ رب العالمین کے راستے میں دعوت کی مشقت پر صبر کرو، اللہ رب العالمین کا **پیغام رسالت کا مصدر اور اس دعوت میں مدد** کرنے والا ہے [2]۔

اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ اس کے بعد اس بوجھ کو بیس سال سے زیادہ مدت تک اٹھائے رہے، آپ نے کبھی آرام نہ کیا کبھی سکون کی سانس نہ لی اور آپ ﷺ نے اپنے اور اپنے گھر والوں لئے زندگی نہیں گزاری، بلکہ اللہ رب العالمین کی طرف دعوت دیتے رہے، اور اپنے کندھے پر یہ بڑا بھاری بوجھ اٹھائے رہے اور آپ کبھی تھکے نہیں یہ اس زمین میں سب سے بڑی امانت تھی پوری انسانیت کی امانت تھی پورے عقیدے کی امانت تھی پورے جہاد اور اور جنگ کی جگہوں پر کئی میدانوں میں امانت تھی اللہ کے رسول ﷺ ہمیشہ ہمیش کی جنگ میں رہے ۲۰ سالوں تک آپ ﷺ کو کوئی چیز اس لمبی مدت میں اس مشن سے روک نہ سکی جب سے اللہ رب العالمین کا یہ پیغام سنا تھا اور جب سے آپ کو ذمہ داری ملی- اللہ رب العالمین ہماری طرف سے پوری انسانیت کی طرف سے آپ ﷺ کو اچھا بدلہ عطا کرے- [3]۔

● سورہ مزمل کا نزول:

---

(1) صحیح بخاری، کتاب التفسیر- باب وربک فکبر – حدیث نمبر (۴۹۲۴) ، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، بدءالوحي إلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث نمبر (۱۶۱) (۲۵۷)۔

(2) فقه السیرة للشیخ محمد الغزالي رحمہ اللہ تعالی ص ۹۰۔

(3) في ظلال القرآن (۶/ ۳۷۴۲-۳۷۴۳) از سید قطب رحمہ اللہ۔

پھر سورہ مدثر کے بعد فوراً سورہ مزمل کا نزول ہوا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۞ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۞ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۞﴾[المزمل:۱-۴] ۔

یہ سورت اس دعوت کی تاریخ سے ایک صفحہ پیش کرتی ہے... جس کی شروعات اللہ رب العالمین کی پکار کے ذریعے سے ہوئی جس میں اللہ رب العالمین نے عظیم ذمہ داری عطا کی اور اس کے اندر اس کے لئے رات کی نمازوں اور قرآن کی تلاوت اور اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ کے ذکر، اللہ رب العالمین پر بھروسہ اور تکلیف پر صبر اور اور گھر والوں کو چھوڑ کر اس کے لئے تیاری کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

کھڑے ہوں... کھڑے ہوں اس عظیم کام کے لئے جو تمہاری منتظر ہے اس بوجھ کے لئے جو تمہارے لیے تیار کی گئی ہے اس مشقت اور پریشانی اور اس چیز کے لئے کھڑے ہو جاؤ اب کوئی نیند یا راحت کا وقت نہیں ہے کھڑے ہو جاؤ اس امر کے لئے اور تیار ہو جاؤ۔

یقیناً اب نیند کا وقت چلا گیا اور اب صرف اور صرف جاگنا ہے تھکنا ہے جہاد اور مشقت بھری زندگی گزارنی ہے[1]۔

● قیام اللیل کی فرضیت:

اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ پر قیام اللیل فرض تھا، اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ مکمل ایک سال تک قیام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے قدموں میں ورم آ گئے، پھر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ﴾[المزمل:۲۰] پھر اس کے بعد تہجد کی نماز نفل ہو گئی جبکہ پہلے فرض تھی۔

(1) في ظلال القرآن (۶/۳۷۴۴) از سیّد قطب رحمہ اللہ۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سعید بن ہشام سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ : میں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا آپ ﷺ کے قیام کے بارے میں آپ ہم سے کچھ بتائیں تو انہوں نے کہا کیا آپ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾ نہیں پڑھتے ؟۔

میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، وہ کہتی ہیں کہ : اللہ رب العالمین نے قیام اللیل کو پہلے اس سورت کے ذریعے سے فرض کیا تھا، نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ نے ایک سال تک قیام کیا اور اللہ رب العالمین نے اس سورت کی آخری آیت کو بارہ مہینوں تک آسمان میں روکے رکھا[1] یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے اس سورت کی آخری آیتوں کو نازل کیا اور اس میں تخفیف نازل ہوئی اور قیام اللیل فرضیت کے بعد نفل قرار پایا[2]۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اس قول سے ظاہر یہی ہے کہ آپ ﷺ اور امت سبھی کے حق میں یہ نفل ہو گیا یاد رہے کہ امت کے حق میں اس کے نفل ہونے پر اجماع ہے لیکن نبی پاک ﷺ کے حق میں اس کے نفل ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے اور ہمارے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ یہ منسوخ ہو گیا ہے[3]۔

احمد شوقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

یا رب صل وسلم ما اردت على	نزيلي عرشك خير الرسل كلهم
محي الليالي صلاه لا يقطعها	الا بدمع من الاشفاق منسجم
مصبح لك جنح الليل محتملا	ضرا من السهد او ضرر من الورم
رضيه نفسه لا تشتكي ساما	وما مع الحب انا خلصت من سامي

(1) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے قول کہ : اللہ نے اس کے خاتمے والی آیتوں کو روک لیا یعنی وہ اپنے سے پہلے آیتوں کے مقابلے میں نازل ہونے میں بعد میں نازل ہوئی اور یہ اللہ تعالی کا قول ہے :﴿إن ربك يعلم أنك تقوم أدنى من ثلثي الليل ...﴾ سورہ مزمل کے آخر تک۔

(2) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب جامع صلاۃ اللیل، ومن نام عنہ أو مرض، حدیث نمبر (746)۔

(3) صحیح مسلم بشرح النووي(6/ 23)۔

یـا ربی صلی علی الله نخب — جعلت فیهم لواء البیت والحرم

بیض الوجوه وجه الدهر ذو حلك — شم الانوف واقف الحادثات حمی

● سورہ ضحیٰ کے نزول کے سلسلے میں ابن اسحاق رحمہ اللہ کا وہم:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ سے اس کے بعد وحی منقطع ہوگئی تو آپ ﷺ پر یہ چیز بھاری پڑی اور آپ غمگیں ہوئے، جبریل علیہ السلام آپ کے پاس سورہ ضحیٰ لے کر آئے جس میں اللہ رب العالمین قسم کھا رہا ہے، اسی نے یہ تکریم بخشی ہیں اور آپ کو اللہ رب العالمین نے چھوڑا نہیں ہے اور آپ کی حفاظت سے اللہ رب العالمین نے ہاتھ نہیں اٹھایا ہے اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿ وَالضُّحَىٰ (١) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ (٢) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (٣) وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (٤) وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴾[الضحی: ١-٥][1]۔

● شیخان کی روایت "صحیحین والی روایت" سب سے صحیح ہے:

شیخان نے اپنی صحیحین میں جندب بن سفیان بجلی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ کی طبیعت ناساز ہوئی تو آپ ﷺ نے دو یا تین راتوں تک قیام نہیں کیا، پھر ایک عورت[2] آئی اور کہا: اے محمد مجھے یہ خیال ہو رہا ہے تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے کیونکہ

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (1/ 278)۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (313/3) میں لکھتے ہیں کہ: یہ ام جمیل عوراء بنت حرب ہیں، جو کہ ابوسفیان بن حرب کی بہن اور ابولہب کی بیوی تھیں اور یہ خاتون لوگوں کے درمیان ان چغلی کیا کرتی تھی اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فقیری کا طعنہ دیتی تھی اور یہ اپنے مال کی کثرت کے باوجود اپنے پیٹ پر لکڑیاں ڈھو کر لاتی تھی کیونکہ یہ بہت زیادہ کنجوس تھی اور یہ رات کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر کانٹے بکھیر دیتی تھی، اللہ رب العالمین نے انہیں جہنم کی آگ کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین نے سورہ مسد (آیت نمبر: 5) میں ارشاد فرمایا: ﴿في جيدها حبل من مسد﴾: یعنی یعنی اس کے گردن میں آگ کی ایک پٹی ہے۔

وہ دو یا تین راتوں سے تمہارے قریب نہیں آیا ہے اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی:
﴿وَالضُّحَىٰ (۱) وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ (۲) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ (۳)...﴾[1]۔

اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سورت کا نزول دوسرے فترے میں ہوا ہے، نہ کہ اس فترے میں جو ابتدائی وحی کے بعد تھی یہ اس سے زیادہ دیر کے لئے رہی تھی جیسا کہ ہم نے وحی کے رکنے کے بارے میں ذکر کیا ہے اور رہی بات اس کی تو یہ دو یا تین رات سے زیادہ نہ تھی اس سبب دونوں مختلط ہو گئے اور بعض علماء پر یہ شبہ کا باعث بنے[2]۔

امام طحاوی نے مشکل الآثار کی شرح میں بسند حسن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے سوال کیا اور میں یہ چاہتا تھا کہ میں اس کے بارے میں سوال نہ کرتا، میں نے کہا: اے میرے رب مجھ سے پہلے انبیاء تھے جن کے لئے تو نے ہوا کو مسخر کیا پھر سلیمان بن داؤد کا ذکر کیا اور کچھ کے لئے تو نے یہ معجزہ عطا کیا کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے پھر عیسی علیہ السلام کا ذکر کیا اور کچھ کے لئے تو نے فلاں چیزیں عطا کی اور اللہ کے رسول ﷺ نے جو مختلف انبیاء کو دیئے گئے تھے ان کا ذکر کیا۔

پھر اللہ تعالی نے فرمایا: ہاں کیا میں نے تمہیں یتیم نہیں پایا تھا تو ہم نے تمہیں ٹھکانا دیا میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں اے میرے رب۔

پھر اللہ تعالی نے کہا: کیا ہم نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا تو میں نے تمہیں ہدایت دی میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں اے میرے رب۔

(1) صحیح بخاری کتاب التہجد، باب ترک القیام للمریض، حدیث نمبر (۱۱۲۴) ،اور کتاب التفسیر، باب سورۃ الضحی، حدیث نمبر (۴۹۵۰) ،اور صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب مالقي النبي صلی اللہ علیہ وسلم من أذی المشرکین، حدیث نمبر (۱۷۹۷) (۱۵)۔

(2) صحیح بخاری-کتاب التہجد-باب ترک القیام للمریض-حدیث نمبر (۱۱۲۴) - اور کتاب التفسیر-باب سورۃ الضحی—حدیث نمبر (۴۹۵۰) —اور صحیح مسلم-کتاب الجھاد والسیر-باب مالقي النبي-صلی اللہ علیہ وسلم-من أذی المشرکین-حدیث نمبر (۱۷۹۷) (۱۵)۔

اللہ تعالی نے کہا: کیا میں تمھیں بے سہارا نہیں پایا تھا (فقیر نہیں پایا تھا) تو میں نے تمھیں بے نیاز کیا میں نے کہا: ہاں کیوں نہیں اے میرے رب۔

اللہ تعالی نے کہا: کیا میں نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا ہے اور اس سے میں نے گناہوں کو ہٹا نہیں دیا ہے؟

میں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں اے میرے رب۔ (1)

● وحی کے مراتب اور اس کے نزول کی شدت:

وحی کے مختلف مراتب تھے بعض بعض سے آسان یا ہلکے تھے:

پہلا مرتبہ: سچے خواب، یہی آپ ﷺ کے وحی کی شروعات تھی، اور آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی روشنی کی مانند واقع ہوا کرتے تھے جیسا کہ ہم نے ابھی کچھ دیر پہلے ذکر کیا ہے۔

دوسرا مرتبہ: فرشتہ جو نظر آئے بغیر آپ کے دماغ اور دل میں ڈال دیتا تھا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: بے شک روح قدس نے میرے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ کسی بھی نفس اس وقت تک موت نہ ہوگی جب تک کہ وہ اپنے رزق کو مکمل نہ کرلے تو اے لوگو! تم اللہ تعالی سے ڈرو اور رزق کے طلب کرنے میں اچھا طریقہ اختیار کرو اور رزق کے دیر سے آنے سے تم کہیں اس بات پر آمادہ نہ ہو جاؤ کہ تم اسے اللہ رب العالمین کی نافرمانی کر کے طلب کرو کیونکہ اللہ رب العالمین کے پاس جو ہے اسے اللہ رب العالمین اطاعت کے ذریعے سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ (2)

---

(1) شرح مشکل الآثار للطحاوی، حدیث نمبر (۳۹۶۶)۔

(2) مستدرک حاکم- کتاب البیوع- باب ان اللہ لا ینال فضلہ بمعصیۃ- حدیث نمبر (۲۱۸۱) - حلیۃ الاولیاء (۱۰/۲۶)- اور یہ شواہد کے ساتھ صحیح حدیث ہے۔

تیسرا مرتبہ: آپ ﷺ کے لئے فرشتہ آدمی کی شکل اختیار کرتا تھا اور آپ ﷺ کو مخاطب کرتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کی بات سمجھ جاتے تھے اور اس مرتبے میں صحابہ کرام کبھی کبھار انہیں دیکھ لیا کرتے تھے[1]۔

چوتھا مرتبہ: کبھی کبھار وحی آپ ﷺ کے پاس گھنٹی کے بجنے کی آواز کی طرح آتی تھی اور یہ سب سے سخت ترین ہوا کرتی تھی، اس صورت میں فرشتہ آپ سے لپٹ جاتا تھا اور آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ آنے لگتا تھا، حالانکہ بہت ہی سردی کا موسم ہوتا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ اگر اپنی سواری پر رہتے ہوں تو آپ کی سواری بالکل زمین میں بیٹھ جایا کرتی تھی اور آپ ﷺ پر ایک مرتبہ اس طرح سے وحی آئی تو آپ ﷺ کی ران زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کے ران پر تھی اس وقت ان کی ران بہت ہی وزنی ہو گئی لگ رہا تھا کہ ان کی ران کوٹ دی جائے گی۔

شیخان نے اپنے صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہٗ نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر وحی کیسے آتی تھی؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کبھی کبھار میرے اوپر وحی گھنٹی کے بجنے کی طرح سے آتی تھی اور یہ مجھ پر سب سے سخت ہوا کرتی تھی اور مجھ پر پسینہ طاری ہو جاتا تھا اور میں اس کی بات کو سمجھ لیا کرتا تھا اور کبھی کبھار میرے پاس ایک فرشتہ ایک آدمی کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور وہ مجھ سے بات کرتا تھا اور میں اس کی بات کو سمجھ جاتا تھا[2]۔

---

(1) عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث دیکھئے: صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، حدیث نمبر (۸) اور اس میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے عمر کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والے کون تھے میں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔

(2) صحیح بخاری - کتاب بدء الوحي إلى رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - حدیث نمبر (۲) — اور صحیح مسلم - کتاب الفضائل - باب عرق النبي - صلی اللہ علیہ وسلم - في البرد، وحينَ يأتيهِ الوحيُ — حدیث نمبر (۲۳۳۳) (۸۷)۔

اور انہیں رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے اللہ کے رسول ﷺ پر سخت سردی کے دنوں میں[1] وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھا آپ کو پسینہ آیا ہوا تھا اور آپ کے پیشانی پر سخت پسینہ تھا[2]۔

اور دوسری روایت میں ہے وہ کہتی ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ کو وحی کے وقت جو پریشانی لاحق ہوئی تھی وہ ہوئی، پھر آپ ﷺ سے پسینہ موتی قطرے کے مانند اپنے گرنے لگے جبکہ وہ سردی کے دن تھے اس لئے کہ جو چیز نازل کی جاتی تھی وہ بہت ہی وزنی تھیں[3]۔

پانچواں مرتبہ: آپ ﷺ فرشتے کو اس کی اصل حقیقت پر دیکھتے تھے وہ اللہ رب العالمین جو چاہتا تھا اسے آپ کے پاس وحی کرتا تھا اور اس طرح سے دو مرتبہ ہوا جیسا کہ اللہ رب العالمین سورہ نجم کے اندر اس کا تذکرہ کیا ہے[4]۔

---

(1) حافظ ابن حجر فتح الباری (۱/۳۲) میں لکھتے ہیں: اس میں وحی کے نزول کے وقت زیادہ پریشان ہونے اور زیادہ تھکاوٹ پر دلیل ہے کیونکہ یہ عادت کے مخالف چیز ہے جو کہ سخت ٹھنڈی کی حالت میں پسینہ بہنا ہے کیونکہ اس کے وجود سے انسانی طبیعت پر زائد چیز کے نازل ہونے کو محسوس کیا جاتا ہے۔

(2) صحیح بخاری-کتاب بدء الوحي إلى رسول اللہ- صلی اللہ علیہ وسلم- حدیث نمبر (۲) —اور صحیح مسلم-کتاب الفضائل-باب عرق النبي- صلی اللہ علیہ وسلم-في البرد—حدیث نمبر (۲۳۳۳)۔

(3) صحیح بخاری-کتاب التفسیر-باب قولہ تعالَى: {لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا...}-حدیث نمبر (۴۷۵۰) —اور صحیح مسلم-کتاب التوبۃ-باب في حدیث الإفک—حدیث نمبر (۲۷۷۰)۔

(4) صحیح مسلم-کتاب الإیمان-باب معنی قول اللہ عزّ وجلّ: ولقد رآہ نزلۃً أخری-حدیث نمبر (۱۷۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے انہیں یعنی جبرئیل کو نہیں دیکھا تھا اس صورت پر جس پر اللہ رب العالمین نے انہیں پیدا کیا ہے سوائے ان دو مرتبہ کے، میں نے انہیں دیکھا کہ: وہ آسمان سے اتر رہے ہیں ان کی عظیم خلقت کی وجہ سے آسمان اور زمین کے درمیان کی ساری چیزیں چھپ گئیں تھیں۔

اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ کتاب التفسیر باب ومن سورۃ والنجم حدیث نمبر (۳۵۶۲) میں مسروق کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتے ہیں محمد ﷺ نے جبریل کو ان کی اصل صورت پر صرف دو مرتبہ دیکھا ہے پہلی مرتبہ سدرۃ المنتھی کے پاس دوسری مرتبہ: اجیاد نامی مقام پر ان کے چھ سو پر تھے جس سے پورا کا پورا آسمان چھپا ہوا تھا۔

چھٹا مرتبہ: جو اللہ تعالی نے آپ کی جانب وحی کیا جب کہ آپ ﷺ معراج کی رات ساتویں آسمان کے اوپر تھے، اسی طرح اللہ رب العالمین نے آپ پر نماز اور دیگر فرائض کو فرض کیا[1]۔

ساتواں مرتبہ: اللہ رب العالمین کا آپ سے فرشتے کے واسطے کے بغیر بات کرنا، جیسے کہ اللہ رب العالمین نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے بات کیا تھا یہ مرتبہ موسی علیہ السلام کے لئے قطعی طور پر قرآن کی نص[2] سے ثابت ہے اور اس کا ہمارے نبی ﷺ کے لئے ثابت ہونا معراج والی حدیث میں موجود ہیں[3]۔

بعض لوگوں نے آٹھواں مرتبہ بھی بتایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے آپ سے سے واضح طور پر بغیر حجاب کے کلام کیا ہے اور یہ اس مذہب پر کہا جا سکتا ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین کو نبی ﷺ نے دیکھا ہے جو کئی سلف اور خلف کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے[4]۔

امام بغوی کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین کی طرف سے اپنے نبیوں پر وحی کی کئی قسمیں تھیں، اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ [الشوری:۵۱] بعض اہل تفسیر کہتے ہیں:

---

(1) صحیح بخاری - کتاب مناقب الانصار - باب المعراج — حدیث نمبر (۳۸۸۷) — صحیح مسلم - کتاب الایمان - باب الاسراء برسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - الی السموات وفرض الصلوات — حدیث نمبر (۱۶۲)۔

(2) اللہ رب العالمین نے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۴۳ میں فرمایا: ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾۔

(3) صحیح بخاری - کتاب مناقب الانصار - باب المعراج — حدیث نمبر (۳۸۸۷) — صحیح مسلم - کتاب الایمان - باب الاسراء برسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - الی السموات وفرض الصلوات — حدیث نمبر (۱۶۲)۔

(4) زاد المعاد از ابن القیم (۷۹/۱)۔

پہلی وحی: یہ تھی کہ اللہ رب العالمین انہیں جو خواب دکھایا کرتا تھا، عبید بن عمیر کہتے ہیں کہ: انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں اور پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ﴾ [الصافات: ۱۰۲]۔

اور کئی ایک اہل تفسیر نے فرمان باری تعالی: ﴿أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ کے بارے میں کہاہے کہ جیسے موسی علیہ السلام سے اللہ رب العالمین نے پردے کے پیچھے سے کلام کیا یہاں تک کہ فرمایا: ﴿إني أنظر إليك﴾[الأعراف: ۱۴۳] اور اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿أَوْ يرسل رسولا﴾ تو اس سے روح امین کا بھیجا جانا مراد ہے، جیسا کہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ (193) عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾[الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴]۔

اور ہمارے نبی ﷺ کے لئے یہ ساری قسمیں تھیں، اللہ رب العالمین نے آپ کے بارے میں فرمایا: ﴿لَّقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾[الفتح: ۲۸][1]۔

● رسول ﷺ کے قرآن بھولنے کا خوف:

اللہ کے رسول ﷺ وحی کے بھول جانے کا خوف کھاتے تھے، شیخان نے اپنی صحیحین میں فرمانِ باری تعالی: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نازل شدہ وحی کو شدت سے یاد کیا کرتے تھے اور اپنے ہونٹوں کو ہلایا کرتے تھے، اس پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۞ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾[القیامۃ: ۱۶، ۱۷] یعنی آپ کے سینے میں اس کا جمع کرانا اور آپ کا پڑھنا: ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾[القیامۃ: ۱۸] اللہ رب العالمین نے کہا: تم سنو اور خاموش رہو: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾[القیامۃ: ۱۹] یعنی تمہارا پڑھنا میرے اوپر ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ اس کے

(1) شرح السنۃ از امام بغوی (۱۳/۳۲۴)۔

بعد جب جبریل السلام آتے تھے تو سنتے تھے اور جب جبرئیل واپس جاتے تو آپ ﷺ اسی طرح پڑھتے جس طرح سے جبریل علیہ السلام آپ کو پڑھاتے تھے [1]۔

● نبی ﷺ کی زندگی میں دعوت کے ادوار اور مراحل:

جب سے اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ رب العالمین کا حکم؛ فرمان باری تعالی: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۱) قُمْ فَأَنذِرْ (۲) وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (۳) وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (۴) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (۵) وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ (۶) وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (۷)﴾ [المدثر ۱-۷] کے ذریعہ سے ملا اسلم فورا لوگوں کو دعوت دینے کے لئے کھڑے ہوگئے اور لوگوں پر اس دین کی پیشکش شروع کردی، جس کو اللہ تعالی نے آپ پر بھیجا تھا، آپ کی بعثت سے وفات تک یہ دعوت دو فتروں پر مشتمل رہی دونوں ایک دوسرے سے بہت ہی الگ ہیں یہ دونوں گھڑی اس طرح سے تھے:

مکی دور: جو کہ تقریبا تیرہ سال تک جاری رہی۔

مدنی دور: جو کہ مکمل دس سالوں تک جاری رہی۔

اور یہ دونوں دور کئی مراحل کو مشتمل ہیں، ہر ایک کی الگ خصوصیت ہے جس سے وہ دوسرے سے ممتاز ہوتی ہے اور یہ اس وقت ہمارے لئے ظاہر ہوتی ہے جب ہم ان ظروف اور احوال کو دیکھتے ہیں جن سے ان دونوں ادوار میں دعوت کا گزر ہوا۔

مکی دور کو کو دو مرحلوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا مرحلہ: سری دعوت، جو تین سالوں تک جاری رہی۔

دوسرا مرحلہ: جہری دعوت، جو صرف زبان کی حد تک محدود تھا قتال کی اجازت نہ تھی یہ بعثت کے چوتھے سال سے مدینہ ہجرت تک کا دور ہے۔

---

(1) صحیح بخاری - کتاب بدء الوحي - رقم الحديث (۵) — اور في كتاب التفسير - باب فإذا قرأناه فاتبع قرآنه - حدیث نمبر (۴۹۲۹) — اور صحیح مسلم - کتاب الصلاۃ - باب الاستماع للقراءة — حدیث نمبر (۴۴۸) (۱۴۸)۔

رہی بات مدنی دور کی تو اسے **تین مرحلوں میں** تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- پہلا مرحلہ:

جس میں فتنے اور نااتفاقی عام ہوئی، جس میں داخل سے مشکلات کھڑے ہوئے اور جس میں خارجی فتنہ کے طور پر دشمنوں نے مدینہ کی طرف لوگوں کو ختم کرنے کے لئے چڑھائی کی،اور یہ مرحلہ سنہ ٦ ہجری میں صلح حدیبیہ والے سال تک جاری رہا۔

- دوسرا مرحلہ:

بت پرست سرداروں کے ساتھ عہد وپیمان کا مرحلہ اللہ جو کہ رمضان سنہ ٨ ہجری میں فتح مکہ تک جاری رہا یہ بادشاہوں اوراور گورنروں کے اسلام کی طرف دعوت کا مرحلہ تھا۔

- تیسرا مرحلہ:

لوگوں کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے کا مرحلہ ، یہ قبائل اور اقوام کے مدینہ کی جانب وفود کی صورت میں آنے کا مرحلہ تھااور یہ آپ ﷺ کی زندگی کے ختم ہونے تک یعنی ربیع الاول ١١ ہجری تک جاری رہا[1]۔

❀❀❀

---

(1) الرحیق المختوم (ص ٢٤٧)۔

سری (خفیہ) دعوت

نبی ﷺ نے پہلے پہل اسلام کی جانب خفیہ[1] طور پر دعوت دینا شروع کیا تاکہ مکہ والے آپ کی دعوت کو اچانک دیکھ کر بھڑک نہ پڑیں اس لئے آپ نے پہلے گھر والوں میں سے سب سے قریبی لوگوں پر اسلام پیش کیا، پھر اپنے دوستوں کو اسلام کی دعوت دی اسی طرح سے آپ ﷺ اسلام کی دعوت ہر اس شخص کو دیتے تھے جس میں آپ ﷺ بھلائی محسوس کرتے تھے اور جس کے بارے میں جانتے تھے کہ یہ حق اور بھلائی اور سچائی اور نیکی کو پسند کرنے والا ہے[2]۔

● خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کا قبول اسلام:

سب سے پہلے آپ ﷺ پر عورتوں میں سے اسلام لانے والی بلکہ علی الاطلاق سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالی عنہا تھیں۔

ابن اثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ: اللہ رب العالمین کی مخلوقات میں سب سے پہلے اسلام لانے والی خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا ہیں اس پر سب کا اجماع ہے ان سے پہلے کسی بھی مرد یا عورت نے اسلام قبول نہ کیا تھا[3]۔

اور حافظ نے الاصابۃ میں کہا ہے کہ: خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالی عنہا جو آپ ﷺ کی بیوی تھیں وہ سب سے پہلے آپ کی تصدیق کرنے والے لوگوں میں سے تھیں[4]۔

---

(1) میں کہتا ہوں کہ: جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ پہلے دعوت کا کام سری طور پر شروع ہوا تھا وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۸۳۲) پر روایت کیا ہے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو مکہ میں بہت ساری خبریں سناتے ہوئے سنا تو میں اپنی سواری پر سوار ہوا اور وہاں گیا تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو چھپا ہوا پایا۔

(2) الرحیق المختوم ص ۷۵۔

(3) أسد الغابۃ (۵/۲۶۰)۔

(4) الإصابة (۸/۹۹)۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: خدیجہ بنت خویلد آپ پر ایمان لائیں اور اللہ رب العالمین کے پاس سے آپ ﷺ جو لے کر آئے تھے اس کی تصدیق کی اور آپ ﷺ کو آپ کے معاملے میں مدد دی اور وہ اللہ اور اس کے رسول پر سب سے پہلے ایمان لانے والی اور آپ کے بات کی تصدیق اور تحقیق کرنے والی تھیں ان کے ذریعے سے اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کی پریشانی کو ہلکا کیا، آپ ﷺ جو بھی ناگوار بات سنتے تھے چاہے وہ آپ پر رد، تکذیب کے باب سے ہو جس سے آپ کو حزن لاحق ہوتا اللہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ذریعہ سے اس کو آسان کر دیتے تھے جب آپ ﷺ ان کے پاس جایا کرتے تھے تو وہ آپ کو حوصلہ دیتی تھیں اور آپ سے تکلیف کو ہلکا کرتی تھیں اور آپ کی تصدیق کرتی تھیں اور لوگوں کے معاملات کو آپ سے ہلکا کر دیتیں، اللہ رب العالمین کی ان پر رحمت ہو[1]۔

• علی بن ابی طالب[2] رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

پھر علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام قبول کیا جو کہ آپ کے چچا کے بیٹے تھے اس وقت وہ بلوغت کو نہیں پہنچے تھے ان کی عمر صحیح قول کے مطابق دس سال کی تھی[3] انہوں

---

(1) سیرۃ ابن ہشام (۱/۲۷۷)۔

(2) یہ علی بن ابی طالب نبی ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں، یہ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے تھے ان کی ولادت صحیح قول کے مطابق بعثت سے دس سال پہلے ہوئی تھی، اور ان کی پرورش نبی ﷺ کے یہاں ہوئی آپ سے یہ کبھی الگ نہ ہوئے اور نبی ﷺ کے ساتھ انہوں نے غزوہ تبوک کے علاوہ سارے غزوات میں شرکت کی اور آپ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہ کا ان سے نکاح کیا ان کے بہت سے فضائل اور مناقب ہیں یہاں تک کہ امام احمد نے فرمایا: صحابہ میں سے کسی اور کے لئے اتنے فضائل منقول نہیں ہوئے جتنا علی رضی اللہ عنہ کے لئے منقول ہیں آپ رضی اللہ عنہ جمعہ کی صبح رمضان سنہ ۴۰ھ میں قتل کئے گئے، الإصابة: (۴/۴۶۴)۔

(3) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۵۶۶) میں لکھتے ہیں کہ: بعثت کے وقت علی رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے میں سب سے صحیح قول یہ ہے کہ ان کی عمر دس سال تھی۔

نے کبھی بھی بتوں کی پوجا نہ کی کیونکہ وہ چھوٹے تھے اور وحی کے نزول سے پہلے ہی سے آپ ﷺ کے زیر کفالت تھے، بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے یہی تھے [1]۔

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور ابن اسحاق نے بسند حسن مجاہد بن جبر سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ رب العالمین کی علی بن ابی طالب پر نعمت تھی اور اللہ رب العالمین کا ان پر کرم تھا کہ اللہ رب العالمین نے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تھا کہ قریش کو جب سخت پریشانی لاحق ہوئی اور ابو طالب کے پاس بہت سی اولاد تھی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچا عباس سے کہا جو کہ بنی ہاشم میں سب سے اچھی حالت میں تھے اے ابو الفضل تمہارے بھائی ابو طالب کے اخراجات بہت زیادہ ہیں اور لوگوں کو یہ سختی لاحق ہوئی ہے تو ہمارے ساتھ چلو اور ہم ان کے کچھ اخراجات کو کم کرتے ہیں میں ان کے بیٹوں میں سے ایک کو لیتا ہوں اور تم ان کے بیٹوں میں سے ایک کو لے لو اور ہم ان کی ان کی جانب سے حفاظت کرتے ہیں۔

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، پھر وہ دونوں ابو طالب کے پاس گئے اور دونوں نے ان سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے اخراجات میں ہم کچھ تخفیف کریں یہاں تک کہ لوگوں کو جو یہ چیز لاحق ہے وہ ختم ہو جائے پھر ان سے ابو طالب نے کہا کہ: اگر تم میرے پاس عقیل کو رہنے دو تو تم جو چاہو کرو، تو اللہ کے رسول ﷺ نے علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنے پاس رکھ لیا اور عباس نے جعفر رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنے پاس رکھ لیا حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ بعثت تک رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے اور آپ کی اتباع کی، آپ پر ایمان لائے، آپ کی تصدیق کی اور جعفر بھی اسلام لانے اور بے نیاز ہونے تک عباس کے پاس رہے [2]۔

---

(1) الرَّوض الأُنف (۴۲۶/۱)-ودلائل النبوۃ للبیھقي (۲/ ۱۶۱-۱۶۲)- سیرۃ ابن ھشام (۲۸۲/۱)۔

(2) مستدرک حاکم- کتاب معرفۃ الصحابۃ- باب کفالۃ النبي- صلی اللہ علیہ وسلم- لعیال أبي طالب- حدیث نمبر (۶۵۲۲) –اور سیرت ابن اسحاق (۲۸۲/۱)۔

● زید بن حارثہ[1] رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

پھر آپ ﷺ کے غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام قبول کیا اور یہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے انہیں نبی کا محبوب کہا جاتا تھا یہ وہی تھے جنھوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے والد اور اہل خانہ کو ترجیح دی تھی۔

ان کا نبی پاک ﷺ کے پاس رہنے کا سبب امام ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن اسحاق نے اپنی سیرہ میں نقل کیا ہے کہ: حکیم بن حزام[2] شام سے غلام لے کر آئے ان میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے، اسی وقت ان کے پاس خدیجہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہوں نے آپ سے کہا کہ ان میں سے جنہیں چاہیں اختیار کر لیں وہ تمہارا ہو جائے گا ان کے اس بات پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ نے زید کو اختیار کیا اور انہیں لے لیا جب آپ ﷺ نے انہیں دیکھا تو وہ آپ کو کو پسند آ گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ سے آپ ﷺ نے ان کو اپنے لئے ہبہ کرنے کا مطالبہ کیا، انھوں نے آپ ﷺ کے لئے ان کو ہبہ کر دیا، اور آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا اور آپ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا لہذا وہ زید بن محمد کے نام سے بلائے جاتے تھے اور یہ آپ پر نزول وحی سے پہلے کی بات ہے اور آپ کے والد حارثہ آپ

---

(1) یہ زید بن حارثہ بن شرحبیل ابو اسامہ ہیں، جو اللہ کے رسول ﷺ کے محبوب تھے، یہ پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، تو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نبوت سے پہلے انہیں تحفے میں دے دیا تھا تو آپ ﷺ نے انہیں اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، چنانچہ انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا، اور اسی طرح سے انہیں کہا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ نے یہ فرمان نازل فرمایا: ﴿ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله﴾[الأحزاب: ۵] اور انہوں نے ہجرت کی اور غزوہ بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں شرکت کی یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں سنہ ۸ ہجری مؤتہ والے لشکر میں روانہ کیا چنانچہ وہاں پر ان کی ملاقات مؤتہ کے جنگ میں رومیوں سے بہت بڑی جماعت کے ساتھ ہوئی، اور وہیں پر شہید کر دیئے گئے اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال کی تھی، دیکھئے: الإصابہ (۲/۴۹۴)۔

(2) یہ حکیم بن حزام بن خویلد، نبی ﷺ کی بیوی خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالی عنہ کے بھتیجے ہیں، ان کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی اور یہ قریش کے سرداروں میں سے تھے ان کے اسلام لانے میں دیر ہوئی یہاں تک کہ وہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔

اور یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ نے حنین والے دن ان کو سو اونٹ دیا تھا اور ان کا اسلام اچھا رہا تھا، ان کی وفات سنہ ۶۰ ہجری میں ہوئی اور اس کے علاوہ بھی کہا گیا، دیکھئے: اسد الغابہ (۲/۴۴)۔

کے بارے میں کافی پریشان تھے اور جب وہ گم ہوئے تھے تو ان پر خوب روئے تھے اور جو انہوں نے ان کے بارے میں کہا تھا ان کے کچھ اشعار یہ ہیں:

بکیت علی زید و لم ادر ما فعل — أحی فیرجی ام اتی دونه الاجل
والله ما ادری وانی لسائل — اغالك بعدی السهل ام غالك الجبل
و یا لیت شعری هل لك الدهر اوبة — فحسبی من الدنیا رجوعك لی بجل
تذکرنیه الشمس عند طلوعها — وتعرض ذکراه اذا غربها افل
وان هبت الارواح هیجن ذکره — فیا طول ما حزنی علیه وما وجل
ساعمل نص العیش فی الارض جاهدا — ولا اسام التطواف او تسام الابل
حیاتی او تاتی علی منیتی — فکل امرئ فان وان غره الامل

جب انہیں ان کی مکہ میں موجودگی کا علم ہوا تو وہ مکہ آئے تاکہ ان کو چھڑا کے لے کر لے جائیں، لہٰذا حارثہ اور ان کے بھائی نبی کے پاس گئے اور کہا اے عبد اللہ کے بیٹے! اے عبد المطلب کے بیٹے! اے اپنی قوم کے سردار کے بیٹے تم اہل حرم ہو اور تم اللہ رب العالمین کے گھر کے پڑوسی اور اس کے گھر کے پاس رہتے ہو تم قیدیوں کو چھوڑتے ہو تم، تم مجرموں کو آزاد کرتے ہو ہم تمہارے پاس اپنے بیٹے کے بارے میں آئے ہیں، جو تمہارے پاس ہے تو ہمارے اوپر احسان کرو اور ہم سے ہمارے بیٹے کا فدیہ لے لو، ہم تمہیں اپنے بیٹے کا فدیہ دیں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے کہا یہ کون ہے؟ ان دونوں نے کہا: زید بن حارثہ، تو اللہ کے رسول ﷺ نے زید کو بلایا اور کہا کہ اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو اور اگر تم چاہو تو اپنے والد کے پاس جاؤ زید نے کہا کہ: میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور میں آپ کے علاوہ کسی اور کو اختیار نہیں کروں گا آپ میرے لیے ماں باپ کے مقام پر ہیں، انھوں نے کہا: تمہاری بربادی ہو کیا تم آزادی پر بندگی کو اختیار کرتے ہو؟ اور تم اپنے باپ اور چچا اور اپنے گھر والوں پر کسی اور کو اختیار کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں نے اس آدمی سے کوئی چیز دیکھی ہے میں اس پر کسی کو اختیار نہیں کروں گا؟ آپ ﷺ کے پاس وہ ہمیشہ رہے یہاں تک کہ اللہ رب

العالمین نے آپ کو مبعوث کیا توانہوں آپ کی تصدیق کی، اسلام قبول کیا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی، اور اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ﴾ [الأحزاب: ۵]، زید کہتے ہیں کہ: میں زید بن حارثہ ہوں[1]۔

• نبی ﷺ کی بیٹیاں:

اسی طرح سے آپ ﷺ کی بیٹیوں نے اسلام کی جانب پہل کیا، بعثت سے قبل ان کی استقامت میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ ان کے والد استقامت کے پیکر تھے، اچھی سیرت والے تھے اور جاہلیت کے اعمال سے دور تھے، بت پرستی اور برائیوں کی انجام دہی وغیرہ سے دور وہ ایمان میں پہل سے متعلق اپنی والدہ کی اقتداء کرنے والی تھیں۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ کی تمام بیٹیوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ سب نے ہجرت کی[2]۔

• ابو بکر صدیق[3] رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

سب سے پہلے نبی ﷺ کے گھر سے باہر جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ ہو تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر سب سے پہلے ایمان کا اعلان کیا، وہ آپ

---

(1) جامع ترمذی - کتاب المناقب - باب مناقب زید بن حارثة - رضی اللہ عنہ - حدیث نمبر (۴۱۴۹) — اور سیرت ابن إسحاق (۲۸۴/۱)۔

(2) سیرت ابن ہشام (۲۲۷/۱)۔

(3) یہ عبداللہ بن عثمان بن عامر قرشی تیمی اس امت کے صدیق اور اللہ کے رسول ﷺ کے خلیفہ ہیں ان کی ولادت عام الفیل کے دو سال اور کچھ مہینے کے بعد ہوئی یہ بعثت سے قبل نبی ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے انہوں نے پہلے ایمان قبول کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ پوری مکہ میں اقامت کی مدت تک رہے اور ہجرت اور غار اور آپ ﷺ کی وفات تک کے تمام مشاہد میں آپ کے ساتھ رہے ان کا لقب عتیق تھا اور اسی سے مشہور تھے اور یہ اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل انسان تھے ان کے مناقب بے شمار ہیں ان کی وفات جمادالاولی سنہ ۱۳ ہجری میں پیر کے دن ہوئی جب ان کی عمر ۶۳ سال کی تھی، دیکھئے: الإصابہ (۱۴۵/۴)۔

ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے دوست تھے اور رسول ﷺ سے تقریباً ڈھائی سال چھوٹے تھے اور وہ آپ ﷺ کی سچائی اور امانتداری اور اچھے اخلاق اور اور جھوٹ غیرہ سے اجتناب کے اخلاق کو جانتے تھے، لہذا جیسے ہی اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے یہ بیان کیا کہ اللہ نے انہیں بھیجا ہے تو انہوں نے فوراً آپ کی تصدیق کے سلسلے میں جلدی کی اور کسی بھی قسم کی ہچکچاہٹ کا اظہار نہ کیا[1]۔

● ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام کے تقدم پر دلیلیں:

میں کہتا ہوں کہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے آدمیوں میں سب سے پہلے مسلمان ہونے پر بہت سے دلائل ہیں، انہیں میں سے وہ بھی ہے جسے امام ترمذی نے حسن سند سے ابو سعید خدری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: ابو بکر نے خلافت کے لئے بیعت کے وقت کہا کہ: کیا میں اس کے لئے لوگوں میں سب سے زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ کیا میں تم میں سب سے پہلے اسلام لانے والا نہیں ہوں؟[2]۔

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں اور امام احمد نے فضائل صحابہ میں ضعیف سند کے نقل کیا ہے جس کے لئے بغوی کے یہاں معجم صحابہ میں حسن سند کے ساتھ شاہد بھی ہے، اور اس کی سند حسن ہے شعبی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں میں نے انس رضی اللہ ہو عنہ سے سوال کیا کہ سب سے پہلے اسلام لانے والے کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا: صدیق رضی اللہ تعالی عنہ، اور انہوں نے کہا: کیا تم نے حسان رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا ہے:

---

(1) جامع الأصول لابن الأثير (585/8) —اور اس کی نسبت دیلمي کی مسند الفردوس کی جانب کیا ہے ابن مسعود -رضي اللہ عنہ- کے حوالے سے اور ابن إسحاق نے السیرۃ میں (1/ 288) پر اس کی تخریج کیا ہے اور اس کی سند منقطع ہے۔

(٢) جامع ترمذی-کتاب المناقب-باب في مناقب أبي بکر الصدیق-رضي اللہ عنہ-حدیث نمبر (٣٩٩٧) - جامع الأصول لابن الأثیر- حدیث نمبر (٦٤٢٢)۔

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة	فاذکر اخاك ابا بکر بما فعلا
التالی الثانی المحمود مشهده	واول الناس منهم صدق الرسول
والثانی اثنین فی الغار المنیفی وقد	طاف العدو به اذ سعد الجبل
وکان حب رسول الله قد علموا	من البریه لم یعدل به رجلا
خیر البریه اتقاها وارأفها	بعد النبی واوفاها بما حملا[1]

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حسان رضی اللہ تعالی عنہ نے اس قول میں جو تعریف کی ہے اسے نبی ﷺ نے سنا ہے اور آپ نے اس پر انکار نہیں کیا جو اس بات پر دلیل ہے کہ آدمیوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ ہی ہیں[2]۔

اور امام بخاری اپنی صحیح میں ابو الدرداء رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العالمین نے مجھے تمہاری جانب بھیجا ہے، تم نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا اور ابو بکر نے کہا کہ انہوں نے سچ کہا انہوں نے اپنے نفس سے میری مدد کی، کیا تم میرے ساتھی کو میرے لئے نہیں چھوڑ وگے ایسا آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا[3]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اس بات پہ نص ہے کہ آپ سب سے پہلے مسلمان ہوئے[4]۔

(1) مستدرک حاکم-کتاب معرفة الصحابة-باب استشاده-صلی اللّٰہ علیہ وسلم-في مدحِ الصدیق-حدیث نمبر (۴۴۷۰)-فضائل الصحابة للامام أحمد حدیث نمبر (۱۰۳)-معجم الصحابة للبغوي عن ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما-بسند حسن-اور اشعار دیوان حسان بن ثابت-رضي اللّٰہ عنہ-میں ص (۱۷۹) پر دیکھیں۔

(2) الرّوض الأنف (۱/۴۳۱)۔

(3) صحیح بخاری-کتاب فضائل أصحاب النبي-صلی اللّٰہ علیہ وسلم-باب قول النبي-صلی اللّٰہ علیہ وسلم-: "لو كُنتُ متّخذًا خَلِيلًا"—حدیث نمبر (۳۶۶۱)۔

(4) البدایة والنھایة ۳/ ۳۲۔

● قریش میں آپ کا مقام اور اسلام کی طرف ان کی دعوت:

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: جب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام قبول کیا اور اسلام ظاہر کیا اور اللہ اور اس کے رسول کی جانب دعوت دی،...اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی قوم میں بہت ہی محبوب تھے، وہ قریش میں عالی نسب تھے اور قریش کے اچھائیوں اور برائیوں کے بارے میں لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے، وہ تاجر آدمی تھے، ان کا اخلاق معروف تھا، ان کی قوم کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور اور کئی وجوہات کی بناپر آپ سے وہ محبت کرتے تھے؛ علم کی وجہ سے، تجارت کی وجہ سے اور حسن مجالست کی وجہ سے، اس لئے انہوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا، اللہ رب العالمین کی جانب بلا ناشروع کیا، ان لوگوں کو جن کو اپنی قوم میں سے وہ قابل اعتماد سمجھتے تھے، جو لوگ آپ کے پاس آتے اور بیٹھا کرتے تھے [1]۔

❀❀❀

(1) سیرت ابن ھشام (۲۸۶/۱)۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لانے والوں کا تذکرہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی دعوت نتیجے میں جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ اس طرح ہیں: عثمان بن عفان[1]، زبیر ابن العوام[2]، عبدالرحمن بن عوف[3]، سعد بن ابی وقاص[4]، طلحہ بن عبیداللہ[5] یہ لوگ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے اور یہی اسلام کا پہلا قافلہ تھا اور اسلام کی ابتدا انہیں سے ہوئی تھی۔

---

(1) یہ عثمان بن عفان بن ابی العاص امیر المومنین ہیں ان کی ولادت عام الفیل کے ۶۶ سال بعد ہوئی صحیح قول کے مطابق انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا اور دونوں مرتبہ ہجرت کی آپ ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں؛ رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہ کا نکاح ان سے کیا اسی لئے آپ کو ذوالنورین کے لقب سے جانا جاتا تھا۔

اور یہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔

انہیں جمعہ کے دن ذوالحجہ کے مہینے میں اٹھارہ تاریخ کو سنہ ۳۵ میں عصر کی نماز کے بعد شہید کیا گیا اور انہیں سنیچر کے دن مغرب اور عشاء کے درمیان دفن کیا گیا اس وقت ان کی عمر صحیح اور مشہور قول کے مطابق ۸۲ سال اور کچھ ماہ کی تھی، دیکھیے: الإصابہ: (۴/ ۳۷۷)۔

(2) یہ زبیر بن عوام بن خویلد ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے حواری تھے، ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں جو اللہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اس وقت مشہور قول کے مطابق ان کی عمر ۱۵ سال تھی اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ ابھی بیس سال کے نہیں ہوئے تھے یہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، انہیں جمادالاولی سنہ ۳۶ ہجری میں شہید کئے گئے اس وقت ان کی عمر ۶۴ سال تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کی ۵۴ یا ۵۷ سال تھی ان کو عمرو بن جرموز قبحہ اللہ نے قتل کیا تھا، دیکھئے: اسد الغابہ (۲/ ۲۰۹)۔

(3) یہ عبد الرحمٰن بن عوف الزہری ہیں جو پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں انہوں نے حبشہ کے بعد مدینہ کی جانب بھی ہجرت کی تھی یہ بدر، احد اور تمام غزوات میں شریک تھے ان کے فضائل بہت زیادہ ہیں ان کی وفات سنہ ۳۲ ہجری میں میں ۷۵ سال کی عمر میں ہوئی اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا، دیکھئے: الإصابہ (۴/ ۲۹۰)۔

(4) یہ سعد بن مالک ابو اسحاق ہیں انہوں نے ساتویں نمبر پر اسلام قبول کیا جبکہ وہ ۱۹ سال کے تھے۔

یہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں اور انہیں سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تیر سے نشانہ بنایا گیا یا یہ مستجاب الدعوات جاتے تھے اور اس سلسلے میں وہ مشہور تھے ان کی وفات مدینہ سے قریب عقیق میں موجود اپنے محل میں ہوئی تھی چنانچہ انہیں اٹھا کر مسجد نبوی لے جایا گیا تھا یہ سنہ ۵۱ ہجری کی بات ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۵۶ یا ۵۷ کی بات ہے اس وقت ان کی عمر ۸۳ سال تھی اور یہ وفات کے اعتبار سے عشرہ مبشرہ میں سب سے آخری نمبر پر آتے ہیں، دیکھئے: أسد الغابہ (۲/ ۳۰۷)۔

(5) یہ طلحہ بن عبیداللہ قرشی تیمی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، اصحاب شوریٰ کے ان چھ لوگوں میں سے ایک ہیں جن پر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ کہہ کر تصریح کی تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت آپ ان سب سے راضی تھے۔

جب ان لوگوں نے آپ کی بات مانیں اور اسلام لے آئے اور اسلام کی لشکر میں دعوت کی خاطر مخلص ہوگئے اس وقت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

پھر ان کے بعد اور بہت سارے پہلے اسلام لانے آنے والے لوگوں نے اسلام قبول کیا جیسے ابوعبیدہ بن الجراح،(1) ابو سلمہ بن عبد الاسد،(2) ارقم بن ابو الارقم،(3) عثمان بن مظعون،(4) اوران کے دو بھائی عبداللہ (5) اور قدامہ (1) اور عبید بن حارث بن مطلب،(2) اور سعید

یہ جمل کے واقعے کے دن ۱۰ جمادی الاخریٰ سنہ ۳۶ ہجری میں شہید کئے گئے اس وقت انہوں نے ۶۴ سال کی اپنی زندگی مکمل کر لی تھی، دیکھئے: الاصابہ (۴۳۰/۳)۔

(1) یہ عامر بن عبداللہ بن جراح، عشرہ مبشرہ میں سے ایک اور اس امت کے امین ہیں انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ،آپ رضی اللہ عنہٗ طاعون عمواس کی وجہ سے سن اٹھارہ ہجری میں فوت ہوئے اس وقت آپ کی عمر ۵۸ سال تھی، دیکھئے: اسد الغابہ (۵۱۸/۲)۔

(2) یہ عبداللہ بن عبدالاسد قرشی مخزومی ہیں ان کی کنیت ابو سلمہ تھی یہ اللہ کے رسول ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی تھے ان کی والدہ برہ بنت عبدالمطلب تھیں یہ نبی ﷺ اور حمزہ بن عبدالمطلب کے رضاعی بھائی بھی تھے انہیں ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔
یہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے ہیں انہوں نے بدر اور احد میں شرکت کی اور ان کی وفات جمادی الاخریٰ سنہ ۴ ہجری میں ہوئی دیکھئے: اسد الغابہ (۱۱/۳)۔

(3) یہ ارقم ابن ابی ارقم قرشی مخزومی ہیں، انہوں نے بھی اسلام کی جانب سبقت اور پہل کی تھی، یہ بدر میں شریک ہوئے اور اور انہوں نے ہی اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کو مشرکین سے خوف کے وقت مکہ میں اپنے گھر میں چھپا رکھا تھا ان کی وفات سنہ ۵۳ ہجری میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۸۳ سال کی تھی اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا، دیکھئے: اِلاصابہ (۱۹۶/۱)۔

(4) یہ عثمان بن مظعون ہیں جو کہ مہاجرین کے سرداروں میں سے تھے۔
انہوں نے تیرہ آدمیوں کے بعد اسلام قبول کیا اور دونوں ہجرتیں کی بدر میں شریک ہوئے اور یہ عبادت کے سلسلے میں لوگوں میں سب سے زیادہ محنت کرنے والے تھے دن کو روزہ رکھتے رات کو قیام کرتے اور خواتین سے الگ رہتے۔
بدر میں شرکت کے بعد ان کی وفات سنہ دو ہجری میں ہوئی اور یہ مہاجرین میں سے مدینہ میں وفات پانے والوں میں سب سے پہلے شخص تھے اور یہی ان میں سے بقیع میں دفن ہونے والے بھی سب سے پہلے شخص تھے، دیکھئے: اِلاصابہ (۳۸۱/۴)۔

(5) یہ عبداللہ بن مظعون جمحی ہیں جو اسلام کی جانب سبقت کرنے والوں میں سے تھے انہوں نے حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کی بدر میں شریک ہوئے اور ان کی وفات عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں سنہ تیس ہجری میں ہوئی جب کہ ان کی عمر ۶۰ سال کی تھی، دیکھئے: اسد الغابہ (۸۱/۳)۔

بن زید بن عمرو بن نفیل،(3) اور ان کی بیوی فاطمہ بنت خطاب،(4) اسماء(5) بنت ابی بکر اور ام فضل جن کا نام لبابہ کبری بنت حارث(6) تھا اور خباب بن الارت(7) عتبہ بن غزوان(1)، سعد بن ابی وقاص

---

(1) یہ قدامہ بن مظعون قرشی جمحی ہیں جو حفصہ اور عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم اجمعین کے ماموں تھے یہ اسلام کی جانب سبقت اور پہل کرنے والوں میں سے تھے انہوں نے بدر اور احد اور تمام غزوات میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شرکت کی تھی۔

ان کی وفات سنہ ۶۳ ہجری میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۶۸ سال کی تھی، دیکھئے: اسد الغابہ (۴۷۸/۳)۔

(2) یہ عبیدہ بن حارث بن طالب القرشی ہیں جو اسلام کی جانب پہل کرنے والوں میں سے تھے عبیدہ نے بدر میں شرکت کی تھی اور اس میں ہی ہجرت کے دوسرے سال شہید ہوئے تھے، دیکھئے: الإصابہ (۳۵۳/۴)۔

(3) یہ سعید بن زید بن عمر بن نفیل القرشی العدوی عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں یہ عمر ابن خطاب کے چچیرے بھائی تھے اور یہ عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی بھی تھے، یعنی فاطمہ بنت خطاب کے شوہر تھے انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور یہ مستجاب الدعوات میں سے تھے۔

ان کی وفات سنہ ۵۰ ہجری میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۵۱ ہجری میں عقیق میں ہوئی تھی تو انہیں اٹھا کر مدینہ لے جایا گیا تھا، اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔

(4) یہ فاطمہ بنت خطاب القرشیہ العدویہ ہیں جو کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم کی بہن تھیں انہوں نے اسلام کی ابتداء میں اپنے بھائی عمر کے اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اپنے شوہر سعید کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کر لیا تھا، دیکھئے: الاصابہ (۲۱۸/۸)۔

(5) یہ اسماء بنت ابی بکر ہیں جو کہ زبیر بن العوام کی بیوی اور عبداللہ بن زبیر کی والدہ ہیں یہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی باپ شریک بہن تھیں انہوں نے مکہ میں پہلے ہی اسلام قبول کیا تھا اور یہی ذات النطاقین ہیں ان کی عمر سو سال کو تجاوز کر گئی تھی مگر ان کے کوئی دانت بھی نہ گرے تھے اور نہ ہی ان کی عقل میں کچھ فرق پڑا تھا۔

ان کی وفات ان کے بیٹے عبداللہ کے شہید کئے جانے کے کچھ دنوں کے بعد سنہ ۷۳ ہجری میں ہوئی، دیکھئے: اسد الغابہ (۲۰۹/۵)۔

ایک بہت ہی اہم تنبیہ: ابن اسحاق نے اپنی سیرت (۲۹۰/۱) میں اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے اسلام کو بعثت کے پہلے سال میں بتایا ہے جو کہ وہم ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں تو اسلام کیسے قبول کر سکتی ہیں؟ ان کی ولادت نبوت کے چار یا پانچ سال کے بعد ہوئی تھی۔

(6) یہ لبابہ بنت حارث ہلالیہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں جو کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت خالد بن ولید کی خالہ اور اسماء بنت عمیس کی ماں شریک بہن تھیں۔

ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت میں ان کے شوہر عباس سے پہلے ہو گئی تھی، دیکھئے: الإصابہ (۲۹۹/۸)۔

(7) یہ خباب بن ارت بنو زہرہ کے حلیف ہیں، یہ لوہار کا کام کرتے تھے اور جاہلیت میں تلوار بنایا کرتے تھے انہیں قید کر لیا گیا اور انہیں مکہ میں بیچ دیا گیا تھا۔

یہ اسلام کی جانب سبقت اور پہل کرنے والوں میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ کے راستے میں سخت پریشانی اٹھانی پڑی تھی یہ بدر اور احد اور تمام مشاہد میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔

کے بھائی عمیر بن ابی وقاص[2]، عبداللہ بن مسعود[3] جو کہ بنوزہرہ کے حلیف تھے، اللہ تعالی ان سب سے راضی ہو۔

● لوگوں کا اسلام کی دعوت کے بارے میں سننا:

پھر لوگ پیغام اسلام کے بارے میں سننے لگے اور فقیروں نے اسلام میں داخل ہونے میں جلدی کی، لہذا مسعود بن ربیعہ القاری[4] سلیط بن عمرو[5] اور ان کے

انہوں نے کوفہ میں قیام کیا اور وہیں پر انہیں موت آئی اور یہ صحابہ میں سے کوفہ میں دفن ہونے والے پہلے شخص تھے ان کی وفات ہجرت کے ۳۷ویں سال میں ہوئی جب ان کی عمر ۶۳ سال کی تھی، دیکھئے: أسد الغابہ (۱۰۳/۲)۔

(1) یہ عتبہ بن غزوان ہیں انہوں نے ساتویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔

اور حبشہ کی جانب ہجرت کیا اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی پھر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مکہ واپس آئے اور بدر میں اور تمام مشاہد میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شرکت کی عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ نے انہیں بصرہ کے گورنر کے طور پر باقی رکھا تھا تو انہوں نے عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے اپنی گورنری سے استعفی طلب کیا مگر حضرت عمر نے ان کے استعفی کو قبول نہیں کیا تو انہوں نے کہا اے اللہ تو مجھے اس کی جانب واپس نہ کرنا وہ اپنی سواری سے راستہ میں ایک جگہ جس کا نام معدن بنی سلیم تھا گر گئے اور وہیں فوت ہو گئے جب کہ وہ مکہ سے بصرہ کی جانب واپس جا رہے تھے، دیکھئے: اسد الغابہ (۲۰۱/۳)۔

(2) یہ عمیر بن ابی وقاص القرشی الزہری سعد کے بھائی ہیں انہوں نے بھی بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا یہ ہجرت کرنے میں شامل تھے نبی ﷺ کے ساتھ بدر میں شریک تھے اور اسی میں ان کو قتل کیا گیا یہ سنہ دو ہجری کی بات ہے، دیکھئے: أسد الغابہ (۲۰۲/۴)۔

(3) یہ عبداللہ بن مسعود بڑے عالم، امام اور اس امت کے فقیہ ہیں۔

یہ سابقین اولین میں سے تھے انہوں نے حبشہ کی جانب دونوں ہجرت کی اور مدینہ کی جانب ہجرت کیا یہ قرآن کو بآواز بلند پڑھنے والے سب سے پہلے شخص تھے اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبانی ستر سورتیں یاد کی تھی اس شرف میں ان کے برابر کوئی نہیں تھا انہوں نے بدر، احد، خندق، بیعت رضوان اور تمام مشاہد میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شرکت کی اور ان کے فضائل بہت زیادہ ہیں، ان کی وفات مدینہ میں سنہ ۳۲ میں ہوئی اور انہیں بقیع میں دفن کیا گیا اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی، دیکھئے: أسد الغابہ (۷۴/۳)۔

(4) یہ مسعود بن عمرو بن ربیعہ القاری ہیں، انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور اور حنین کے دن انہیں آپ ﷺ نے مال غنیمت پر مقرر کیا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ وہ قیدیوں اور مال وجائیداد کو جعرانہ نامی مقام پر نگرانی میں رکھیں، دیکھئے: الإصابہ (۶۰/۶)۔

(5) یہ سلیط بن عمرو القرشی العامری ہیں یہ پہلے مہاجرین میں سے تھے جنہوں نے دو ہجرتیں کیں اور یہی وہ شخص ہیں جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے یمامہ کے بادشاہ ہوذہ بن علی الحنفی کی جانب بھیجا تھا جو کہ سنہ چھ یا سات ہجری کی بات ہے، دیکھئے: اسد الغابہ (۳۶۶/۲)۔

بھائی حاطب[1] اور عیاش نے ابی ربیعہ[2] اور ان کی بیوی اسماء بنت سلامہ[3] اور خنیس بن حذافہ[4]، عامر بن ربیعہ[5]، عبداللہ بن جحش[6] اور ان کے بھائی ابواحمد عبد بن

(1) یہ حاطب بن عمر القرشی العامری ہیں انہوں نے دار ارقم بن ابی ارقم میں اللہ کے رسول ﷺ کے داخل ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا تھا یہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والے سب سے پہلے شخص تھے اور انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ بدر میں شرکت کی تھی، دیکھئے: الإصابہ (۲/۶)۔

(2) یہ عیاش بن ابی ربیعہ ابوجہل کے ماں شریک بھائی ہیں انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور حبشہ کی سرزمین کی جانب ہجرت کی تھی اور مدینہ بھی ہجرت کر کے آئے تھے، انہیں ابوجہل اور حارث بن ہشام نے دھوکا دیا، تو یہ ان دونوں کے ساتھ واپس آگئے اور ان دونوں نے انہیں مکہ میں قید کر کے رکھ لیا، اور جب عیاش کو ہجرت سے منع کر دیا گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں باقی بچے کمزور مسلمانوں کے لئے دعا کرنا شروع کیا اور آپ ﷺ ان میں سے ان لوگوں کا نام لیتے تھے: ولید ابن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ۔

عیاش رضی اللہ عنہ معرکہ یرموک میں شہید کئے گئے، دیکھئے: الاصابہ (۳/۶۲۳)۔

(3) یہ اسماء بنت سلامہ ہیں جو ہجرت کرنے والی خواتین میں سے تھیں انہوں نے اپنے شوہر عیاش بن ابی ربیعہ کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کیا اور ان کے یہاں ان کے ذریعے عبداللہ بن عیاش کی ولادت ہوئی، اور وہ ہجرت کر کے مدینہ آگئیں، دیکھئے: اسد الغابہ (۵/۲۱۰)۔

(4) یہ خنیس بن حذافہ القرشی السہمی ہیں یہ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کیا، پھر انہوں نے واپس آکر مدینہ کی جانب ہجرت کیا اور بدر میں شریک ہوئے احد کے دن انہیں ایک زخم لگا اسی وجہ سے ان کی وفات ہوئی، یہ حفصہ بنت عمر خطاب رضی اللہ عنہما کے شوہر تھے چنانچہ جب ان کی وفات ہوگئی تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا، دیکھئے: الإصابہ (۲/۲۹۰)۔

(5) یہ عامر بن ربیعہ سابقین اولین میں سے ایک ہیں، انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور ان کے ساتھ ان کی بیوی حضرت حضرت لیلی بنت ابی حثمہ بھی تھیں، انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کیا اور بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک رہے۔

ان کی وفات سنہ ۳۲ میں اور کہا گیا ہے کہ ۳۷ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کے جانے کے کچھ دنوں کے بعد ہوئی، دیکھئے: الإصابہ (۳/۴۶۹)۔

(6) یہ عبداللہ بن جحش ہیں، ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب نبی ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل اسلام قبول کیا اور حبشہ کی جانب دونوں ہجرتیں کیں اور مدینہ کے جانب اپنے گھر والوں کے ساتھ ہجرت کی پھر بدر میں شریک ہوئے اور پھر احد میں شہید کئے گئے۔

اور احد میں شہید ہونے کے وقت آپ کی عمر تراليس سے پچاس کے درمیان تھی، دیکھئے: الإصابہ (۲/۵۶۵)۔

جحش [1] اور جعفر ابن ابی طالب [2] اور ان کی بیوی اسماء بنت عمیس [3] حاطب بن حارث [4] اور ان کی بیوی فاطمہ بنت مجلل [5] اور ان کے بھائی حطاب بن حارث [6] اور

---

(1) یہ عبداللہ بن جحش ہیں جن کی کنیت ابو احمد تھی ان کی کنیت ان کے نام پر غالب آگئی تھی یہ اسلام کی طرف سبقت اور پہل کرنے والوں میں سے ہیں، انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے ان کی وفات ان کی بہن زینب ام الـ مؤمنین رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سنہ ۲۰ ہجری میں ہوئی، دیکھئے: اِلاصابہ (۵/۷)۔

(2) یہ جعفر بن ابی طالب ہاشمی رسول ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں، یہ اللہ کے رسول ﷺ سے تخلیق اور اخلاق میں سب سے زیادہ مشابہ تھے، یہ اسلام کی جانب سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔

انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی اور نجاشی اور اس کے پیروکاروں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا پھر وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ آئے چنانچہ جب آپ ﷺ کے پاس پہنچے اس وقت آپ ﷺ خیبر میں تھے تو آپ ﷺ نے ان سے ملاقات کی اور انہیں گلے لگایا۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں غزوہ موتہ والی لشکر کا امیر مقرر کیا اگر زید ابن حارثہ قتل کر دیا جائیں اور آپ رضی اللہ عنہ کو اسی جنگ میں شہید کیا گیا اس وقت ان کی عمر ۴۱ سال تھی، دیکھئے: اِلاصابہ (۱/۳۲۷)۔

(3) یہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ ہیں انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور یہ ہجرت کر کے اپنے شوہر جعفر ابن ابی طالب کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف گئی تھیں پھر وہ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئیں۔

اور جب ان کے شوہر جعفر غزوہ موتہ میں شہید کر دیئے گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نکاح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کر دیا چنانچہ ان کے ذریعے سے ان کے یہاں محمد کی ولادت حالت احرام میں حجۃ الوداع کے وقت ہوئی، پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور انہوں نے ان کو غسل دیا جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تو علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے نکاح کر لیا چنانچہ ان کے ذریعے سے ان کے یہاں یحییٰ کی ولادت ہوئی اور اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہ خواب کی تعبیر بتایا کرتی تھیں اور عمر رضی اللہ تعالی عنہ ان سے خواب کی تعبیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، دیکھئے: اِلاصابہ (۸/۱۴)۔

(4) یہ حاطب بن حارث جمحی ہیں، انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ بنت مجلل قرشیہ عامریہ کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کیا اور ان کے یہاں محمد اور حارث کی ولادت ہوئی اور یہ حبشہ کی سرزمین پر ہی فوت ہوئے، دیکھئے: اسد الغابہ (۱/۴۱۱)۔

(5) یہ فاطمہ بنت مجلل قرشیہ عامریہ ام جمیل ہیں، جو سابقین الی الاسلام میں سے تھیں اور انہوں نے حبشہ کی جانب اپنے شوہر حاطب بن الحارث کے ساتھ ہجرت کیا تھا ان کے شوہر حبشہ میں فوت ہو گئے اور یہ اور ان کے بیٹے مدینہ کی جانب آئے، دیکھئے: اِلاصابۃ (۸/۲۷۷)۔

(6) یہ حطاب بن حارث قرشی جمحی ہیں، انہوں نے حبشہ کی سرزمین کی جانب اپنے بھائی حاطب اور اپنے بیوی فکیہہ بنت یسار کے ساتھ ہجرت کی اور حطاب حبشہ کے سرزمین کی طرف راستے میں فوت ہو گئے اور وہاں تک نہ پہنچ سکے، دیکھئے: اسد الغابہ (۲/۳۳)۔

ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار [1] معمر بن حارث [2] سائب بن مظعون [3] مطلب بن ازہر [4] اور ان کی بیوی رملہ بنت ابو عوف [5] نعیم بن عبد اللہ نحام [6] عامر بن فہیرہ [7] جو کہ ابو بکر صدیق کے غلام تھے، خالد بن سعید بن العاص [1] ان کی بیوی امیمہ بنت

(1) یہ فکیہہ بنت یسار ہیں، جو حطاب بن حارث جمحی کی بیوی تھیں ان کو ابن اسحاق نے ان لوگوں میں ذکر کیا ہے جنہوں نے ہجرت کرنے والوں میں سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ابن سعد کہتے ہیں انہوں نے مکہ میں بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا، بیعت کی تھی اور دونوں ہجرتوں میں شامل تھیں، دیکھیں الإصابہ (۸/۲۸۲)۔

(2) یہ معمر بن حارث قرشی؛ حاطب اور حطاب صاف اور خطاب کے بھائی ہیں انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، ہجرت مدینہ کی تھی اور بدر، حد اور تمام مشاہد میں شریک ہوئے تھے ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں ہوئی دیکھیں، أسد الغابہ (۴/۱۷۲)۔

(3) یہ سائب بن مظعون جمحی ہیں انہوں نے اسلام کی ابتدا میں ہی اسلام قبول کیا تھا اور حبشہ کی جانب دوسری مرتبہ ہجرت کی تھی بدر میں اور تمام مشاہد میں شریک ہوئے تھے اور یہ یمامہ کے معرکے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں شہید کئے گئے ان کی عمر اس وقت ۳۰ سے ۳۵ کے درمیان تھی، دیکھئے: الإصابہ (۳/۲۰)۔

(4) یہ مطلب بن ازہر بن عبد عوف قرشی ہیں جو سابقین الی الاسلام اور حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں میں سے تھے اور وہیں پر ان کی وفات ہوئی دیکھیں، أسد الغابہ (۴/۱۳۹)۔

(5) یہ رملہ بنت ابی عوفٰ بن صبرہ بن سہم ہیں، انہوں نے مکہ میں بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا، بیعت کی تھی اور اپنے شوہر مطلب ابن ازہر کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کی تھی اور ان کے یہاں ان کے بیٹے عبد اللہ کی ولادت ہوئی، دیکھئے: الإصابہ (۸/۱۴۳)۔

(6) یہ نعیم بن عبد اللہ نحام قرشی عدوی ہیں، انہوں نے ابتدائے اسلام میں بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور انہوں نے حدیبیہ کے سال ۶ سال بعد مدینہ کی جانب ہجرت کی تھی، کیونکہ وہ اپنی قوم کے بیواؤں پر خرچ کرتے تھے، پھر انہوں نے اس کے بعد کی تمام مشاہد میں شرکت کی جب وہ مدینہ آئے تو ان کے ساتھ ان کے گھر والوں میں سے چالیس لوگ تھے، اللہ ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور انہیں بوسہ دیا اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں یرموک والے دن سنہ ۱۵ ہجری میں شہید ہو کر قتل کئے گئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں، سنہ ۱۳ ہجری میں اجنادین کے معرکے میں شہید کئے گئے، دیکھیں: أسد الغابہ (۴/۲۴۶)۔

(7): یہ عامر بن فہیرہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، جو کہ طفیل بن عبد اللہ بن سخبرہ کے غلام تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کیا اس وقت وہ غلام ہی تھے تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے طفیل سے ان کو خرید ا اور آزاد کر دیا اور وہ نبی ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا اور انہیں اللہ کے راستے میں بہت تکلیف دی گئی عامر غزوہ بدر اور احد میں شریک رہے اور یہ بئر معونہ کے وقت سنہ چار ہجری میں قتل کئے گئے اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی، دیکھئے: الإصابہ (۳/۴۸۲)۔

خلف [2] ابو حذیفہ بن عتبہ [3]

واقد [4] بن عبداللہ [5] خالد [6] اور عامر [7] اور عقل اور ایاس [1] جو بکیر بن عبد یالیل کے بیٹے تھے، عمار بن یاسر [2] صہیب بن سنا [3] جو بنی بنو تمیم بن مرہ کے حلیف تھے اور بلال ابن رباح حبشی [4] اور

---

(1) یہ خالد بن سعید بن العاص قرشی اموی ہیں، اسلام کے جانب سبقت کرنے والوں میں سے ایک ہیں انہوں نے حبشہ کی جانب اپنی بیوی امیمہ بنت خالد خزاعیہ کے ساتھ ہجرت کیا تھا، ان کے یہاں ان کے بیٹے سعید کی ولادت ہوئی اور انہوں نے مدینہ کی جانب جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی اس وقت نبی ﷺ خیبر کے مقام پر تھے پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں مسلمانوں کے لشکروں میں سے ایک لشکر کا کمانڈر بنایا جب آپ نے انہیں شام کی جانب بھیجا، وہ مرج صفرہ نامی جگہ پر سنہ ۱۴ ہجری میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدا میں شہید کر دیئے گئے، دیکھیں الاصابہ (۲/۲۰۲)۔

(2) یہ امیمہ بنت خلف الخزاعیہ ہیں جو خالد بن سعید بن العاص کی بیوی تھیں انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا اور حبشہ کی جانب ہجرت کیا، اور ان کے یہاں سعید کی ولادت ہوئی، دیکھئے: اسد الغابہ (۵/۲۲۰)۔

(3) یہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ ہیں، ان کا نام مسشم یا ہشیم تھا، مہاجرین اولین میں سے تھے، انھوں نے دونوں ہجرتیں کیں، اور بدر، اُحد اور تمام مشاہد میں شریک ہوئے، یمامہ والے دن شہید کئے گئے، اس وقت ان کی عمر ۵۳ یا ۵۴ سال تھی، دیکھئے: الاصابہ (۷/۷۴)۔

(4) یہ واقد بن عبداللہ بن مناف یربوعی ہیں یہ نبی ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے اور یہ اسلام میں سب سے پہلے کافر کو قتل کرنے والے ہیں انہوں نے عمرو بن حضرمی کو قتل کیا تھا جو مشرکوں میں سے سب سے پہلا اسلام میں مقتول تھا، یہ بدر اور احد اور تمام مشاہد میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ شریک رہے ان کی وفات حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے خلافت میں ہوئی، دیکھئے: اسد الغابہ (۴/۳۰۳)۔

(5) یہ خالد ابن بکیر لیثی کنانی ہیں، جو اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے انہوں نے بدر میں شرکت کی یہ رجیع والے دن ماہ صفر سنہ ۴ ہجری میں شہید کئے گئے، اس وقت ان کی عمر ۳۴ سال تھی، دیکھئے: الاصابہ (۲/۱۹۴)۔

(6) یہ عامر بن بکیر ہیں جو سابقین اولین میں سے تھے انہوں نے اپنے بھائیوں؛ ایاس، عاقل اور خالد کے ساتھ بدر میں شرکت کی اور عامر رضی اللہ عنہ کو یمامہ کے معرکے میں شہید کی حالت میں قتل کیا گیا، دیکھئے: اُسد الغابہ (۲/۵۱۱)۔

(7) یہ عاقل بن بکیر ہیں یہ اور ان کے بھائی خالد، ایاس اور عامر اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے تھے یہ اور ان کے بھائی بدر میں شریک ہوئے تھے، دیکھئے: الاصابہ (۳/۴۶۶)۔

مصعب بن عمیر (5) عمرو بن عبسہ (6) رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

(1) یہ ایاس بن بکیر ہیں، جو سابقین الی الاسلام میں سے تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا جب آپ ﷺ دار ارقم میں تھے یہ پہلے مہاجرین میں سے تھے یہ اور ان کے بھائی بدر میں شریک ہوئے تھے اور انہوں نے بدر، اُحد اور خندق میں بھی شرکت کی تھی اور تمام مشاہد میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہے تھے، ان کی وفات سنہ چونتیس ہجری میں ہوئی، دیکھئے: اُسد الغابہ (۱/۱۸۷)۔

(2) یہ عمار بن یاسر مذحجی عنسی ہیں، جو بنو مخزوم کے غلام تھے سابقین اولین میں سے ایک تھے ان کی والدہ سمیہ اللہ کے راستے میں سب سے پہلی شہید کی گئیں، ان کی حبشہ کی جانب ہجرت کے سلسلے میں اختلاف ہے انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی بدر میں شریک ہوئے اور تمام مشاہد میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ رہے انہیں علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ صفین میں ربیع الاول سنہ ۳۸ میں قتل کیا گیا ان کی عمر اس وقت ۹۳ سال تھی ان کو علی رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کے ہی کپڑوں میں دفن کیا اور ان کو غسل نہ دیا تھا، دیکھئے: الإصابہ (۴/۴۷۳)۔

(3) یہ صہیب بن سنان نمری ہیں جن کو رومی کے نام سے جانا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے بہت لمبی مدت تک روم میں قیام کیا تھا اور وہ جزیرہ عرب والوں میں سے تھے، انہیں نینوی نامی عراق کے ایک گاؤں میں قیدی بنالیا گیا تھا پھر وہ مکہ لائے گئے تھے تو عبداللہ بن جدعان قرشی تیمی نے انہیں خرید لیا تھا یہ سابقین اولین میں سے تھے اور مکہ میں کمزور لوگوں میں سے تھے جنہیں عذاب دیا گیا انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور ان کی زبان میں بہت زیادہ عجمیت پائی جاتی تھی یہ مدینہ میں سنہ ۳۸ ہجری میں ماہ شوال میں فوت ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ ۳۹ میں فوت ہوئے جب ان کی عمر تہتر سال تھی اور کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر ۷۰ سال تھی اور مدینہ میں ان کو دفن کیا گیا، دیکھئے: اُسد الغابہ (۲/۴۶۱)۔

(4) یہ بلال ابن رباح ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام اور اللہ کے رسول ﷺ کے مؤذن ہیں جو سابقین اولین میں سے تھے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا تو انہوں نے نبی ﷺ کو لازم پکڑا اور آپ کے لئے اذان دی اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ کے راستے میں بہت پریشان کیا گیا انہوں نے بدر اور تمام غزوات میں شرکت کی یہ سنہ ۲۰ ہجری میں دمشق میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۶۳ سال تھی، دیکھئے: الإصابہ (۱/۴۵۵)۔

(5) یہ مصعب بن عمیر بدری قرشی ہیں، جو مکہ کے نوجوانوں میں سے تھے اور بہت خوبصورت تھے انہوں نے بہت پہلے اسلام قبول کیا تھا جب نبی ﷺ دار ارقم بن ابی ارقم میں تھے انہوں نے اپنے اسلام کو اپنی والدہ اور اپنے قوم کے خوف سے چھپا رکھا تھا تو عثمان بن طلحہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے ان کو گھر والوں کو بتا دیا تو ان لوگوں نے انہیں باندھ دیا چنانچہ وہ قید کی حالت میں رہے یہاں تک کہ وہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں کے ساتھ بھاگ نکلے پھر وہ بیعت عقبہ کے بعد مدینہ کی جانب ہجرت کر کے آئے تاکہ لوگوں کو قرآن سکھائیں اور انہیں امامت کرائیں اور مصعب رضی اللہ عنہ نے بدر میں پھر احد میں شرکت کی اور احد میں شہید کئے گئے ان کو ابن قمئہ - لعنہ اللہ - نے قتل کیا، شہادت کے وقت ان کی عمر ۴۰ یا اس سے تھوڑی زیادہ تھی، دیکھئے: اُسد الغابہ (۴/۱۳۴)۔

(6) یہ عمرو بن عبسہ ابو نجیح سلمی بجلی ہیں، انہوں نے ابتدائے اسلام میں بہت پہلے اسلام قبول کیا اور انہوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی اور وہ بدر اور خندق کے ختم ہونے کے بعد مدینہ آئے تھے اس کے بعد انہوں نے شام میں سکونت اختیار کی تھی۔

ان سب نے خفیہ طور پر اسلام قبول کیا اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس جاتے تھے اور انہیں چپکے چپکے دین کی باتیں سکھاتے تھے، کیوں کہ اب تک دعوت کا کام فردی اور خفیہ طور پر ہو رہا تھا اور وحی لگاتار اتر رہی تھی سورہ مدثر کے نزول کے بعد اس کا سلسلہ بڑھ گیا تھا اس وقت آیتیں اور سورتوں کے ٹکڑے جو نازل ہوتے تھے اس زمانے میں اس کی آیت چھوٹی ہوتی تھی جس میں بہت سے عمدہ فاصلے ہوتے تھے اور اس فضاء کے ساتھ بہت ہی اچھے طریقے سے ملتے جلتے تھے جو نفس کے تزکیہ پر ابھارتے تھے اور اور نفس کو شہوت کے پیچھے لگانے سے روکتے تھے جنت اور جہنم کی صفت بیان کی جاتی تھی اس طرح جیسے کوئی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو، جو مومنوں کو لے کر ایک ایسے فضا میں جاتے تھے جو اس وقت کی انسانی سماج سے الگ تھی [1]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ یہ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں فوت ہوئے تھے کیونکہ میں نے فتنے میں ان کا کوئی ذکر نہیں پایا اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے ضمن میں ان کا کوئی ذکر ملا۔

(1) الرحیق المختوم (ص ۷٦)۔

وضو[1] اور نماز کی فرضیت کی ابتدا

سب سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں وضو اور نماز کا حکم بھی تھا، امام احمد نے اپنی مسند میں بسند ضعیف زید بن حارثہ کے حوالے سے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ: ((جب پہلی بار وحی نازل ہوئی تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ سکھلایا))[2]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان اور حاکم نے بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: ((... فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا آپ ﷺ کے پاس روتے ہوئے آئیں اور کہا اور قریش کے یہ لوگ آپ کے خلاف معاہدہ کر رہے ہیں اگر کہیں انہوں نے آپ کو دیکھ لیا ہوتا، ... اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے میری بیٹی میرے لئے وضو کا پانی لاؤ، اللہ کے رسول ﷺ نے وضو کیا اور پھر ان کے پاس مسجد میں گئے))[3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں کہ: یہ حدیث ان لوگوں پر رد کے لئے درست ہے جو ہجرت سے پہلے وضو کا انکار کرتے ہیں، لیکن اس سے ان لوگوں پر رد نہیں ہوتا جو اس وقت اس کے واجب ہونے کا انکار کرتے ہیں[4]۔

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۳۱۳/۱) میں کہتے ہیں: وضو پیش (ُ) کے ساتھ فعل کو کہتے ہیں اور زبر (َ) کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے وضو کیا جاتا ہے مشہور بات یہی ہے اور وضو "وضاءۃ" سے مشتق ہے اور اس کا یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ نماز کے لیے جانے والا پاکی اور طہارت حاصل کرتا ہے اور اس کے اعضاء صاف اور چمکدار ہو جاتے ہیں۔

([2]) مسند احمد، حدیث نمبر (۱۷۴۸۰)۔

([3]) مسند احمد، حدیث نمبر (۲۷۶۲)، صحیح ابن حبان، کتاب التاریخ، باب المعجزات، حدیث نمبر (۶۵۰۲)۔ مستدرک حاکم۔ کتاب الطھارۃ۔ باب یغتسل من أربع۔ حدیث نمبر (۶۰۰)۔

([4]) فتح الباري (۳۱۴/۱)۔

● رہی نماز کی بات تو:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴾[ق:۳۹] کی تفسیر کے طور پر کہا ہے کہ اسراء سے پہلے فرض نمازیں دو تھیں، دو رکعتیں فجر کے وقت سورج کے طلوع ہونے سے پہلے، اور دو رکعتیں غروب سے پہلے عصر کے وقت، اور نبی ﷺ پر رات کا قیام واجب تھا، اور آپ کی امت پر بھی ایک سال تک اس کا وجوب تھا، پھر امت کے حق میں اس کو منسوخ کر دیا گیا اور پھر اللہ رب العالمین نے اسے مکمل طور پر کو معراج کی رات پانچ نمازوں سے منسوخ کر دیا[1]۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴾ [غافر:۵۵] یہ وہ نماز ہے جو مکہ میں پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے صبح اور شام میں دو دو رکعتیں تھیں انہیں کو اللہ رب العالمین نے منسوخ کیا ہے، واللہ اعلم[2]۔

اور حافظ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ: اللہ کے رسول ﷺ اس سے پہلے نماز قطعی طور پر پڑھتے تھے، آپ ﷺ کے اصحاب بھی پڑھتے تھے، لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ کیا پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز فرض ہوئی تھی یا نہیں؟ تو اس قول کے مطابق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سب سے پہلے جو نماز فرض ہوئی تھی وہ طلوع شمس اور غروب شمس سے پہلے کی نماز ہے، اس کی دلیل فرمانِ باری: ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا ﴾ [طٰہٰ:۱۳۰] میں ہے[3]۔

---

(1) تفسیر ابن کثیر (۷/۴۰۹)۔

(2) تفسیر القرطبی (۱۸/۳۷۲)۔

(3) فتح الباري (۹/۶۷۵)۔

نبی ﷺ اور مسلمان دار ارقم میں

اللہ کے رسول ﷺ اپنے اصحاب کو احتیاط کرنے اور بچنے اور چھپنے اور اسلام کا اعلان نہ کرنے کا حکم دیتے تھے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین اپنے معاملے کا فیصلہ کر دے، لہذا جب وہ نماز پڑھنا چاہتے تھے تو گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے اور وہاں قریش کی نظروں سے دور چھپ کر نماز ادا کرتے تھے، اسی حالت پر خفیہ دعوت کی پوری مدت تک باقی رہے۔

● اسلام میں سب سے پہلا خون:

جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کے پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑ کے درمیان تھے تو مشرکین کی ایک جماعت ان پر غالب آتی نظر آئی جب کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے ان کے اس عمل کو ناپسند کیا اور ان کے اس کام کو معیوب سمجھا، لہذا ان مشرکوں نے انہیں اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ انہوں نے ان سے لڑائی نہ کر لی، لہذا مسلمانوں نے مجبور ہو کر اپنے نفس کا دفاع کرنا شروع کیا اور سعد بن ابی وقاص نے ایک مشرک کو اونٹ کے دانت والی ہڈی سے مار کر زخمی کر دیا یہ اسلام میں بہایا گیا سب سے پہلا خون تھا[1]۔

امام حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ((سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے خون بہانے والے تھے))[2]۔

گھاٹیوں میں نماز پڑھتے ہوئے مسلمانوں پر زیادتی کے اس واقعے سے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو چھپ کر رہنے اور کچھ دیر تک گھروں کو لازم پکڑنے کی نصیحت کی جب تک معاملہ

---

(1) سیرت ابن ہشام (۱/۳۰۰)-الکامل في التاریخ (۱/ ۶۵۸)۔

(2) مستدرک حاکم- کتاب معرفة الصحابة- باب کان سعد- رضي اللّٰہ عنہ- أول من أهراق دمًا في سبیل اللّٰہ —حدیث نمبر (۶۱۶۹)۔

ٹھنڈا نہ ہو جائے، خاص طور سے اس لئے کہ مسلمانوں کے پاس ابھی اتنی طاقت نہ تھی جس سے وہ قریش کا مقابلہ کر سکیں، اس وقت رسول ﷺ اور صحابہ کرام صفا پہاڑی کے پاس موجود ارقم بن اُبو الأرقم مخزومی رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر میں داخل ہو گئے، جو کہ مشرکین کے آنکھوں سے اور ان کی مجلسوں سے دور تھا، اس لئے آپ ﷺ نے اسے دعوت الی اللہ کا مرکز قرار دیا، تاکہ آپ ﷺ وہاں بیٹھ کر مسلمانوں کی رہنمائی اور تعلیم کا اہتمام کر سکیں اور ان کی تربیت کر سکیں، یہاں تک کہ ان میں سے نبی پاک ﷺ ایسے لوگ تیار کریں جو دین کے راستے میں اور عقیدے کے لئے ساری مشکلوں کو برداشت کر سکیں، چنانچہ اب جو اسلام لانا چاہتا تھا وہ چھپ کر وہاں نبی پاک ﷺ کے پاس آتا تھا تاکہ قریش کے لوگ اسے دیکھ نہ سکیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام وہاں اس وقت تک رہے یہاں تک کہ نبی ﷺ نے جہری دعوت کا آغاز کر دیا، جیسا کہ آ رہا ہے۔

تین سال اسی طرح سے گزرے، اور اس مدت میں دعوت کا کام شخصی اور خفیہ طور پر جاری رہا اس مدت میں مسلمانوں کی ایک جماعت قائم ہو گئی جو بھائی چارہ اور تعاون کا جذبہ رکھتی تھی اور اللہ کے پیغام کو پہنچا رہی تھی اور اس کی حفاظت کر رہی تھی پھر وہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ رب العالمین نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی قوم میں اعلان اور ان کے باطل کے مقابلے اور ان کے بتوں کو علانیہ طور پر ہدف بنانے کا حکم دیا[1]۔

❀❀❀

([1]) فقہ السیرۃ از شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالی ص ۹۶۔

اعلانیہ دعوت

اس بارے میں سب سے پہلے فرمان باری تعالی: ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (214) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ (215) فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ (216)﴾ نازل ہوئی [الشعراء ۲۱۴-۲۱۶] ۔

یہ آیت جس سورت کی ہے اس کا نام سورہ شعراء ہے، اس میں سب سے پہلے موسی علیہ السلام کے قصے کا تذکرہ ہوا ہے، ان کی نبوت کی ابتداء سے بنو اسرائیل کے ساتھ ہجرت تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں، اور ان کے فرعون اور اس کی قوم سے نجات اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق ہونے کا تذکرہ ہوا ہے، یہ قصہ ان تمام مراحل پر مشتمل ہے جس سے فرعون اور اس کی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دینے کے سلسلے میں موسی علیہ السلام کو گزرنا پڑا۔

یہ تفصیل اس وقت لائی گئی جب اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی قوم کو اللہ کی طرف دعوت دینے کا حکم دیا گیا تاکہ یہ آپ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے مثال کے طور پر رہے، جو اعلانیہ دعوت کے بعد اب انہیں تکذیب اور جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑے گا، تاکہ وہ اپنی دعوت کی ابتدا ہی سے اپنے معاملے کے سلسلے میں واضح بصیرت پر رہیں۔

اور دوسرے ناحیہ سے یہ سورت رسولوں کو جھٹلانے والوں کے انجام کو بھی شامل ہے، لہذا فرعون اور اس کی قوم میں سے ایسے لوگوں کے انجام کے ساتھ ساتھ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط اور اصحاب الایکہ کا بھی تذکرہ ہے، تاکہ انہیں جھٹلانے والوں کا انجام معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ رب العالمین کے عذاب کا کس طرح سے سامنا کریں گے، اگر وہ جھٹلانے پر جمے رہے اور تاکہ مومن لوگ بھی جان لیں کہ انجام انہیں کا بہتر ہوگا نہ کہ جھٹلانے والوں کا[1]۔

([1]) الرحیق المختوم ص ۷۸۔

پھر اللہ تعالی نے اپنا یہ فرمان نازل کیا: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴾[الحجر:۹۴]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ رب العالمین نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے پاس سے آئی ہوئی باتوں کو اعلانیہ طور پر پہنچانے کا حکم دیا اور یہ کہ وہ اپنے معاملے کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں اور لوگوں کو اس کی دعوت دیں، اللہ کے رسول ﷺ اپنی بعثت سے اللہ رب العالمین کی طرف سے اعلانیہ دعوت کے حکم سے پہلے تین سالوں تک اپنے معاملے کو چھپائے ہوئے تھے، پھر اللہ رب العالمین نے آپ ﷺ کے لئے یہ فرمان نازل کیا: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴾ اور اللہ تعالی نے یہ بھی فرمایا: ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (214) وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾[1]۔

اور امام ابن جریر طبری نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ خفیہ دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ ﴾ نازل فرمائی پھر آپ اور آپ کے صحابہ باہر نکلے[2]۔

● قرابت داروں میں دعوت:

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کے حکم کو نافذ کرنا شروع کیا، سب سے پہلے آپ ﷺ نے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ آپ نے اپنے گھر والوں اور اپنے قرابت داروں اور بنی ہاشم میں سے اپنے خاندان کے لوگوں اور بنو عبدالمطلب بن مناف میں سے کچھ لوگوں کو دعوت دیا، ان میں سے ۴۰ یا ۴۵ لوگ آپ ﷺ کے پاس جمع ہوئے، آپ ﷺ نے ان کے لئے کھانا تیار کرایا جس میں بکری کے پیر بھی تھے سبھی نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور کھانا بچ بھی گیا جیسے کسی نے چھوا ہی نہ ہو،

---

(1) سیرت ابن ہشام (۱/۲۹۹)۔

(2) تفسیر الطبري (۷/ ۵٤۹)، وتفسیر ابن کثیر (٤/ ۵۵۱)۔

پھر آپ ﷺ نے ایک چھوٹا پیالہ دودھ منگایا سبھی لوگوں نے اسے بھی پیا، یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے اور وہ ان سے بچارہ گیا جیسے کہ کسی نے اسے چھوا بھی نہ ہو کھانے اور پینے سے فارغ ہوکر اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اپنے پاس اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ چیز کے بارے میں بتانا شروع کیا آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اپنی گفتگو کو مکمل کریں اور انہیں اللہ رب العالمین کی جانب بلائیں اتنے میں ابولہب نے جلد بازی کرتے ہوئے کہا:

یہ تمہارے چچا اور تمہارے چچازاد بھائی ہیں تم ان سے جو چاہو بات کرو ہو اور بے دینوں کو چھوڑ دو، اور جان لو کہ عرب میں تمہارے قوم کو زیر کرنے کی کسی کو طاقت نہیں ہے اور تمہیں پکڑنے اور قید کرنے کے سب سے زیادہ حقدار تمہارے والد کے بیٹے ہیں اگر تم جو کر رہے ہو اسی پر ڈٹے رہے تو یہ تمہارے لیے اس بات سے بہتر ہے کہ قریش کے سارے قبیلے تم پر ٹوٹ پڑیں اور عرب کے لوگ ان کی مدد کریں، میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا جس نے اپنے باپ کے بیٹوں پر ایسی چیز لا یا ہو جو تم ان کے پاس لے کر آئے ہو۔

لہذا سارے لوگ بکھر گئے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس مجلس میں ان سے کچھ بھی بات نہیں کی۔

پھر آپ ﷺ نے دوسری مرتبہ انہیں بلایا اور ان کے لئے کھانا پکوایا اسی طرح سے جس طرح پہلی مرتبہ پکایا تھا ان لوگوں نے کھایا پیا پھر اللہ کے رسول ﷺ نے خطاب کیا اور فرمایا کہ تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے میں اسی کی تعریف کرتا ہوں، میں اسی سے مدد طلب کرتا ہوں میں اسی پر ایمان لایا ہوں اور میں اسے پر بھروسہ کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ((بے شک کمانڈر اپنے گھر والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، اللہ کی قسم میں اگر تمام لوگوں سے جھوٹ بولتا تو بھی تم سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں لوگوں کو دھوکہ دیتا تو بھی تم کو دھوکا نہ دیتا، اس ذات کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے میں اللہ کا رسول ہوں تمہارے طرف خاص طور سے اور تمام لوگ طرف عام طور

سے ،اللہ کی قسم تم اسی طرح سے مر جاؤگے جس طرح تم سوتے ہو اور پھر تم اسی طرح سے اٹھائے جاؤگے جس طرح سے تم بیدار ہوتے ہو اور پھر تم سے اپنے کئے کا حساب لیا جائے گا اور تمہیں احسان کے بدلے احسان ملے گا اور برائی کے بدلے برائی ملے گی یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ہو گی یا ہمیشہ کے لئے جہنم ہو گی، اللہ کی قسم اے بنو عبد المطلب میں عرب میں سے کسی نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ چیز لے کر کے آئے جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اور اللہ رب العالمین نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی جانب بلاؤں تو کون ہے تم میں سے جو مجھ سے بیعت کرے کہ وہ میرا بھائی اور میرا دوست ہو گا۔

ابو طالب نے کہا: ہمارے نزدیک تمہارا تعاون کرنا بہت محبوب ہے، ہم نے تمہاری نصیحت کو قبول کیا اور ہم نے تمہاری بات کی تصدیق کی، اور یہ تمہارے والد کے بیٹے تمہارے پاس جمع ہیں میں ان میں سے ایک ہوں مگر میں ان میں سے سب سے زیادہ تمہاری پسند کی طرف راغب ہوں، تو جو تم چاہتے ہو وہ کرو، اللہ کی قسم میں تمہاری مدد کرتا رہوں گا میں تمہاری حفاظت کرتا رہوں گا مگر بات یہ ہے کہ میں اپنے والد عبد المطلب کے دین کو نہیں چھوڑوں گا کیوں کہ میرے نفس کو یہ گوارا نہیں ہے[1]۔

پھر سارے لوگوں نے نرمی والی بات کہی سوائے ابو لہب کے اس نے کہا کہ: اے عبـــــــد المطلب کے بیٹو یہ اللہ کی قسم بہت ہی بری چیز ہے، اس کے ہاتھ پکڑ لو قبل اس کے کہ دوسرے لوگ اس کے ہاتھ کو پکڑیں، اگر تم اسے اس وقت ان کے حوالے کروگے تو تم ذلیل ہوگے اور اگر اس سے روکوگے تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔

([1]) یہ پوری حدیث امام أحمد نے اپنی مسند میں—حدیث نمبر (١٣٧١) پر اور فضائل الصحابۃ میں-حدیث نمبر (١٢٢٠) پر نقل کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

رسول ﷺ کی پھوپھی صفیہ نے ابو لہب سے کہا: اے میرے بھائی کیا آپ کو اپنے بھتیجے کو ذلیل کرنا بہت اچھا لگتا ہے؟ اللہ کی قسم برابر علماء بتاتے رہے ہیں کہ عبد المطلب کی نسل سے ایک نبی ظاہر ہو گا اور یہ وہی ہیں۔

ابو لہب نے کہا: یہ بات اللہ کی قسم باطل ہے اور بے جا تمنائیں ہیں اور عورتوں کی بات گھر میں ہی ہونی چاہیے، جب قریش کے قبیلے کھڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ عرب کے قبیلے بھی شامل ہو جائیں گے تو ان کے سامنے ہماری کیا طاقت ہو گی؟ اللہ کی قسم ہم ان کے مقابلے بہت کم ہوں گے، ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم ہم جب تک ہم زندہ ہیں اس کی حفاظت کرتے رہیں گے۔[1]

• صفا[2] پہاڑی پر دعوت:

جب نبی پاک ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ کی حفاظت کا عہد لیا یا تو آپ ﷺ اپنے قوم تک اپنے رب کے پیغام کو پہنچانے کے لئے ایک نئے طریقے کے بارے میں سوچنے لگے، چنانچہ آپ ﷺ ایک دن صفا پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور کہا: ((یا صباحاہ))[۳] لوگوں نے کہا یہ کون ہے جو ہمیں بلا رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: محمد ہیں، لہذا سارے لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے اور جو بھی آپ کے بارے میں سنتا تھا وہ گروہ در گروہ آپ کے پاس آتا تھا کہ دیکھیں یہ ماجرہ کیا ہے؟ ابو لہب بھی آیا اور قریش کے دیگر لوگ بھی آئے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس وادی میں سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے تو کیا تم میری

([1]) الكامل في التاريخ (۱/ ٦٦٠)، سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد (۲/ ۳۲۲)۔

([2]) صفا اور مروہ: وہ بطحاء مکہ اور مسجد حرام کے درمیان دو پہاڑ ہیں، جہاں تک صفا کا تعلق ہے تو یہ کوہ ابو قبیس سے اونچی جگہ ہے اس کے مسجد حرام کے درمیان وادی کا کنارہ ہے اور جو بھی صفا پر کھڑا ہو گا وہ حجر اسود کے برابری پر ہو گا۔ دیکھئے: معجم البلدان (۵/ ۱۹۲)۔

([3]) یہ ایک ایسا لفظ ہے جسے عرب جب کسی چھاپے کے لیے چلاتے ہیں تو کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ زیادہ تر حملہ صبح کے وقت کرتے ہیں اور چھاپے کے دن کو صبح کا دن کہتے ہیں گویا کوئی کہتا ہے: ہائے صبح، کہہ رہا ہے: ہمیں دشمن نے ڈھانپ لیا ہے۔ دیکھئے: لسان العرب (۷/ ۲۷۳)۔

بات مانو گے [1]، لوگوں نے کہا: ہم نے آپ کو کبھی بھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں پایا ہے، آپ نے فرمایا کہ: میں تمہارے لئے ایک سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں، ابو لہب نے کہا: تیری پورے دن بربادی ہو! کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟ اس پر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ [2] وَتَبَّ (١) مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ...﴾ [3]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ [الشعراء: ٢١٤]، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے قریش کے لوگو! اپنے آپ کو اللہ رب العالمین سے خرید لو [4] میں تمہیں اللہ رب العالمین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اے بنو عبد مناف میں تمہیں اللہ رب العالمین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب میں تمہیں اللہ رب العالمین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور اے صفیہ کے رسول ﷺ کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ رب العالمین سے کچھ

---

(1) حافظ نے الفتح (٩/ ٤٥١) میں کہا ہے: اس کا مقصد غیب کے خبر کی تصدیق کے لئے ان کو قائل کرنا تھا۔

(2) حافظ نے الفتح (٩/ ٧٦٣) میں کہا ہے: ابو لہب یہ عبد المط ملب کا فرزند تھا اور اس کا نام عبد العزی ہے، اس کی کنیت یا تو اس کے بیٹے لہب کی وجہ سے یا اس کے سرخ رخساروں کی وجہ سے تھی امام فاکہی نے عبد اللہ بن کثیر کی روایت سے نقل کیا ہے: اس کا نام ابو لہب تھا۔ کیونکہ اس کا چہرہ بہت حسین و جمیل تھا۔

یہ اس کے ساتھ اس طور پر بھی موافق ہوا کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں جائے گا، اور اسی وجہ سے قرآن میں اسے عرفی نام سے ذکر کیا گیا ہے، اس کے نام سے نہیں، اور اس وجہ سے کہ وہ اسی سے زیادہ مشہور تھا۔

(3) صحیح البخاري - کتاب التفسیر - باب وأنذر عشیرتک الأقربین - رقم حدیث (٤٧٧٠) - وباب سورة {تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ} - رقم حدیث (٤٩٧١) (٤٩٧٢) — اور صحیح مسلم - کتاب الإیمان - باب في قوله تعالیٰ: {وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} - رقم حدیث (٢٠٨)۔

(4) حافظ نے الفتح (٩/ ٤٥٢): میں کہا ہے: آگ سے ان کی نجات پر غور کرتے ہوئے گویا فرمایا: انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو عذاب سے بچ جائیں گے، تو یہ ایک خریداری کے مانند تھا، گویا انہوں نے اطاعت کو نجات کی قیمت قرار دے دیا، اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تمام روحیں اللہ تعالی کی ہیں۔ اور یہ کہ جو کوئی اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اور اس کے نواہی سے بچتے ہوئے اس کی اطاعت کرتا ہے تو اس نے گویا اسکی قیمت کو ادا کر دیا۔

فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اے میری بیٹی فاطمہ تم مجھ سے میرے مال سے جو بھی سوال کرنا چاہتی ہو کر لو میں اللہ کے یہاں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا[1]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ : جب یہ آیت نازل ہوئی:﴿وأنذر عشيرتك الأقربين﴾ تو اللہ کے رسول ﷺ نے قریش کے لوگوں کو بلایا، سارے لوگ جمع ہوئے ہوئے تو لوگوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے عام اور خاص طور پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے بنو کعب بن لوئی! تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو، اے بنو مرہ بن کعب! تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو، اے بنو عبد شمس! تو اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے بنو عبد مناف! تم اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، اے بنو ہاشم! تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو، اے بنو عبد المطلب! تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو، اے فاطمہ! تم اپنے آپ کو جہنم سے بچالو، میں تمہارے لئے اللہ رب العالمین سے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، مگر یہ کہ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک صلہ رحمی کا رشتہ ہے میں اس کے بارے میں ضرور کوشش کروں گا[2]۔

● فوائد حدیث:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا کہ اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں، جیسے:

۱- آدمی کا قریبی وہ ہوتا ہے جو اس کے ساتھ ایک دادا میں جمع ہو اور جو بھی اس کے علاوہ دادا میں اس کے ساتھ جمع ہو وہ اس سے زیادہ قریب ہوگا۔

۲- سب سے پہلے قرابت داروں کو ڈرانے کی حکمت بھی یہی ہے کہ جب حجت ان پر قائم ہو جائے گی تو دوسروں کی طرف جائے گی ورنہ دور والے لوگوں کو اس چیز سے روکنے کے لئے وہ

---

(1) صحیح بخاري- کتاب التفسیر- باب وأنذر عشیرتک الأقربین- حدیث رقم (٤٧٧١) —اور صحیح مسلم- کتاب الإیمان- باب في قوله تعالَی: {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} -حدیث رقم (٢٠٦)۔

(2) صحیح مسلم- کتاب الإیمان- باب في قوله تعالَی: {وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ} -حدیث رقم (٢٠٤)۔

خود سبب بن جائیں گے اور یہ بھی کہ تاکہ انہیں وہ محبت نہ لاحق ہو جو قریب کو قریب سے لاحق ہوتی ہے چنانچہ وہ اسے ڈرائیں اور دھمکائیں اسی لئے اللہ رب العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے انذار رپر ابھارا گیا[1]۔

یہ بلند آواز بلاغت کے بالکل انتہا کو تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سب سے قریبی شخص کے لئے اس بات کی وضاحت کی کہ اس رسالت کی تصدیق ہی ان کے درمیان رابطہ کے زندہ رہنے کی وجہ ہے اور قرابت داری کی عصبیت جس پر عرب کے لوگ قائم ہیں وہ اس اللہ رب العالمین کی طرف سے ڈرانے کی گرمی میں پگھل جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے شہر میں بلند مقام و مرتبے والے تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لوگ محبت کرتے تھے، آپ پر بھروسہ کرتے تھے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مکہ کے سامنے ان کی ناپسندیدہ بات پیش کر رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیوقوفوں اور سرداروں کے جھگڑے کا سامنا ہو رہا ہے، سب سے پہلے جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جھگڑا کیا جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان والے ہی تھے لیکن حق کے راستے میں جسے اللہ رب العالمین نے آپ کے سامنے کھول دیا تھا اس کے سامنے یہ ساری تکلیف ہیچ نظر آنے لگیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس انتظار کے بعد مکہ میں جب غرابت اور استنکار کی فضا عام تھی آپ کو رات گزارنے کی جگہ نہ ملی اور یکایک بھڑکے ہوئے کے فتنے کو ختم کرنے کے لئے تیاری ہو رہی تھی اور انہیں یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں یہ دعوت ان کی عادات اور آبائی وراثتوں پر غالب نہ آجائے[2]۔

---

(1) فتح الباري (٩/ ٤٥٢)۔

(2) فقه السيرة للشيخ محمد الغزالي رحمہ اللہ تعالیٰ ص ٩٧۔

● ظاہری دعوت اور قریش کا رد عمل:

جب اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کی دعوت کو ظاہر کیا اور حق کو اسی طرح سے بلند کیا جس طرح اللہ رب العالمین نے حکم دیا تھا تو آپ ﷺ کی قوم کے لوگ آپ سے دور نہیں ہوئے اور آپ کو انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا اور ان کی عیب جوئی کی، جب آپ نے ایسا کیا تو انہوں نے اس امر کو عظیم جانا اور آپ کے اس عمل کو ناپسند کیا اور انہوں نے آپ کے خلاف ہونے پر اتفاق کیا اور آپ سے دشمنی کی سوائے آپ کے چچا ابو طالب کے جو اس وقت آپ ﷺ پر شفقت کرتے تھے اور آپ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے تھے۔[1]

اللہ کے رسول ﷺ اپنی دعوت میں اللہ کے حکم کو ظاہر کرتے ہوئے لگے رہے، آپ کو آپ کی دعوت سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی، آپ شرک اور اس کے اباطیل و خرافات کو غلط قرار دے رہے تھے اور بتوں کی حقیقت کو واضح کر رہے تھے اور آپ ﷺ یہ بتا رہے تھے کہ حقیقت میں ان کی کوئی حیثیت اور کوئی قیمت ہے ہی نہیں ہے اور ان کی عاجزی کے مثال بیان کر رہے تھے، اسی طرح آپ ﷺ دلائل اور براہین سے واضح کر رہے تھے کہ جس نے ان کی پوجا کی اور انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بنایا تو وہ بالکل کھلی ہوئی گمراہی میں ہے۔[2]

اللہ کے رسول ﷺ نے عرب کے لوگوں کو اچانک ایسی دعوت دینا شروع کیا جس کو وہ پہلے سے نہیں جانتے تھے لہذا انہوں نے آپ کی دعوت کا سختی سے انکار کیا اور سارے لوگ آپ ﷺ کی اس دعوت اور آپ کے صحابہ کو ختم کرنے کے درپہ آگئے، وہ ایک تاریخی جواب تھا ان لوگوں پر جو قومیت کی طرف بلاتے ہیں، جن کا یہ دعویٰ ہے کہ محمد کی دعوت اس وقت کے عربوں

---

[1] سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۰۱)۔

[2] الرحیق المختوم ص ۸۰۔

کی خواہش اور ان کے منشور کے مطابق تھی یقیناً ایک مضحکہ خیز گمان ہے جسے تاریخ کی ثابت شدہ عقائد رد کرتی ہیں جیسے کہ ہم نے دیکھ لیا اس قول کے کہنے والے کو یا اس طرح کے قول کے کہنے والوں کو اس بات کے کہنے پر صرف اور صرف قومیت کی دعوؤں میں غلو نے ابھارا ہے، وہ یہ سوچتے ہیں کہ اسلام عرب کی ذاتیات اور ان کے غور و فکر سے وجود میں آیا ہے اور یہ آپ ﷺ کی نبوت کا واضح انکار اور اسلام کے عظیم پیغام کو نیچا کرنے کی کوشش ہے۔[1]

● قریش کے ایک وفد کی ابو طالب کے پاس حاضری:

جب اس بات نے طول پکڑ لیا اور قریش کے لوگوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کو کسی طرح سے راضی نہیں کر رہے ہیں تو انہوں نے آپ پر ان کے جدا ہونے اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہنے پر انکار کیا اور انہوں نے دیکھا کہ آپ کے چچا ابو طالب آپ پر شفقت کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ کھڑے ہیں اور وہ ان کو ان کے حوالے نہیں کریں گے تو کچھ لوگ قریش کے سرداروں میں سے ابو طالب کے پاس آئے جو کہ ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ[2] اور ابو سفیان بن حرب[3] ابو البختری[4] اسود بن مطلب[5] ابو جہل عمرو بن ہشام[6] ولید بن مغیرہ[7] نبیہ اور منبہ ابن حجاج[8] اور عاص بن وائل[9] تھے، ان سب نے کہا: ابو طالب تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا

---

(1) السِّيرة النَّبويّة دروس وعبر، للدکتور مصطفی السباعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ص ٤٩۔

(2) یہ دونوں غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے تھے۔

(3) یہ فتح مکہ کے وقت اسلام لائے تھے اور ان کا اسلام اچھا رہا تھا۔

(4) یہ غزوہ بدر الکبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے تھے۔

(5) اسود بن مطلب غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوا تھا۔

(6) یہ غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

(7) یہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

(8) یہ دونوں غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

(9) یہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

کہا ہے اور ہمارے دین کی عیب جوئی کی ہے اور ہمارے عقلوں کو انہوں نے بے وقوف کہا ہے اور ہمارے آباء واجداد کو انہوں نے گمراہ کہا ہے تو آپ چاہیں تو اس کو ہم سے روکیں یا ہمارے اور اس کے درمیان راستہ دے دیں کیوں کہ آپ بھی اسی طرح سے ہیں جس طرح سے ہم اس کے خلاف ہیں تو ہم تمہارے لئے اس کے سلسلے میں کافی ہوں گے، ابو طالب نے ان سے نرم بات کہی اور ان کو اچھا جواب دیا لہذا وہ لوگ واپس چلے گئے۔[1]

● ولید بن مغیرہ کا موقف:

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کے حوالے سے کہ ولید بن مغیرہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ نے اس پر قرآن کی کچھ آیتیں پڑھی تو گویا وہ اس کے سلسلے میں نرم ہو گیا یہ بات ابو جہل کے پاس پہنچی تو وہ اس کے پاس آئے اور کہا کہ میرے چچا تمہارے قوم کے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے لئے کچھ مال جمع کریں، کہا: کیوں؟ کہا: تاکہ وہ تمہیں دے دیں، کیونکہ تم محمد کے پاس گئے تھے اور کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں نے جانا کی میں سب سے زیادہ مال والا ہوں تو کہا کہ: تم ایک ایسی بات کہو اس کے سلسلے میں جو تمہارے قوم کے لوگوں کو پہنچے اور انہیں یہ معلوم ہو کہ تم ان کا انکار کرنے والے اور اسے ناپسند کرنے والے ہو تو انہوں نے کہا کہ: میں کیا کہوں، اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بھی شخص شعروں کا قصیدوں اور ان اوزان کا مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے اور نہ ہی جنوں کے اشعار کے بارے میں کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے، اللہ کی قسم یہ جو بات کہتا ہے ان میں سے کچھ بھی نہیں ہے، اللہ کی قسم اس کے قول کی مٹھاس ہی کچھ اور ہے اور اس کے قول میں ایک عجیب سی چاشنی ہے یقیناً اس کا اوپری حصہ پھل دار ہے اور اس کا نچلا حصہ بارش میں بھیگنے والا ہے اور یہ اوپر جائے گا

---

[1] سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٠١ - ٣٠٢)۔

اس کے اوپر کوئی نہیں جا سکتا ہے اور اپنے نیچے والوں کو گرادے گا، تو اس نے کہا: تمہاری قوم کے لوگ تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہ کہو گے، تو اس نے کہا کہ چلو مجھے سوچنے دو جب انہوں نے یہ سوچا تو کہا: یہ جادو ہے جو بیان کیا جاتا ہے، وہ اسے غیروں سے سیکھتا ہے۔[1]

اس پر اللہ تعالی نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ ذَرۡنِي وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِيدًا (11) وَجَعَلۡتُ لَهُۥ مَالًا مَّمۡدُودًا (12) وَبَنِينَ شُهُودًا (13) وَمَهَّدتُّ لَهُۥ تَمۡهِيدًا (14) ثُمَّ يَطۡمَعُ أَنۡ أَزِيدَ (15) كَلَّآۖ إِنَّهُۥ كَانَ لِأٓيَٰتِنَا عَنِيدًا (16) سَأُرۡهِقُهُۥ صَعُودًا (17) إِنَّهُۥ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (18) فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ (19) ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ (20) ثُمَّ نَظَرَ (21) ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ (22) ثُمَّ أَدۡبَرَ وَٱسۡتَكۡبَرَ (23) فَقَالَ إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا سِحۡرٞ يُؤۡثَرُ (24) إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا قَوۡلُ ٱلۡبَشَرِ (25) ﴾[المدثر: 11-25]۔

احمد شوقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

الذكر آيـــة ربك الكبرى التى ... فيها لباغى المعجزات غناء

صدر البيـــان له اذا التقت اللغى ... وتقدم البلغاء والفصحـاء

نسخت به التـوراة وهى وضيئة ... وتخلف الانجيـل وهو ذكاء

لما تمشى فى الحجـاز حكيمه ... فضت عكاظ به وقام حراء

أزرى بمنطق اهله و بيـــانهم ... وحى يقصر دونه البلغاء

حسدوا فقـــالوا شاعر او ساحر ... ومن الحسود يكون الاستهزاء

امسى كانك من جـــلالك امة ... وكانــــه من انسه بيداء

يوحى اليك الفوز فى ظلمـــاته ... متتبعا تجلى به الظلمـــاء

([1])اس کی تخریج امام حاکم نے المستدرک-کتاب التفسیر-باب مدح کلام اللہ تعالٰی من لسان الکافر-رقم حدیث (٣٩٢٦) پر کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بخاری کی شرائط کے مطابق حدیث صحیح الاسناد ہے۔اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (٢/ ١٩٨-١٩٩) میں اس طریق سے اور دوسرے مرسل طرق سے، پھر تمام طرق کی ایراد کے بعد فرمایا: اور یہ سب ایک دوسرے کی تاکید کرتے ہیں۔

دين يشيد آية في آية لبنأته السورات والاضواء
الحق فيه هو الاساس وكيف لا والله جل جلاله البنــاء

● حاجیوں کو آپ ﷺ کی دعوت کو سننے سے روکنے کے لئے قریش کا مشورہ:

اللہ کے رسول اللہ تعالی کے دین کو ظاہر کرنے کے اس عمل پر لگاتار جاری رہے، آپ ﷺ لوگوں کو اس جانب بلاتے رہے یہاں تک کہ حج کا موسم قریب آگیا اور قریش کے لوگوں نے جانا کہ اب عرب کے لوگ ان کے پاس آئیں گے اور پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ کے معاملے کے بارے میں حیرت کا شکار ہوگئے اور کہا کہ وہ کس طرح سے آپ کی دعوت اور حاجیوں کے درمیان حائل ہوں گے؛ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ سچے اور امانت دار ہیں، لہذا ان لوگوں نے اتفاق کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جادو گر کہیں گے جو کہ ولید بن مغیرہ -لعنہ اللہ- کی رائے تھی۔

جب قریش کے لوگ اس فیصلے پر متفق ہوگئے تو انہوں نے اس کو نافذ کرنا شروع کر دیا، وہ لوگوں کے راستوں میں بیٹھنے لگے یہاں تک کہ موسم حج آگیا، ان کے پاس سے جو بھی گزرتا تھا وہ اسے اللہ کے رسول ﷺ سے ڈراتے تھے اور آپ کے معاملے کو ذکر کرتے تھے۔

اور جو ان میں سب سے بڑا کارنامہ انجام دے رہا تھا وہ ابولہب تھا، اللہ کے رسول ﷺ موسم حج کے دوران ان کے قیام گاہ کی طرف جاتے تھے، اسی طرح عکاظ[1]، ذو مجنہ[2] اور ذی مجاز[3] میں بھی جاتے ان کو اللہ کی طرف دعوت دیتے اور یہ بتاتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، ابولہب بھی آپ کے پیچھے رہتا اور کہتا: اس کی بات نہ مانو اس کا اعتبار نہ کرو یہ جھوٹا اور بے دین ہے۔

([1]) عُكَاظٌ: مکہ کے قریب ایک جگہ جہاں زمانہ جاہلیت میں بازار لگا کرتا تھا جہاں وہ کئی دن ٹھہرا کرتے تھے۔ دیکھئے: النهاية (٣/ ٢٥٧).
([2]) مِجَنَّةٌ: یہ مکہ سے کئی میل نیچے ایک جگہ ہے اور وہاں عربوں کا ایک بازار ہوتا تھا۔ دیکھئے: النهاية (٤/ ٢٥٧).
([3]) ذِي المَجَازِ: یہ عرفات سے ایک فرسخ کے فاصلے پر ایک بازار کی جگہ ہے جو زمانہ جاہلیت میں آٹھ دن لگا رہتا تھا۔ دیکھئے: معجم البلدان (٥/ ٦٦).

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ ربیعہ بن عباد دیلی[1] سے روایت کیا ہے جو کہ جاہلیت کے آدمی تھے اور پھر انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں سے ذو مجاز نامی بازار میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے اے لوگو لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے آپ ﷺ اس کی گلیوں میں داخل ہوتے اور لوگ آپ ﷺ کے آگے پیچھے جمع ہوتے تھے اور آپ کی باتوں کو تعجب بھری نگاہ سے دیکھتے تھے میں نے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ کوئی کچھ کہہ رہا ہو اور آپ ﷺ خاموش ہوں آپ ﷺ کہتے تھے کہ: لوگو لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے، مگر ایک آدمی میں جو بھینگا تھا، گورے چہرے اور دولت والا تھا وہ آپ کے پیچھے تھا اور کہہ رہا تھا یہ بے دین ہے یہ جھوٹا ہے، میں نے کہا: یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ محمد بن عبد اللہ ہیں جو نبوت کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے کہا: یہ کون ہے جو اس کی تکذیب کر رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ ان کا چچا ابو لہب ہے۔[2]

● ابو طالب کا مشہور شعر:

اس طرح سے یہ مہینہ گزر گیا اور حج کا موسم نکل گیا اور اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر اب پورے عرب کے شہروں میں عام ہو گیا اور ابو طالب کو عربوں کے لشکروں کا خوف ہوا کہ وہ آپ کو اپنی قوم کے پاس سے سوار کر کے نہ لے جائیں تو انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ کہا، جس میں انہوں نے مکہ اور اس کے اندر اپنے مقام کے ذریعے سے پناہ مانگی اور اس میں انہوں نے اپنے قوم کے بلند مقام لوگوں سے محبت کی درخواست کی جس میں وہ لوگوں کو یہ بتا رہے تھے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کو

---

(1) وہ رابعہ بن عباد الدیلی ہیں، ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے، اور انہوں نے طویل عمر پائی۔ حافظ نے الاصابۃ (۲/ ۳۹۰) میں کہا ہے: ان کی وفات ولید کے دور خلافت میں ہوئی۔

(2) مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (۱۶۰۲۳) — صحیح ابن حبان - کتاب التاریخ - باب کتب النبي - صلی اللہ علیہ وسلم - رقم حدیث (٦٥٦٢)۔

کسی کے حوالے نہیں کریں گے اور وہ آپ کو کسی کے لئے نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ اس کے راستے میں ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائیں، انہوں نے کہا:

ولما رایت القوم لا ود فیه — وقد قطعوا کل العری والوسائل
وقد صارحونا بالعداوة والأذی — وقد طاوعوا امر العد والمزایل
وقد حالفوا قوما علینا اظنه — یعضون غیظا خلفنا بالانامل
صبرت لهم نفسی بسمراء سمحة — وأبیض عضب من تراث المقاول
واحضرت عند البیت رهطی واخوتی — وامسکت من اثوابه بالوصائل

اسی میں سے یہ شعر بھی تھا:

اعوذ برب الناس من کل طاعن — علینا بسوء او ملح بباطل
ومن کاشح یسعی لنا بمعیبة — ومن ملحق فی الدین مالم نحاول
وثور ومن ارسی ثبیرا[1] مکانه — وراق لیرقی فی حراء ونازل
وبالبیت حق البیت من بطن مکه — وبالله ان الله لیس بغافل
و بالحجر المسود یمسحونه — اذا اکتنفوه بالضحی والأصائل
وموطئ ابراهیم فی الصخر رطبة — علی قدمیه حافیا غیر ناعل

اور اسی میں سے یہ شعر بھی تھا:

کذبتم وبیت الله نترك مکة — ونظعن الا امرکم فی بلابل
کذبتم وبیت الله نبزی محمدا — ولما نطاعن دونه ونناضل
ونسلمه حتی نصرع حوله — ونذهل عن ابائنا والحلائل
وینهض قوم فی الحدید الیکم — نهوض الروایا تحت ذات الصلاصل
وحتی تری ذا الضعن یرکب ردعه — من الطعن فعلا لانکب المتحامل

([1]) ثورؓ، ثبیرؓ اور حراءؓ: یہ مکہ میں پہاڑ کے نام ہیں. دیکھئے: النهاية (١/ ٢٠٢ - ٢٢٣ - ٣٦٢).

وانا لعمر الله ان جد ما اری | لتلبسن اسیافنا بالاماثل
بکفی فتی مثل الشهاب سمیدع | اخی ثقه حامی الحقیقة باسل

اور اسی میں سے یہ شعر بھی تھا:

وما ترك قوم لا ابا لك سیدا | یحوط الذمار غیر ذرب مؤاکل
وابیض یستسقی الغمام بوجهه | ثمال الیتامی عصمه للارامل
یلوذ به الهلاك من آل هاشم | فهم عنده فی رحمه وفواضل

اور اسی میں سے یہ شعر بھی تھا:

وکان لنا حوض السقایه فیهم | ونحن الکدی من غالب والکواهل
شباب من المطیبین وهاشم | کبیض السیوف بین أیدی الصیاقل

اور اسی میں سے یہ شعر بھی تھا:

لعمری لقد کلفت وجدا باحمد | واخوته عقب المحب المواصل
فلا زال فی الدنیا جمالا لاهلها | وزینا لمن والاه رب المشاکل
فمن مثله فی الناس ای مؤمل | اذا قاسه الحکام عند التفاضل
حلیم رشید عادل غیر طائش | یوالی الاها لیس عنه بغافل
فوالله لو لا أن اجی بسنه | تجر علی اشیاخنا فی المحافل
لکنا اتبعناه علی کل حالة | من الدهر جدا غیر قول التهازل
لقد علموا أن ابننا لا مکذب | لدینا ولا یعنی بقول الأباطل
فاصبح فینا احمد فی ارومة | تقصر عنه سوره المتطاول
حدبت بنفسی دونه وحمیته | ودافعت عنه بالذرا والکلاکل

فايده رب العباد بنصره　　　واظهر دينا حقه غير باطل [1]

آخری قصیدہ تک پورا قصیدہ بہت لمبا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ قصیدہ بہت ہی عظیم اور بلیغ ہے یہ صرف وہی کہہ سکتا ہے جس کے جانب اس کی نسبت ہے یہ معلقات سبع سے بھی زیادہ مضبوط ہے اور یہ تمام معانی کو بھی شامل ہے [2]۔

● ابن ام مکتوم [3] رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں کیا چیز نازل ہوئی:

اللہ کے رسول ﷺ قریش کے سرداروں کو اسلام کی جانب بلا رہے تھے اور آپ ﷺ ان کی خیر خواہی میں کوئی کمی نہیں چھوڑتے تھے، آپ ﷺ ایک دن قریش کے سرداروں اور بڑے لوگوں کی ایک جماعت میں موجود تھے جن میں ولید بن مغیرہ عتبہ اور شیبہ ابن ربیعہ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی کر رہے تھے اور ان پر قرآن کو پیش کر رہے تھے اس وقت عبد اللہ بن مکتوم اندھے صحابی آئے اور اللہ کے رسول ﷺ سے کچھ پوچھنے لگے اور کچھ قرآن پڑھنے کا مطالبہ کرنے لگے تو یہ چیز اللہ کے رسول ﷺ کو بھاری محسوس ہوئی یہاں تک کہ آپ نے ان کو ڈانٹ دیا اس لئے کہ انہوں نے آپ کو ولید بن مغیرہ اور ان کے ساتھیوں کی گفتگو میں دخل دیا اور آپ ﷺ کو ان کے اسلام کی لالچ تھی جب انھوں نے آپ ﷺ کو زیادہ کچھ کہا تو آپ ﷺ کو یہ

(1) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۰۹)۔

(2) البدایۃ والنھایۃ (۳/ ٦٣)۔

(3) ان کے نام کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے اہل مدینہ عبد اللہ کہتے ہیں اور اہل عراق عمرو بن ام مکتوم قریشی کہتے ہیں یہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے ماموزاد بھائی تھے بہت پہلے اسلام لائے تھے اور یہ پہلے ہجرت کرنے والے لوگوں میں سے تھے یہ نبی ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے مدینہ ہجرت کرکے آئے تھے اور آپ ﷺ انہیں اپنے بیشتر غزوات میں مدینہ پر اپنا جانشین مقرر کرتے تھے تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں آپ رضی اللہ عنہ قادسیہ کی جانب نکلے تھے اور قتال میں حاضر ہوئے تھے اور وہاں پر ہی شہید کیے گئے اور اس وقت انہی کے ساتھ جھنڈا تھا۔ دیکھیے: انظر الاصابۃ (٤/ ٤٩٤)۔

خوف لاحق ہوا کہ اگر وہ اس مسکین اندھے کی جانب متوجہ ہوں گے تو اس سے ان سرداروں کے دل میں برا لگے گا، اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے بے توجہی برتی اور آپ نے چہرے میں ناراضگی ظاہر کی اور دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس وقت اللہ تعالی نے اس پر عتاب فرمایا اور اللہ تعالی کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ﴾ فرمان باری تعالی: ﴿ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ (13) مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴾ تک ، [عبس ١-١٤]۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: یعنی رسول اللہ ﷺ کو اللہ رب العالمین نے یہ کہا ہے کہ میں نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، میں نے آپ کو کسی ایک کے لئے خاص نہیں بھیجا ہے، کہ لہذا آپ کو جو چاہے اس کو منع نہ کرو اور جو آپ کو نہ چاہے اس کے پیچھے نہ پڑو[1]۔

امام حاکم نے ایک روایت مسلم ابن صبیح کے طریق سے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس گیا ان کے پاس ایک اندھے صحابی تھے، وہ ان کے لیے لیموں کاٹ رہی تھیں اور انہیں شہد کے ساتھ کھلا رہی تھیں، میں نے کہا: اے ام المومنین یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ابن ام مکتوم ہے جن کے بارے میں اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کو عتاب کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ: نبی پاک ﷺ کے پاس ابن ام مکتوم آئے اور آپ کے پاس اس وقت عتبہ اور شیبہ بیٹھے ہوئے تھے، تو اللہ کے رسول ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے اس پر اللہ رب العالمین کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ (1) أَن جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ﴾ یعنی ابن ام مکتوم[2]۔

([1]) ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے قصے کو ابن حبان نے اپنی صحیح کتاب البر والصلۃ - باب فصل من البرّ والإحسان - رقم الحدیث (٥٣٥) میں اور ترمذی نے اپنے جامع باب ومن سورة عبس - رقم الحدیث (٣٦٢١) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند امام مسلم کے شرط پر صحیح ہے، دیکھیے: سیرة ابن هشام (١/ ٤٠١) - والطبّقات الكُبرى لابن سعد (٤/ ٢٢٢)۔

([2]) مستدرک حاکم - کتاب معرفة الصحابة رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ - باب تعظيم أهل بيتِ النبي - صلى اللّٰه عليه وسلم - لابنِ أمّ مكتوم - رقم الحدیث (٦٧٣٠)۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس کے ذریعے سے ان کافروں کی دل جوئی کرنی چاہی تھی کیونکہ آپ کو پتہ تھا کہ ابن ام مکتوم کے دل میں ایمان ہے اور آپ کو ان پر بھروسہ تھا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے متفق علیہ حدیث میں فرمایا ہے: ((میں ایک آدمی کو دیتا ہوں حالانکہ اس کے علاوہ آدمی میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے اللہ جہنم میں اوندھے منہ نہ پھینکے))[1]۔

اس کے باوجود بھی اللہ رب العالمین نے اپنے نبی اور حبیب کو ڈانٹا تاکہ اہل صفہ[2] کا دل نہ ٹوٹے اور تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ فقیر مومن مالدار کافر سے زیادہ بہتر ہے اور آپ ﷺ کے لئے مومن کی جانب دیکھنا زیادہ ضروری تھا اگرچہ فقیر دوسرے معاملے سے زیادہ درست اور اچھا تھا یعنی مالداروں پر ان کے ایمان کی لالچ میں متوجہ ہونا، اگرچہ اس میں بھی ایک قسم کے مصلحت تھی[3]۔

● ایک حدیث جس کی کوئی اصل نہیں ہے:

میں کہتا ہوں کہ: جو اس بارے میں مشہور ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا تو ان سے کہا: ((أهلا أو مرحبا بالذی عاتبنی فیه ربی))[4]۔

([1]) صحیح بخاری-کتاب الإیمان-باب إذالم یکن الإسلام علی الحقیقة-رقم الحدیث (٢٧) — صحیح مسلم-کتاب الإیمان-باب تألف قلب من یخاف علی إیمانه لضعفه-رقم الحدیث (١٥٠)۔

([2]) اہل صفہ یہ مہاجرین میں سے فقراء صحابہ تھے جن کے پاس رہنے کے لیے گھر نہیں تھا چنانچہ وہ مسجد میں ایک سایہ دار جگہ میں پناہ لیتے تھے اور وہیں پر وہ رہتے تھے، دیکھیے: انظر النهایة (٣/ ٣٥)۔

([3]) دیکھئے: تفسیر القرطبی (٢٢/ ٧٢)۔

([4]) اس حدیث کو واحدی نے أسباب النزول (ص ٤٧٩) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور امام قرطبیؒ نے اپنے تفسیر (٢٢/ ٧١) میں اسے سفیان ثوری سے بلا سند معلق طور پر روایت کیا ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ: میں اس حدیث کی کوئی ایسی اصل نہیں جانتا ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے[1]۔

❁❁❁

(1) السلسلة الضعيفة للألباني رحمه الله (٣/ ٦٣٥)۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ظاہر یہی ہے کہ ابوذر غفاری جن کا نام جندب بن جنادہ تھا ان کے اسلام لانے کا واقعہ بعثت کے کئی سالوں بعد کا ہے، جیسا کہ میں آپ کے لئے واضح کروں گا، رہی بات[1] ابن سعد کے یہ کہنے کی کہ وہ سری دعوت کی ابتداہی میں اسلام لائے تھے تو یہ محل نظر ہے۔

ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ حق کے تلاش کرنے والے تھے ان کے اسلام لانے کا قصہ امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیح میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے۔

● امام مسلم اور احمد[2] کی روایت اور یہ الفاظ امام احمد کے ہیں:

ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ: میں، میرا بھائی انیس اور ہماری والدہ ہم اپنے قوم غفار سے نکلے، تو انیس نے کہا کہ: مکہ میں مجھے کچھ ضروری کام ہے تو میرا انتظار کرو یہاں تک کہ میں واپس آجاؤں۔

وہ کہتے ہیں کہ: وہ گئے اور واپسی میں دیر کردی پھر جب آئے تو میں نے کہا کہ: تمہیں کس چیز نے روک لیا تھا؟

انہوں نے کہا کہ: میں نے ایک شخص سے ملاقات کی جو یہ دعوی کررہا تھا کہ اسے اللہ رب العالمین نے تمہارے دین پر بھیجا ہے۔

میں نے کہا: لوگ اسے کیا کہتے ہیں۔

اس نے کہا: لوگ اسے شاعر جادوگر اور کاہن کہتے ہیں - اور انیس شاعر تھے -۔

([1]) الطبقات الکبری لابن سعد (٤/ ٤٣١)۔

([2]) میں نے مسلم اور احمد کی روایت کو بخاری کی روایت پر مقدم کیا ہے کیونکہ ان میں زیادہ تفصیل موجود ہے۔

انیس نے کہا کہ : میں نے کاہنوں کی باتیں سنی ہیں، مگر وہ ایسی کوئی بات نہیں کہتے اور میں نے ان کی بات کو شاعروں کے طریقوں اور قسموں اور بحور پر رکھا مگر کسی بھی شاعر کے کلام سے یہ مشابہت نہیں رکھتا اللہ کی قسم یہ سچے ہیں اور وہ سب جھوٹے ہیں۔

تو ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: کیا میں جاکر دیکھوں تم میرا انتظار کروگے ؟[1]۔

انہوں نے کہا: ہاں مگر اہل مکہ سے ذرا دور رہنا اس لئے کہ وہ لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں۔

ابوذر نے کہا: پھر میں مکہ آیا اور میں نے ان میں سے سب سے کمزور آدمی کو تلاش کیا اور کہا کہ : وہ آدمی کہاں ہیں جن کو تم بے دین بلاتے ہو ؟۔

تو اس نے مجھے اشارہ کیا اور کہا: بے دین ، پھر تمام اہل وادی نے سخت مٹی اور ہڈیوں کے ساتھ میرے اوپر ٹوٹ پڑے یہاں تک کہ میں خون آلود اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور پتا نہیں کب اٹھا، پھر میں نے زمزم کا پانی پیا اور خود سے اپنے خون کو صاف کیا میں وہاں پر تیس دن اور رات رہا، میرے پاس سوائے زمزم کے پانی کے کوئی اور کھانا نہیں تھا میں موٹا ہو گیا یہاں تک کہ مجھے توند نکل آئی اور میں اپنے کلیجوں پر بھوک کی کمزوری محسوس نہیں کرتا تھا۔

آپ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: میں مکہ میں چاندنی رات کے اندر تھا کہ اللہ تعالی نے اہل مکہ کو سلا دیا اب کعبہ کا طواف صرف دو عورتیں کر رہی تھیں وہ دونوں اساف اور نائلہ[2] کو پکار رہی تھیں ، میں نے کہا: ان دونوں کی شادی کروا دو، یہ بات انہیں پسند نہ آئی اور وہ میرے پاس

---

(1) مسلم کی صحیح میں ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: ((آپ میرے لیے کافی ہو جائیں یہاں تک کہ میں جاکر دیکھوں))۔

(2) إساف اور نائلہ: یہ دونوں بت کے نام ہیں جن کے بارے میں عرب کا یہ گمان تھا کہ یہ دونوں مرد اور عورت تھے جنھوں نے کعبہ میں بدکاری کی تھی اور انہیں مسخ کر دیا گیا تھا اور اساف ہمزہ کے زیر کے ساتھ ہے اور بسا اوقات اس پر زبر بھی پڑھا جاتا ہے: دیکھئے: النہایۃ (۱/ ۵۱)۔

آئیں ،میں نے کہا: بالکل کمزور ہے لکڑی کے مانند، میں نے کوئی کنایہ استعمال نہیں کیا، تو وہ بلبلاتے ہوئے چلنے لگیں اور کہہ رہی تھیں کہ کاش ہمارے لوگوں میں سے کوئی یہاں ہوتا۔

وہ کہتے ہیں کہ: انہیں اللہ کے رسول ﷺ اور ابو بکر ملے جب وہ پہاڑ سے نیچے اتر رہے تھے تو آپ دونوں نے کہا کہ: تمہیں کیا ہوا؟

ان دونوں نے کہا کہ: کعبہ اور اس کے پردے کے درمیان ایک بے دین ہے۔

آپ دونوں نے کہا کہ: اس نے تمہیں کیا کہا؟۔

ان دونوں نے کہا کہ: ہمیں ایسی بات کہی جس سے منہ بھر جاتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی آئے اور حجر کا استلام کیا اور کعبہ کا طواف کیا پھر نماز پڑھی، جب انہوں نے اپنی نماز مکمل کر لی تو ان کے پاس آیا اور میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے آپ کو اسلام کا تحیہ پیش کیا، میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، پھر آپ ﷺ نے کہا: تم کہاں سے ہو؟۔

میں نے کہا: غفار سے، پھر آپ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اسے اپنے پیشانی پر رکھا۔

میں نے اپنے دل میں سوچا کہ شاید غفار کی جانب نسبت آپ کو پسند نہیں آئی، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: تم یہاں کب سے ہو؟۔

میں نے کہا: میں یہاں تیس دن اور رات سے ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ان دنوں تمہیں کھانا کون کھلاتا تھا۔

میں نے کہا: میرے پاس زمزم کے پانی کے علاوہ کچھ کھانا نہ تھا اور میں تندرست اور بھاری ہو گیا اور میں اپنے کلیجے پر بھوک کی کمزوری بھی نہیں محسوس کرتا تھا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ بابرکت ہے اور یہ کھانے والے کا کھانا ہے۔

ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس کے کھانے کا انتظام آج کی رات مجھے کرنے دیجئے، تو آپ ﷺ نے قبول کر لیا۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ اور ابو بکر چلے اور میں بھی ان کے ساتھ گیا یہاں تک کہ ابو بکر نے دروازہ کھولا اور وہ ہمارے لئے طائف کا کشمس لے کر آئے۔

ابوذر کہتے ہیں کہ: جب تک میں ٹھہرا تھا یہ پہلی بار کھانا کھایا تھا، پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور آپ نے کہا: مجھے کھجوروں والے زمین کی جانب متوجہ کیا گیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ یثرب ہے تو کیا تم اپنی قوم کو میرے بارے میں یہ بات بتاؤ گے ؟ اللہ تعالی انہیں تمہارے ذریعے سے نفع پہنچائے اور تمہیں ان کے سلسلے میں اجر عطا کریں ؟۔

ابوذر نے کہا کہ: پھر میں وہاں سے چلا اور اپنے بھائی انیس کے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا: تم نے کیا کیا؟۔

میں نے کہا کہ: میں نے یہ کیا کہ میں اسلام لے آیا ہوں اور میں نے ان کی تصدیق کر لی ہے۔

انہوں نے کہا کہ: میں تمہارے دین سے پیچھے کیوں رہوں، میں بھی اسلام لایا اور میں نے بھی تصدیق کی، پھر ہم اپنی والدہ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا کہ: میں تم دونوں کے دین سے پیچھے کیوں رہوں ؟ میں بھی اسلام لائی اور میں نے بھی ان کی تصدیق کی، ہم نے انہیں لیا اور ہم اپنی قوم غفار کے پاس آ گئے تو ان کے آدھے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان کی امامت ایماء بن رخصہ الغفاری کرتے تھے جو کہ ان کے سردار بھی تھے۔

پھر غفار کا قبیلہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اس وقت آیا جب اللہ کے رسول مدینہ میں تھے اور غزوہ بدر اور احد ختم ہو چکے تھے جس دن وہ آئے اسی دن قبیلہ اسلم کے لوگ بھی آئے

تھے، انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اسلام کا اعلان کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ: غفار کو اللہ رب العالمین نے بخش دیا اور اسلم کو اللہ تعالی نے سلامتی دی[1]۔

● امام بخاری کی روایت:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ کو نبی ﷺ کی بعثت کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے بھائی سے کہا: اس وادی کی طرف چلو اور اس آدمی کی خبر مجھے لا کر دو جو یہ کہتا ہے کہ وہ نبی ہے اور آسمان سے اس کے پاس خبر آتی ہے اور اس کے قول کو سنو اور میرے پاس آؤ تو ان کا بھائی چلا یہاں تک کہ آپ کے پاس آ گیا اور آپ کی بات سنی پھر ابوذر کے پاس واپس گیا تو اس نے ان سے کہا کہ: میں نے انہیں دیکھا ہے وہ اچھے اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور ان کی بات شعر نہیں ہے، ابوذر نے کہا کہ: جو میں چاہتا تھا وہ تم نہیں کر پائے انہوں نے زادِ راہ لیا اور گھڑا اٹھایا جس میں پانی بھرا ہوا تھا اور وہ مکہ آ گئے پھر مسجد میں آئے اور نبی ﷺ کو ڈھونڈھا، وہ پہچانتے نہ تھے اور انہوں نے سوال کرنا ناپسند کیا یہاں تک کہ رات ہو گئی تو انہیں علی رضی اللہ تعالی عنہ نے دیکھا اور پہچان لیا کہ کوئی اجنبی آدمی ہیں، جب انھوں نے ان کو دیکھا تو ان کا پیچھا کیا اور ان میں سے کسی نے صبح تک اپنے ساتھی سے کچھ نہ پوچھا پھر وہ اپنا مٹکا اور اپنا زادِ راہ لے کر مسجد چلے گئے وہ پورے دن اسی حال پر رہے اور نبی ﷺ نے انہیں نہ دیکھا یہاں تک کہ شام ہوئی اور پھر اپنے سونے کی جگہ آ گئے پھر ان کے پاس علی رضی اللہ تعالی عنہ کا گذر ہوا اور کہا کیا ابھی تک اسے اپنی منزل نہیں ملی؟۔

---

(1) صحیح مسلم-کتاب فضائل الصحابۃ-باب من فضائل أبي ذر-رضي اللہ عنہ-رقم الحدیث (٢٤٧٣) —اور مسند الإمام أحمد-رقم الحدیث (٢١٥٢٥)۔

پھر اسے کھڑا کیا اور اس کو اپنے ساتھ لے کر گئے ان میں سے کوئی بھی اپنے ساتھی سے کچھ نہ پوچھتا تھا یہاں تک کہ تیسرا دن تھا تو علی پھر اسی طرح آئے اور اسے کھڑا کیا اور ابوذر سے کہا کہ: تم مجھے کیوں نہیں بتاتے کہ تم کیوں آئے ہو۔

انہوں نے کہا کہ اگر تم مجھے ایک عہد دو گے کہ تم میرے رہنمائی کرو گے تو میں تمہیں بتاؤں گا، لہذا انہوں نے ایسا ہی کیا پھر ابوذر نے پورا مسئلہ بتایا۔

علی رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ: وہ تو حق ہیں وہ اللہ کے رسول ہیں، جب صبح ہو گی تو میرے ساتھ چلنا، پھر وہ آپ کے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ نبی ﷺ کے پاس گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ نبی ﷺ کے پاس گئے اور انہوں نے آپ ﷺ کی بات سنی اور اسی جگہ اسلام قبول کر لیا۔

نبی ﷺ نے ان سے کہا کہ: تم اپنے قوم کے پاس چلے جاؤ اور ان کو خبر دو یہاں تک کہ تمہارے پاس میرا حکم آئے[1]۔

● ابوذر کے دیر سے اسلام لانے پر دلیلیں:

ا- علی رضی اللہ تعالی عنہ کا ابوذر کی ضیافت کرنا۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ: یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ابوذر کے اسلام لانے کا قصہ آپ کی بعثت کے دو سے زیادہ سال کے بعد کا ہے اس لئے کہ علی اس لائق ہو گئے تھے کہ وہ اجنبی سے بات کریں اور اس کی مہمان نوازی کریں کیونکہ صحیح قول کے مطابق علی رضی اللہ تعالی عنہ کی عمر بعثت کہ وقت دس سال تھی[2]۔

(1) صحيح البخاري- كتاب مناقب الأنصار- باب إسلام أبي ذر الغفاري- رضي الله عنه- رقم الحديث (٣٨٦١)۔
(2) فتح الباري (٧/ ٥٦٦)۔

۲-اللہ کے رسول ﷺ کا ابوذر سے کہنا کہ مجھے کھجور والی زمین کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، میں اسے صرف یہی جانتا ہوں کہ وہ یثرب ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ ہجرت سے قریب کا واقعہ ہے، واللہ اعلم[1]۔

انیس رضی اللہ تعالی عنہ کا اپنے بھائی ابوذر سے کہنا کہ: میں نے ایک آدمی سے ملاقات کی ہے جو کہتا ہے کہ اسے اللہ رب العالمین نے تمہارے دین پر بھیجا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوذر نبی ﷺ سے ملاقات سے پہلے اسلام لائے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کے بعثت کی خبر جزیرہ میں کئی سالوں تک منتشر نہیں ہوئی تھی، جو اس بات پر دلیل ہے کہ آپ کے اسلام لانے کا واقعہ بعد کا ہے۔

● ضعیف حدیثیں:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے بسند ضعیف ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اسلام کا چوتھا حصہ تھا مجھ سے پہلے تین لوگوں نے اسلام قبول کیا اور میں چوتھا تھا، میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اس وقت میں نے اللہ کے رسول کے چہرے پر خوشی دیکھی تھی آپ نے کہا تھا: تم کون ہو؟

میں نے کہا: میں جندب ہوں، بنو غفار میں سے ایک شخص[2]۔

---

(1) فتح الباري (٧/ ٥٦٨)۔

(2) صحیح ابن حبان - کتاب إخباره - صلى الله عليه وسلم - عن مناقب الصحابة - باب ذكر أبي ذر الغفاري - رضي الله عنه - رقم الحديث (٧١٣٤) — مستدرک حاکم - کتاب معرفة الصحابة - باب ضرب قُرَيش أباذرّ - رضي الله عنه - رقم الحديث (٥٥١٠)۔

اور امام حاکم نے مستدرک میں بسند ضعیف ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: گویا میں اسلام کا چوتھا تھا مجھ سے پہلے نبی ﷺ ابو بکر اور بلال کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا تھا[1]۔

❀❀❀

(1) مستدرک حاکم - کتاب معرفة الصحابة - باب ضرب قريش أباذرٍّ - رضي الله عنه - رقم الحديث (٥٥٠٩)۔

نبی ﷺ اور آپ کی دعوت کو روکنے کے لئے قریش کے مختلف طریقہ کار

جب قریش کے لوگوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے مشن میں لگے ہوئے ہیں کوئی بھی چیز انہیں اللہ تعالی کی طرف دعوت سے روک نہیں پارہی ہے تو انہوں نے دوسری بار غور کیا اور انہوں نے اس دعوت کو اکھاڑ پھینکنے کے لئے کئی ایک طریقہ کار اپنایا جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

۱- قرآن کے مصدر سے متعلق شبہات اور جھوٹے الزامات کا پھیلانا، اسی طرح اس کی تعلیمات اور نبی ﷺ کی شخصیت سے متعلق غلط دعوے عام کرنا، انہوں نے اس سلسلے میں اس قدر کثرت کی کہ عام شخص کے لیے آپ کی دعوت میں غور و فکر کرنے کا کوئی موقع ہی نہ بچے، لہذا وہ لوگ کہتے تھے: ﴿ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ﴾ [النحل: ١٠٣] اور قرآن کے بارے میں کہتے تھے: ﴿ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾ [الفرقان: ٥]، ﴿ إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ﴾ [الفرقان: ٤] اور اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں کہتے تھے: ﴿ مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ﴾ [الفرقان: ٧]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ جیسا کہ میرے پاس پہنچا ہے وہ مروہ کے پاس بیٹھے تھے جہاں پر ایک نصرانی غلام کے بیچنے کا اڈہ تھا، اس کا نام جبر تھا، وہ لوگ کہتے تھے: اللہ کی قسم محمد جو بھی بات کہتے ہیں اس میں سے اکثر باتیں ان کو جبر نصرانی یعنی ابن حضرمی کا غلام سکھاتا ہے، ان کے اس قول کے جواب میں اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ

أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴾[النحل:۱۰۳]۔[1]

ابن ہشام کہتے ہیں: "یلحدون الیہ" کا مطلب اس کی جانب مائل ہوتے ہیں اور الحاد کا مطلب ہے: حق سے مائل ہونا[2]۔

۲-ان کے اسالیب میں سے قرآن کو اساطیر الاولین کہنا بھی تھا، تاکہ وہ لوگوں کو اس سے روک سکیں، نضر بن حارث[3] کے حوالے سے کہا جاتا ہے جو کہ قریش کے شیطانوں میں سے اور ان لوگوں میں سے تھا جو قریش کے لوگوں میں سے آپ ﷺ کو تکلیف دیا کرتے تھے اور آپ سے دشمنی کیا کرتے تھے اور وہ حیرہ[4] نامی مقام پر آیا ہوا تھا اور وہاں پر اس نے فارسی بادشاہوں کے قصے کہانیاں اور رستم کے احوال سیکھے تھے تو جب اللہ کے رسول ﷺ کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ رب العالمین کے دین کے بارے میں نصیحت کرتے تھے اور اپنی قوم کو آپ ﷺ گزشتہ امتوں پر نازل شدہ اللہ کے عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ آپ کے اٹھنے کے بعد اس مجلس میں آتا اور کہتا کہ اللہ کی قسم قریش کے لوگو! میں ان سے اچھی کہانیاں سنا سکتا ہوں اور اس کی باتیں تو پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں جس کو انہوں نے لکھا ہے تم میرے پاس آؤ میں تمہیں اس سے اچھی باتیں سناتا ہوں پھر وہ

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (2/ 6)، مستدرک حاکم-کتاب التفسیر-باب تفسیر سورۃ النحل-رقم الحدیث (٣٤١٤) عن ابن عباس-رضي الله عنہ-اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

(2) سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٧)۔

(3) یہ شخص نبی ﷺ سے سخت ترین دشمنی رکھنے والوں میں سے تھا پھر اسے غزوہ بدر کبری میں قیدی بنایا گیا اور کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اس سے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے حکم سے قتل کیا تھا۔

(4) حیرۃ: حاء کے زیر کے ساتھ ہے جو کہ کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک جگہ پر واقع ہے جسے نجف کہا جاتا ہے یہ جاہلیت کے زمانے میں نضر پھر لخم نعمان اور اس کے آباو اجداد میں سے عرب بادشاہوں کے رہنے کی جگہ تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کیونکہ تبع نامی بادشاہ جب اپنے لشکروں کے ساتھ اس جانب ایا اور حیرہ نامی جگہ پر پہنچا تو اس کا رہنما غائب ہو گیا اور وہ حیران اور ششدر رہ گیا اسی لیے اس کا نام حیرہ رکھ دیا گیا، دیکھیے: معجم البلدان (٣/ ٢٠١)۔

انہیں فارس کے بادشاہوں اور رستم کی کہانیاں سناتا اور کہتا کہ محمد مجھ سے اچھی بات سنانے والا کیسے ہو سکتا ہے؟۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ: وہی ہے جس نے کہا تھا- جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے- کہ میں اسی طرح سے نازل کروں گا جس طرح سے اللہ تعالی نے نازل کیا ہے[1]۔

ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نضر بن حارث کے بارے میں قرآن کریم کی آٹھ آیتیں نازل ہوئیں، فرمان باری تعالی: ﴿ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴾ [القلم: ١٥] اور ہر وہ آیت جس میں قرآن کے اندر اساطیر کا لفظ موجود ہے[2]۔

اور نضر بن حارث -قبحہ اللہ- کے بارے میں اللہ تعالی کا یہ فرمان بھی نازل ہوا: ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ (٧) يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (٨) ﴾ [الجاثية: ٧-٨]۔

٣-اور ان کے اسالیب میں سے مذاق اڑانا، استہزاء کرنا اور جھٹلانا بھی تھا قریش نے یہ طریقہ مسلمانوں کو کمزور کرنے اور ان کی معنوی طاقت کو توڑنے کے لئے اپنایا، چنانچہ انہوں نے نبی ﷺ کو پاگل کہا: ﴿ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ (٦) ﴾ [الحجر: ٦]۔

([1]) سیرۃ ابن ہشام (١/ ٣٣٧)۔

یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی اس سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، کہا گیا ہے کہ یہ مسلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی اور کہا گیا کہ عبد اللہ بن سعد ابن ابی سرح کے بارے میں نازل ہوئی اور کہا گیا ہے کہ نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی واللہ اعلم، مزید دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (٣/ ٣٠٢)۔ تفسیر القرطبی (٨/ ٤٥٧)۔

([2]) سیرۃ ابن ہشام (١/ ٣٣٧)۔

انہوں نے آپ ﷺ کو جادو، جھوٹ اور شعر کہنے کی صفت سے بھی عیب دیا: ﴿وَعَجِبُوا أَن جَاءَهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ ۖ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (4)﴾ [ص: ٤]، ﴿بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ [الأنبياء: ٥]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ جب قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور اللہ کی طرف بلایا کرتے تھے تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے: ﴿وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (5)﴾ [فصلت: ٥] تب اللہ رب العالمین نے ان کے اس قول کے سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا (45) وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَّوْا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا (46)﴾ [الإسراء: ٤٦-٤٥]۔

یعنی ان لوگوں نے کیسے سمجھا کہ آپ اپنے رب کی اکیلے عبادت کرتے ہیں، اگر آپ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ بھر دیا ہے اور ان کے اور تمہارے درمیان ان کے گمان کے مطابق پردہ ہے یعنی میں نے ایسا نہیں کیا ہے: ﴿نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا (47)﴾ یعنی: جو ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کی ہے کہ جس کو میں نے آپ کی طرف بھیجا ہے اس کو چھوڑے رکھیں: ﴿انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا (48)﴾ یعنی: انہوں نے آپ کے لئے جو مثال دی ہے اس میں انہوں نے غلطی کی پس وہ اس کے ذریعے سے ہدایت پر ہیں اور نہ ہی انہوں نے معتدل بات کہی: ﴿وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا (49)﴾ یعنی آپ ہمارے پاس یہ خبر دینے کے لئے آئے ہیں کہ ہم اپنے مرنے کے بعد پھر سے اٹھائے جائیں گے جبکہ ہم چور چور ہو جائیں گے! یہ

کیسے ہوسکتا ہے؟: ﴿ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا (٥٠) أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ ﴾[الإسراء: ٤٥-٥١]؛ یعنی: جس نے تمہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے تم جانتے ہو تو تمہارا مٹی سے پیدا کیا جانا اللہ پر اس سے زیادہ دشوار نہیں ہے[1]۔

۴-اور ان کے اسالیب میں سے ان کی یہ کوشش بھی تھی کہ وہ سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے کہ اسلام اور جاہلیت کے بیچ میں راستہ اکٹھا ہو جائے وہ چاہتے تھے کہ مشرک لوگ اپنے بعض اعمال کو چھوڑ دیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض اعمال کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالی نے یہ فرمان نازل کیا: ﴿ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ (٩) ﴾[القلم: ٩]۔

امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی اے محمد یہ مشرک لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے لئے اپنے دین کے سلسلے میں نرمی اختیار کریں اور انہیں ان کے معبودوں کے بارے میں جھکنے کی اجازت دے دیں تو وہ بھی آپ کے لئے آپ کے معبود کے عبادت کی اجازت دے دیں گے، جیسا کہ اللہ تعالی نے کہا ہے: ﴿ وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا (٧٤) إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ﴾[الاسراء: ٧٤، ٧٥] یہ دہن سے ماخوذ ہے بات میں نرمی کو تیل کی نرمی سے تشبیہ دی گئی ہے[2]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طواف کررہے تھے تو مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ[3] اور ولید ابن مغیرہ، اور امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی جو کہ اپنے قوم کے بزرگوں میں سے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکا اور کہا: اے محمد آؤ ہم تمہارے رب کی عبادت کرتے ہیں اور تم ہمارے رب کی عبادت کرو تو ہم اور تم ایک جیسے ہو جائیں

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٥٣)۔

(2) تفسیر ابن جریر الطبري (١٢/ ١٨٢)۔

(3) اسود بن مطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت ترین دشمنی رکھنے والوں میں سے تھا اور وہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں مرا۔

گے، اگر تمہارا رب اچھا ہو گا ہمارے رب سے تو ہم اپنا حصہ لے لیں گے اور اگر ہمارا رب تمہارے رب سے اچھا ہو گا تو تم اس سے اپنا حصہ لے لو گے، اس پر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل کی: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (1) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (2) وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (3) وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ (4) وَلَا أَنتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (5) لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (6)﴾ [الکافرون: ١-٦]۔

یعنی اگر تم اللہ کی عبادت اس وقت تک نہیں کرو گے جب تک کہ میں تمہارے معبودوں کی عبادت کروں تو تم سے اس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہارے لئے تمہارا پورا کا پورا دین اور میرے لئے میرا دین ہے[1]۔

اس طرح سے اللہ رب العالمین نے اس حتمی فیصلے کے ذریعے ان کے مضحکہ خیز سمجھوتے کو ختم کر دیا[2]۔

...شاید ان کا تصور مختلط تھا اور وہ اللہ تعالی کا دوسرے معبودوں کی عبادت کے ساتھ ساتھ اعتراف اس لئے کرتے تھے... شاید ان کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ محمد اور ان کے درمیان مسافت بہت کم ہے جس پر مفاہمت کی جا سکتی ہے اگر ایک شہر کو دو کر دیا جائے اور نصف راستے میں بعض شخصیات کو خوش کر کے ملاقات کر لیا جائے!۔

اسی شبہ کو ختم کرنے کے لئے اور اس کوشش کے راہ کو کاٹنے کے لئے اور دونوں عبادتوں، دونوں منہج اور دونوں تصور اور دونوں طریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے یہ سورت اس جزم اور تاکید اور تکرار کے ساتھ نازل ہوئی تاکہ ہر بات کو ختم کر دیں اور ہر سمجھوتے کو

([1]) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٤٠٠)۔
([2]) الرحیق المختوم ص ٨٥۔

ختم کر دیں اور توحید و شرک کے درمیان فرق واضح کر دیں اور واضح نشانیاں کھڑی کر دیں جس میں تھوڑی یا زیادہ کسی سمجھوتے کی گنجائش نہ ہو[1]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ جب مسجد میں بیٹھے تھے تو آپ ص کے کمزور ساتھی جیسے خباب، عمار اور ابوفکیہ یسار جو صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور ان جیسے مسلمان بھی آپ کے ساتھ بیٹھے تھے تو قریش کے لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے یہ دیکھو یہ ان کے ساتھی ہیں کیا ان پر اللہ تعالی نے ہمارے درمیان حق اور ہدایت دے کر احسان کیا ہے ؟! اگر جو محمد لے کر آئے ہیں وہ بھلائی کی بات ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اور اللہ تعالی ان کو ہمارے علاوہ اس کی خصوصیت نہیں دیتا اسی لئے اللہ تعالی نے ان کے بارے میں نازل فرمایا: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِّن شَيْءٍ ﴾ فرمان باری تعالی: ﴿ ثُمَّ تَابَ مِن بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ تک [الأنعام: ٥٢-٥٤][2]۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس چھ لوگ تھے تو مشرکوں نے نبی ﷺ سے کہا کہ انہیں دھتکار دو تاکہ یہ ہمارے اوپر جرأت نہ کر سکیں، وہ کہتے ہیں کہ میں تھا ابن مسعود تھے اور ہذیل قبیلہ کا ایک آدمی تھا اور بلال تھے اور دو لوگوں کا نام مجھے نہیں پتا ہے پھر اللہ کے رسول ﷺ کے دل میں وہ بات واقع ہوئی جو اللہ تعالی نے واقع کرنا چاہا، پھر آپ ﷺ نے اپنے آپ میں گفتگو کی

([1]) في ظلال القرآن (٦/ ٣٩٩١)۔

([2]) سيرة ابن هشام (٢/ ٦)۔

جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ ﴾۔[1]

❁❁❁

(1) صحیح مسلم - کتاب فضائل الصحابۃ - باب في فضل سعد بن أبي وقّاص - رضي اللہ عنہ - رقم الحدیث (۲۴۱۳) (٤٦) — صحیح ابن حبان - کتاب التاریخ - باب ذکر سُؤالِ المُشرکین رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - طرُدَ الفُقَراءِ عنہ - رقم الحدیث (٦٥٧٣)۔

قریش کا مسلمانوں پر ظلم

اللہ کے رسول ﷺ اللہ رب العالمین کی طرف دعوت دیتے رہے اور قریش کے لوگ آپ سے مایوس ہوگئے اور انہوں نے یہ جان لیا کہ یہ سارے اسالیب جو انہوں نے اسلامی دعوت کو روکنے اور اس کو ختم کرنے کے لئے اختیار کئے ہیں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے لہذا مشرکین کے سرداروں نے اجتماع کیا اور انہوں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ وہ اسلام اور اس کی طرف منسوب لوگوں کو روکنے کے لئے اب سختی اور قوت کا استعمال کریں گے لہذا انہوں نے تمام قبائل کی جانب اپنے احکام کو جاری کردیا کہ وہ نبی کی اتباع کرنے والوں پر عذاب اور تکلیف کا سلسلہ جاری کریں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد سارے قبیلے کے لوگ اپنے یہاں موجود مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے وہ انہیں باندھ کر رکھتے، انہیں مار کر تکلیف پہنچاتے انہیں بھوکا، پیاسا رکھتے وہ ایسا مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر گرمی کی شدت میں کیا کرتے تھے[1]۔

تو ان کی طرف سے یہ سختی مسلمانوں میں سے اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع کرنے والوں پر بہت سخت تھی انہیں سخت آزمائش کا سامنا ہوا، اللہ نے جسے چاہا ان میں سے انہیں محفوظ رکھا اور اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ بچایا۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:... پھر اللہ کے رسول ﷺ کی اللہ رب العالمین نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ سے حفاظت کی، کیوں کہ وہ مکہ میں ایک عظیم اور شریف آدمی تھے ان کی باتیں لوگ مانتے تھے اور مکہ والے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرکے آپ کو تکلیف پہنچانے کی جسارت نہیں کرسکتے تھے، اللہ رب العالمین کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی

([1]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۵٤)۔

کہ وہ اپنے قوم کے دین پر ہی تھے جس میں بہت ساری مصلحتیں موجود تھیں جو غور کرنے والوں کے لئے واضح ہیں۔[1]

● رسول ﷺ پر واضح طور پر ظلم کرنے والے:

رسول ﷺ اور تمام ایمان لانے والوں پر واضح طور پر ظلم کرنے والے یہ لوگ تھے:

۱-آپ کا چچا ابو لہب۔[2]

۲-آپ کے چچا کا بیٹا ابو سفیان بن حارث۔[3]

۳-عتبہ بن ربیعہ۔[4]

۴-شیبہ بن ربیعہ۔[5]

۵-عقبہ بن ابی معیط۔[6]

۶-ابو سفیان ابن حرب۔[7]

۷-حکم بن ابی العاص بن امیہ۔[8]

۸-نضر بن حارث۔[9]

۹-ابو البختر بن عاصی بن ہشام۔[1]

---

(1)زاد المعاد(۳/ ۱۹ - ۲۰)۔

(2)یہ غزوہ بدر کبری کے بعد کفر کی حالت میں فوت ہوا تھا۔

(3)یہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے اور ان کا اسلام اچھا رہا تھا۔

(4)یہ غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

(5)یہ غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

(6)یہ غزوہ بدر کبری میں قیدی بنائے گئے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہیں کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

(7)یہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

(8)یہ فتح مکہ میں اسلام لائے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

(9)یہ غزوہ بدر کبری میں قیدی بنائے گئے اور ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا چنانچہ انہیں کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

۱۰-ابو جہل بن ہشام۔[2]

۱۱-ولید بن مغیرہ۔[3]

۱۲-عاص بن وائل۔[4]

۱۳-امیہ ابن خلف۔[5]

۱۴-ابی بن خلف۔[6]

۱۴-اسود بن مطلب بن اسد۔[7]

۱۵-اسود بن عبد یغوث۔[8]

یہ لوگ مسلمانوں پر خوب سختی کرتے تھے اور ان کے ساتھ قریش کے سارے لوگ تھے لہذا وہ ایسے لوگوں کو عذاب دیتے تھے جن کا کوئی سہارا نہ تھا اور ان کو اپنی قوم سے کوئی پناہ حاصل نہ تھی اور کچھ لوگوں کو تکلیف دیتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: فاسق ابو جہل قریش کے لوگوں کو انہیں ستانے پر ابھارتا تھا جب بھی کسی کے اسلام لانے کی خبر سنتا تھا، اور اس کا مقام ہوتا اور اس کی قوت ہوتی تو اسے ذلیل کرتا اور اسے طعنے دیتا کہ تو نے اپنے باپ کے دین کو چھوڑ دیا جو کہ تم سے بہتر تھے ہم تیری خواہشات کو چکنا چور کر دینگے اور تمہاری رائے کو کمزور کر دیں گے اور تمہارے مقام کو گرا دیں گے اور اگر وہ

([1]) یہ غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیے گئے۔

([2]) یہ اس امت کا فرعون تھا جو غزوہ بدر کبری میں قتل کیا گیا کفر کی حالت میں اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

([3]) یہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوا۔

([4]) یہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوا۔

([5]) یہ غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیا گیا اس سے بلال رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

([6]) نبی ﷺ نے اسے غزوہ احد میں کفر کی حالت میں قتل کیا تھا اور یہ اکیلا شخص تھا جس نے نبی ﷺ نے قتل کیا۔

([7]) یہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوا تھا۔

([8]) یہ غزوہ بدر کبری سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوا تھا۔

تاجر ہوتا تھا تو وہ کہتا تھا کہ ہم تیرے تجارت کو برباد کردیں گے اور تیرے مال کو ہلاک کردیں گے اور اگر ضعیف ہوتا تو اسے مارتا اور اس کے پیچھے لوگوں کو ابھارتا۔[1]

● عذاب اور پریشانی کی چند صورتیں:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے بسند صحیح ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ سات لوگ تھے: اللہ کے رسول ﷺ، ابو بکر، عمار، ان کی ماں سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد اور اللہ کے رسول ﷺ کی حفاظت اللہ رب العالمین نے آپ کے چچا کے ذریعہ سے کی اور ابو بکر کی حفاظت اللہ رب العالمین نے ان کی اپنی قوم کے ذریعے سے کی اور باقی لوگوں کو مشرکین نے پکڑا اور انہیں لوہے کی زرہیں پہنائیں اور انہیں سورج کے نیچے جلنے کے لئے چھوڑ دیا تو ان میں سے جو بھی تھے جو ان لوگوں نے چاہا سبھی لوگوں نے ان کے اس موقف پر موافقت ظاہر کی سوائے بلال کے، انہیں اللہ رب العالمین کی خاطر اپنے نفس کی پرواہ نہ تھی اور وہ اپنے قوم کی سلسلے میں بے وقعت ثابت ہوئے انہوں نے انہیں لے کر بچوں کے حوالے کردیا یا جو انہیں مکہ کی گھاٹیوں میں لے کر پھرا کرتے تھے اور وہ احد، احد کہا کرتے تھے۔[2]

● عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عذاب:

عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کے چچا حکم بن ابی العاص لیتے تھے اور انہیں مضبوط رسی میں باندھ دیتے اور کہتے تھے کیا تم اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر محمد کا نیا دین اپناؤ گے؟

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۵۷)۔

(2) مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (۳۸۳۲) - سنن ابن ماجہ - مقدمۃ - رقم حدیث (۱۵۰)۔

اللہ کی قسم میں اس وقت تک تمہیں نہیں کھولوں گا جب تک کہ تم اس نئے دین کو چھوڑ نہ دو، تو عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کہتے: اللہ کی قسم میں اسے کبھی بھی چھوڑوں گا اور نہ ہی اس سے الگ ہوں گا جب حکم نے یہ دیکھا کہ وہ اس بارے میں سخت ہیں تو انہیں چھوڑ دیا۔[1]

● زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا عذاب:

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹتے تھے اور اس میں آگ کا دھواں دیتے تھے اور کہتے تھے کہ زبیر تم کفر کی جانب لوٹ آؤ اور زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں میں کبھی بھی کفر نہ کروں گا۔[2]

● زنیرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا عذاب دیا جانا:

جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان میں سے ایک خاتون تھیں جنہیں زنیرہ -رضی اللہ عنہا- کہا جاتا تھا، انہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے آزاد کیا تھا آزاد کئے جانے کے وقت ان کی بینائی چلی گئی تھی اس پر قریش کے لوگوں نے کہا تھا کہ اس کی بینائی لات اور عزیٰ نے ختم کی ہے اس نے کہا: اللہ کی قسم ان لوگوں نے جھوٹ کہا لات وعزیٰ نہ تو نفع پہنچاتے ہیں نہ نقصان اسی وقت اللہ رب العالمین نے آپ کی بینائی لوٹا دی۔[3]

---

(1) الطبّقات الكُبرى (٣/ ٣١)۔

(2) مستدرک الحاکم - کتاب معرفة الصحابة رَضِيَ اللهُ عَنهُم - باب کان عَمُّ الزُّبير يُعلق الزبير في حصير - رقم حديث (٥٦٠١) - حلية از أبو نعيم (١/ ١١٣) — اور یہ مرسل صحیح ہے۔

(3) سيرة ابن هشام (١/ ٣٥٥) - البداية والنهاية (٣/ ٦٤) - دلائل النبوة از بيهقي (٢/ ٢٨٣)۔

● مصعب بن عمیر ﷛ کا عذاب:

مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کی جہاں تک بات ہے تو آپ کے بارے میں ابن سعد نے طبقات میں روایت کیا ہے کہ مصعب بن عمیر ؓ مکہ میں بہت اچھے اور خوبصورت نوجوان تھے اور آپ کے والدین آپ سے کافی محبت کیا کرتے تھے اور اور آپ کی والدہ کے پاس کافی مال و دولت تھی وہ آپ کو سب سے بہترین اور نرم لباس پہنایا کرتی تھیں اور وہ مکہ میں سب سے زیادہ خوشبو والے تھے اللہ کے رسول ﷺ ان کا ذکر کرتے اور کہتے تھے میں نے مکہ میں خوبصورت سر کے بالوں والا اور سب سے نرم جوڑے اور سب سے زیادہ نعمت میں پلا بڑھا مصعب بن عمیر ؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا، جب انہیں یہ بات پہنچی کہ اللہ کے رسول ﷺ دار ارقم بن ابی ارقم میں لوگوں کو اسلام کی جانب دعوت دے رہے ہیں تو وہ آپ کے یہاں گئے اور آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور آپ کی سچائی کو تسلیم کیا پھر وہ نکلے اور اپنے اسلام کو وہ چھپا کر رکھے اپنی والدہ اور اپنے قوم کے ڈر سے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس چپکے چپکے جایا کرتے تھے تو انہیں عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور آپ کی قوم اور آپ کی والدہ کو ان کی خبر دے دی تو انہوں نے انہیں پکڑا اور باندھ دیا اور وہ اس وقت تک باندھے رکھے گئے جب تک کہ وہ پہلی ہجرت میں حبشہ کی جانب نہ نکل گئے پھر وہ مسلمانوں کے ساتھ واپسی کے موقع پر واپس آ گئے اس وقت ان کی حالت بالکل بگڑ چکی تھی اور بہت ہی موٹی جلد والے ہو گئے تھے اور آپ کی ماں نے آپ سے خرچہ روک لیا۔ (1)

● نہدیہ اور ان کی بیٹی کا عذاب:

جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان میں سے ایک عورت تھیں جن کو نہدیہ کہا جاتا تھا اور اس کی بیٹی کو بھی عذاب دیا گیا تھا، وہ دونوں بنو عبد الدار کے عورت کی غلام تھیں، ابو بکر صدیق رضی اللہ

---

(1) الطبقات الکبری لابن سعد (۳/ ٦٢)۔

تعالی عنہ ان کے پاس سے اس وقت گزرے جبکہ ان دونوں کی مالکن نے انہیں اپنا آٹا لینے کے لیے بھیجا تھا وہ کہہ رہی تھی: اللہ کی قسم میں تم دونوں کو کبھی آزاد نہ کروں گی ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: اے ام فلاں تم اپنی قسم کو واپس لے لو انہوں نے کہا: واپس لے لوں؟، تم نے ہی ان دونوں کو خراب کیا ہے تو تم ہی انہیں آزاد کرو، انہوں نے کہا کہ: میں نے انہیں خرید لیا اور اب یہ دونوں آزاد ہیں۔[1]

● سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کا عذاب:

اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ اسلام لانے سے پہلے سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کو باندھ دیتے تھے اور انہیں ان کے اسلام کی وجہ سے تکلیف دیتے تھے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم مجھے ابھی بھی یاد ہے کہ عمر مجھے اسلام کی وجہ سے اپنے اسلام لانے سے پہلے باندھ دیا کرتے تھے۔[2]

● بنو مؤمل کی لونڈی کا عذاب:

جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان لوگوں میں سے بنو مؤمل کی ایک لونڈی بھی تھی بنی مؤمل یہ بنو عدی بن کعب کی ایک بستی تھی اسے عذاب دینے والے عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ تھے جب وہ شرک کی حالت میں تھے تو اسے عذاب دیا کرتے تھے یہاں تک کی خود تھک جاتے اور پھر

([1]) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٥٥)۔ البدایۃ والنھایۃ (٣/ ٦٤)۔ سبل الھدی والرشاد (٢/ ٣٦١)۔

([2]) صحیح البخاري - کتاب مناقب الأنصار - باب إسلام سعید بن زید - رضي اللّٰہ عنہ - رقم حدیث (٣٨٦٢)۔

اسے کہتے تھے کہ میں ابھی تجھے چھوڑ رہا ہوں، میں تجھے صرف تھک جانے کی وجہ سے چھوڑ رہا ہوں وہ کہتی کہ اللہ رب العالمین بھی تمہارے ساتھ اسی طرح سے کرے۔[1]

● بلال رضی اللہ تعالی عنہ کا عذاب:

اور بلال بن رباح رضی اللہ تعالی عنہ بنو جمح کے کچھ لوگوں کے غلام تھے، ان کا سردار امیہ بن خلف تھا- اللہ تعالی کی اس پر لعنت ہو- ان کو دوپہر کے وقت اس وقت نکالتا جب سورج کی تپش گرم ہو جاتی تو انہیں ان کے پیٹ کے بل مکہ کی ریت پر لٹا دیتا اور پھر بڑا پتھر لانے کا حکم دیتا اور اس کو ان کے سینے پر رکھ دیا جاتا اور وہ ان سے کہتا کہ تم اسی طرح رہو گے یہاں تک کہ مر جاؤ یا محمد کا انکار کر و اور لات و عزیٰ کی عبادت شروع کر دو تو وہ اس سخت آزمائش کی حالت میں بھی کہتے: احد احد۔[2]

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ اللہ سے مناجات کی لذت میں اس عذاب کی پریشانی کو بھول جاتے تھے، اور جنت کی امید میں دنیا کی سختی کو بھول جاتے تھے۔[3]

● ایک ضعیف روایت:

رہی بات اس روایت کی جسے ابن اسحاق نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ورقہ بن نوفل ان (یعنی بلال) کے پاس سے گزرتے تھے، جب کہ انہیں عذاب دیا جاتا تھا تو وہ احد احد کہہ رہے ہوتے تھے، ... تو ورقہ امیہ بن خلف سے کہتے کہ اگر تم نے انہیں اسی حالت (حالت اسلام) پر قتل کر دیا تو ہم ان کی قبر کو تبرک اور رحمت کی جگہ بنا لیں گے۔

([1]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۵۶)- البدایۃ والنھایۃ (۳/ ٦٤)- سبل الھدی والرشاد (۲/ ۳٦۱)۔

([2]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۵٤)- زاد المعاد (۳/ ۲۰)۔

([3]) کتاب رجال من التاریخ از شیخ علي طنطاوي رَحِمَهُ اللّٰہ تَعَالَیٰ ص ۱٤۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: یہ محل نظر ہے۔[1]

اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہے، کیونکہ اگر ورقہ نے یہ پایا ہے تو وہ صحابہ میں شمار ہوں گے جب کی وہ نبوت کے بعد وحی کے رک جانے کے زمانے میں فوت ہوئے تھے رسالت سے پہلے جیساکہ صحیح حدیث میں موجود ہے۔[2]

● آل یاسر کا عذاب:

عمار بن یاسر، ان کی والدہ اور ان کے والد رضی اللہ عنہم ان کمزور لوگوں میں سے تھے جن کو مکہ میں ان کے دین سے واپس کرنے کی خاطر عذاب دیا جاتا تھا، بنو مخزوم کے لوگ جن میں سرفہرست ابو جہل - لعنہ اللہ - تھا، انہیں زمین کی شدید تپش کے وقت مکہ کی وادیوں کی طرف نکال کر لے جاتے اور انہیں وہاں پر اس کی گرمی سے عذاب دیتے، اس وقت ان سے ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کا گزر ہوا اور وہ عذاب دیئے جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے آل یاسر صبر کرو تمہارا موعد جنت ہے۔[3]

یاسر عذاب میں فوت ہو گئے، رہی بات سمیہ کی جو عمار کی والدہ تھیں تو انہیں ابو جہل - لعنہ اللہ - نے شرم گاہ میں ایک نیزہ مارا تھا جس کی وجہ سے وہ فوت ہو گئی تھیں اور یہ اسلام میں سب سے پہلی شہید تھیں۔[4]

---

(1) البداية والنهاية (٣/ ٦٤)۔

(2) سير أعلام النبلاء (١/ ٣٥٢)۔

(3) مستدرک الحاکم - کتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم - باب إيذاء الكفار آل ياسر - رقم حديث (٥٦٩٦) - وقال: صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجه، ووافقه الذهبي - والبيهقي في دلائل النبوة (٢/ ٢٨٢)۔

(4) (٢) انظر البداية والنهاية (٣/ ٦٥) - دلائل النبوة للبيهقي (٢/ ٢٨٢) - سيرة ابن هشام (١/ ٣٥٧)۔

اور عمار رضی اللہ تعالی عنہ کو ابو جہل نے طرح طرح کے عذاب دیئے کبھی جلا کر تو کبھی ڈبو کر اور مشرکوں نے انہیں اتنا عذاب دیا کیا آپ نے نبی ﷺ کو برا بھلا کہہ دیا اور ان کے معبودوں کی تعریف کی جس سے انہوں نے انہیں چھوڑ دیا، پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس روتے ہوئے آئے اور آپ نے ان کے آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: کیا ہوا تمہیں؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ بہت برا ہوا، مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہیں کہا اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم اپنے دل کو کیسا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ: ایمان سے مطمئن ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ دوبارہ ایسا کرے گا تو تم پھر ایسا ہی کرنا اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ [النحل: ١٠٦]۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسے مجبور کیا جائے وہ اپنے روح کو بچانے کے لیے کفریہ بات کہہ سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ قتل کو ترجیح دے، جیسا کہ بلال رضی اللہ تعالی عنہ کیا کرتے تھے اور طرح طرح ستانے کے باوجود بھی وہ ان کی بات نہیں مانتے تھے یہاں تک کہ ان کے اوپر بڑا سا پتھر سخت گرمی کی حالت میں رکھتے تھے اور ان کو حکم دیتے تھے کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کریں مگر وہ ان کی بات نہ مانتے تھے وہ کہتے تھے احد احد اور وہ کہتے تھے کہ اگر میں کوئی اور کام جانتا جس سے تم کو اور غصہ آئے تو میں وہ کلمہ بھی کہتا اللہ رب العالمین ان سے راضی ہو اور وہ اللہ رب العالمین سے راضی ہوں، اسی طرح حضرت حبیب بن زید انصاری

([1]) یہ خبر امام حاکم نے مستدرک میں کتاب التفسیر باب تفسیر سورۃ النحل حدیث نمبر (٣٤١٣) پر نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث شیخین کے شرط پر صحیح ہے اور انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
اور حافظ نے فتح الباری (١٢/ ٢٧٨) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ مرسل روایت ہے اس کے رجال ثقات ہیں اور انہوں نے اسے کئی مرسل طرق سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے یہ مرسل روایتیں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں۔

رضی اللہ تعالی عنہ [1] کو جب مسیلمہ کذاب نے کہا کہ : کیا تو یہ گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟ تو آپ نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تو انہوں نے کہا: میں نے نہیں سنتا، تو وہ ان کا ایک ایک حصہ کاٹتا رہا اور وہ اپنے قتل تک اس بات پر ثابت قدم رہے۔

پھر امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں افضل اور زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے دین پر قائم رہے اگرچہ اسے قتل کر دیا جائے۔ [2]

● ابو فکیہہ [3] رضی اللہ عنہ کا عذاب:

بنو عبدالدار کے لوگ ابو فکیہہ رضی اللہ تعالی عنہ کو دوپہر کے وقت سخت گرمی میں نکالا کرتے تھے ہیں اور وہ لوہے سے قید کئے گئے ہوتے تھے اور انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا اور ان پر ایک پتھر رکھ دیا جاتا یہاں تک کہ ان کی عقل ختم ہو جاتی تھی وہ اسی طرح سے برداشت کرتے رہے یہاں تک کہ دوسری ہجرت کے حبشہ چلے گئے۔ [4]

([1]) یہ حبیب بن زید انصاری خزرجی ہیں جو عقبہ کے وقت شریک ہوئے تھے اور انہوں نے احد خندق اور نبی ﷺ کے ساتھ دیگر غزوات میں بھی شرکت کی تھی اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں صاحب یمامہ مسیلمہ کتاب کی جانب بھیجا تھا چنانچہ مسیلمہ جب ان سے کہتا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو وہ کہتے ہیں ہاں اور جب کہتا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو وہ کہتے میں بہرا ہوں مجھے سنائی نہیں دیتا انہوں نے جب ایسا ہی کئی مرتبہ کیا تو مسیلمہ نے انہیں ایک ایک عضو کر کے کاٹ دیا یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے اللہ تعالی ان سے راضی ہو، دیکھئے: أسد الغابة (١/ ٤٢١)۔

([2]) تفسیر ابن کثیر (٤/ ٦٠٦)۔

([3]) ان کا نام یسار رضی اللہ عنہ ہے یہ اللہ کی خاطر بہت عذاب دیئے جاتے تھے چنانچہ انہیں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا اور وہ دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کر کے گئے تھے اور وہ غزوہ بدر کبری سے پہلے شہید ہوئے دیکھیے: الإصابة (٧/ ٢٦٨)۔

([4]) الطبقات الکبری (٤/ ٣٨٠)۔

● خالد بن سعید بن عاص کا رضی اللہ عنہ کا عذاب:

جن لوگوں کو عذاب دیا گیا ان میں خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ تعالی عنہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کو لازم پکڑے ہوئے تھے اور وہ مکہ کے اطراف میں اکیلے نماز پڑھتے تھے ان کے بارے میں ابو اُحیحہ کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں بلایا اور کہا آپ جو کر رہے ہیں اسے چھوڑ دیں، خالد نے کہا کہ مرتے دم تک محمد کے دین کو نہیں چھوڑوں گا پھر ابو احیحہ نے اپنے ہاتھ میں موجود کمان سے انہیں مارا، یہاں تک کہ وہ ان کے سر پر ٹوٹ گیا پھر انہیں قید کئے جانے اور ان پر تنگی کئے جانے اور بھوکے پیاسے رکھنے کا حکم دیا یہاں تک کہ وہ مکہ کی گرمی میں تین دن تک بغیر پانی کے رہے اسی درمیان خالد نے ایک سوراخ دیکھی اور وہاں سے نکل گئے اور اپنے والد کے پاس سے غائب ہو کر مکہ کے کناروں اور اطراف میں چلے گئے اور وہیں سے وہ دوسری ہجرت میں حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ (1)

● صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا:

صحابہ کرام میں سے جو کمزور لوگ مکہ میں عذاب دیئے جاتے تھے ان میں صہیب بن سنان رومی بھی تھے۔

ابن سعد نے اپنی طبقات میں عروہ ابن زبیر سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ ان کمزور مومنوں میں سے تھے جنہیں مکہ میں عذاب دیا جاتا تھا۔ (2)

---

(1) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (٤/ ٣٦٦)۔

(2) الطبقات الکبریٰ لابن سعد (٣/ ١٢١)۔

● سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اپنی والدہ کے ساتھ آزمائش:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ سے ان کی والدہ[1] نے یہ حلف لے لیا تھا کہ میں ان سے اس وقت تک بات نہ کروں گی جب تک کہ وہ اپنے دین سے کفر نہ کریں ان سے انہوں نے کہا تھا کہ: تمہارا یہ کہنا ہے کہ اللہ نے تمہیں اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ہے ہے اور میں تمہاری ماں ہوں اور میں تمہیں اس کا حکم دیتی ہوں کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دو ورنہ میں نہ کھاؤنگی نہ پیونگی یہاں تک کہ مر جاؤں، پھر تمہیں اس کی عار دی جائے گی اور تمہیں اپنی ماں کا قاتل کہا جائے گا، تو سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اے میری ماں تم ایسا کچھ نہ کرو کیونکہ میں اپنا یہ دین کسی چیز کی وجہ سے نہ چھوڑوں گا، اس پر ان کی والدہ تین دن تک بغیر کھائے پیئے رہ گئیں یہاں تک کہ مشقت کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہو گئی، جب انہوں نے ایسا دیکھا تو کہا: اے میری ماں اللہ کی قسم اگر تیرے پاس سو جان ہوتی اور ہر ایک جان نکل جاتی تو بھی میں اس کی وجہ سے اپنے دین کو نہیں چھوڑتا، اگر تم چاہو تو کھاؤ اور اگر چاہو تو نہ کھاؤ، جب انھوں نے ان سے اس طرح کی سختی دیکھی تو انہوں نے کھانا کھالیا، اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ ﴾ [العنكبوت: ٨] اور یہ بھی فرمایا: ﴿ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ ﴾ [لقمان: ١٥]۔[2]

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (٤/ ١٢) میں کہتے ہیں: ام سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کا نام حمنہ تھا حا کے زبر اور میم کے سکون کے ساتھ جو کہ سفیان ابن امیہ کی صاحبزادی تھیں اور یہ ابی سفیان ابن حرب کے پچیری بہن تھیں اور مجھے کوئی بھی خبر اس طرح نظر نہیں ائی جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا۔

([2]) صحيح مسلم - كتاب فضائل الصحابة رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ - باب فضل سعد بن أبي وقاص رضي اللهّ عنه - رقم حديث (٢٧٤٨)۔

● خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا عذاب:

صحابہ میں سب سے سخت عذاب کا سامنا خباب بن ارت رضی اللہ تعالی عنہ کو کرنا پڑا وہ مکہ میں کمزور تھے انہوں نے اپنے بارے میں کہا ہے کہ: مجھے معلوم ہے ایک دن مجھے لوگوں نے پکڑا اور میرے لئے آگ جلایا پھر مجھے اس میں ڈال دیا اور پھر ایک شخص نے اپنا پیر میرے سینے پر رکھا جس پر میں نے زمین پر اپنا پیٹھ رکھ کر سہارا لیا پھر جب ان کے پیٹھ کو کھولا گیا تو گویا ان کی پیٹھ برص کا شکار ہو گئی۔[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لوگ ان کو جلانے کے لئے آگ جلایا کرتے تھے جس سے ان کے پیٹھ کی چربی بجھایا کرتی تھی۔[2]

اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں بسند صحیح حارثہ بن مضرب سے روایت کیا ہے کہ میں خباب پر داخل ہوا اور ان کے پیٹ کو جلا دیا گیا تھا، انہوں نے کہا: یہ میں نہیں جانتا کہ نبی کے اصحاب میں سے کسی کو بھی اس طرح سے عذاب دیا گیا جیسا کہ مجھے دیا گیا۔[3]

اور جب علی ابن ابی طالب ان کے قبر کے پاس سے گزرے جب وہ صفین سے واپس ہو رہے تھے تو کہا اللہ رب العالمین کی رحمت ہو خباب پر جنہوں نے رغبت کے ساتھ اسلام قبول کیا اطاعت کرتے ہوئے ہجرت کی، مجاہد کی زندگی گزاری اور اپنے جسم میں کئی سالوں تک تکلیف دیئے گئے، اللہ رب العالمین ان کی نیکیوں کو ضائع نہیں کرے گا۔[4]

---

(1) سنن ابن ماجه-المقدمة-باب فضائل خباب-رقم حديث (١٥٣) —اور اس کی إسناد صحیح ہے —اور طبقات ابن سعد (٣/ ٨٨).

(2) حلية الأولياء لأبي نعيم (١/ ١٩٥)۔

(3) جامع ترمذي-كتاب الجنائز-باب ماجاء في النهي عن التمني للموت-رقم حديث (٩٧٠)-اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اسے حدیث نمبر (١٠٣٠) پر نقل کیا ہے، اور اس حدیث کی اصل صحیح بخاري کتاب المرضی- باب تمنی المریض الموت-رقم الحدیث (٥٦٧٢) اور صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء-باب تمني کراهة الموت-رقم حديث (٢٦٨١) میں ہے۔

(4) تحفة الأحوذي (٤/ ١٣)۔

عذاب دیئے گئے لوگوں کی فہرست بہت لمبی ہے اور بہت ہی تکلیف دہ ہیں ہے جن لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا اور قریش کے لوگوں کو ان کے اسلام کی خبر معلوم ہوئی تو انہوں نے ان کو روکا اور انہیں تکلیف دی۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ : انہوں نے اللہ رب العالمین کے راستے میں ہر طرح کی مار، زخم، جلانا، بھوک، رات کو جاگنا برداشت کیا، اور انہوں نے اللہ رب العالمین کے راستے میں ساری پریشانیاں برداشت کیں اور انہوں نے بعض نا پسندیدہ چیزوں کو پسند کیا کیونکہ اس سے انہیں اللہ رب العالمین کی رضامندی حاصل ہوئی۔ [1]

پھر بھی قریش کے لوگ صحابہ کو ان کے دین سے پھیرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔

شاید سب سے پہلے جو غور کرنے والے کے ذہن میں بات آئے وہ یہ ہو کہ جب وہ دیکھیں کہ آپ ﷺ اور صحابہ نے کس قدر سختیاں برداشت کیں تو وہ سوال کرے کہ جب وہ حق پر تھے تو نبی ﷺ اور صحابہ کو یہ عذاب کیوں برداشت کرنی پڑی اور کیوں اللہ رب العالمین نے انہیں محفوظ نہیں رکھا، جب کہ وہ اللہ رب العالمین کے لشکر تھے اور ان میں اللہ کے رسول بھی تھے جو اللہ کے دین کی جانب بلاتے تھے وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے تھے ؟۔

اس کا جواب یہ ہے تاکہ سچے لوگوں کا سچ ظاہر ہو جائے اور جھوٹوں کا جھوٹ ظاہر ہو جائے ، اگر لوگ اسلام کے دعوے پر چھوڑ دیئے جاتے اور اپنے زبانی اللہ کی محبت کو ظاہر کرنے پر چھوڑے جاتے تو جھوٹا اور سچا سارے برابر ہو جاتے لیکن فتنہ اور آزمائش یہ دونوں وہ میزان اور ترازو ہیں جن سے سچا جھوٹے سے الگ ہو جاتا ہے۔ [2]

❀❀❀

([1]) کتاب رجال من التاریخ از شیخ علي طنطاوي رَحِمَہُ اللہُ تَعَالَی ص ١٤ ۔

([2]) فقه السیرة از بوطي (٧٧ - ٧٨)۔

حضرت ابو بکر کا بے سہاروں کو آزاد کرانا

آزادی دینے والے اور اہل ایمان میں سے کمزوروں کو آزاد کرنے والے وہ تھے، جو اپنی قوم میں بے سہاروں کو سہارا دینے والے، صلہ رحمی کرنے والے مہمان نوازی کرنے والے اور حاجتمندوں[1] کی ضرورت پوری کرنے والے جیسی صفات سے جانے جاتے تھے، اور وہ زمانہ جاہلیت میں بھی برائی سے دور رہتے تھے، اپنی قوم میں محبوب تھے، کمزوروں اور غلاموں کے لئے آپ کا دل بہہ پڑتا تھا، اپنے مال کا بڑا حصہ انہوں نے غلاموں کو خرید کر انہیں اللہ کے لئے آزاد کرنے میں صرف کیا، غلاموں کے وہ آزاد کرنے والے اس امت کے صدیق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے[2]۔

●ابو بکر کے آزاد کردہ لوگوں میں درج ذیل صحابہ تھے:

۱-بلال بن رباح رضی اللہ عنہ:

ابن اسحاق نے نقل کیا ہے کہ ابو بکر صدیق کا گذر امیہ بن خلف -اس پر اللہ کی لعنت ہو- کے پاس سے ہوا وہ بلال کو اذیت دے رہا تھا، ابو بکر نے اس سے کہا: کیا اس مسکین کے سلسلے میں تو اللہ سے نہیں ڈرتا؟ کب تک ستاتا رہے گا؟۔

اس نے کہا: تم نے ہی اسے خراب کیا ہے، تو تم اسے جس طرح بھی ممکن ہو بچالو، ابو بکر نے کہا: میں ایسا ہی کروں گا، میرے پاس ایک کالا غلام ہے جو اس سے زیادہ طاقتور اور محنتی ہے، وہ بھی تمہارے دین کا ماننے والا ہے میں اسے تمہارے حوالے کر دیتا ہوں۔

---

(1)ان صفات سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شہرت سے متعلق، دیکھیے: صحیح البخاري-کتاب مناقب الأنصار-باب هجرة النبي-صلى الله عليه وسلم-وأصحابه إلى المدينة-رقم حديث (٣٩٠٥)۔

(2)السيرة النبوية (١/ ٣٤٥) للدكتور محمد أبو شهبة رحمه الله۔

امیہ نے کہا مجھے منظور ہے۔ابو بکر نے کہا: وہ تمہارا ہو گیا، ابو بکر نے اپنا وہ غلام اس کے حوالے کر کے بلال کو اپنے پاس لے لیا اور انہیں آزاد کر دیا[1]۔

اور مسند مسدد[2] میں معمر بن ابی ہند کے واسطے سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ: بلال ابو جہل کے کچھ یتیموں کے پاس تھے، اس نے انہیں اذیت پہونچائی ابو بکر نے ایک شخص کو بھیج کر اس سے کہا: بلال کو خرید کر آزاد کر دو[3]۔

اور مصنف ابن ابی شیبہ میں صحیح سند سے قیس ابن ابی حازم سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ابو بکر نے بلال کو پانچ اوقیہ میں خریدا، لوگوں نے ان سے کہا کہ اگر آپ ایک بھی اوقیہ دیتے تو بھی ہم اسے تم سے بیچ دیتے آپ نے کہا: اگر تم ان کی قیمت سو اوقیہ بھی لگاتے تو بھی میں انہیں خرید لیتا[4]۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ: دونوں قصوں کے درمیان اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ: امیہ بن خلف اور ابو جہل دونوں انہیں ستایا کرتے تھے اور دونوں ان کے مشترکہ طور پر مالک تھے[5]۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عمر بن خطاب کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ: ابو بکر ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہی ہمارے سردار یعنی بلال کو آزاد کیا تھا[1]۔

([1]) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٥٥)۔

([2]) یہ امام حافظ حجت مسدد بن مسرحد ہیں جو عالم حدیث میں سے ایک عالم تھے یہ ١٥٠ ہجری کے قریب پیدا ہوئے اور ٢٢٨ ہجری میں اپ کی وفات ہوئی اور یہ امام بخاری ابو داؤد اور ابو زرعہ وغیرہ کے شیخ ہیں دیکھیے: أعلام النبلاء (١٠/ ٥٩١)۔

([3]) اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (٥/ ١٦١) میں نقل کیا ہے۔

([4]) اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں تخریج کیا ہے، حدیث نمبر (٣٧٧٤٤) اور اسے حافظ نے فتح الباری (٧/ ٤٧٠) میں نقل کیا ہے اور اس کے سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اوقیہ: (ہمزہ کے پیش کے ساتھ ہے) جو کہ ٤٠ درہم کے برابر ہوتا ہے یعنی انہوں نے اپ کو ابو جہل سے ٢٠٠ درہم دے کر خریدا تھا، دیکھئے: النھایۃ (١/ ٨٠)۔

([5]) فتح الباري (٥/ ١٦٢)۔

۲-ابو فکیھہ: کو بھی آپ نے خرید کر آزاد کیا۔

۳-عامر بن فہیرہ کو آپ نے خریدا اور اللہ کی رضا کے لئے آزاد کر دیا اور وہ غزوہ بدر اور احد میں شریک رہے اور وہ بئر معونہ کے اندوہناک حادثے میں سنہ چار ہجری میں شہید کئے گئے۔

۴-زنیرہ کو بھی آپ نے خریدا اور آزاد کیا۔

۵-بنو مؤمل کی لونڈی جسے عمر بن خطاب قبل از اسلام ستایا کرتے تھے ان کو بھی آپ نے خرید کر آزاد کیا۔

۶-نہدیہ اور ان کی بیٹی: یہ دونوں بنو عبد الدار کے ایک خاتون کی ملکیت میں تھیں آپ کا گذران کے پاس سے ہوا تو انہیں خرید کر آزاد کر دیا[2]۔

● میں صرف اللہ کی خوشنودی چاہتا ہوں:

ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے اس عمل سے نہ کسی کی تعریف چاہتے تھے نہ جاہ اور نہ ہی کوئی اور دنیاوی غرض وغایت وہ صرف اللہ کی رضا چاہتے تھے۔

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں عبداللہ بن زبیر کے طریق سے حسن سند سے نقل کیا ہے کہ ابو بکر کے والد ابو قحافہ نے کہا کہ: اے میرے فرزند میں آپ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ کمزور غلاموں کو آزاد کر رہے ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ طاقت ور لوگوں کو آزاد کرتے تاکہ وہ تمہاری مدد کریں اور تمہارا دفاع کریں؟

ابو بکر نے کہا: اے میرے والد میرا یہ کام کرنے سے میرا خاص مقصد ہے، اللہ نے انہیں کے بارے میں یہ فرمان نازل فرمائی: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝٥ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝٦

---

(1) صحيح البخاري-كتاب المناقب-باب مناقب بلال بن رباح-رضي اللہ عنہ-رقم حديث (٣٧٥٤)۔

(2) ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلاموں کو آزاد کرنے سے متعلق تفصیل دیکھیے: سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٥٥)-والبداية والنهاية (٣/ ٦٤)-زاد المعاد (٣/ ٢١)۔

فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ ﴿١٠﴾ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ ﴿١١﴾ إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضَىٰ ﴿٢١﴾ [الليل :٥-٢١][1]۔

حافظ ابن کثیر ان آیات کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ : کئی ایک مفسرین نے کہاہے کہ یہ آیت ابو بکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی ہے بعض لوگوں نے اس پر مفسرین کا اجماع بھی نقل کیاہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس میں داخل ہیں اور سب سے زیادہ اس کے عموم کے حق دار آپ ہی ہیں، کیونکہ اس کا لفظ عموم کا لفظ ہے، جو کہ فرمان باری تعالی میں ہے: ﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾﴾ [الليل : ١٧-١٩] لیکن وہ اس امت میں سب سے آگے ہیں، اور ان تمام اوصاف اور دیگر اچھے اوصاف میں سب سے پہلے ہیں، اس لئے کہ وہ صدیق تھے، صاف دل تھے، کریم تھے سخی تھے، اللہ کی اطاعت میں اور نبی کی مدد کے لئے اپنے مال کو خرچ کرنے والے تھے، آپ نے بہت سے دینار و درہم اللہ کی طاعت اور نبی کی نصرت کے خاطر خرچ کیں، کسی کا ان پر ایسا کوئی احسان نہیں تھا جس کا چکانا باقی رہا ہو، جبکہ آپ نے قبیلوں کے سرداروں اور رئیسوں پر بھی احسان کیا تھا، اسی لئے ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود ثقفی[2] نے آپ سے صلح حدیبیہ کے دن کہا تھا (یہ اب تک

([1]) مستدرک حاکم - کتاب التفسیر - باب تفسیر سورۃ {وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ} - رقم حدیث (٣٩٩٧) - فضائل الصحابۃ از امام احمد - رقم حدیث (٦٦) - السیرۃ از ابن اسحاق (١/ ٣٥٦)۔

([2]) یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں جو اپنی قوم کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور یہ وہی ہیں جنہیں اللہ تعالی نے قران میں سورہ زخرف کی ایت نمبر 31 {وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ} میں کافروں کی زبانی کہی گئی بات میں مراد لیاہے اور دو لوگوں سے مقصود مکہ میں ولید ابن مغیرہ اور طائف میں سے عروہ ابن مسعود تھے یہ غزوہ طائف کے بعد سنہ اٹھ ہجری میں اسلام لائے اور انہوں نے نبی ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جائیں اور انہیں اسلام کی دعوت دیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں کہا کہ

مسلمان نہ ہوئے تھے)، اللہ کی قسم اگر آپ کا مجھ پر احسان نہ ہوتا (جسے میں چکا نہیں سکا ہوں) تو میں تمھیں ضرور جواب دیتا[1]، صدیق اکبر نے ان سے سختی سے بات کی تھی، جب یہ عرب کے سرداروں اور قبائل کے رئیسوں کے ساتھ ان کا معاملہ تھا، تو ان کے علاوہ پر کتنا احسان رہا ہوگا۔

اسی لئے اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُۥ مِن نِّعۡمَةٖ تُجۡزَىٰٓ ﴿19﴾ إِلَّا ٱبۡتِغَآءَ وَجۡهِ رَبِّهِ ٱلۡأَعۡلَىٰ ﴿20﴾ وَلَسَوۡفَ يَرۡضَىٰ ﴿21﴾﴾[2]۔

● سب سے پہلے بآواز بلند قرآن کی تلاوت کرنے والے:

صحابہ کے ساتھ پیش آنے والی آزمائشوں کے باوجود ان میں اللہ کی طرف بلانے کا جذبہ کافی تھا، مگر پھر وہ اپنے اندر قریش کی ایذا رسانیوں کی ڈر سے قرآن کو بآواز بلند پڑھنے کی ہمت نہیں کرپاتے تھے، مکہ میں سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کے بعد بآواز بلند قرآن پڑھنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے، جو کہ بہت ہی دبلے پتلے اور کمزور تھے مگر اللہ کے یہاں ان کا بڑا مقام ہے قیامت کے روز میزان میں احد سے بھی زیادہ بھاری ہوں گے[3]۔

مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ اپ کو قتل کردیں گے چنانچہ وہ اپنی قوم کے پاس انہیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلے تو انہوں نے اپ رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا، دیکھیے: الإصابة (٤/ ٤٠٦)۔

(1) صحيح البخاري- كتاب الشروط- باب الشروط في الجهاد، والمصالحة مع أهل الحروب- رقم حديث (٢٧٣١)- مسند الإمام أحمد- رقم حديث (١٨٩٢٨) - (١٨٩١٠)۔

(2) تفسير ابن كثير (٨/ ٤٢٢)۔

(3) مسند الإمام أحمد- رقم حديث (٣٩٩١)- مسند أبو داوود الطيالسي- رقم الحديث (٣٥٣)- ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ اراک کے مسواک کو چن رہے تھے اور ان کی پنڈلیاں بہت باریک تھیں تو ہوا ان کو ڈھکیلنے لگی تو لوگ ان کو دیکھ کر ہنسنے لگے تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے لوگو تم کیوں ہنس رہے ہو؟ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم ان کے پنڈلی کی باریکی کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں، تو اپ ﷺ نے فرمایا: ((اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یہ دونوں میزان میں احد پہاڑ سے بھی زیادہ بھاری ہوں گے))۔

آپ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے صحیح سند سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ :((میں چھ مسلمانوں میں سے ایک تھا روئے زمین پر اس وقت ہمارے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا))[1]۔

امام احمد نے فضائل صحابہ میں مرسل حسن سند سے عروہ بن زبیر کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ : اللہ کے رسول ﷺ کے بعد مکہ میں سب سے پہلے عبداللہ بن مسعود نے جہری طور پر قرآن پڑھی، اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ ایک دن جمع ہوئے اور انہوں نے کہا کہ : اللہ کی قسم قریش نے اس قرآن کو بآواز بلند کبھی نہیں سنی کون شخص انہیں یہ سنا سکتا ہے ؟۔ تو عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں، لوگوں نے کہا: ہمیں آپ پر ان کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہے، ہم ایسا شخص چاہتے ہیں جس کے ساتھ بہت سے لوگ ہوں اور ان کی طرف سے زیادتی کی صورت میں وہ اس کا دفاع کر سکیں اور ان کے مقابلے اس کا ساتھ دے سکیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے کرنے دو اللہ میری حفاظت فرمائے گا، کہتے ہیں کہ :ابن مسعود صبح میں چاشت کے وقت مقام کے پاس آئے اس وقت قریش کے لوگ اپنی میٹنگ گاہ میں تھے، انہوں نے مقام کے پاس کھڑے ہو کر بآواز بلند پڑھنا شروع کیا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿الرَّحْمَٰنُ (1) عَلَّمَ الْقُرْآنَ (2)﴾ [الرحمن: ١، ٢]، پھر پورا پڑھنے لگے، وہ کہتے ہیں: ان لوگوں نے غور بھی کیا اور کہنے لگے، ابن ام عبد کیا کہہ رہا ہے ؟ کہا: پھر انہوں نے کہا: محمد پر نازل کردہ بعض آیتوں کی تلاوت کر رہے ہیں، پھر وہ لوگ کھڑے ہوئے اور ان کے چہرے پر مارنے لگے ، وہ پڑھتے ہی رہے، جتنا اللہ نے چاہا پڑھا، پھر اپنے اصحاب کے پاس لوٹ گئے اس حال میں کی ان کا چہرہ چوٹ سے بھرا تھا، انہوں نے کہا: ہمیں آپ کے بارے یہی خدشہ تھا، تو انہوں نے کہا: اللہ کے

---

(1) صحیح ابن حبان - کتاب إخبارہ - صلی اللّٰہ علیہ وسلم - عن مناقب الصحابۃ - باب ذکر عبداللّٰہ بن مسعود - رضي اللّٰہ عنہ - رقم حدیث (٧٠٦٢) ۔ مستدرک الحاکم - کتاب معرفۃ الصحابۃ - باب ذِکرِ مناقب عبداللّٰہ بن مسعود - رضي اللّٰہ عنہ - رقم حدیث (٥٤١٩)۔

یہ دشمن اب میرے سامنے بے وقعت ہو گئے ہیں، اور چاہو تو میں کل بھی اسی طرح کروں، لوگوں نے کہا: نہیں آپ نے انہیں ان کی ناپسندیدہ بات سنادی ہے[1]۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ : میں کسی کو بھی ابن ام عبد سے زیادہ خشوع، طور طریقے اور حسن سیرت میں نبی سے مشابہ نہیں دیکھا[2]۔

● قریش کی ایذاءرسانیوں میں اضافہ:

مومنوں میں سے کمزوروں پر قریش کی اذیتیں اور بڑھ گئیں اور وہ نئے نئے طریقے سے عذاب دینے لگ گئے، پس وہ انہیں پکڑ کر لوہے کی زرہیں پہنا کر تپتے سورج کے نیچے ڈال دیتے[3]۔

ابن اسحاق نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ : کیا مشرک لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو اتنا ستاتے تھے جس سے دین سے پھر جانے کے لئے عذر ہو سکے۔

کہا: ہاں، اللہ کی قسم وہ ان میں سے کسی کو اس طرح مارتے تھے اور اس طرح بھوکا اور پیاسا رکھتے وہ پریشانی کی شدت سے بیٹھنے کے قابل نہ ہوتا تھا، یہاں تک کہ وہ ان کے کہنے کے مطابق عمل نہ کریں، اور یہاں تک کہ وہ ان سے کہتے تھے کہ : کیا اللہ کے علاوہ لات وعزیٰ تمہارے معبود ہیں؟

([1]) فضائل الصحابة از امام أحمد - رقم حديث (١٥٣٥) - السيرة از ابن إسحاق (١/ ٣٥١)۔

([2]) صحيح البخاري - كتاب فضائل أصحاب النبي - صلى الله عليه وسلم - باب مناقب عبد الله بن مسعود - رضي الله عنه - رقم حديث (٣٧٦٢)- مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٢٣٣٠٨)۔

([3]) مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٣٨٣٢) — سنن ابن ماجه - المقدمة - باب في فضائل أصحاب رسول الله - صلى الله عليه وسلم - رقم حديث (١٥٠) اور اس کی إسناده حسن ہے۔

پھر وہ کہتا: ہاں، یہاں تک کہ کوئی کیڑا ان کے پاس سے گذرتا تو وہ اس سے کہتے: کیا یہ کیڑا اللہ کے علاوہ تمہارا معبود نہیں۔ تو وہ ان کے اذیت سے پریشان ہو کر کے کہہ دیتے تھے کہ: ہاں[1]۔

• صحابہ ﷺ کا نبی ﷺ سے شکایت کرنا:

جب اہل ایمان پر اذیت کا سلسلہ بڑھ گیا تو خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس گئے اور اس عذاب سے چھٹکارے کے لئے مدد مانگیں، تو نبی ﷺ ان کو مثالیں بتاتے اور انہیں نصیحت کرتے، تو وہ پھر راضی ہو کر پریشانی پر صبر کرنے کے لئے مطمئن ہو کر لوٹ آتے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس شکایت کیا اس وقت آپ کعبہ شریف کے سائے میں بردے پر ٹیک لگائے لیٹے ہوئے تھے، ہم نے آپ ﷺ سے کہا: آپ ہمارے لئے مدد کیوں نہیں طلب کرتے؟ آپ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں کرتے؟[2]۔

آپ نے فرمایا: ((تم سے پہلے لوگوں کو[3] زمین میں گڑھا کھود کر اس میں رکھ دیا جاتا تھا اسے اس میں کھڑا کر کے آری لائی جاتی اور اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے، وہ بھی اسے اس کے دین سے نہ روک پاتا، اسی طرح لوہے کی کنگھیوں سے انہیں چھیل دیا جاتا، اس کے اور اسکی ہڈی اور پٹھوں کو گوشت سے الگ کر دیا جاتا مگر اس سے بھی وہ اس کے دین سے نہ پھیر

[1] سیرۃ ابن هشام (١/ ٣٥٧)۔

[2] حافظ ابن حجر فتح الباری (١٤/ ٣٢٧) میں لکھتے ہیں کہ خباب رضی اللہ عنہ کا نبی ﷺ سے کافروں پر بددعا طلب کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے ان پر ظلم اور عدوان کرتے ہوئے تکلیف پہنچایا تھا۔

[3] حافظ ابن حجر فتح الباری (١٤/ ٣٢٨) میں لکھتے ہیں کہ اس میں ان کے لیے تسلی ہے اور صبر کے کرنے کی جانب اشارہ ہے یہاں تک کہ جو متعین مدت ہے وہ ختم ہو جائے اور اس جانب آپ ﷺ کے فرمان کے ذریعے سے کہ لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو سے اشارہ ہے۔

سکتے تھے،اور یقیناً اللہ اس معاملے [1] کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک سوار صنعاء [2] سے حضر موت تک جائے گا، اسے اللہ کے علاوہ کسی کا ڈر نہ ہوگا، یا بکریوں پر بھیڑیئے کا خوف ہوگا، لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ [3]

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو کسی دیر سویر مال غنیمت پر جمع نہیں کیا بلکہ آپ نے نظروں سے دھندھلاہٹ کو ہٹایا، جس سے اس نے مدتوں پوشیدہ حق کو دیکھا،اور دلوں سے زنگ کو صاف کیا، تو اس نے اس حق کو پہچان لیا جس پر اسے پیدا کیا گیا، مگر جاہلیت میں وہ اس سے محروم رہے۔

آپ ﷺ نے انسانوں کو ان کے رب سے جوڑا، انہوں نے انہیں ان کے اصل نسب اور مضبوط سبب سے مربوط کیا، وہ اس سے قبل حیرت اور حسرت کے شکار تھے، آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے فناء اور بقاء میں موازنہ کرکے بتایا، اسی لئے انہوں نے آخرت کی زندگی کو زائل دنیا پر برتری دی، آپ نے انہیں حقیر بتوں اور الہ عظیم کے مابین اختیار دیا، انہوں نے گڑھے ہوئے بتوں کو ترک کر دیا اور آسمان و زمین کے خالق کی طرف توجہ اختیار کی۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے ساتھیوں کے دلوں میں ثقہ اور اعتماد بھرتے تھے، آپ ان میں وہ امید جگاتے تھے جو اللہ نے آپ کے دل میں اسلام کی فتح اور اس کے مبادئ کے انتشار اور آپ کی فوجوں کے سامنے مشرق و مغرب میں ظالموں کے بادشاہت کی زوال کی امید پیدا کی تھی [1]۔

([1]) یعنی دین اسلام، فتح الباری (7/ 556)۔

([2]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۳۲۶) میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا احتمال ہے کہ صنعاء سے یمن کا صنعاء مراد ہو اور اس کے اور حضر موت کے درمیان جو کہ وہ بھی یمن ہی کا حصہ ہے بہت دور کا فاصلہ ہے تقریبا پانچ دن کا فاصلہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ صنعاء سے مراد شام کا صنعاء ہو اور ان دونوں کے درمیان بہت ہی زیادہ مسافت ہے اور پہلا زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔

([3]) صحيح البخاري- كتاب المناقب- باب علامات النبوة في الإسلام- رقم حديث (۳٦۱۲)- اور كتاب مناقب الأنصار- بابُ ما لَقِيَ النبي- صلى اللّٰہ عليه وسلم- وأصحابه من المشركين بمكة- رقم الحديث (۳۸۵۲)- اور كتاب الإكراه- باب من اختار الضرب والقتال والهوان على الكفر- رقم حديث (٦۹٤۳) — اور مسند الامام أحمد- رقم حديث (۲۱۰۵۷)۔

مشرکین کی جانب سے نبی ﷺ کا مذاق اڑایا جانا

اب تک بیان کردہ ظلم مسلمانوں میں سے کمزور لوگوں پر کئے جاتے تھے، رہی بات اللہ کے رسول ﷺ کی تو آپ بہت باوقار شخصیت کے حامل تھے، دوست اور دشمن سبھی آپ ﷺ کی تعظیم کرنے پر مجبور تھے، آپ ﷺ کا سامنا سارے لوگ بڑے ہی ادب واحترام سے کرتے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے چچا ابو طالب کی حمایت بھی آپ ﷺ کو حاصل تھی۔

اسی لئے قریش کو ابتداء میں عام مسلمانوں کی طرح آپ کو ستانے کی ہمت نہ ہوئی، لہذا انہوں نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کیا، ان مذاق اڑانے والوں میں سر فہرست آپ کا چچا ابو لہب ،عقبہ بن ابی معیط ، حکم بن عاص، ابو زمعہ اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث ، ولید بن مغیرہ ، عاص بن وائل اور ابو جہل بن ہشام[2] شامل تھے۔

● ابو لہب کی بیوی ام جمیل کی دشمنی:

امام حاکم نے مستدرک میں حسن سند سے اسماء بنت ابی بکر صدیق سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ: جب﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ﴾ نازل ہوئی، تو اندھی ام جمیل بنت حرب بڑبڑاتے ہوئے اپنی ہاتھ میں کلہاڑی لے کر آئی وہ کہہ رہی تھی:

مذمما أبينا   ودينه قلينا[3]

وأمره عصينا

---

(1) فقہ السیرۃ ص ۱۰۵ للشیخ محمد الغزالي۔

(2) دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱/ ۲٦۸)۔ الرّوض الأنُف (۲/ ۱۳٤)۔

(3) قَلَیْتُہُ: میں نے اس سے بغض رکھا اور اسے ناپسند کیا. دیکھئے: لسان العرب (۱۱/ ۲۹۳). اسی معنی میں سورۃ الضحی آیت (۳) میں اللہ کا فرمان بھی ہے: {مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى}۔

اس وقت نبی ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے، جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ وہ آچکی ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو نہ دیکھ لے، آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی اور آپ ﷺ نے قرآن کی ایک آیت پڑھ کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا، جیسا کہ آپ نے کہا تھا اور آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴾ [الاسراء:۴۵]۔

تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑی ہو گئی، اور اللہ کے رسول ﷺ کو نہ دیکھا اور اس نے کہا: اے ابو بکر، مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تمہارا ساتھی مجھے برا بھلا کہتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس گھر کے پروردگار کی قسم انہوں نے آپ کی برائی نہیں کی ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے واپس ہو گئی کہ: قریش کے لوگوں کو پتہ ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔[1]

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں شواہد کے ساتھ صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو لہب کی بیوی نبی ﷺ کے پاس آئی اس وقت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے تو ابو بکر نے جب اسے دیکھا تو کہا اے اللہ کے رسول ﷺ یہ بہت بد اخلاق عورت ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ کہیں یہ آپ کو تکلیف نہ دے، آپ یہاں سے کہیں چلے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی چنانچہ وہ آئی اور اس نے کہا: اے ابو بکر تمہارے ساتھی مجھے برا بھلا کہتے ہیں، انہوں نے کہا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں اور وہ تو شعر وغیرہ بھی نہیں کہتے، تو اس نے کہا: ہاں تم میرے نزدیک بہت سچے ہو اور وہ واپس چلی گئی تو میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ اس نے

(1) مستدرک الحاکم۔کتاب التفسیر۔باب اُم جمیل عمیت عن رؤیۃ رسول اللہ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔رقم حدیث (۳۴۲۸)۔

آپ کو نہیں دیکھا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ اپنے دونوں پروں کے ذریعے اس کی نگاہوں سے مجھے برابر چھپاتا رہا۔[1]

اور قریش کے لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو برا بھلا کہتے ہوئے مذمم کہا کرتے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے: کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ رب العالمین مجھ سے قریش کے گالی گلوج اور لعن طعن کو کیسے پھیرتا ہے؟ وہ مجھے مذمم کہتے ہیں اور مجھ پر لعنت بھیجتے ہیں، حالانکہ میں محمد ہوں۔[2]

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: قریش کے لوگ نبی ﷺ سے سخت کراہت کی وجہ سے آپ کو آپ کی تعریف پر دلالت کرنے والے نام سے موسوم نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا الٹ نام لیا کرتے تھے اور مذمم یعنی "مذمت کیا ہوا" کہا کرتے تھے اور جب آپ کا وہ برائی کے ساتھ ذکر کرتے تو کہتے: اللہ رب العالمین مذمم یعنی "برائی کیے ہوئے کے ساتھ" ایسا کریں اور مذمم یعنی "برائی کیا ہوا" یہ آپ کا نام نہیں تھا اور نہ ہی آپ ﷺ اس کے ذریعہ سے جانے جاتے تھے، چنانچہ جو وہ کہتے تھے وہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور کی طرف پھیر دیا جاتا تھا۔[3]

● ابو لہب کی رسول ﷺ سے سخت دشمنی:

رہی بات اس کے شوہر ابو لہب کی تو اس کا معاملہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کا بازاروں، لوگوں کے مجمعوں اور حج کے موسم میں پیچھا کیا کرتا تھا اور آپ کی تکذیب کیا کرتا تھا، چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ ربیعہ بن عباد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے ذوالمجاز نامی بازار میں اللہ کے

---

(1) صحیح ابن حبان- کتاب التاریخ- باب المعجزات- رقم حدیث (٦٥١١)۔

(2) صحیح البخاري- کتاب المناقب- باب ماجاء في أسماء رسول اللہ ﷺ الحدیث (٣٥٣٣) — مسند الامام أحمد- رقم حدیث (٧٣٣١)۔

(3) فتح الباري (٧/ ٢٥٠)۔

رسول ﷺ کو دیکھا آپ کہہ رہے تھے کہ: اے لوگو لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے اور آپ ﷺ اس کے گلیوں میں داخل ہوتے اور لوگ آپ کے ارد گرد جمع ہوتے اور آپ کے پیچھے دو چوٹی والا گورے چہرے والا شخص بھی ہوتا، جو کہتا کہ: یہ جھوٹا اور بے دین ہے، تو میں کہتا: یہ کون ہے؟ تو لوگ کہتے: یہ محمد بن عبداللہ ہیں، پھر میں کہتا: یہ ان کی تکذیب کون کر رہا ہے؟ تو لوگ کہتے: ان کا چچا ابو لہب ہے[1]

اور صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: اور ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے پتھر مارتے ہوئے چل رہا تھا جس سے آپ کی پنڈلی اور ٹخنے سے خون نکل رہا تھا[2]۔

● عتیبہ[3] بن ابی لہب کی سخت دشمنی:

عتیبہ بن ابی لہب نے بھی آپ کو اذیت دی، اس نے آپ ﷺ کی قمیص پھاڑ دی، اس پر آپ نے بددعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ: اے اللہ تو اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔

اللہ نے آپ کی بددعا قبول فرمالی، جب عتیبہ ایک قافلے کی ہمراہ شام کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں ایک جگہ قیام کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا: مجھے محمد کی بددعا کا خوف ہے، ان لوگوں نے کہا: ہرگز نہیں اور انہوں نے اپنے سامان اس کے گرد رکھ دیئے اور اس کی حفاظت کے لئے بیٹھ گئے، ایک شیر آیا اور اس پر جھپٹ کر اسے مار ڈالا[4]۔

---

(1) مسند الامام أحمد - رقم حديث (١٦٠٢٣) — صحیح ابن حبان - كتاب التاريخ - باب كتب النبي - صلى الله عليه وسلم - رقم حديث (٦٥٦٢)۔

(2) صحیح ابن حبان - كتاب التاريخ - باب ذكر مُقاساة النبي - صلى الله عليه وسلم - ماكان يُقاسي من قومه في إظهار الإسلام - رقم حديث (٦٥٦٢)۔

(3) حافظ ابن حجر فتح الباری (٥/ ٥٠٨): میں کہتے ہیں عتیبہ تصغیر کے ساتھ ہے یہ کفر کی حالت پہ فوت ہوا تھا۔

(4) مستدرک حاکم - كتاب التفسير - باب سورة أبي لهب - رقم حديث (٤٠٣٧) — اور کہا ہے یہ حدیث صحیح الإسناد ہے - اور حافظ نے اسے الفتح (٢/ ٥١٤) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے اور اسے شوکانی نے نیل الأوطار (٩/ ٢٣٤) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

● امیہ بن خلف کا نبی ﷺ کا مذاق اڑانا:

جب امیہ بن خلف نبی ﷺ کو دیکھتا تو وہ آپ کا مذاق اڑاتا، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝١ ٱلَّذِى جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُۥ ۝٢ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُۥٓ أَخْلَدَهُۥ ۝٣ كَلَّا ۖ لَيُنۢبَذَنَّ فِى ٱلْحُطَمَةِ ۝٤ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا ٱلْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ ٱللَّهِ ٱلْمُوقَدَةُ ۝٦ ٱلَّتِى تَطَّلِعُ عَلَى ٱلْأَفْـِٔدَةِ ۝٧ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِى عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍۭ ۝٩ ﴾ [الهمزة: ١ - ٩][1]۔

اس سورت میں ابتدائی عہد میں دعوت کی حقیقی صورتوں میں سے ایک صورت کا عکس ہے، ساتھ ہی یہ ایک ایسا نمونہ ہے جو ہر معاشرے میں بار بار نظر آتی ہے... چھوٹے ملامت زدہ نفس کی صورت جسے مال دیا جائے تو اسے قبضہ میں کیا جاسکتا ہے، یہاں تک کہ خود کی قیمت بھی بھول جاتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ مال ہی زندگی میں سب سے اہم ہے، مال کے سامنے سارے اخلاق و آداب اور لوگوں کے مقام اور بلند معانی اور حقیقت کو بھول جاتا ہے، اور یہ تصور کرتا ہے کہ مال آنے کے بعد وہ سب کے کرامات اور قدر و قیمت کا بلا حساب مالک بن جاتا ہے۔

پھر وہ اس مال کو جمع کرنے اور شمار کرنے کو اپنی ہوس بنالیتا ہے، اور اس کے اندر بری روح پھونک دی جاتی ہے جو اسے لوگوں کی توہین اور ان کا مذاق اڑانے پر اکساتی ہے، اپنی زبان سے لوگوں کی عیب جوئی کرتا ہے، اپنی حرکتوں سے لوگوں کا مذاق اڑاتا ہے، چاہے ان کے حرکات اور آوازوں کی نقل کرکے یا ان کے صفات اور خلقت کو حقیر سمجھ کر، بول کر اشارہ کرکے ناک منھ چڑھا کر مذاق بھرے حرکات و طریقوں سے!۔

یہ ایمان سے محرومی اور مروءت سے خالی ہونے کی صورت میں انسانی نفوس کی حقیر اور ملامت زدہ صورتوں میں ایک صورت ہے، اور اسلام اس گری ہوئی صورت کو ناپسند کرتا ہے، اسلام اس طرح نیچ لوگوں کی صورتوں کو ناپسند کرتا ہے کیونکہ اسلام بلند اخلاق کو پسند کرتا ہے اور اسلام

---

[1] سیرۃ ابن هشام (١/ ٣٩٤)۔ سبل الهدى والرشاد (٢/ ٤٦٤)۔

نے مذاق اڑانے اور کمی نکالنے اور عیب جوئی کرنے سے مختلف جگھوں پر منع کیا ہے، مگر یہاں پر وعیداور دھمکی کے ساتھ اس تشنیع اور تقبیح کا ذکراس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بعض مشرکوں کی جانب سے رسول ﷺ اور مسلمانوں سے متعلق واقعی اس طرح کی حالات کا سامنا ہوتا تھا...اسی لئے اس پر یہ سخت وعیداور پھٹکار کی گئی[1]۔

● ابی بن خلف کا جھگڑا:

اس طرح اس کا بھائی ابی بن خلف[2] ایک دن نبی کے پاس سڑی ہوئی ہڈی لے کر آیااور کہااے محمد تم کہتے ہو کہ اللہ اس کے بوسیدہ ہو جانے کے بعد اسے پھر دوبارہ زندہ کرے گا، پھر اسے ہلایااور اللہ کے رسول کی طرف پھونکا اس پر نبی نے فرمایا:((ہاں میں نے ایسا کہا ہے، اللہ اسے بھی اٹھائے گااور تجھے بھی جب تم بھی اسی طرح ہو جاؤ گے، پھر اللہ تجھے جہنم میں داخل کرے گا))، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی : ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٨٢﴾ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾﴾ يس: ٧٨ - ٨٣[3]

---

(1) في ظلال القرآن (٦/ ٣٩٧٢)۔

(2) ابي ابن خلف کو احد کے دن اللہ کے رسول ﷺ نے قتل کیا تھا اور یہ تنہا شخص تھا جسے اللہ کے رسول ﷺ نے قتل کیا تھا جب اللہ کے رسول ﷺ نے اسے قتل کیا تو اپ نے فرمایا تھا:((اس شخص پر اللہ کا غضب سخت ہو جسے اللہ کے رسول نے قتل کیا))اسے بخاری نے اپنی صحیح کتاب المغازي - باب ما أصاب النبي - صلى الله عليه وسلم - من الجراح يوم أحد - رقم الحديث (٤٠٧٣) میں اور امام مسلم نے اپنے صحیح کتاب الجهاد والسير - باب اشتداد غضب الله على من قتله - صلى الله عليه وسلم - رقم الحديث (١٧٩٣). میں تخریج کیا ہے۔

(3) سيرة ابن هشام (١/ ٣٩٩)۔

امام احمد نے اپنی مسند اور طحاوی نے شرح مشکل الاثار میں صحیح سند سے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دن نماز کا تذکرہ کیا، اور کہا کہ جو اس کی پابندی کرے گا، یہ اس کے لئے نور، دلیل اور قیامت کے دن نجات ہوگی اور جو نہیں پابندی کرے گا، اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ دلیل اور نہ بروز قیامت نجات اور اس دن وہ فرعون، قارون اور ہامان اور ہڈی والے ابی کے ساتھ ہوگا))[1]۔

اور امام حاکم کی مستدرک میں ہے کہ یہ آیت عاص بن وائل کی بابت نازل ہوئی تھی۔

انہوں نے مستدرک میں ابن عباس کے واسطے سے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ عاص بن وائل اللہ رسول ﷺ کے پاس ایک سڑی ہڈی لے کر آیا اور اسے پھونکا، اور کہا: اے محمد کیا اللہ اسے بوسیدہ ہو جانے کے بعد دوبارہ اٹھائے گا۔

اللہ کے رسول نے فرمایا: ہاں اللہ اسے بھی اٹھائے گا اور تجھے بھی مار کر دوبارہ اٹھائے گا، اور پھر تجھے جہنم میں داخل کرے گا۔

کہا کہ اسی پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ﴾ يس: ٧٧[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: کسی کو بھی مانیں چاہے یہ ابی بن خلف کے بارے میں ہو یا عاص بن وائل کے بارے میں ہو یا دونوں کے بارے میں ہو یہ ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو بعث کا منکر ہو اور فرمان باری تعالی: ﴿أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَـــانُ﴾ میں الف لام جنس کے لئے ہے، جو ہر ایک منکر بعث کو شامل ہے[3]۔

---

(1) مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٦٥٧٦) - مشكل الآثار از طحاوي - رقم حديث (٣١٨٠)۔

(2) مستدرک حاکم - کتاب التفسير - باب تفسير سورة يس - رقم حديث (٣٦٥٩)۔

(3) تفسیر ابن کثیر (٦/ ٥٩٤)۔

● قوم کا سب سے برا آدمی عقبہ بن ابی معیط-اس پر اللہ کی لعنت ہو-:

ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ: عقبہ بن ابی معیط نے ایک مرتبہ کھانا پکایا اور اللہ کے رسول ﷺ کو دعوت دی، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں اس وقت تک تیرا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تو لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی نہ دے دے تو عقبہ نے کہا: بھتیجے کھاؤ، تو آپ نے فرمایا: جب تک میری بات پر عمل نہیں کرتے میں ایسا نہیں کروں گا، عقبہ نے گواہی دے دی اللہ کے رسول نے کھانا بھی کھلایا۔

یہ بات ابی بن خلف کو معلوم ہوئی جو اس کا ساتھی تھا، تو اس نے کہا: عقبہ کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟

عقبہ نے کہا: اللہ کی قسم میں بے دین نہیں ہوا ہوں، لیکن وہ میرے پاس آئے اور کھانے سے یہ کہہ کر کے انکار کیا تو مجھے یہ اچھا نہ لگا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھائے نکل جائے تو میں نے ایسا کہہ دیا، ابی نے کہا: میں تجھ سے اس وقت تک خوش نہیں ہوں گا جب تک کہ تو جاکر اس کے منھ پہ تھوک نہ دے، اس پر عقبہ بن ابی معیط-اللہ کی اس پر لعنت ہو-اللہ کے رسول کے پاس گیا اور آپ کے منھ پر تھوک دیا تو اللہ نے انہیں دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا (27) يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا (28) لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا (29) ﴾ الفرقان: ۲۷ - ۲۹[1]۔

یہاں پر قرآن اس دن کے مناظر میں سے ایک منظر پیش کر رہا ہے، گمراہ ظالموں کی حسرت کی تصویر پیش کی جا رہی ہے، ایک لمبا اور پھیلا ہوا منظر پیش کیا جا رہا ہے، سننے والے کو یہ محسوس کرایا جا رہا ہے کہ یہ نہ ختم ہوا ہے اور نہ ہو گا، ندامت اور افسوس اور مایوسی کے ساتھ ظالم کے

([1]) دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۲/ ٤٧٠)-سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۹۹)-البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۹۷)۔

اپنے ہاتھ چبانے کا منظر: ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا - يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا - لَّقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا﴾ الفرقان: ٢٧ - ٢٩۔

اس کے گرد کی ہر چیز خاموش ہو جاتی ہے اور وہ اپنی حسرت بھری آواز اور افسوس سے پرواہ کو لمبا کرتا ہے اور بڑا زخم اس کے اس موقف کو اور بڑھا دیتا ہے، اس کا اثر اور گہرا ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ان آیتوں کے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں مایوسی افسوس اور ندامت میں شریک معلوم ہوتے ہیں۔[1]

• اخنس بن شریق[2]:

یہ شخص اس قوم کے سرداروں میں سے تھا، اس کی باتیں مانی جاتی تھیں، یہ بھی اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہونچانے والوں میں سے تھا، نبی ﷺ کو اس سے تکلیف پہونچتی تھی اور آپ اس کا جواب بھی دیتے تھے، اسی کے بارے میں فرمان باری تعالی: ﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ - هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ - مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ - عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ﴾ القلم: ١٠ - ١٣ نازل ہوئی[3]۔

---

(1) في ظلال القرآن (٥/ ٢٥٦٠)۔

(2) یہ اخنس ہیں جو بنو زہرہ کے حلیف تھے ان کا نام ابی ہے انہیں اخنس کا لقب اس لیے دیا گیا کیونکہ بدر غزوہ بدر سے وہ بنو زہرہ کو لے کر واپس ہو گئے تھے جب انہیں یہ خبر ملی تھی کہ ابوسفیان قافلے کو لے کر نکل چکے ہیں اور اسی لیے کہا گیا کہ اخنس بنو زہرہ کو لے کر نکل گئے اس لیے ان کا نام اس طرح پڑھا پھر اخنس نے اسلام قبول کیا اور یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے ان انہوں نے حنین میں شرکت کی اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں فوت ہوئے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ: یہ کبھی بھی ثابت نہیں ہے کہ اخنس نے اسلام قبول کیا تھا اور حافظ ابن حجر نے الإصابة (١/ ١٩٢) میں ان کی گرفت کی ہے یہ کہہ کر کہ انہوں نے جن کا ذکر گزر چکا ہے اسے صحابہ میں ذکر کیا ہے اور اس میں کوئی معنی نہیں کہ وہ مسلمان ہوئے ہوں پھر مرتد ہوئے ہوں اور پھر اسلام کے جانب واپس آئے ہوں، واللہ اعلم۔

(3) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٩٨)۔ والرّوض الأنُف (٢/ ١٤٦)۔

● ولید بن مغیرہ :

ولید بن مغیرہ بھی نبی ﷺ سے جھگڑنے اور آپ کو تکلیف پہونچانے والوں میں سے تھا، اور کہا کرتا تھا کہ کیا محمد پر کوئی نازل ہوتا ہے، جبکہ میرے اوپر کوئی نہیں آتا میں تو قریش کا مکھیا اور ان کا سردار ہوں؟ اور ابو مسعود بن مسعود ثقفی ثقیف کے پاس بھی کوئی نہیں آتا۔ ہم تو ان دونوں بستیوں کے سردار ہیں، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ - أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴾ الزخرف: ٣١ - ٣٢ [1]۔

● عاص بن وائل [2] کی طرف سے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی:

عاص بن وائل بھی نبی ﷺ کے سخت دشمنوں میں سے تھا، جب آپ کے صاحبزادے عبد اللہ کا انتقال ہوا تو اس نے کہا: آپ کی نسل کٹ گئی، جب اللہ کے رسول کا ذکر ہوتا تو

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٩٨)۔ البدایۃ والنھایۃ (٣/ ٩٧)۔ الرّوض الأنُف (٢/ ١٤٧)۔ سبل الھدی والرشاد (٢/ ٤٦٧)۔

(2) حافظ ابن حجر فتح الباری (٩/ ٣٥٦) میں لکھتے ہیں کہ: یہ عاص بن وائل سہمی ہیں جو کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مشہور صحابی کے والد تھے اور جاہلیت میں ان کا بڑا مقام تھا انہیں اسلام کی توفیق نہیں ہوئی اور ہجرت سے پہلے وہ مکہ میں فوت ہوئے اور وہ مذاق اڑانے والوں میں سے ایک تھے۔

عبد اللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے والد ۸۵ سال زندہ رہے وہ طائف تک گدھے پر سوار ہوا کرتے تھے چنانچہ وہ سواری سے زیادہ پیدا کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے گدھے نے انہیں کانٹے پر پھینک دیا تھا جو ان کے پیر میں لگ گیا تھا جس سے ان کے پیر میں ورم آگیا اور وہ اس سے فوت ہو گئے۔

وہ کہتا اسے چھوڑ دو وہ تو نر بنس ہے اس کی کوئی اولاد نہیں، اگر وہ فوت ہو گئے تو اس کا ذکر بھی نہ کیا جائے گا[1] اور تمہیں اس سے چھٹی مل جائے گی۔

اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ - فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ - إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ الكوثر: ١ - ٣[2]۔

---

(1) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (٨/ ٥٠٥) میں کہتے ہیں: نہیں ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالی نے تمام لوگوں میں آپ کے ذکر کو باقی رکھا اور آپ کی شریعت کو تمام لوگوں کے کندھوں پر واجب کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہا اور حشر کے دن تک باقی رہے گا اللہ تعالی کی طرف سے ان پر قیامت کے دن تک درود و سلام جاری رہیں۔

اور حسّان بن ثابت -رضي اللّٰہ عنہ- فرماتے ہیں:

أغَرُّ عليهِ لِلنُّبُوَّةِ خَاتَمٌ ... منَ اللهِ مشْهُودٌ يلُوحُ ويَشْهَدُ
وضَمَّ الإِلَهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ ... إِذَا قَالَ فِي الخَمْسِ المُؤَذِّنُ أشْهَدُ
وشَقَّ له مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ... فَذُو العَرْشِ مَحْمُودٌ وهَذَا مُحَمَّدُ

(2) سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٧)۔

امام سہیلی نے الرّوض الأنُف (٢/ ١٨٢): میں کہا ہے "ابتر" اس شخص کو کہتے ہیں جس کے بعد اس کا کوئی جانشین نہ ہو جب تم عاص ابن وائل کی جانب دیکھو گے جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے تو وہ اولاد والے اور جانشین والے تھے ان کے لڑکے عمرو اور ہشام ابن عاص بن وائل تھے تو ان کے لیے " ابتر" اور اولاد نہ ہونے ہونے کا وصف کیسے ثابت ہوگا جب کہ وہ اولاد اور نسل والے تھے ؟

تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس اگرچہ اولاد والے تھے مگر ان کے اور ان کے اولاد کے درمیان عصمت منقطع ہوگئی تھی کیونکہ وہ ان کی پیروی کرنے والے نہ تھے کیونکہ اسلام نے انہیں ان سے روک دیا تھا چنانچہ وہ نہ ان کے وارث ہوں گے اور نہ یہ ان کے وارث ہوں گے اور وہ محمد ﷺ کی پیروی کرنے والے تھے اور اپ ﷺ کی بیویاں ان کی مائیں تھیں تو وہ اور تمام مومن نبی ﷺ کے دنیا میں پیروکار ہیں اور اخرت میں بھی پیروکار ہوں گے تاکہ اپ ﷺ انہیں قیامت کے دن اپنے حوض کوثر میں سے پلائیں رہی بات اللہ کے دشمن عاص ابن وائل کی تو وہ اس طرح سے حقیقی طور پر بغیر جانشین کے ہوگا کیونکہ اس کے جانشین اور پیروی کرنے والے منقطع ہوگئے اور وہ سبھی محمد ﷺ کے پیروکار بن گئے۔

● ایک قصہ جس سے عاص بن وائل کے کفر کی سختی کا اندازہ ہوتا ہے:

شیخان نے اپنی صحیح میں خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں جاہلیت میں لوہار تھا، عاص بن وائل کے پاس میرا کچھ پیسہ باقی تھا جب میں ان سے وہ مانگنے گیا تو اس نے کہا میں تجھے تب تک نہیں دوں گا جب تک تو محمد کا انکار نہ کر دے۔

میں نے کہا: میں کفر نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مر کر دوبارہ زندہ کیا جائے۔

اس نے کہا: پھر رہنے دو میں مر کر دوبارہ زندہ کیا جاؤں پھر بھی مجھے مال اور اولاد ملیں گے اس وقت میں تجھے واپس کر دوں گا۔

اس پر فرمان باری تعالی نازل ہوئی: ﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا - أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا - كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا - وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴾ ۷۷ - ۸۰[1]۔

● کافر کو آخرت میں کسی چیز کا فائدہ نہ ہوگا:

امام ابوداود نے اپنی سنن میں حسن سند سے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی طریق سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عاص بن وائل سہمی نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے سو غلام آزاد کئے جائیں، اس کے بیٹے نے پچاس غلام آزاد کئے اور اس کے بیٹے عمرو بن ہشام نے باقی پچاس آزاد کرنا چاہا تو کہا پہلے نبی سے پوچھ لوں، وہ نبی کے پاس آئے اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میرے والد نے اپنی طرف سے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کی تھی، اور ہشام نے پچاس آزاد کر دیا اور اب بھی پچاس ان کے ذمہ باقی ہیں کیا میں ان کی طرف سے آزاد کر دوں؟۔

(1) صحیح البخاري - كتاب البيوع - باب ذكر القَيْنِ والحدّاد - رقم حديث (۲۰۹۱) - اور کتاب التفسير - باب {كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا} - رقم حديث (٤٧٣٤) — صحیح مسلم - كتاب صفات المنافقين وأحكامهم - باب سؤال اليهود الرسول - صلى الله عليه وسلم - عن الروح - رقم حديث (۲۷۹۵)۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اگر وہ مسلمان ہوتا اور تم اس کی طرف سے آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا اس کی طرف سے حج کرتے تو اس کو اس کا فائدہ ہوتا[1]۔

● نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری:

نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری[2] بھی نبی سے دشمنی نکالنے والوں میں سے تھے، امام طحاوی نے شرح مشکل الاثار میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک دن ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت نضر بن حارث آیا اور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اس مجلس میں قریش کے کئی لوگ موجود تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے بات شروع کی تو نضر نے بات کاٹنی چاہی، نبی نے بات کر کے اسے خاموش کر دیا، پھر وہاں آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ - لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ - لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ﴾ الأنبياء: ۹۸ - ۱۰۰۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ کھڑے ہو گئے، اور عبداللہ بن زبعری سہمی آیا اور بیٹھ گیا، ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعری سے کہا: اللہ کی قسم نضر بن حارث نے عبدالمطلب کے بیٹے کو ابھی بہت کچھ کہا، اور محمد نے ابھی یہ بات کہی ہے کہ میں اور جن معبودوں کی ہم عبادت کرتے

---

(1) سنن أبو داؤد - کتاب الوصایا - باب ماجاء في وصیۃ الحربي يُسلم - رقم حدیث (۲۸۸۳) - اور اسے ابن الأثیر نے جامع الأصول میں نقل کیا ہے - رقم حدیث (۹۲۶۰)۔

(2) یہ عبداللہ بن زبعری قریشی سہمی ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف اپنی زبان اور نفس کے ساتھ کے خلاف سخت ترین لوگوں میں سے تھے اور یہ لوگوں میں بڑے شاعر اور فصیح و بلیغ لوگوں میں سے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ: یہ قریش کے اندر سب سے بڑے شاعر تھے۔

پھر وہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام اچھا رہا اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے معذرت پیش کی تو آپ ﷺ نے ان کے عذر کو قبول کر لیا، دیکھئے: الإصابۃ (۴/ ۷۶)۔

ہیں، یہ سب جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے، اس پر عبداللہ بن زبعری نے کہا: اگر میں اسے پاؤں گا تو ضرور جھگڑا کروں گا، اچھا محمد سے پوچھو کہ کیا اللہ کے علاوہ جن کی بھی عبادت کی جاتی ہے وہ سبھی اپنے عابدوں سمیت جہنم میں جائیں گے؟۔

کیونکہ ہم تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور نصاری عیسی بن مریم کی عبادت کرتے ہیں، عبداللہ بن زبعری کی یہ بات ولید اور اس مجلس میں بیٹھے سبھی لوگوں کو پسند آگئی اور انہیں لگا کہ انہیں بہت اچھی دلیل اور حجت مل گئی ہے، پھر ابن زبعری کی بات اللہ کے رسول کو بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((جو اللہ کے ساتھ اپنی عبادت کو پسند کرے تو وہی اپنے عبادت کرنے والے کے ساتھ ہوگا، یہ تو شیطانوں اور ان لوگوں کی پوجا کرتے ہیں جو اپنی عبادت کا انہیں حکم کرتے ہیں))۔

اللہ نے اس پر یہ آیتیں نازل فرمائی: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ - لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴾ الأنبياء: ١٠١ - ١٠٢۔

مطلب یہ کہ عیسی بن مریم اور عزیر علیہم السلام اور احبار و رہبان میں سے جن نیک لوگوں کی عبادت کی گئی جنہیں گمراہ لوگوں نے اللہ کے علاوہ معبود بنا لیا گیا، وہ سب جہنم سے دور رہیں گے، اس میں وہ کبھی بھی نہ داخل ہوں گے۔

اور عیسی بن مریم کے سلسلے میں ذکر شدہ امر کہ ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے جو ولید کو پسند آئی تھی اور اسے لگا تھا کہ اسے دلیل اور حجت مل گئی اس کے بارے میں اللہ کا فرمان نازل ہوا: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ - وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴾ الزخرف: ٥٧ - ٥٨۔

پھر اللہ نے عیسی بن مریم کا ذکر کیا اور فرمایا: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ- وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ- وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾الزخرف: ٥٩ - ٦١۔[1]

امام احمد نے اپنی مسند میں ابن عباس کے واسطے سند حسن کے ساتھ نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے لوگوں سے کہا: اے قریش کے لوگوں اللہ کے علاوہ جن کی بھی پوجا کی جاتی ہے ان میں کوئی خیر نہیں)) اور قریش کو یہ معلوم تھا کہ نصاری عیسی ابن مریم کی عبادت کرتے ہیں اور تم کیا کہتے ہو محمد کے بارے میں، لہذا انہوں نے کہا: اے محمد کیا تم یہ نہیں کہتے کہ عیسی اللہ کے نبی اور اس کے نیک بندے تھے، تو اگر تم سچے ہو تو وہ ان کے معبود ہیں جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، راوی کہتے ہیں: اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ﴾۔ راوی کہتے ہیں میں کہا: یصدون کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا: یضجون کے معنی میں ہے۔ ((وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)) کہتے ہیں کہ: اس سے مراد قیامت سے پہلے عیسی علیہ السلام کا نزول ہے[2]۔

اور امام احمد اور ترمذی نے بسند حسن ابو امامہ سے روایت کیا ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ((کوئی بھی قوم ہدایت کے بعد گمراہ ہوتی ہے تو اس کا سبب جدال[3] ہوتا ہے،

([1]) شرح مشکل الآثار از طحاوی - رقم الحدیث (٩٨٦) (٩٨٨) - المستدرک از حاکم - کتاب التفسیر - باب مذاکرۃ الساعۃ - رقم حدیث (٣٥٠١) - السیرۃ از ابن اسحاق (١/ ٣٩٧)۔

([2]) مسند الامام أحمد - رقم حدیث (٢٩١٨) - صحیح ابن حبان - کتاب التاریخ - باب ذکر البیان بأنّ عیسی ابن مریم علیہ السلام من أعلام الساعۃ - رقم حدیث (٦٨١٧)۔

([3]) مبارک پوری رحمہ اللہ تحفۃ الأحوذی (٩/ ١٢٤) میں کہتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے گمراہی اور کفر میں ان کا واقع ہونا صرف اور صرف جدال کی وجہ سے تھا جو کہ اپنے نبی کے ساتھ باطل کے ساتھ خصوم اور لڑائی اور اس سے عناد اور روگردانی کے طور پر معجزہ کے طلب کرنے کی صورت میں تھا۔

پھر آپ نے یہ آیت پڑھی : ﴿مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ الزخرف: 58[1]۔

● اس امت کا فرعون - اس پر اللہ کی لعنت ہو-:

ابو جہل -اس پر اللہ کی لعنت ہو- لوگوں میں نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ سے متعلق سب سے سخت تھا، -اس پر اللہ کی لعنت ہو- وہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپ پر نازل کردہ حق کا مذاق اڑاتا تھا، اور باتوں سے آپ کو تکلیف پہونچاتا تھا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے بسند صحیح ابن عباس سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو جہل نے ایک دن کہا: اے قریش کے لوگوں محمد ہمیں زقوم کے درخت سے ڈراتا ہے، اور وہ کہتا ہے کہ یہ جہنم میں ایک درخت کا نام ہے، اور آگ تو درخت کھا جاتی ہے، زقوم تو مکھن اور کھجور ہے، کھجور اور مکھن لاؤ اور زقوم کے مزے لو، اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں : ﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ - طَعَامُ الْأَثِيمِ - كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ - كَغَلْيِ الْحَمِيمِ﴾ الدخان: ٤٣ - ٤٦[2]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں شیخان کی شرط پر سند صحیح سے ابن عباس سے روایت کی ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین پر گرا دیا جائے تو اہل زمین کی زندگی کڑوی ہو جائے، تو ان کا کیا حال ہو گا جن کی زقوم کے علاوہ کوئی اور غذا ہی نہ ہو گی))[3]۔

اور ابو جہل کی ملاقات ایک دفعہ اللہ کے رسول ﷺ سے ہوئی تو اس نے آپ سے کہا: اللہ کی قسم اے محمد: تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دو ورنہ ہم تمہارے معبود کو برا بھلا کہیں

---

(1) مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٢٢١٦٤) - جامع الترمذي - كتاب تفسير القرآن - باب ومن سورة الزخرف - رقم حديث (٣٥٣٥)۔

(2) مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٣٥٤٦) - السنن الكبرى از نسائي - رقم حديث (١١٤٢٠)۔

(3) مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٢٧٣٥) - مسند الطيالسي - رقم حديث (٢٧٦٥) - جامع الترمذي - كتاب صفة جهنم - باب ما جاء في صفة شراب أهل النار - رقم حديث (٢٧٦٧)۔

گے۔اس پر اللہ نے نازل فرمائی : ﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾الأنعام: ١٠٨۔

اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے معبودوں کو برا بھلا(1) کہنا چھوڑ کر انہیں اللہ کی طرف بلانے لگے(2)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ :اللہ تعالی نے اپنے رسول اور مومنوں کو مشرکوں کو مصلحت کے باوجود گالی دینے سے منع کیا ہے، کیونکہ اس کے مقابلے میں بڑے فساد کا خدشہ تھا،اور وہ تھا مشرکین کی جانب سے اہل ایمان کے معبود یعنی اللہ تعالی کو برا بھلا کہا جانا۔

اسی قبیل سے یعنی بڑے فساد کے خدشہ کے وقت مصلحت کو نظرانداز کردینے کے باب سے وہ حدیث بھی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:(((بے شک کبیرہ ترین گناہوں میں سے ایک شخص کا اپنے والدین کو لعنت کرنا بھی ہے)) کہا گیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھلا کوئی اپنے والدین کو کیسے لعنت کرے گا؟!

---

(1)اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برا بھلا کہنے والے بری بات کہنے والے اور فحش گوئی کرنے والے نہیں تھے اور اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مشرکوں کے معبودوں سے اس چیز کی نفی کر رہے تھے جس کو وہ ان کے لیے بے جا طور پر گمان کر رہے تھے جو ایسے صفات تھے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے مناسب نہیں ہیں اور اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں وہ صفت دے رہے تھے جو صفت ان کی اللہ تعالی نے بیان کی ہے اپنے اس فرمان میں:﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ﴾الاعراف : ١٩٤،اور فرمان باری تعالی::﴿إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴾النساء:117،اور فرمان باری تعالی::﴿ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴾الاعراف:197،اور فرمان باری تعالی::﴿ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴾یونس:66اس کے علاوہ اور بہت سی صفات جن کو اللہ تعالی نے ان کے گمان کیے گئے معبودوں کے حقیقت کو بیان کرنے کے سلسلے میں نازل کیا ہے جن کا وہ ان کے سلسلے میں عقیدہ رکھتے تھے۔

(2)سیرۃ ابن هشام (١/ ٣٩٥)۔ سبل الهدی والرشاد (٢/ ٤٧٠)۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ((وہ کسی کے والد کو گالی دے تو وہ اس کے والد کو گالی دے اور وہ اس کی ماں کو گالی دے تو وہ اس کے ماں کو گالی دے))[1]۔

● اراشی شخص کا واقعہ:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: ابو جہل نبی سے سخت دشمنی رکھتا تھا اور آپ کو ناپسند کرتا اور آپ پر سختی بھی کرتا تھا، اللہ نے اسے آپ کے سامنے آپ کو دیکھتے ہی چھوٹا اور بے وقعت بنا دیا تھا[2]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں راوی نے کہا کہ: ایک شخص اپنے اونٹوں کے ساتھ اراش[3] سے مکہ آیا اور اس سے ابو جہل نے انہیں خریداری کی اور پیسہ دینے میں ٹال مٹول کرنے لگا، اس پر وہ اراشی شخص قریش کی مجلس میں آیا اس وقت اللہ کے رسول ﷺ ایک کونے میں بیٹھے تھے، اس نے آکر کہا: اے قریش کے لوگوں کون شخص آپ میں سے میرا حق دلانے میں ابو جہل کے خلاف میری مدد کرے گا؟ میں ایک مسافر ہوں، اجنبی آدمی ہوں اور وہ میرا حق مجھے دینے سے انکار کر رہا ہے، مجلس میں بیٹھے لوگوں نے اس سے کہا: وہ بیٹھے ہوئے تمہیں نظر آرہے ہیں- لوگوں نے نبی ﷺ کی جانب اشارہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ آپ کا کس قدر دشمن تھا- ان کے پاس جاؤ وہ تمہاری مدد کریں گے، اراشی گیا اور آپ کے پاس کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے بندے ابو جہل میرا حق ہڑپ کرنا چاہتا ہے، اور میں اجنبی آدمی اور مسافر ہوں میں ان لوگوں سے کہا کہ: کون میری مدد کرے گا تو انہوں نے آپ کی جانب اشارہ کیا تو آپ اس سے میرا حق دلا دو اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

---

(1) صحیح الإمام البخاري في- كتاب الأدب- باب لايسب الرجل والديه- رقم حديث (٥٩٧٣)- صحیح الإمام مسلم- کتاب الإیمان- باب بیان الکبائر وأکبرها- رقم حدیث (٩٠) ـــ اور حافظ ابن کثیر کا کلام انکی تفسیر میں دیکھئے: (٣/ ٣١٤ ـ ٣١٥)۔

(2) سیرة ابن هشام (١/ ٤٢٦)۔

(3) إرَاشٌ: همزة کے زیر کے ساتھ: ایک قبیلے کا نام ہے جو کہ خثعم کی شاخ ہے ۔ دیکھئے: الرّوض الأُنف (٢/ ١٧٧)۔

آپ ﷺ نے کہا : اس کے پاس چلو،اس کے ساتھ اللہ کے رسول بھی اٹھے، جب انہوں نے دیکھا کہ آپ اس کے ساتھ گئے تو اپنے ساتھ موجود ایک شخص سے کہا: ان کے پیچھے جاؤ اور دیکھو وہ کیا کرتے ہیں؟

اللہ کے رسول ﷺ نکلے اور اس کے پاس پہونچے اور آپ نے اس کے دروازے پر دستک دی ابو جہل نے کہا یہ کون ہے؟ کہا: میں محمد ہوں، باہر آؤ، وہ باہر آیا،اس کے چہرے پر ایک بھی قطرہ خون نہ تھا،اس کا رنگ بدلا ہوا تھا، آپ نے کہا: آدمی کا حق دو، ابو جہل نے کہا ٹھیک ہے رکو میں اس کا حق دے رہا ہوں، وہ اندر گیا اور اس کا حق لا کر اسے دیدیا پھر اللہ کے رسول ﷺ واپس ہوئے اور اراشی سے کہا اپنا کام کرو، اراشی آگے بڑھا اور اس مجلس پر کھڑے ہو کر بولا اللہ اسے اچھا بدلہ دے اس نے مجھے میرا حق دلوادیا ہے۔

جب ان کے پاس وہ آدمی آیا جسے وہ ابو جہل کا ردعمل دیکھنے کے لئے بھیجے ہوئے تھے،اس سے ان لوگوں نے کہا تیری بربادی ہو تو نے کیا دیکھا، کہا بہت عجیب ماجرا دیکھا، اللہ کی قسم ابھی آپ نے اس کے دروازے کو مارا ہی تھا کہ وہ نکلا اور آپ نے کہا اس کا حق دیدو اور اس نے حق دیدیا۔

پھر تھوڑی دیر میں ابو جہل ان کے پاس آیا تو لوگوں نے اسے ملامت کی، اور اس سے کہا تیری بربادی ہو تجھے کیا ہو گیا؟ ہم نے تجھ سے ایسی بزدلی کبھی نہ دیکھی، ابو جہل نے کہا: تم برباد ہو اس نے جب میرا دروازہ کھٹکھٹایا تو میرا دل رعب سے بھر گیا، میں اس کے پاس گیا تو اس کے سر پر ایک نر اونٹ دیکھا میں نے اس سے بڑا سر اور بڑی گردن اور بڑے دانت کسی نر اونٹ کا نہ دیکھا، اللہ کی قسم اگر میں انکار کرتا تو وہ مجھے کھا جاتا(1)۔

(1) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٤٢٧)۔

● ایک دوسرا قصہ:

ابو جہل کے مذاق اڑانے والے قصوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب فرمان باری تعالی: ﴿ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴾ المدثر: ۳۰ نازل ہوئی تو ابو جہل نے کہا: اے قریش کے لوگوں محمد کا کہنا ہے کہ اللہ کے لشکر کے لوگ جو تمہیں جہنم میں عذاب دیں گے اور اس میں تمہیں روکے رکھیں گے وہ تو صرف ۱۹ ہیں اور تم تو عدد اور کثرت میں ان سے زیادہ ہو تو کیا تم میں سے سو ان میں سے ایک کو نہیں سنبھال سکتے؟

تب اللہ نے اسی بارے میں نازل فرمائی: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً ۙ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا ۙ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۚ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ ﴾ المدثر: ۳۱[1]۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ: یعنی ان کی تعداد اور کثرت کا علم اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں، تاکہ کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ وہ صرف ۱۹ ہی ہیں،... اور صحیحین وغیرہ میں اسراء سے متعلق مروی حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ساتویں آسمان میں موجود بیت معمور کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: ... اس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر ان میں سے کسی کی باری دوبارہ نہیں آتی[2]۔

---

(1) سیرۃ ابن هشام (۱/ ۳۵۰)۔

(2) اسراء اور معراج کے حدیث کی اس مقدار کو روایت کیا ہے: صحیح الإمام بخاري - کتاب دء الخلق - باب ذکر الملائکۃ علیھم السلام - رقم حدیث (۳۲۰۷) — صحیح مسلم - کتاب الإیمان - باب الإسراء برسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - إلی السماوات - حدیث رقم (۱۶۲) - اور حافظ ابن کثیر کا کلام انکی تفسیر میں دیکھئے: (۸/ ۲۷۰)۔

● ایک ضعیف حدیث:

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں شواہد کے ساتھ صحیح سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو جہل نے نبی ﷺ سے کہا: ہم جانتے ہیں کہ تم صلہ رحمی کرتے ہو، سچ بولتے ہو، ہم آپ کو جھوٹا نہیں بولتے ہم تو صرف اس چیز کو جھوٹا کہتے ہیں جو تم لے کر آئے ہو، اللہ نے اس وقت یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ ۖ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ الأنعام: ٣٣ [1]۔

یہ مشرکین کی جانب سے نبی ﷺ کے مذاق اڑانے کی کچھ صورتیں تھیں، نبی ﷺ ان سے دیگر انبیاء کی طرح کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول کا گذر ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام کے پاس سے ہوا تو ان لوگوں نے آپ کا مذاق اڑایا، اس سے آپ کو غصہ آ گیا، اللہ تعالی نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ الأنعام: ١٠ [2]

اس آیت کے بارے میں حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ: اس میں آپ کی قوم میں سے آپ کے جھٹلانے والوں کے جھٹلانے میں آپ کے لئے تسلی ہے، اور آپ کے لئے اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لئے کامیابی اور دنیا اور آخرت میں اچھے انجام کا وعدہ ہے [3]۔

([1]) جامع الترمذي - كتاب التفسير - باب ومن سورة الأنعام - رقم حديث (٣٣١٧) - المستدرك للحاكم - كتاب التفسير - باب تفسير سورة الأنعام - رقم حديث (٣٢٨٣) — اور اسے ابن الأثیر نے جامع الأصول میں نقل کیا ہے - رقم حديث (٦١٥)، اور اسے السلسلة الضعيفة (14/ القسم الثاني 943) میں البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

([2]) سيرة ابن هشام (٢/ ٩) - والبداية والنهاية (٣/ ١١٤)۔

([3]) تفسير ابن كثير (٣/ ٢٤٢)۔

اللہ کے رسول ﷺ صبر واحتساب کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے، اپنی قوم کو نصیحت کرتے رہے، اور جب انہوں نے شر میں سرکشی کی اور حد سے زیاد مذاق اڑانے لگے تو اللہ آپ ﷺ کا مذاق اڑانے والوں کے لئے کافی ہوا اور یہ آیتیں نازل فرمائی: ﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ - الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ الحجر: ٩٥ – ٩٦[1]۔

● رکانہ بن عبد یزید[2] کا رسول ﷺ سے کشتی:

ابو بکر شافعی نے جیّد سند سے ابن عباس کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: رکانہ بن عبد یزید نے نبی سے کشتی لڑی، آپ نے اسے تین مرتبہ پچھاڑا ہر بار سو بکریاں انعام کے طور پر رکھی گئی تھیں، جب تیسری مرتبہ تھا تو اس نے کہا: اے محمد تم سے پہلے میری پشت کو کسی نے زمین سے نہیں لگائی ہے، اور کوئی میرے نزدیک تم سے زیادہ ناپسندیدہ بھی نہ تھا، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود بر حق نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی ساری بکریاں واپس کر دیں[3]۔

---

(1) سیرت ابن ہشام (٢/ ٢٢ - ٢٣)۔

(2) یہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم مطلبی ہیں جو سخت ترین لوگوں میں سے تھے جن سے اللہ کے رسول ﷺ نے دو یا تین مرتبہ کشتی لڑی اور رکانہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اپ ﷺ سے کشتی لڑنے کے بعد مسلمان ہوئے۔
ان کی وفات عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ ۴۲ ہجری میں ان کی وفات ہوئی، دیکھیے: أسد الغابة (٢/ ١٩٩)۔

(3) اسے حافظ ابن کثیر نے البداية والنهاية (٣/ ١١٢) میں نقل کیا ہے اور اس کی نسبت ابو بکر شافعی کی جانب کی ہے اور اس کی سند کو اچھا قرار دیا ہے۔

● قریش کے ایلچی علماء یہود کے پاس اور ان کا آپ کا امتحان لینا:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں صحیح سند سے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: قریش نے یہود سے کہا:

ہمیں کچھ بتاؤ جو ہم اس شخص سے پوچھیں، انہوں نے کہا: ان سے روح[1] کے بارے میں پوچھو، تو انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ الإسراء: ٨٥۔

انہوں نے کہا ہمیں بس تھوڑا علم دیا گیا ہے، ہمیں تورات ملی ہے اور جسے تورات ملی ہو اسے گویا بہت کچھ مل گیا ہے، اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائی: ﴿ قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا ﴾ الكهف: ١٠٩[2]۔

● روح والی آیت مکی ہے یا مدنی؟:

میرا کہنا ہے کہ: صحیحین کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے اللہ کے رسول ﷺ سے روح کی بابت مدینہ میں دریافت کیا تھا، جیساکہ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نبی کے ساتھ کھیت میں چل رہا تھا آپ اس وقت کھجور کی ٹہنی سے ٹیک لگائے ہوئے تھے، اسی وقت کچھ یہودیوں کا گذر ہوا تو ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: ان سے روح کے بارے میں پوچھو، انہوں نے کہا: تمہیں اس سے کیا کرنا ہے، کہیں ایسی بات نہ کہے کہ وہ تمہیں ناگوار گذرے تو انہوں نے کہا پوچھو تو نبی ﷺ اس وقت خاموش ہوگئے آپ نے کچھ جواب نہ دیا، میں سمجھ گیا کہ

---

(1) ابن اسحاق نے السیرۃ (١/ ٣٣٧) میں اضافہ کیا ہے کہ انہوں نے آپ سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں بھی سوال کیا تھا۔

(2) مسند الامام أحمد - رقم حدیث (٢٣٠٩) — صحیح ابن حبان - کتاب العلم - باب إباحة کتمان العالم بعض ما یعلم - رقم حدیث (٩٩)۔

آپ پر وحی آرہی ہے، میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا، جب وحی نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ الإسراء: ۸۵۔[1]۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ مدینہ میں دوسری مرتبہ نازل ہوئی ہوگی اس سے پہلے وہ مکہ میں بھی نازل ہوئی رہی ہوگی، یا یہ وحی اس لئے نازل ہوئی تاکہ آپ ان کے سوال کا جواب پہلے نازل شدہ اس آیت کے ذریعہ سے دیں[2]۔

حافظ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ: اس کے متعدد بار نازل ہونے کے بارے میں اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ دوسری بار اس سلسلے میں مزید وضاحت کے لئے خاموشی کے سبب دوبارہ نازل ہوئی اگر یہ درست ہو تو ٹھیک ورنہ صحیح میں جو وارد ہے وہ کافی ہے، وہ زیادہ صحیح ہے[3]۔

● کافروں کی دشمنی اور قرآن کے بارے میں ان کا موقف:

ابن اسحاق کہتے ہیں: جب اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ان کے علم کے مطابق حق آیا، انہیں آپ کے باتوں کی سچائی کا بھی علم تھا، انہیں آپ کی نبوت کے مقام کا بھی یقین تھا کیونکہ آپ سے انہوں نے جو سوال کیا اس کا جواب غیب سے دیا، مگر حسد ان کے اور ان کے حق کی پیروی اور آپ کی تصدیق کے مابین آڑے آگئی، انہوں نے اللہ کے خلاف بغاوت کی، اور اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا، اور اپنے کفر کی راہ پر ہی باقی رہے، پس ان میں سے کہنے والے نے کہا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾فصلت: ۲۶، یعنی اسے لغو اور

---

(1) صحيح البخاري-كتاب التفسير-باب قوله تعالى {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ} -رقم حديث(٤٧٢١) – صحيح مسلم-كتاب صفات المنافقين-باب سُؤالِ اليهودِ للنبي-صلى اللّٰہ عليه وسلم- عن الروح-رقم حديث(٢٧٩٤)۔

(2) تفسیر ابن کثیر(٥/ ١١٤)۔

(3) فتح الباري(٩/ ٣١٩)۔

باطل بتادو، اور اس کا مذاق اڑاؤ، شاید تمہیں اس پر غلبہ حاصل ہو جائے، کیونکہ اگر تم اس سے مناظرہ کروگے یا جھگڑا کروگے وہ تم پر غالب ہی رہے گا۔

جب ان میں سے بعض نے بعض کو یہ بات کہی تو جب بھی آپ نماز کے وقت قرآن کو بآواز بلند پڑھتے وہ دور ہو جاتے اور قرآن سننے سے انکار کرتے لہذا اگر ان میں سے کوئی قرآن سننا چاہتا تو چوری چوری سنتا، جب اسے لوگوں کو معلوم ہونے کا خدشہ ہوتا تو ان کے اذیت کے خوف سے واپس ہو جاتا، اور نہیں سنتا، اور اگر اللہ کے رسول اپنی آواز پست کرتے تو سننے والے کو محسوس ہوتا کہ وہ آپ قراءت کا کوئی حصہ بھی نہیں سن پا رہے ہیں، اور وہ ان سے چھپ کر آپ کی قراءت سن رہا ہے[1]۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن عباس کے حوالے فرمان باری تعالی : ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴾ الإسراء: ۱۱۰ کی شان نزول سے متعلق روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: یہ اس وقت نازل ہوئی جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں چھپے ہوئے تھے، جب آپ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے تھے تو قرآن پڑھتے ہوئے اپنی آواز بلند کر لیتے، جب مشرک لوگ قرآن سنتے تو وہ قرآن اور اس کے نازل کرنے والے اور لانے والے کو گالی دیتے، اسی پر اللہ نے اپنے نبی سے کہا: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ یعنی اپنی قراءت کو، تاکہ مشرک لوگ اسے سن کر قرآن کو برا بھلا نہ کہیں، اور ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ اپنے ساتھیوں سے کہ سن بھی نہ سکیں ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴾...[2]۔

---

(1) سيرة ابن هشام (۱/ ۳۵۰)۔

(2) صحيح الإمام البخاري- كتاب التفسير- باب قوله تعالى: {وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا} - رقم حديث (۴۷۲۲) — صحيح مسلم- كتاب الصلاة- باب التوسّط في القراءة في الصّلاة الجهريّة- رقم حديث (۴۴۶)۔

● قریش کے سرداروں کا چپکے چپکے قرآن سننا:

قریش کے سردار اپنے دلوں میں قرآن کی مٹھاس محسوس کر رہے تھے، مگر وہ بڑائی اور تکبر ظاہر کر رہے تھے۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ: قریش کے تین سردار: ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق، ایک رات اللہ کے رسول ﷺ سے نماز پڑھتے ہوئے آپ کی قراءت سننے کے لئے نکلے، آپ اس وقت اپنے گھر میں رات کے وقت نماز پڑھ رہے تھے، ان میں سے ہر کوئی الگ الگ قرآن سننے کی خاطر بیٹھ گیا، اور تینوں کو ایک دوسرے کے بارے میں جانکاری نہ تھی، وہ سب سنتے رہے، جب فجر طلوع ہو گیا سب وہاں سے نکل پڑے اور راستے میں سب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو ملامت بھی کی، اور ایک دوسرے سے کہا اب آئندہ ایسا نہ کریں، کیونکہ اگر ہمارے بعض نوجوان اور بے وقوف لوگ دیکھ لیں گے تو انہیں کچھ اور سمجھ آئے گا، پھر وہ واپس ہو گئے، جب دوسری رات تھی، ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ بیٹھے اور سنتے رہے، پھر طلوع فجر کے وقت واپس ہونے لگے اور راستے میں پھر سب کا سامنا ہو گیا، پہلی رات کی طرح وہ پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے، اور واپس ہو گئے، جب تیسری رات آئی پھر وہ پہونچ گئے اور رات بھر سنتے رہے، طلوع فجر کے وقت پھر واپس ہوئی اور پھر سامنا ہو گیا، پھر وہ آپس میں کہنے لگے ہم اس وقت تک الگ نہ ہوب گے جب تک واپس نہ آنے کا عہد نہ لے لیں، اس پر انہوں نے عہد کیا، پھر الگ ہو گئے۔

اخنس بن شریق نے صبح کے وقت اپنا لاٹھی لیا اور ابوسفیان کے پاس پہونچا اور کہا محمد سے جو سنی گئی اس بارے میں کیا خیال ہے، اس نے کہا: اے ابوثعلبہ اللہ کی قسم میں نے بہت سی ایسی بات سنی ہے جس کا معنی بھی مجھے پتہ ہے، اور بعض کا معنی اور مراد نہیں پتہ ہے۔

اخنس نے کہا: میں نے بھی ایسا ہی سنا اس کی قسم جس کی میں قسم کھاتا ہوں، پھر وہ وہاں سے چلا گیا اور ابو جہل کے پاس پہنچا اور کہا اے ابو الحکم محمد سے سنی باتوں کے بارے میں کیا خیال ہے، ابو جہل نے کہا: میں نے کیا سنا؟ ہم نے اور بنو عبد مناف نے شرف کے بارے میں جھگڑا کیا، ہم نے کھلایا اور وہ بھی کھلائے، انہوں نے اٹھایا ہم نے بھی اٹھائی، انہوں نے دیا ہم نے بھی دیا، اور ہم برابر ہو گئے، انہوں نے کہا ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے، ہم ان کے مثل کیسے ہو سکتے ہیں؟ اللہ کی قسم ہم اس پر ایمان لائیں گے نہ اس کی تصدیق کریں گے۔ اخنس وہاں سے اٹھے اور اسے چھوڑ دیا[1]۔

● کبر اور حسد نے ابو جہل کو قبول اسلام سے روکا:

امام بیہقی نے دلائل النبوہ میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے پہلے اس دن جانا تھا جب میں اور ابو جہل مکہ کی گلیوں میں چہل قدمی کر رہے تھے، ہماری ملاقات اللہ کے رسول ﷺ سے ہوئی، اللہ آپ نے ابو جہل سے کہا: ((اے ابو لحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف آجاؤ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں))۔

ابو جہل نے کہا: اے محمد کیا تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آؤ گے، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم یہ گواہی دیں کہ آپ نے پہونچا دیا ہے؟۔

تو ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ تم نے پہنچا دیا ہے، اور اللہ کی قسم مجھے تمہاری کہی ہوئی بات حق معلوم ہوتی تو میں تمہاری پیروی کرتا اس کے بعد اللہ کے رسول واپس ہو گئے۔ اور ابو جہل میری جانب متوجہ ہوا اور بولا اللہ کی قسم مجھے معلوم ہے کہ جو یہ کہہ رہا ہے وہ حق ہے لیکن بنو قصی نے کہا

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۵۲ - ۳۵۳)۔ دلائل النبوۃ للبیھقي (۲/ ۲۰۶). حافظ ابن حجر الاصابۃ (۱/ ۱۹۲) میں کہتے ہیں کہ ذہلی نے "زہریات" میں زہری کے حوالے سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے سعید ابن مسیب کے طریق سے اور انہوں نے زعمائے قریش کے سننے کا قصہ ذکر کیا۔

کہ : ہم میں حجابت کی ذمہ داری ہے ہم نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا: ہمارے پاس ندوہ ہے، ہم نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے کہا: ہمارے پاس لواء ہے، ہم نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا ہمارے پاس سقایہ ہے، ہم نے کہا: ہاں، پھر انہوں نے کھلایا اور ہم نے بھی کھلایا اور جب برابری ہو گئی تو انہوں نے کہا ہم میں سے نبی ہیں اللہ کی قسم میں ایسا نہ کروں گا[1]۔

❁❁❁

(1) دلائل النبوة للبيهقي (٢/ ٢٠٧)۔

حبشہ کی جانب پہلی ہجرت

مسلمانوں کے خلاف قریش کی سنگدلی جاری رہی، انہوں نے مسلمانوں کو تکلیف پہونچانے کے لئے مختلف حربے اختیار کئے، وہ تکلیف دیتے وقت قرابت داری تک کا خیال نہیں کرتے تھے، انہوں نے انسانیت کی حدوں کو پامال کر دیا تھا، ان کے خلاف سختی دن بدن بڑھتی ہی جارہی تھی، یہاں تک کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہو گیا اور وہ اس سخت عذاب سے بچنے کی خاطر کسی حیلے کے بارے میں سوچنے لگے۔

انہیں سخت احوال میں سورہ کہف کا نزول ہوا، جس میں خوف کی حالت میں کفر کی سرزمین سے ہجرت کی طرف بھی اشارہ ہے، پھر سورہ زمر نازل ہوئی اس میں بھی ہجرت کی طرف اشارہ موجود ہے، اس میں یہ اعلان بھی ہے کہ اللہ کی زمین تنگ نہیں ہے: ﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ الزمر: ١٠[1]۔

اللہ کے رسول ﷺ کو حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ایک انصاف پسند بادشاہ ہے، اس کے یہاں کبھی کسی پر ظلم نہیں ہوتا، لہذا اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں پر اپنی آنکھوں کے سامنے ان پر پیش آمدہ آزمائش اور ان پر ڈھائے جارہے ظلم اور کبر اور پریشانی کو دیکھتے ہوئے ان سے کہا، ((جب تک اللہ تمہارے لئے کوئی آسانی نہیں کرتا اگر تم سرزمین حبشہ کی جانب نکل چلتے وہاں ایک بادشاہ ہے جس کے پاس کسی پر ظلم نہیں ہوتا ہے وہ سچی سرزمین ہے))[2]۔

---

(1) الرحیق المختوم ص ۹۲۔

(2) ابن ھشام نے السیرۃ (۱/ ۳۵۸) میں اس حدیث کو بلا سند تخریج کیا ہے- اور البیھقي نے دلائل النبوۃ (۲/ ۳۰۱) میں- اور ألباني نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ- رقم حدیث (۳۱۹۰) میں اور اس کی اسناد کو جید قرار دیا ہے۔

شیخ علی طنطاوی کہتے ہیں: رسول ﷺ نے انہیں اب سب سے سخت اور زیادہ دشوار چیز کی طرف یعنی اپنے وطن اور گھر والوں کو چھوڑنے کی جانب دعوت دی تاکہ وہ اپنے دین کی حفاظت کی خاطر ایسے ملک چلے جائیں جہاں کے وہ ہیں ہی نہیں، اور نہ ہی اس کا ان سے کوئی تعلق ہے، نہ ہی ان کی زبان ایک ہے نہ ان کا دین ایک ہے حبشہ کی طرف جانے کا حکم دیا، وہ اپنے گھروں سے نکل پڑے، اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیا، اور حبشہ کی جانب نکل پڑے، حبشہ کی جانب روانہ ہوگئے، قریش کی اذیت حبشہ تک بھی ان کے پیچھے پہونچ گئی، قریش کے لوگ اپنی ہٹ دھرمی اور کفر وعناد پر قائم رہے، لیکن کیا قریش کے لوگوں میں اللہ کے نور کو مٹانے کی طاقت تھی؟[1]۔

● حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں کی تعداد:

اس وقت فتنے کی خوف سے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی ایک جماعت سرزمین حبشہ کی جانب روانہ ہوگئے، یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی، جو کہ بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی؟ اور اس میں دس آدمی اور چار عورتیں شامل تھیں[2]۔

ہجرت حبشہ کے لئے سب سے پہلے نکلنے والے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کے ساتھ آپ کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ بھی تھیں۔

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بسند ضعیف عبدالرحمن بن اسحاق عن ابیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: مجھ سے سعد نے بیان کیا: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ دونوں یعنی عثمان اور رقیہ لوط اور ابراہیم علیہما السلام کے بعد پہلے ہجرت کرنے والے ہیں[3]۔

---

(1) رجال من التاریخ للشیخ علي الطنطاوي رَحِمَہُ اللہ تعالَی ص ١٤۔

(2) الطبقات الکُبریٰ (١/ ٩٨)۔ زاد المعاد (٣/ ٢٦)۔ البدایۃ والنھایۃ (٣/ ٧٤)۔ وفتح الباري (٧/ ٥٨٤)۔

(3) مستدرک الحاکم۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ رَضِيَ اللہ عَنھُم۔ باب ذکر أوّل من ھاجر بعد لوط وإبراھیم علیھما السلام۔ رقم حدیث (٦٩٣٣) — اور اسے حافظ نے الإصابۃ (٨/ ١٣٨) میں نقل کیا ہے اور اسکی نسبت ابن مندہ کی جانب کی ہے، اور کہا ہے کہ اس کی إسناد کمزور ہے — مزید دیکھئے: السلسلۃ الضعیفۃ للألباني۔ رقم حدیث (٤٤٦٤)۔

عثمان کے علاوہ باقی دس مردوں کے نام یہ ہیں: ابو حذیفہ بن ربیعہ، زبیر بن عوام، مصعب بن عمیر، عبدالرحمن بن عوف، ابو سلمہ بن عبدالاسد، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ، ابو سبرہ بن ابورہم، سہیل بن بیضاء اور ابو حاطب بن عمرو۔

اور رقیہ بنت رسول اللہ کے علاوہ تین عورتیں یہ تھیں: سہلہ بنت سہیل بن عمرو ابو حذیفہ بن عتبہ کی بیوی ان کے یہاں حبشہ میں ان کے بیٹے محمد بن ابو حذیفہ کی ولادت ہوئی، اور ام سلمہ بنت ابی امیہ ابو سلمہ بن عبدالاسد کی بیوی حبشہ میں ان کی بیٹی زینب بنت ابی سلمہ کی ولادت ہوئی، لیلی بنت ابی حثمہ عامر بن ربیعہ کی بیوی یہ مسلمان حبشہ کے لئے روانہ ہوئے تھے، اور ان کے امیر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے[1]۔

یہ سب چھپ کر نکلے تھے، یہ پہلے دریا کی جانب نکلے تھے، کچھ پیدل تھے اور کچھ سوار اور اللہ نے مسلمانوں کے لئے اتفاق سے اسی وقت دو تجارتی کشتیاں بھیج دیں، جس پر نصف دینار کرایہ دے کر وہ سوار ہو کر حبشہ کے لئے نکل پڑے، قریش کو ان کے نکلنے کا علم ہوا تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی نکل پڑے، لیکن قریش کے ساحل سمندر پر پہونچنے سے قبل ہی مسلمان وہاں سے امن وامان کے ساتھ نکل چکے تھے[2]۔

مسلمانوں نے رجب کے باقی دن اور شعبان سے رمضان تک حبشہ میں اچھی جگہ اور اچھی صحبت میں رہے اور پھر مکہ واپس آگئے[3]- جیسا کہ آگے آئے گا-۔

(1) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۵۹ - ۳٦۰)- فتح الباري (۷/ ۵۸٤)- الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۹۸)۔
(2) الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۹۸)- زاد المعاد (۳/ ۲۱)۔
(3) الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۹۹)۔

● کفار قریش کا سجدہ:

بعثت کے پانچویں سال رمضان میں اللہ کے رسول ﷺ حرم آئے، وہاں قریش کے کئی لوگ موجود تھے، قریش کے سردار اور بڑے لوگ بھی وہاں تھے، آپ نے سورہ نجم کی تلاوت شروع کی جب سجدہ پر پہونچے تو مسلمان اور کافر سبھی نے آپ کے ساتھ سجدہ کیا، سوائے امیہ بن خلف اور مطلب بن ابو وداعہ کے۔

شیخان نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: سجدے والی سورتوں میں سب سے پہلے سورہ نجم نازل ہوئی وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول نے سجدہ کیا اور آپ کے پیچھے سبھی نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے اس نے ایک ہتھیلی مٹی لی اور اس پر سجدہ کر لیا میں نے اس کے بعد اسے دیکھا کہ وہ حالت کفر میں قتل کیا گیا وہ امیہ بن خلف تھا[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح مطلب بن ابی وداعہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا آپ نے سورہ نجم کے تلاوت پر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا، اور میں نے ان کے ساتھ سجدہ نہ کیا تھا- وہ اس دن مشرک تھے- اب میں اس کا سجدہ کبھی بھی ترک نہیں کرتا ہوں[2]۔

امام سندی مسند کی شرح میں کہتے ہیں کہ: آپ کا کہنا کہ میں اس میں کبھی بھی سجدہ نہیں چھوڑتا، اس دن اس کے فوت ہونے کے تلافی کے طور پر ہے، یعنی اس دن مجھ سے فوت ہوا تو اب

([1]) صحیح الأمام البخاري- کتاب التفسیر- باب قولہ تعالَی: {فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا} - رقم حدیث (٤٨٦٣) — صحیح الامام مسلم- کتاب المساجد- باب سجود التلاوۃ- رقم حدیث (٥٧٦)۔

([2])مسند الامام أحمد- رقم حدیث (١٥٤٦٤) —مستدرک الحاکم- کتاب معرفۃ الصحابۃ- باب ذکر المطلب بن أبي وَداعۃ- رضي اللہ عنہ- رقم حدیث (٦٧٢٢) —اور حافظ نے الإصابۃ (٦/ ١٠٤) —میں اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

اس کے بعد میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں، بلکہ میں اس کی تلافی اور پچھتاوے کے طور پر ہمیشہ اس کا اہتمام کروں گا[1]۔

● غرانیق[2] کا قصہ:

بعض مؤرخین نے ایک باطل قصہ ذکر کیا ہے، جو قصہ غرانیق کے نام سے جانا جاتا ہے، اس قصے کو بعض زندیقوں نے گڑھا ہے اور ان کا یہ دعوی ہے کہ نبی ﷺ نے بتوں کی تعریف کرکے مشرکوں کی تقرب حاصل کی ہے، اور آپ ﷺ نے فرمان باری تعالی: ﴿ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ - وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴾ النجم: ١٩ - ٢٠ کی تلاوت کے بعد کہا: ((تلك الغرانيق العلى وإن شفاعتهن لترتجى)) انہوں نے یہ بھی دعوی کیا کہ مشرکین نے بھی نبی ﷺ کی اس تلاوت سے رضامندی ظاہر کی اور جب آپ نے سجدہ کیا تو انہوں نے بھی سجدہ کیا[3]۔

قرآن و سنت پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ بالکل باطل اور موضوع ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ - لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ - ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴾ الحاقة: ٤٤ - ٤٦۔ اور اللہ کا یہ بھی فرمان ہے: ﴿ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ - إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴾ النجم: ٣ - ٤۔

اور آپ ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی بت کا تقرب حاصل نہ کیا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز کردیا، اور جب نبوت سے قبل آپ نے

---

(1) شرح السندي لمسند الإمام أحمد (٨/ ٣٢٣)۔

(2) غَرَانِيق: سے یہاں بت مراد ہیں جبکہ اصل میں یہ پانی کے پرندوں میں سے نروں کو کہا جاتا ہے جس کی واحد غرنوق آتی ہے ان کا یہ نام ان کی سفیدی کی وجہ سے پڑا دیکھیے: النهاية (٣/ ٣٢٧)۔

(3) الطبقات الكبرى (١/ ٩٩)۔

جاہلیت کے کسی کام کا ارادہ کیا، تو اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، جیسا کہ ہم اسے پہلے بیان کر چکے ہیں تو آپ اسلام میں ایسا کیونکر کر سکتے ہیں؟۔

●اس قصہ کے باطل ہونے پر علماء کے اقوال:

اس قصے کی صحت میں کئی اہل علم نے طعن کیا ہے:

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس قصے کو صحت کا اہتمام کرنے والوں میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کی ہے، نہ ہی کسی ثقہ نے صحیح اور متصل سند سے روایت کیا ہے، اسکے اور اس کے مثل روایتوں کے ذکر کا چسکا ان مفسرین اور مورخین کو ہے جو ہر غریب اور عجیب چیز کو روایت کرتے ہیں، جو صحیفوں سے ہر صحیح اور سقیم کو اچک لیتے ہیں، اور اہل تفسیر اور تاریخ میں سے جن سے بھی یہ حکایت ان میں سے کسی نے بھی، اس کی سند بیان نہیں کی ہے، اور نہ ہی اس کے بیان کرنے والے کی طرف نسبت ہی کی ہے، ان سے جو بھی واسطے ہیں سب کمزور اور بے بنیاد ہیں[1]۔

امام نووی نے کہا ہے کہ: جو اخباری اور مفسر لوگ نبی ﷺ کی زبان پر سورہ نجم میں مشرکین کے معبودوں کی تعریف نقل کرتے ہیں، وہ سب باطل ہیں، ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں، نہ ہی نقل کی جہت سے اور نہ عقل سے کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی بھی معبود کی تعریف کفر ہے، اس کی نسبت اللہ کی رسول کی طرف کرنا درست نہیں، اور نہ ہی شیطان آپ پر حاوی ہی ہو سکتا تھا، واللہ اعلم[2]۔

اور حافظ بن کثیر کہتے ہیں: یہاں پر بہت سے مفسرین نے غرانیق کا قصہ اور مشرکین مکہ کے اسلام کی خبر کو سن کر مسلمانوں کے سرزمین حبشہ سے واپس ہونے کی بات کو نقل کیا ہے،

([1]) كتاب الشفا بتعريف حقوق المصطفى (٢/ ١٣٢ - ١٣٣) از قاضي عياض۔

([2]) صحيح مسلم بشرح النووي (٥/ ٦٤)۔

مگر وہ سبھی مرسل روایات ہیں، میں نے اسے کسی صحیح سند سے مسند نہیں دیکھی ہے۔ واللہ اعلم۔ (1)

شیخ محمد غزالی کہتے ہیں کہ : بعض غافل لوگوں کا گمان ہے کہ اسلام اور بت پرستی کے مابین ہدنہ واقع ہوا تھا جس کی بنیاد یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مشرکین سے قریب ہونے کی خاطر ان کے معبودوں کی تعریف کی تھی، اور انکے مقام کا اعتراف کیا تھا، اسی ہدنہ کے سبب مسلمان سرزمین حبشہ سے واپس آئے تھے...

اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتوں کی تعریف میں کیا کہا تھا؟ یہ غافل لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے "تلك الغرانيق العلا وان شفاعتهن لترتجى" کہا تھا۔

اور آپ نے ان کلمات کو کہاں رکھا؟ کیا آپ نے انہیں سورہ نجم میں بتوں سے متعلق آیتوں کے درمیان رکھا۔

کہ یہ آیتیں اس طرح ہوگئیں : ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ - وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ﴾ تلك الغرانيق العلا وان شفاعتهن لترتجى ﴿أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ - تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ - إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ﴾ النجم: ١٩ - ٢٣۔

جس کا معنی یہ ہوگا: مجھے تم اپنے معبودوں کے بارے میں بتاؤ کیا وہ اس اس طرح ہیں، کہ ان شفاعت کی امید کی جائے یہ بے اصل نام ہیں، یہ خرافات اور ایجاد شدہ ہیں، تم نے انہیں مؤنث کیا بنادیا ہے، اور ان کی نسبت اللہ کی طرف کردی ہے؟ اور تم خود مؤنث کی نسبت اپنی جانب نہیں کرنا چاہتے، یہ تو بہت ہی ظالمانہ تقسیم ہے!

---

(1) تفسیر ابن کثیر (٥/ ٤٤١)۔

کیا یہ بات کسی عاقل سے صادر ہو سکتی ہیں، چہ جائیکہ یہ وحی ہو؟ یہ بیوقوفانہ باتیں ان کے لکھنے اور نقل کرنے والوں کی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اگر اللہ پر جھوٹ باندھتے تو آپ کی رگ کاٹ دی جاتی، جیسا کہ اللہ کی کتاب میں صراحت سے وارد ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ- لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ- ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ- فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ الحاقة: ٤٤ - ٤٧۔

اور جو صحیحین میں ہے وہ یہ ہے کہ رسول ﷺ نے ایسی مجلس میں سورہ نجم پڑھی جس میں مشرک اور مسلمان سبھی تھے، اور اس سورت کی آخری آیتیں اتنی زوردار ہیں کہ ہوش اڑ جاتے ہیں جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں پڑھی تو اس کو جلدی جلدی پڑھ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ فرمان باری تعالی ﴿ وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ- فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ- فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ- هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ- هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ- لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ- أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ- وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ- وَأَنتُمْ سَامِدُونَ- فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴾ النجم: ٥٣ - ٦٢ پر پہونچے تو حق کی خوبصورتی نے ان متکبروں اور مذاق اڑانے والوں کے عناد اور دشمنی کو کھوکھلا کر دیا تھا، لہذا وہ مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے سے خود کو نہ روک سکے[1]۔

● کافروں نے سجدہ کیوں کیا؟

صحیح بات یہ بھی ہے ان کافروں نے قرآن کے بلاغت کے سبب سجدہ کیا تھا، وہ لوگ پہلی مرتبہ بلا تشویش قرآن سن رہے تھے۔

شیخ صفی الرحمن مبارکفوری کہتے ہیں کہ: ان لوگوں نے اس سے پہلے قرآن کو سنا ہی نہیں تھا، کیونکہ ان کا مسلسل طریقہ کار ایک دوسرے کو نہ سننے کی تلقین کرنا ہی تھا، وہ کہتے تھے: ﴿وَقَالَ

---

[1] فقه السيرة ص(١١١ - ١١٢)۔

الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾فصلت: ٢٦، مگر جب انہوں نے اچانک یہ سورہ یعنی سورہ نجم سنی اوران کے کانوں نے یہ ناقابل بیان خوبصورت کلام الٰہی سنی تو وہ اس میں گم ہوگئے، ہر کوئی اسے سنتا ہی رہ گیا، اسے کچھ اور سوجھا ہی نہیں، یہاں تک کہ آپ نے اس سورت کے ہوش اڑا دینے والے آخری حصے کو پڑھا: ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ- فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ- فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ-هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ- هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ- لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ- أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ- وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ- وَأَنتُمْ سَامِدُونَ-﴾ النجم: ٥٣ - ٦١ اور پھر پڑھا: ﴿فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا﴾ النجم: ٦٢-

اور آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو ان میں سے کوئی خود پر کنٹرول نہ کرسکا، دراصل یہ حقیقی خوبصورتی تھی، جس نے اہل تکبر اور اہل استہزاء کی دشمنی کو توڑ دیا تھا، لہذا وہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے نہ رہ سکے۔

جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اللہ کے کلام کی عظمت نے ان کی ڈور کو موڑ دیا ہے، ان کے ہاتھ سے سب کچھ گر گیا، اس لئے وہ وہی کام کر بیٹھے جس کو مٹانے اور فنا کرنے کے لئے وہ کوشاں تھے، اس لئے جو مشرکین اس موقف کے وقت حاضر نہ تھے ان کی طرف سے ان پر چہار جانب سے ملامت اور عتاب کی بارش ہوئی، اس لئے انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر یہ جھوٹ گڑھا کہ آپ نے ان کے بتوں کے احترام کی بات کرتے ہوئے کہا تھا: ((تلک الغرانیق العلی، وإن شفاعتهم لترتجى)) انہوں نے یہ جھوٹا الزام تراشی کی تا کہ وہ اپنے قوم سے نبی ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے پر معذرت پیش کرسکیں، یہ اس جھوٹی قوم سے کوئی بعید بات نہیں ہے، کیونکہ ان کا شیوہ ہی جھوٹ اور دسیسہ کاری تھا[1]۔

---

(1) الرحیق المختوم ص ٩٣۔

• کئی ایسے قصے جو قرآن سے کفار کے حیرت زدہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں:

میں کہتا ہوں: قرآن سے کفار کے حیرت زدہ ہونے اور اسکی بلاغت کے سامنے کھڑا ہونے طاقت نہ پانے کے بہت سے قصے ہیں، انہیں میں سے ایک قصہ وہ بھی ہے جس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں جبیر بن مطعم کے قبول اسلام کے قصے میں کی ہے، جبیر کہتے ہیں کہ میں نے نبی کو مغرب میں طور پڑھتے ہوئے سنی جب آپ اس آیت پر پہونچے: ﴿ أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ- أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ﴾ ﴿أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ﴾ الطور: ٣٥ - ٣٧ قریب تھا کہ میرا دل اڑ جائے[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح سند کے ساتھ صعصعہ بن معاویہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے تو نبی ﷺ نے آپ کے سامنے یہ آیتیں پڑھی : ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ- وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾ الزلزلة: ٧ - ٨۔

تو انہوں نے کہا کہ: بس رہنے دو اب میں صرف یہی سنتا رہوں گا[2]۔

• مہاجرین حبشہ کی واپسی:

یہ خبریں ہجرت کر کے حبشہ گئے لوگوں تک بھی پہونچ گئیں، لیکن حقیقت سے بالکل مختلف شکل میں، انہیں یہ بات پہونچی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کرلیاہے، اور نبی ﷺ کے ساتھ انہوں نے سجدہ بھی کیاہے، مہاجروں نے کہا: ہمارے خاندان کے لوگ ہمارے نزدیک زیادہ محبوب ہیں، لہذا وہ مکہ واپسی کے لئے حبشہ سے نکل پڑے، یہ بعثت کے پانچویں سال ماہ شوال کی بات

---

(1) صحیح البخاری- کتاب التفسیر- باب سورۃ الطور- رقم حدیث (٤٨٥٤) اور قاضی ایاز نے اپنی کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفی میں جو بات لکھی ہے اس کا مراجعہ آپ اعجاز القرآن کے فصل میں کریں تاکہ آپ قران کے ذریعے سے ان کافروں کے حیران رہ جانے کے بہت سارے قصے دیکھ سکیں۔

(2) مسند الامام احمد- رقم الحدیث (٢٠٥٩٣)۔

ہے، جب وہ مکہ سے صرف ایک گھنٹے کی دوری پر تھے انہیں پوری حقیقت معلوم ہوئی، اور انہیں معلوم ہوا کہ اب مشرکوں کی اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی اور شدت اختیار کر چکی ہے، تو انہوں نے حبشہ کی جانب واپسی کا ارادہ کیا، پھر انہوں نے کہا: اب تو ہم مکہ پہونچ ہی چکے ہیں، تو اب ان میں سے کچھ یا تو چھپ کر یا قریش کے کسی آدمی کی جوار میں مکہ کے اندر داخل ہوئے، اور کچھ لوگ حبشہ کی جانب واپس لوٹ گئے [1]۔

● عثمان بن مظعون پناہ لے کر داخل ہوئے:

پناہ لے کر مکہ میں داخل ہونے والوں میں سے عثمان بن مظعون بھی تھے، وہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں داخل ہوئے تھے، جب انہوں نے مسلمانوں کے ستائے جائے ان کی تکلیفوں کو دیکھا، تو کہا اللہ کی قسم میرا ایک مشرک کی پناہ میں امن امان سے چلنا پھرنا اس حال میں کہ میرے ساتھی اور ہم دین بھائی ایسی سخت تکلیف اور اذیت کے شکار ہیں، میرے لئے بہت نقصان کی بات ہے، وہ ولید بن مغیرہ کے پاس پہونچے اور کہا: اے ابو عبد شمس آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی، اور اب میں آپ کی پناہ کو واپس کرتا ہوں، ولید نے کہا: کیوں میرے بھتیجے؟ شاید میرے پناہ میں رہتے ہوئے تمہیں میری قوم کے کسی نے تکلیف دی ہو؟ انہوں نے کہا: نہیں، بس مجھے اللہ کی پناہ چاہئے، میں کسی اور کی پناہ نہیں چاہتا، اس پر ولید نے کہا: اچھا مسجد کے پاس چلو اور اعلانیہ طور پر تم اسی طرح میرے جوار کو مجھے واپس دو جس طرح میں نے تمہیں اعلانیہ پناہ دی تھی، وہ دونوں مسجد گئے، اور ولید نے کہا: یہ عثمان بن مظعون ہیں، میرا جوار واپس کر رہے ہیں، عثمان نے کہا: انہوں نے صحیح کہا، میں نے انہیں وفادار اور اچھے جوار والا پایا، لیکن میں چاہتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کسی کی پناہ نہ حاصل کروں، میں اب ان پر ان کے جوار کو واپس کر رہا ہوں، ولید نے کہا: میں تمہیں

---

[1] الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۹۹)-البدایۃ والنهایۃ (۳/ ۷٤)-زاد المعاد (۳/ ۲۱)-سیرۃ ابن ہشام (۱/ ٤۰۲)۔

گواہ بناتا ہوں کہ میں اب انہیں پناہ دینے سے بری ہوں، پھر عثمان واپس لوٹ گئے، اور لبید بن ربیعہ اسلام لانے سے قبل قریش کی ایک مجلس میں انہیں شعر سنا رہے تھے، عثمان بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے، لبید نے کہا:

ألا كل شيء ما خلا الله باطل ....

عثمان نے کہا: آپ نے سچ کہا، پھر لبید نے کہا:

.... وكل نعيم لا محالة زائل

عثمان نے کہا: تو جھوٹ کہتا ہے، جنت کی نعمتیں زائل نہ ہوں گی۔

لبید نے کہا: اے قریش کے لوگوں! اللہ کی قسم تمہارے ساتھی کو کبھی بھی اذیت نہیں دی جاتی تھی، یہ تم میں کب آئے، ان میں سے ایک نے کہا: یہ اپنے ساتھ موجود بیوقوفوں میں سے ایک بیوقوف ہے، انہوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا، تم اس کی بات کا برا مت مانو، اس پر عثمان نے اس کا جواب دیا یہاں تک کہ ان کی بات نے طول پکڑلی، پھر وہ شخص اٹھا اور اس نے ان کی آنکھ پر طمانچہ مار دیا، مغیرہ وہیں قریب ہی عثمان کے معاملے کو دیکھ رہا تھا، ولید نے عثمان سے کہا: میرے بھتیجے اللہ کی قسم تمہاری آنکھ کو جو پہونچی ہے وہ نہ پہونچتی، تم ایک طاقت ور ذمہ میں تھے، مگر اس سے نکل گئے، ورنہ تم اس پریشانی سے محفوظ رہتے، پھر وہ سبھی ہنسنے لگے، عثمان نے کہا: بلکہ میں اس کے لئے فقیر تھا، اللہ کی قسم میری صحیح آنکھ جسے طمانچہ نہیں پڑا ہے اس کو اپنے ساتھی کی طرح اللہ کے راستے میں پڑے طمانچے کی ضرورت ہے، اور میرے لئے اس کا نمونہ ہے جو تم دونوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے، اور میں اللہ کی قسم اس کی پناہ میں ہوں جو اے ابو عبد شمس تم سے زیادہ طاقتور اور زیادہ قدرت والا ہے، ولید نے ان سے کہا: اگر چاہو تو میں تمہیں دوبارہ پناہ دے سکتا ہوں، عثمان نے کہا: مجھے آپ کے پناہ کی کوئی ضرورت نہیں[1]۔

---

(1) سیرۃ ابن هشام (۱/ ۴۰۷)۔

●ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کا مکہ میں پناہ لینا:

ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی اپنے ماموں ابو طالب کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوئے، کچھ لوگ بنو مخزوم کے ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: اے طالب تم اپنے بھتیجے محمد کو بچاتے ہو اب ہمارے اس ساتھی کو کیوں بچا رہے ہو؟

ابو طالب نے کہا: انہوں نے مجھ سے پناہ مانگی اور وہ میرا بھانجہ بھی ہے، اگر میں اپنے بھانجے کو نہیں بچاؤں تو اپنے بھتیجے کو بھی نہ بچاؤں گا، ابو لہب غصہ ہو کر اٹھا، اور کہا: اے قریش کے لوگوں تم نے شیخ پر زیادتی کی ہے، تم ہمیشہ ان کے قوم کے مابین ان کی پناہ کے سلسلے میں دوڑتے ہو، تم اس سے باز آجاؤ یا میں اس کے ہر کام میں اس کا ساتھ دوں گا یہاں تک کہ وہ جو چاہیں وہی ہوگا!

انہوں نے کہا: نہیں ابو عتبہ اگر آپ کو ناگوار گذرے تو ہم واپس ہو جاتے ہیں، اور ابو لہب رسول کے خلاف ان کا حامی اور ناصر تھا، انہوں نے اسی پر چھوڑ دیا، جب ابو طالب نے ابو لہب سے یہ بات سنی تو اسے یہ امید ہوئی کہ ابو لہب رسول کے معاملے میں آپ کا ساتھ دیں گے، اور اس وقت انہوں نے ابو لہب کو اپنے اور نبی کی مدد پر ابھارتے ہوئے یہ شعر کہے:

وإن امرأ أبو عتيبة عمه — لفي روضة ما يسام المظالما

أقول له وأين منه نصيحتي — أبا معتب ثبت سوادك قائما

ولا تقبلن الدهر عشت خطة — تسب بها إما هبطت المواسما

وول سبيل العجز غيرك منهم — فإنك لم تخلق على العجز لازما

وحارب فإن الحرب نصف ولن ترى — أخا الحرب يعطى الخسف حتى يسالما

وكيف ولم يجنو عليك عظيمة — ولم يخذلوك غانما أو مغارم

جزى الله عنا عبد شمس ونوفلا — وتيما ومخزوما عقوقا ومأثما

بتفريقهم من بعد ود وألفة — جماعتنا كيما ينالو المحارما

كذبتم وبيت الله نبزى محمدا ولما تروا يوما لدى الشعب قائما[1]

لیکن ابو لہب نے رسول ﷺ کی مدد سے متعلق اپنے بھائی ابو طالب کے بات نہ سنی اور قریش کے ساتھ ہو گیا۔

● ابن مسعود کے حبشہ واپسی کی بابت ابن سعد کا وہم:

میں کہتا ہوں کہ: ابن سعد نے اپنی طبقات[2] میں ذکر کیا ہے کہ: عبداللہ بن مسعود مکہ میں داخل نہیں ہوئے تھے، اور وہ حبشہ واپس ہو گئے تھے، اور پھر وہاں سے دوسری مرتبہ مدینہ جانے والوں کے ساتھ مدینہ گئے تھے۔

ابن قیم نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ: یہ درست نہیں ہے کیونکہ ابن مسعود بدر میں شریک تھے، اور انہوں نے ہی ابو جہل کے بارے میں بتایا تھا، اور اس ہجرت والے جعفر بن ابو طالب اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ بدر کے چار یا پانچ سال بعد مدینہ آئے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابن سعد نے جو ذکر کیا ہے وہ زید ابن ارقم کی اس بات کے موافق ہے: ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے، ایک شخص اپنے بغل میں موجود ساتھی سے گفتگو کرتا تھا، یہاں تک کہ فرمان باری تعالی: ﴿ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴾ البقرة: ٢٣٨ نازل ہوئی تو ہمیں خاموشی کا حکم ہوا اور بات سے منع کر دیا گیا[3]۔

---

(1) سيرة ابن هشام (١/ ٤٠٩)۔

(2) الطبّقات الكُبرى (١/ ٩٩)۔

(3) صحیح البخاری - کتاب العمل بالصلاة - باب ما يُنهى من الكلام في الصلاة - رقم حديث (١٢٠٠) - كتاب التفسير - باب قوله تعالى {وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ} - رقم حديث (٤٥٣٤) — صحيح الامام مسلم - كتاب المساجد ومواضع الصلاة - باب تحريم الكلام في الصلاة - رقم حديث (٥٣٩)۔

اور زید بن ارقم [1] انصار میں سے تھے، اور یہ سورت بھی مدنی ہے اور اس ابن مسعود نے انہیں نماز کی حالت میں سلام کیا تھا، اور انہوں نے سلام پھیرنے تک ان کا جواب نہ دیا، اور انہیں بات چیت کے ممانعت کی بات بتائی، اس طرح ان کی اور ابن زید کی بات یکساں ہوئی۔

ہم کہتے ہیں: اس سے ابن مسعود کی بدر میں شرکت باطل ہو جاتی ہے، اور ہجرت حبشہ ثانیہ والے تو خیبر والے سال جعفر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ آئے تھے، اور اگر ابن مسعود بدر سے پہلے آنے والوں میں ہوتے تو ان کی آمد کا ذکر کہیں نہ کہیں ہوتا۔ لیکن کسی نے بھی مہاجرین حبشہ کی آمد کا تذکرہ نہیں کیا ہے سوائے مکہ میں پہلی آمد اور دوسری بار جعفر کے ساتھ خیبر کے سال ،تو ان دونوں مرتبہ کے علاوہ ابن مسعود کب اور کس کے ساتھ آئے؟

اس بارے میں جس طرح ہم نے کہا ویسے ہی ابن اسحاق بھی کہتے ہیں، انہوں نے کہا ہے کہ حبشہ کے لئے نکلنے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو یہ خبر ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ خبر ملتے ہی وہ واپس ہونے لگے جب مکہ سے قریب ہوئے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے اسلام کی خبر بے بنیاد تھی، تو ان میں کوئی بھی مکہ میں بلا جوار یا چھپے بغیر داخل نہ ہوا، ان میں سے جو لوگ واپس ہوئے اور ہجرت مدینہ تک وہاں قیام کیا تھا اور بدر واحد میں شریک ہوئے تھے، ان میں سے عبد اللہ بن مسعود بھی تھے [2]۔

([1]) یہ زید بن ارقم خزرجی انصاری ہیں احد کے دن یہ چھوٹے تھے اور خندق میں پہلی بار شریک ہوئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا پہلا غزوہ مریسیع کا تھا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ۱۷ غزوات میں شرکت کی جیسا کہ صحیح احادیث میں ثابت ہے اور سورہ منافقون کے نزول سے متعلق ان کا قصہ مشہور ہے اور وہی ہیں جنہوں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اس میں سے غزیز لوگ ذلیل لوگوں کو نکال دیں گے تو انہوں نے یہ بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن سلول سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالی نے زید رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں ایت نازل فرمائی تھی جیسا کہ صحیحین میں ثابت ہے اور انہی کے سلسلے میں اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ :((بے شک اللہ تعالی نے تمہاری تصدیق فرمائی ہے یہ مختار کے دنوں میں کوفہ میں سنہ ٦٦ ہجری میں فوت ہوئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ٦٨ ہجری میں فوت ہوئے دیکھیے: الإصابة (٢/ ٤٨٧)۔

([2]) سیرة ابن هشام (١/ ٤٠٢)۔

اگر یہ کہا جائے کہ زید بن ارقم کی حدیث کا کیا کیا جائے گا؟

کہا جائے گا کہ: اس کا دو جواب دیا جاسکتا ہے، پہلا جواب: ممانعت مکہ میں ہو گئی ہو پھر مدینہ میں اجازت رہی ہو اور پھر دوبارہ منع کیا گیا ہو۔

دوسرا: زید بن ارقم صغار صحابہ میں سے ہیں اور وہ اور ان جیسے لوگ اپنے عادت کے مطابق نماز میں بات کیا کرتے تھے، انہیں منع کی خبر نہ تھی، جب انہیں ممانعت معلوم ہوئی تو وہ باز آگئے، اور اس حدیث میں زید نے تمام نمازیوں کے بات کرنے کی بات نہیں کہی ہے، کہ وہ اس آیت کے نزول تک ایسا کرتے تھے اور اگر مان لیا جائے تو یہ ان کا وہم ہوگا[1]۔

● نبی ﷺ کے سلسلے میں قریش کی ابو طالب سے بات چیت:

قریش کو یہ یقین ہو گیا کہ کمزور مسلمانوں کو ستانے اور انہیں پریشان کرنے سے لوگوں کو اللہ کی دعوت سے پھیرا نہیں جا سکتا ہے اور مذاق اور دین کے معالم کو مشکوک کرنے کا طریقہ اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے کار گر نہیں ہے تو قریش نے ایک بار پھر بات چیت کے طریقے کا سہارا لیا[2]۔

وہ دوبارہ ابو طالب کے پاس گئے، اور کہا اے ابو طالب آپ ہم میں بزرگ اور شرف و مقام والے ہیں، اور آپ کا بھتیجہ ہمیں ہماری مجلس اور مجمعوں میں تکلیف دیتا ہے، اور ہم نے آپ کو آپ کے بھتیجے سے دور رہنے کو کہا مگر تم نے ایسا نہیں کیا، اور ہم اللہ کی قسم اس پر خاموش نہیں رہیں گے، کہ کوئی ہمارے آباء واجداد کو برا کہے، ہمیں کم عقل بتائے اور ہمارے معبودوں کی عیب

---

(1) زاد المعاد (۳/ ۲۲ - ۲۳)۔

(2) تاریخی مصادر ان دونوں وفادوں کے زمانے کا تذکرہ نہیں کرتی میرا مقصد ہے دوسرا وفادہ جبکہ قریش کے لوگوں نے ابو طالب سے اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا جو کہ ائندہ فقرے میں ائے گا لیکن قرائن اور شواہد میں غور کرنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ دونوں نبوت کے چھٹے سال کے درمیان میں پیش ائے تھے دیکھیے الرحیق المختوم صفحہ نمبر ۹۸۔

جوئی کرے، یا تو تم اسے ہم سے روک لو یا پھر ہم تم سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک کہ ہم اور تم سے کوئی ایک ہلاک نہ ہو جائے۔

ابو طالب کو اپنے قوم کی جدائی اور ان کی دشمنی بھاری لگی، اور نبی ﷺ کا ان کے حوالے کرنا اور آپ کو بے سہارا چھوڑنا بھی انہیں اچھا نہ لگا، لہذا اپنے بیٹے عقیل[1] کو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بلانے کے لئے بھیجا جب اللہ کے رسول ان کے پاس آئے، تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ: تم انہیں ان کے مجمعوں اور مجلسوں میں تکلیف دیتے ہو تو تم اس سے باز آجاؤ اور مجھ پر اور خود پر ترس کھاؤ، اور مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی نگاہیں آسمان کی جانب اٹھائیں اور کہا:

یہ سورج دیکھتے ہو؟

کہا ہاں، اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: جس طرح تم اس میں سے ایک شعلہ نہیں لا سکتے اسی طرح میں بھی اس کو نہیں چھوڑ سکتا۔

([1]) یہ عقیل بن ابی طالب نبی ﷺ کے چچیرے بھائی ہیں اور عقیل ان لوگوں میں سے تھے جو مشرکوں کے ساتھ بدر کی جانب ناگواری کی حالت میں نکلے تھے چنانچہ وہ اس دن قیدی بنالیا گئے اور ان کے پاس کوئی مال نہ تھا تو ان کے چچا عباس نے ان کا فدیہ دیا پھر عقیل حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہو کر آئے اور نبی ﷺ کی جانب انہوں نے سنہ ۸ ہجری میں ہجرت کی اور غزوہ موتہ میں شریک ہوئے۔

حافظ ابن حجر اصابہ (٤/ ٤٣٨): میں کہتے ہیں غزوہ فتح مکہ اور حنین سے متعلق ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے لگتا ہے وہ بیمار تھے اس جانب ابن سعد نے اپنی طبقات (٤/ ٣٤١) میں اشارہ کیا ہے لیکن زبیر ابن بکار اپنی سند سے حسن ابن علی تک یہ روایت کرتے ہیں کہ عقیل حنین والے دن ثابت قدم رہنے والوں میں سے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ قریش کے نسب نامے اور ان کے اچھائیوں اور برائیوں کو جاننے والے تھے۔

اور بخاری کی تاریخ اصغر میں صحیح سند کے ساتھ ہے کہ عقیل یزید کی خلافت کے ابتدائی ایام میں حرہ سے پہلے فوت ہوئے تھے، دیکھیے: الاصابۃ (٤/ ٤٣٨)۔

ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تم سب لوٹ جاؤ[1]۔

پھر ابو طالب نے نبی ﷺ کی نصرت کے جذبہ سے لب ریز اپنے مشہور اشعار کہے:

واللہ لن یصلوا إلیك بجمعهم	حتی أوسد فی التراب دفینا
فامضی لأمرك ما علیك غضاضة	أبشر وقر بذاك منك عیونا
و دعوتنی وعلمت أنك ناصحی	فلقد صدقت و کنت قدم أمینا
وعرضت دینا قد علمت بأنه	من خیر أدیان البریة دینا
لولا الملامة أوحذاری سبة	لوجدتنی سمحا بذاك أمینا[2]

● ایک مشہور ضعیف روایت :

وہ مشہور روایت جس میں ہے کہ آپ نے اپنے چچا سے کہا تھا: اے چچا جان اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور اسکے اللہ کی طرف سے ظاہر ہونے یا میرے ہلاک ہونے سے پہلے مجھے اسے چھوڑنے کو کہیں تو بھی میں نہیں چھوڑوں گا[3]۔

تو یہ ضعیف روایت ہے۔

● قریش کا نبی کو حوالے کرنے کا مطالبہ:

جب قریش نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی دعوت کا کام کئے ہی جا رہے ہیں، اور ابو طالب اپنے بھتیجے اور اسلام کو بے سہارا چھوڑنے سے انکار کر رہے ہیں، اور وہ اس بارے میں ان کی

([1])اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفة الصحابة رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ - باب ذکر عقیل بن أبي طالب - رضي اللّٰه عنه - حدیث نمبر (٦٥٢٦) پر کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے مزید دیکھیے سلسلہ صحیحہ از البانی حدیث نمبر (٩٢)۔

([2])سیرة ابن هشام (١/ ٣٠٣)- البداية والنهاية (٣/ ٤٧) — الرّوض الأنُف (٢/ ٧)۔

([3])سیرة ابن هشام (١/ ٣٠٣) — السلسلة الضعيفة للألباني رَحِمَهُ اللّٰهُ — حدیث نمبر (٩٠٩)۔

جدائی اور دشمنی کو برداشت کرنے کے لئے بھی تیار ہیں تو وہ لوگ ان کے پاس عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر گئے، اور ان سے کہا: اے ابو طالب ہم آپ کے پاس قریش کے خوبصورت حسب و نسب والا طاقتور اور زیادہ شعر کہنے والا نوجوان لائے ہیں۔

تم اسے لے لو یہ تمہاری مدد کرے گا اور اس کی دیت اور میراث تمہارے لئے ہے تم اسے اپنا بیٹا بنا لو یہ تمہارا ہے اور ہمیں تم اپنے اس بھتیجے کو دے دو جو تمہارے اور تمہارے آباء واجداد کے دین کی مخالفت کرتا ہے، اور تمہارے قوم میں اختلاف برپا کر رہا ہے، اور ان کو بے عقل کہتا ہے، ہم اسے قتل کردیں گے، اس سے ہمارے سارے مسائل ختم ہو جائیں گے، اور اس طرح معاملہ حل ہو جائے گا، یہ ایک آدمی دوسرے کے بدلہ میں ہو گا۔

ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم تم نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا تم مجھے اپنا بیٹا دے رہے ہو کہ میں اسے تمہارے لئے پالوں پوسوں، اور میں اپنے بیٹے کو تمہیں دے دوں تاکہ تم اسے قتل کردو؟ یہ انصاف کا معاملہ نہیں ہے بلکہ تم مجھے ذلیل اجنبی کے مانند اُبھار رہے ہو یہ اللہ کی قسم کبھی نہ ہو سکے گا۔

مطعم بن عدی نے کہا: اللہ کی قسم اے ابو طالب تمہاری قوم نے تمہارے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا ہے، وہ بھی جو تمہیں ناپسند ہے اسے ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن تم ان کی کوئی رائے قبول نہیں کرنا چاہتے، ابو طالب نے کہا: اللہ کی قسم تم نے میرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کیا ہے، بلکہ تم مجھے ذلیل کرنے اور میرے خلاف مدد کے لئے جمع ہوئے ہو، تو جو تم سے ہو سکے کر لو۔[1]

(1) الطّبقات الکُبریٰ لابن سعد (۱/ ۹۷) - سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۰۳) - الرّوض الاُنُف (۲/ ۸)۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب کی جانب سے ابو طالب کی حمایت:

جب مسلمانوں کے ساتھ قریش کے معاملے کو ابو طالب نے دیکھا تو وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے اور ان سے اللہ کے رسول ﷺ کی حفاظت اور ان کے ساتھ کھڑے رہنے کے لئے ان سے مدد مانگی، تو وہ سارے لوگ جمع ہو گئے، اور ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ان کی دعوت پر لبیک کہا سوائے آپ کے چچا ابو لہب کے اس بارے میں ابو طالب نے ان کی تعریف کرتے ہوئے ایک شعر کہا جس میں وہ ان کو نبی کی مدد کے لئے موافقت کو پورا کرنے اور نبی کی مدد کرنے پر اُبھار رہے تھے، انہیں میں یہ بھی کہا:

إذا اجتمعت يوما قريش لمفخر ... فعبد مناف سرها و صميمها

وإن حصلت أشراف عبد منافها ... ففي هاشم أشرافها و قديمها

وإن فخرت يوما فإن محمدا ... هو المصطفى من سرها و كريمها

تداعت قريش غثها و سمينها ... علينا فلم تظفر وطاش حلومها[1]

● ظالموں کی جانب سے نبی ﷺ کو قتل کرنے کی سازش:

ابو طالب کے ساتھ قریش کے معاملات کے ناکام ہونے کے بعد ان کے سرداروں کی چالبازی اور سخت ہو گئی، اور انہوں نے نبی کے قتل پر اتفاق کیا، جب وہ رات آئی جس میں انہوں نے عمارہ بن ولید کو ابو طالب کے پاس بھیجا تھا، اللہ کے رسول ﷺ اس دن نظر نہیں آئے، ابو طالب اور ان کے چچا آپ کے گھر آئے مگر انہیں نہیں پایا، تب ابو طالب نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے نوجوانوں کو جمع کیا، اور کہا: تم میں سے ہر ایک تیز لوہا لے لے، اور میرے پیچھے آئے، اور جب میں مسجد میں داخل ہوں تو تم میں سے ہر نوجوان ان کے سرداروں میں سے ایک کے پاس بیٹھ جائے،

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٠٦)۔

ان میں حنظلیہ کا بیٹا یعنی ابو جہل بھی ہے، اگر محمد کو قتل کر دیا گیا ہے تو وہ کسی شر سے پیچھے نہیں رہا ہے۔

نوجوانوں نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے، اسی وقت زید بن حارثہ آئے اور ابو طالب کو اس حال میں دیکھا تو انہوں نے زید سے کہا کیا تم نے محمد کو دیکھا ہے، انہوں نے کہا میں ابھی ان کے ساتھ تھا، ابو طالب نے کہا: میں اپنے گھر میں اس وقت تک نہیں داخل ہوں گا، جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں، جلدی سے زید اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے، وہ دار ارقم میں اپنے ساتھیوں سے بات کر رہے تھے، تو انہوں نے آپ کو ساری بات بتائی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے پاس گئے، انہوں نے کہا: میرے بھتیجے تم کہاں تھے؟ آرام سے تھے؟ آپ نے کہا: ہاں، کہا اپنے گھر میں جاؤ اللہ کے رسول اپنے گھر میں چلے گئے، جب ابو طالب نے صبح کیا آپ کے پاس گئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر قریش کے مجمعوں کی جانب گئے، آپ کے ساتھ ہاشمی اور مطلبی نوجوان بھی تھے، اور انہوں نے کہا: اے قریش کے لوگوں جانتے ہو میں نے کیا ارادہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، تب انہوں نے بات بتائی، اور نوجوانوں سے کہا: اپنے ہاتھ میں موجود چیز دکھاؤ تو انہوں نے دکھایا تو ہر آدمی کے پاس تیز لوہا تھا، پھر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم اگر تم انہیں قتل کر دیتے تو میں تم میں کسی کو نہ چھوڑتا، یہاں تک کہ ہم اور تم سب فناء ہو جاتے، تو سارے لوگ ٹوٹ گئے ان میں سب سے زیادہ ٹوٹا ہوا ابو جہل تھا-اس پر اللہ کی لعنت ہو-[1]۔

اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: بنی مخزوم کے کچھ لوگوں نے نبی کو قتل کرنے کی بات کی تھی، ان میں ابو جہل ولید بن مغیرہ اور بنو مخزوم کے دیگر افراد تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور انہوں نے آپ کی قراءت سنی تو انہوں نے ولید کو بھیجا تا کہ اسے قتل کر دے، وہ گیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ

---

(1) الطبقات الكبرى لأبي سعد (١/ ٩٧)۔

پہونچ گیا، مگر وہ صرف آواز سنتا دیکھ نہ سکا تو واپس گیا اور لوگوں کو بتایا، ابو جہل اور ولید اور دیگر لوگ بھی آئے، جب وہ نبی ﷺ کی نماز والی جگہ پہونچے انہوں نے آپ کی قراءت سنی جب آواز کی طرف جاتے آواز ان کے پیچھے سے آنے لگتی، جب وہاں جاتے وہاں سے بھی پیچھے ہی آواز آتی، لہٰذا وہ واپس آگئے اور آپ تک کسی صورت میں پہونچ نہ سکے، اسی بارے میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ یس: ۹۔[(1)]

نبی کو قتل کرنے کا پلان مشرکین کے دلوں میں روز بروز زور پکڑتا رہا، ابن اسحاق نے وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ: ابو جہل -لعنہ اللہ- نے کہا: اے قریش کے لوگوں محمد نے ہمارے دین کی عیب جوئی اور ہمارے آباء واجداد کو برا بھلا کہنے اور ہم کو کم عقل کہنے اور ہمارے معبوں کو گالی دینے سے باز آنے والا نہیں، اور میں اللہ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ میں اپنی طاقت کی مقدار میں وزن دار پتھر لے کر اس کی تاڑ میں بیٹھوں گا، اور جب وہ نماز میں سجدہ کرے گا میں اس کا سر کچل دوں گا، اب چاہے اس کے بعد تم میرا ساتھ دو یا مجھے ان کے حوالے کر دو، میں دیکھتا ہوں بنو عبد مناف میرا کیا بگاڑتے ہیں، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم تمہیں کسی کے حوالے نہ کریں گے، جو کرنا چاہتے ہو کر گذرو۔

جب صبح ہوئی ابو جہل نے بتائی ہوئی صفت کا پتھر لیا اور اللہ کے رسول ﷺ کی تاک میں بیٹھ گیا، اور اللہ کے رسول ﷺ بھی روز کی طرح صبح صبح آئے اور نبی ﷺ مکہ میں جب تھے تو آپ کا قبلہ شام کی جانب تھا جب آپ نماز پڑھتے تو رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھا کرتے تھے، اور کعبہ کو اپنے اور شام کے درمیان کر لیا کرتے تھے، آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، اور قریش کے لوگ آپ کی تاک میں اپنی مجمعوں میں بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ ابو جہل کے انتظار میں تھے کہ وہ کیا کرتا ہے، جب اللہ کے رسول ﷺ نے سجدہ کیا تو ابو جہل نے پتھر اٹھائی اور آپ کی جانب

([1]) دلائل النبوة للبيهقي (٢/ ١٩٦)۔

بڑھا، جیسے ہی قریب ہوا ڈر کر پیچھے ہٹا اور اس کا رنگ ڈر سے پھیکا پڑ گیا، اور اس کا ہاتھ اس پر جم گیا، یہاں تک کہ اس نے اپنے ہاتھ سے پتھر کو الگ کیا، اور قریش کے لوگ اس کے ساتھ کھڑے ہوئے، اس سے انہوں نے کہا اے ابوالحکم کیا ہو گیا، اس نے کہا جو میں نے کل رات تم سے کہی تھی وہی انجام دینے کیلئے آگے بڑھا تھا، جیسے میں اس سے قریب ہوا اس سے پہلے میرے سامنے ایک طاقتور اور بڑا نر اونٹ آگیا اللہ کی قسم میں نے اس کے سر اور گردن کے اور دانتوں کے مانند کسی اونٹ کی گردن اور سر اور دانت کبھی نہیں دیکھی، وہ مجھے کھانے جا رہا تھا۔

ابن اسحاق نے کہا: مجھ سے یہ بات بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: وہ جبریل تھے اگر وہ آگے بڑھتا تو وہ اسے پکڑ لیتے[(1)]۔

● سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تلوار کھینچنے والے:

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں اور امام احمد نے فضائل صحابہ میں مرسل صحیح سند کے ساتھ - جو کہ شواہد کے ذریعہ حسن کے درجہ کو پہونچتی ہے - عروہ بن زبیر سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تلوار زبیر نے نکالی انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کے رسول کو قتل کر دیا گیا ہے، اس وقت زبیر لوگوں کے درمیان سے اپنی تلوار کے ساتھ نکلے اس وقت نبی ﷺ مکہ کے بلند حصے میں تھے، انہوں نے نبی ﷺ سے ملاقات کی تو نبی ﷺ نے ان سے پوچھا زبیر تمہیں کیا ہوا؟

انہوں نے کہا: مجھے یہ خبر دی گئی کہ آپ قتل کر دیئے گئے۔

راوی کہتے ہیں، پھر آپ نے ان کے اور ان کی تلوار کے لئے دعاء کی۔[(2)]

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٣٥) — ودلائل النبوۃ لأبي نعیم (١/ ٢٠٦) — ودلائل النبوۃ للبیھقي (٢/ ١٩٠)۔

(2) مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر (19869) اور فضائل صحابہ از امام احمد حدیث نمبر (1260) (1266)۔

حمزہ بن عبد المطلب کا قبول اسلام[1]

ظلم اور سرکشی سے بھرے اس ماحول میں حضرت حمزہ بن عبد المطلب نے اسلام قبول کیا، یہ رسول ﷺ کے چچا اور آپ کے رضاعی بھائی تھے، اور آپ سے دو سال بڑے تھے اور کہا جاتا ہے کہ چار سال بڑے تھے، مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے[2]۔

ان کے قبول اسلام کا سبب:

ان کے قبول اسلام کا سبب یہ تھا کہ ابو جہل کا گذر صفا کے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے ہوا تو اس نے آپ کو تکلیف دی، اور اس نے آپ کو کچھ برا بھلا کہا، اللہ کے رسول ﷺ خاموش رہے اور آپ نے اس سے کوئی بات نہ کی، پھر وہ-اللہ کی اس پر لعنت ہو- نبی کے پاس کعبہ کے پاس موجود قریش کے ایک مجمع کی طرف چلا گیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت عبد اللہ بن جدعان کی ایک لونڈی صفا پہاڑی پر یہ ماجرا سن رہی تھی، تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ حضرت حمزہ اپنے تیر کمان کو اٹھائے ہوئے شکار سے واپس آ گئے۔

جب انہیں آتے ہوئے لونڈی نے دیکھا تو ان سے کہا: اے ابو عمارہ ذرا دیکھو تمہارے بھتیجے محمد کے ساتھ ابو الحکم بن ہشام نے ابھی کیا برتاؤ کیا ہے، اس نے یہاں انہیں بیٹھا دیکھا تو تکلیف دی اور گالی دی، اور برا بھلا کہا اور واپس ہو گیا، اور محمد ﷺ نے اسے کچھ نہ کہا۔

([1])ان کے اسلام لانے کے سال کے سلسلے میں اختلاف ہے ابن سعد کے نزدیک طبقات (۳/ ۷) میں ضعیف سند کے ساتھ ہے کہ انہوں نے بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا تھا اور کہا گیا ہے کہ بعثت کے دوسرے سال میں حافظ ابن حجر نے الاصابہ (۲/ ۱۰۵) میں اور ابن اسیر نے اسد الغابہ (۲/ ۵۰) میں اسی کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے۔

([2])ابن عبد البر رحمہ اللہ استعاب (۱/ ۴۲۳) میں کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے چار سال بڑے تھے اور یہ میرے یہاں درست نہیں ہے کیونکہ حمزہ اور ابو سلمہ عبد اللہ ابن عبد الأسد کے بارے میں جو حدیث ثابت ہے کہ انہیں ثویبہ نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ دودھ پلایا تھا سوائے اس کے کہ انہوں نے دونوں کو الگ الگ وقت میں دودھ پلایا ہو ۔

چونکہ اللہ نے ان کو عزت دینی چاہی تھی اس لئے حمزہ کو غصہ آگیا- حمزہ قریش میں سب سے بہادر اور طاقتور نوجوان تھے- لہذا وہ پکا ارادہ کر کے چل پڑے کہ ابو جہل سے ملتے ہی اسے سبق سکھائیں گے، جب مسجد میں داخل ہوئے تو اسے مسجد میں لوگوں کے درمیان بیٹھا پایا، لہذا اس کی جانب متوجہ ہوئے، جب اس کے پاس پہونچے تو اپنی کمان تانی، اور اسی سے اسے دے مارا، جس سے اس کو گہرا زخم پہونچا پھر اس سے کہا کہ: کیا تونے میرے بھتیجے کو گالی دی؟ حالانکہ میں بھی اسی کے دین پر ہوں، جو وہ کہتا ہے میں بھی وہی کہتا ہوں، اگر تجھ میں دم ہے تو میرے سامنے وہ بات کہہ، لہذا بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی طرفداری کرنے کی خاطر حمزہ کے پاس گئے ان سے ابو جہل نے کہا: ابو عمارہ کو چھوڑ دو میں نے اللہ کی قسم ان کے بھتیجے کو بہت قبیح گالی دی ہے۔

حمزہ اپنے گھر واپس آگئے، انہیں شیطانی وسوسے اور نفسیاتی الجھن پریشان کر رہی تھیں کہ کیسے تم نے اپنے قوم کے دین کو چھوڑ دیا، اور اس بے دین کی پیروی کرنے لگے، ایسے کرنے سے تو تمہارے لئے مر جانا ہی بہتر تھا، پھر انہوں نے اللہ سے توفیق اور رشد و ہدایت کی دعا کی، اور کہا: اے اللہ اگر یہی ہدایت ہے تو اس کی سچائی میرے دل میں ڈال دے، ورنہ اے اللہ میں جس چیز میں واقع ہو گیا ہوں اس سے نجات کا ذریعہ بنا دے، اس رات صبح تک انہیں اتنے وسوسے آئے کہ اتنے کبھی بھی نہیں آئے تھے، پھر صبح میں وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے میرے بھتیجے میں ایسے معاملے میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا کیا مجھ جیسے کا ایسی چیز پر ہونا جسے میں نہیں جانتا وہ ہدایت ہے یا سخت گمراہی[1]!!

آپ ان کے جانب متوجہ ہوئے اور وہ بات کہی جس سے دل روشن ہو جاتے ہیں، اور نفس کو سکون ملتا ہے، اور شک اور وسوسے کی تاریکی ختم ہو جاتی ہے، آپ نے انہیں نصیحت کی اور

([1]) ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ (۱/ ۳۰۰) میں کہتے ہیں یہ عقل کی اچھائی اور فکر کی گہرائی اور نفس پر فقہ پر دلالت کرتا ہے اور اس بات پر کہ وہ لوگ عقل والے اور ماہر لوگ تھے اور وہ نبی ﷺ کی توجیہات کے اہل تھے یہاں تک کہ وہ لوگ لوگوں کے لیے نکالی گئی سب سے بہترین امت قرار پائے۔

بشارت سنائی، اور ڈرایا تو اللہ نے ان کے دل میں ایمان ثابت کر دیا، پھر انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے ہو، تو اے میرے بھتیجے اپنے دین کا پرچار کرو اللہ کی قسم مجھے یہ پسند نہیں کہ پوری دنیا کی نعمتیں مجھے مل جائیں اور میں اپنے پہلے ہی دین پر رہ جاؤں۔

اللہ کے رسول ﷺ اپنے چچا حمزہ کے اسلام لانے پر بہت زیادہ خوش ہوئے، اور قریش کو پتہ چل گیا کہ اب اللہ کے رسول کو قوت مل گئی اور وہ مضبوط ہو گئے، اور حمزہ ان کا دفاع کریں گے[1]۔

شیخ محمد غزالی کہتے ہیں کہ: جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے علم کو دنیاداری کے لئے حاصل کیا مگر اللہ نے اسے دین کے لئے موڑ دیا ![2] حمزہ کا اسلام پہلے پہل اپنے بھتیجے کی اہانت کے نتیجے جلد بازی کی صورت میں تھا، مگر اللہ نے ان کے سینے کو کھول دیا اور انہوں نے مضبوط کڑے کو تھام لیا اور ان کے ذریعے سے مسلمانوں کو بہت قوت ملی[3]۔

❀❀❀

([1]) حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصے کو امام حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْھُمْ - باب ذکر إسلام حمزۃ - رضي اللّٰہ عنہ - حدیث نمبر (٤٩٣٠) - اور ابن إسحاق نے السیرۃ (١/ ٣٢٨) میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

([2]) اس عبارت کے کہنے والے امام بحر ابو حامد غزالی ہیں جن کی وفات سنہ ٥٠٥ ہجری میں ہوئی تھی ان کے بارے میں امام ذہبی نے ا‌ل سیر (١٩/ ٣٢٢) میں کہا ہے وہ شیخ تھے علم کے دریا تھے اسلام کے حجت تھے اپنے زمانے کے عجوبہ تھے ان کی کنیت زین الدین ابو حامد تھی ان کا نام محمد بن محمد توسی تھا انہیں شافعی اور غزالی بھی کہا جاتا تھا جنہوں نے بہت ساری تصانیف کیں اور وہ بہت زیادہ عقل والے تھے۔

([3]) فقہ السیرۃ للشیخ محمد الغزالي رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالَیٰ ص ١١٦۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام [1]

پھر اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو عمر بن خطاب کے قبول اسلام سے قوت بخشی، وہ مزاج کی سختی اور بہادری میں مشہور تھے، وہ مسلمانوں کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے، ان سے مسلمانوں کو سخت اذیت پہونچی تھی اس لئے وہ ان کے اسلام کے سلسلے میں ناامید تھے۔

● عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے رسول ﷺ کی دعاء:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند صحیح ابن عمر کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((اے اللہ تو اپنے نزدیک ابو جہل اور عمر میں سے زیادہ محبوب سے اسلام کو مضبوط کردے)) تو اللہ کے نزدیک دونوں میں سے سب سے محبوب عمر رضی اللہ عنہ تھے [2]۔

([1]) یہ عمر بن خطاب بن نفیل قریشی عدوی ابو حفص امیر المومنین ہیں یہ ابتدا میں مسلمانوں پر بہت سخت تھے پھر اسلام قبول کیا چنانچہ اپ کا اسلام قبول کرنا ان کے لیے فتح اور تنگی سے نکلنے کے لیے راستے کے مقام پر تھا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم اللہ کی اعلانیہ طور پر عبادت نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

اوران کی فضیلت کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو صحیح میں وارد ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو دیکھا کہ ان پر قمیص ہے ان میں سے کچھ لوگوں کی قمیص چھاتی تک پہنچ رہی تھی اور کچھ کی اس سے بھی نیچے تھی اور اپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ان پر جو قمیص تھی وہ اسے گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے تو اپ ﷺ نے اس کی تاویل دین سے کی اور اپ ﷺ نے یہ بھی دیکھا کہ اپ کو دودھ کا گلاس دیا گیا تو اپ نے اس سے پیا اور باقی عمر رضی اللہ عنہ کو دے دیا اور اپ نے اس کی تاویل علم سے کی۔

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت ۱۰ سال چھ مہینے تھی اپ کو ابولولوہ مجوسی قبحہ اللہ نے مارا تھا جب ذی الحجہ کے مہینے میں چار دن اور باقی تھے اور اپ تین دن زخم کی حالت میں رہے اور پھر اپ کی وفات ہوگئی اور اپ کو اللہ کے رسول ﷺ اور ابو بکر کے ساتھ دفن کیا گیا وفات کے وقت اپ کی عمر ۵۹ یا ۵۹ سال تھی، دیکھیے: تھذیب التھذیب (۳/ ۲۲۲)۔

([2]) صحیح ابن حبان - کتاب إخبار النبي - صلى الله عليه وسلم - عن مناقب الصحابة رضي الله عنهم باب ذكر البيان بأن عز المسلمين بإسلام عمر - رقم حديث (٦٨٨١) مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٥٦٩٦) فضائل الصحابة از امام أحمد - رقم حديث (٣١٢) — جامع ترمذی - كتاب المناقب - باب في مناقب عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - رقم الحديث (٤٠١٣)۔

اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں بسند مرسل صحیح سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ : نبی ﷺ جب عمر یا ابو جہل کو دیکھتے تھے تو کہتے تھے، اے اللہ ان میں سے اپنے نزدیک پسندیدہ شخص کے ذریعے اپنے دین کو قوت عطا کر [1]۔

اور حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح عائشہ سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ :((اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو اسلام کو خاص عمر بن خطاب سے قوت عطا کر)) [2]۔

● عمر رضی اللہ عنہ کے نرمی کی شروعات:

ہم نے گذشتہ سطور میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلاف سب سے سخت تھے، اس وجہ سے بعض مسلمان ان کے قبولیت اسلام کے سلسلے میں مایوس ہو چکے تھے، لیکن چونکہ اللہ نے ان کے لئے ہدایت لکھی تھی اس خاطر ان سے کچھ تصرفات صادر ہوئیں جس سے ان کے اسلام کے امید بر آئی۔

امام احمد نے فضائل صحابہ میں اور حاکم نے بسند حسن صحابی جلیل عامر بن ربیعہ کی بیوی ام عبداللہ لیلی بنت ابی حثمہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ : ہم سرزمین حبشہ کی جانب کوچ کرنے والے تھے اور عامر ہماری کسی ضرورت کی خاطر نکلے ہوئے تھے اسی وقت عمر آئے اور میرے پاس کھڑے ہوئے اس وقت وہ مشرک ہی تھے، وہ کہتی ہیں ہم کو ان سے سختیوں اور اذیتوں کا سامنا ہوتا تھا۔

عمر نے کہا: اے ام عبداللہ کیا یہ جانے کی تیاری چل رہی ہے؟۔

---

(1) طبقات ابن سعد (٣/ ١٤٢)-اور الحافظ الفتح (٧/ ٤٠٤) میں اسے نقل کیا ہے-اور اس کی سند کو سعید بن المسیب تک صحیح قرار دیا ہے۔

(2) اس کی تخریج امام حاکم نے المستدرک میں کتاب معرفة الصحابة-باب ومن مناقب أمیر المؤمنین عمر بن الخطاب حدیث نمبر (٤٥٤١) پر کی ہے اور اسے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (٧/ ٤٠٤) میں نقل کیا ہے اور اس کی اسناد کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں المقدمة-باب فضائل عمر-رضي الله عنه-حدیث نمبر (١٠٥) پر روایت کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے۔

انہوں نے کہا: ہاں، اللہ کی قسم ہم اللہ کی زمین میں نکل رہے ہیں، تم نے ہمیں تکلیف دی اور ہم پر ظلم ڈھایا یہاں تک کہ اللہ ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دے۔

اس پر عمر نے کہا: اللہ تمہارا ساتھ دے۔

حضرت ام عبداللہ کہتی ہیں یہ کہتے ہوئے میں نے ان میں ایسی نرمی محسوس کی جو کبھی نہیں دیکھی گئی، پھر وہ واپس ہوگئے، ہمارے نکلنے سے انہیں تکلیف ہوئی تھی، وہ کہتی ہیں پھر ان کے شوہر عامر آگئے اور میں نے ان سے کہا: اے ابو عبداللہ کاش تم ابھی تھوڑی دیر قبل عمر اور ان کی نرمی اور ہمارے بارے میں ان کے غم کو دیکھتے، انہوں نے کہا: کیا تم ان کے اسلام کی امید رکھتی ہو؟

انہوں نے کہا: ہاں۔

انہوں نے کہا: جسے تم نے دیکھا وہ اس وقت تک مسلمان نہ ہوگا جب تک کہ خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہو جائے۔

وہ کہتی ہیں: عامر نے ایسا ان کی سختی اور اسلام کے خلاف کٹھورپن کو دیکھتے ہوئے کہا تھا[1]۔

● ان کی بہن فاطمہ اور ان کے شوہر کا قبول اسلام:

انکی بہن فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر سعید بن زید جو کہ ان کے چچازاد بھائی اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے، ان سے پہلے اسلام لے آئے تھے، اور وہ دونوں اسلام چھپائے ہوئے تھے، اور خباب بن ارت جو کہ پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے وہ فاطمہ اور ان کے شوہر کو قرآن پڑھایا کرتے تھے[2]۔

---

(1) فضائل الصحابة از امام أحمد - رقم الحديث (٣٧١) - المستدرك للحاكم في - كتاب معرفة الصحابة - باب ذكر أم عبد الله ليلى بنت أبي حثمة رَضِيَ اللهُ عَنْهَا - رقم الحديث (٦٩٧٩)۔

(2) سيرة ابن هشام (١/ ٣٨٠) - الرّوض الأُنُف (٢/ ١٢٠) - البداية والنهاية (٣/ ٨٦)۔

● عمر کے اسلام لانے کا قصہ:

جب عمر گھر آئے تو لیلی بنت ابی حثمہ اور ان کے شوہر عامر بن ربیعہ کے معاملے کے بارے میں سوچنے لگے، کہ قریش میں دراڑ کس طرح آگئی اور کس طرح کچھ لوگ حبشہ کی جانب چلے گئے، انہوں نے کہا یہ کیسے ہو رہا ہے، ان سب کے پیچھے کون ہے، ان سب میں محمد کا ہاتھ ہے اور پھر نبی ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

رسول ﷺ کے قتل کی غرض سے وہ اپنی تلوار کو سونت کر نکلے، ان سے یہ کہا گیا تھا کہ رسول اپنے ساتھیوں کے ساتھ صفا کے پاس ایک گھر میں اکٹھا ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد اور عورتوں کے قریب ہوتے ہیں جن میں ابو بکر صدیق، علی بن ابی طالب اور حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہم شامل ہیں جنہوں نے رسول ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور حبشہ نہیں گئے۔

راستے میں نعیم بن عبداللہ نحام عدوی سے ان کی ملاقات ہوئی، انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا تھا، انہوں نے کہا: اے عمر کہاں جا رہے ہو، انہوں نے کہا میں بے دین محمد کے پاس جا رہا ہوں جس نے قریش میں پھوٹ پیدا کر دی اور ان کے عقلوں کو بے وقوف قرار دیا، اور ان کے دین کی عیب جوئی کی اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے، میں اسے قتل کر دوں گا!۔

نعیم نے ان سے کہا: اے عمر تمہارے نفس نے تمہیں دھوکا دیا ہے کیا تمہیں لگتا ہے کہ بنو عبد مناف تمہیں زمین پر چلتا چھوڑ دیں گے اگر تم نے محمد کو قتل کر دیا تو؟

آخر تم اپنے گھر والوں کے پاس جا کر ان کی اصلاح کیوں نہیں کرتے؟ کہا کون سے میرے گھر والے؟ کہا تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید بھی اللہ کی قسم مسلمان ہو گئے ہیں، اور انہوں نے محمد کے دین کی پیروی کر لی ہے، اور تمہارے دین کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے، تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ انہیں سیدھا کرو۔

عمر اب اپنے بہن بہنوئی کے یہاں جانے کے ارادے سے واپس ہو گئے، اس وقت ان کے پاس خباب بن ارت تھے، جن کے پاس سورہ طٰہٰ لکھا ہوا ایک صحیفہ تھا اس سے انہیں قرآن پڑھایا کرتے تھے، خباب ان کے پاس آکر قرآن پڑھایا کرتے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ: اللہ کے رسول اسلام لانے والوں میں سے ایک یا دو شخص کو ایک مالدار شخص کے پاس بھیج دیتے تھے جو ان کے یہاں کھاتے اور رہتے تھے، نبی نے عمر کی بہن کے پاس اسلام لانے والے دو آدمی کو بھیجا تھا ان میں سے ایک خباب تھے، جب انہوں نے عمر کی آہٹ سنی تو گھر کے ایک کونے میں چھپ گئے اور بہن فاطمہ نے صحیفہ کو اپنے ران کے نیچے چھپا لیا، عمر نے گھر سے قریب ہوتے وقت خباب کی قراءت سن لی تھی، جب ان کے پاس گئے تو کہا یہ میں نے تمہارے پاس کس چیز کے پڑھنے کی آواز سنی تھی، ان دونوں نے کہا نہیں بس ایسے ہی صرف آپس میں باتیں ہی کر رہے تھے، انہوں نے کہا: شاید تم دونوں بے دین ہو گئے ہو، بہنوئی سعید بن زید نے کہا: اے عمر اگر حق تمہارے دین کے علاوہ میں ہو تو؟ عمر نے انہیں خوب تیز ماری، جس سے وہ گر گئے، فاطمہ اپنے شوہر کو عمر سے بچانے آئیں تو انہیں بھی مار کر زخمی کر دیا یہاں تک کہ ان سے خون بہہ نکلا جب عمر نے انہیں مارا تو ان دونوں نے کہا: ہاں اے عمر ہم اسلام قبول کر چکے ہیں، اور ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں، جو تمہیں کرنا ہے کر لو!!

جب عمر نے اپنی بہن سے خون بہتا دیکھا تو اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور رک گئے اور ان کی سانس ٹھنڈی ہو گئی پھر انہوں نے اپنی بہن سے کہا یہ صحیفہ جسے میں نے تمہیں ابھی ابھی پڑھتے ہوئے سنا ہے مجھے دو میں دیکھتا ہوں محمد کیا لے کر آئے ہیں۔- عمر پڑھنا لکھنا جانتے تھے- ان کی بہن نے ان سے کہا: ہم اس کے سلسلے میں تم سے ڈرتے ہیں، کہا: ڈرو نہیں اور انہوں نے اپنے معبودوں کی قسم کھائی کہ پڑھنے کے بعد اسے واپس کر دیں گے، جب انہوں نے یہ کہا تو بہن کو ان کے اسلام لانے کی امید ہو گئی، بہن نے ان سے کہا بھائی آپ اپنے شرک پر ہونے کے سبب ناپاک ہیں اور اسے صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں جاؤ غسل کر لو عمر نے جا کر غسل کیا اور پھر بہن نے وہ

صحیفہ انہیں دیا اور انہوں نے اسے پڑھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿طٰه- مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ- إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ- تَنزِيلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْأَرْضَ وَالسَّمَاوَاتِ الْعُلَى- الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ﴾ طه: ١ - ٥۔

یہاں تک کہ فرمان باری تعالی: ﴿إِنَّنِي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ طه: ١٤ پر پہونچ گئے۔

اب ان کا دل نرم پڑ گیا اور کہا یہ کتنا اچھا اور بہترین کلام ہے، اس جیسی بات کہنے والے کے ساتھ کسی اور کی عبادت کسی صورت میں مناسب نہیں مجھے محمد کا پتہ بتاؤ جب یہ بات خباب نے سنی باہر آئے اور ان سے کہا: اے عمر تمہارے لئے خوش خبری ہے مجھے یہ امید ہے کہ اللہ نے آپ کو اپنے نبی کی دعا کے بدلے منتخب کر لیا ہے، میں نے نبی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ: اے اللہ تو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام میں سے کسی کے ذریعے اسلام کو قوت عطا کر، اے عمر یہ بہت بڑی خوشی کی بات ہے پھر عمر نے ان سے کہا: اے خباب آپ مجھے محمد کے بارے میں بتائیں تاکہ میں ان کے پاس جا کر اسلام قبول کر لوں، خباب نے ان سے کہا: وہ صفا کے نچلے حصے میں موجود دار ابن ابی ارقم میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ہیں، پھر عمر نے اپنی تلوار لی، اسے سونتا اور دار ارقم میں اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں کی جانب متوجہ ہو گئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی ﷺ کے ساتھیوں میں سے ایک نے دروازے کے سوراخ میں سے عمر کو دیکھا کہ وہ تلوار سونتے ہوئے ہیں تو ڈر کر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول یہ عمر ہیں اپنی تلوار کو سونتے ہوئے ہیں، سارے لوگوں میں خوف کا ماحول بن گیا، ان سے حمزہ نے کہا تمہیں کیا ہوا؟ انہوں کہا: عمر بن خطاب، انہوں نے کہا: دروازہ کھولوا گر وہ اچھے ارادہ سے آیا ہے تو ہم اس کی مدد کریں گے اور اگر برائی کے ارادے سے آیا ہے تو ہم اسی کی تلوار سے اسے قتل کر دیں گے۔

اللہ کے رسول فرمایا: انہیں آنے دو لہذا ان کے لئے دروازہ کھولا گیا اور اللہ کے رسول نے آگے بڑھ کر ان کی گریبان کو پکڑ لیا اور اتنی سختی سے اپنی طرف کھینچا کہ عمر تاب نہ لا سکے اور

اپنے گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئے، آپ نے ان سے کہا: اے عمر تم کیوں آئے ہو، اللہ کی قسم مجھے لگتا ہے تم اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ اللہ تم پر کوئی عذاب نہ نازل کر دے۔

عمر نے کہا: اے اللہ کے رسول میں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کے پاس سے اس کی لائی ہوئی چیز پر ایمان لانے آیا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے تکبیر کہی جس سے اس گھر میں موجود اللہ کے رسول کے سبھی ساتھیوں کو عمر کے اسلام لانے کی خبر ہو گئی، پھر صحابہ نے بھی اس طرح تکبیر کہی کہ سارے مکہ کے لوگوں نے ان کی تکبیر سنی[1]۔

● ان کے اسلام کی خبر کے بارے میں دوسری روایت:

ابو نعیم نے حلیہ میں بسند ضعیف ابن عباس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں نے عمر سے پوچھا آپ کا نام فاروق کیوں پڑا؟

انہوں نے کہا: مجھ سے تین دن قبل حمزہ اسلام لائے تھے، پھر اللہ نے میرا سینہ کھول دیا، پھر میں نے کہا اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اس کے اچھے اچھے نام ہیں، اب زمین پر کوئی میرے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب نہیں ہے، میں نے کہا: اللہ کے رسول کہاں

([1]) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ ان لوگوں نے تخریج کیا ہے: فضائل الصحابۃ از امام احمد حدیث نمبر (۳۷۶)، والحاکم في المستدرک-کتاب معرفۃ الصحابۃ- باب استقامۃ فاطمۃ علی الإسلام حدیث نمبر (۶۹۸۱) وابن سعد في طبقاتہ (۳/ ۱۴۲) اور اس کی سند ضعیف ہے اور اسے ابن اسحاق نے سیرت (۱/ ۳۸۱) میں بغیر سند کے ساتھ تخریج کیا ہے۔

امام بخاری کہتے ہیں جیسا کہ ان سے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۵/ ۵۰۲) میں نقل کیا ہے قاسم بن عثمان بصری کے ترجمے میں جو کہ عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے قصے کو روایت کرنے والوں میں سے ایک ہیں ان کی بہت ساری حدیثیں ہیں لیکن ان پر ان کی پیروی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

اور حافظ ابن حجر لسان المیزان (۵/ ۵۰۳) میں قاسم ابن عثمان بصری کے ترجمہ میں کہتے ہیں ان سے اسحاق الازرق نے محفوظ متن اور عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے قصے کو بیان کیا ہے اور یہ بہت زیادہ منکر ہے۔

ہیں؟ میری بہن نے کہا وہ صفا پہاڑی کے پاس دار ارقم میں ہیں، لہٰذا میں اس گھر میں گیا، وہاں حمزہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، اور اللہ کے رسول بیت میں تھے، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو لوگ جمع ہوئے ان سے حمزہ نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کہا: یہ عمر آ گئے ہیں، کہا: پھر اللہ کے رسول باہر آئے اور ان کی گریبان پکڑ لی اور دھکا دیا وہ تاب نہ لا کر اپنے گھٹنے کے بل گر گئے آپ ﷺ نے کہا: اے عمر کیا تم باز نہ آؤ گے؟

وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے اور میں گواہی دیتا ہوں محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، کہتے ہیں: اس پر اس گھر میں موجود سارے لوگوں نے تکبیر کہی جسے مسجد والوں نے سنا، کہا: میں نے کہا اے اللہ کے رسول کیا ہم حق پر نہیں ہیں اب چاہے ہم جئیں یا مریں؟ آپ نے کہا: ہاں کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم حق پر ہو چاہے مرو یا جیو۔

انہوں نے کہا: تو ہم چھپ کر کیوں رہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اب آپ باہر نکلئے پھر ہم نے آپ کو دو صفوں کے درمیان کر کے باہر نکالا ایک میں حمزہ تھے اور دوسرے میں میں تھا، لوگوں کے چلنے سے اسی طرح دھول اڑ رہے تھے جس طرح آٹا اڑتا ہے اسی طرح ہم چل کر مسجد پہونچے قریش نے مجھے اور حمزہ کو دیکھا تو انہیں ایسی مایوسی لاحق ہوئی جو انہیں پہلے کبھی نہ لاحق ہوئی تھی اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے فاروق کا نام دیا اور اس طرح اللہ نے حق اور باطل کو الگ کیا[1]۔

([1]) حلية الأولياء لأبي نعيم (۱/۷۵)، السلسلة الضعيفة للألباني حديث نمبر (۶۵۳۱) اور کہا اس کی سند ضعیف جدا ہے اور انہیں کے طریق سے عبداللہ بن أحمد نے فضائل صحابۃ میں نقل کیا ہے حدیث نمبر (۳۷۶) اور عمر کے اسلام سے متعلق کئی حدیثیں ہیں کسی کی سند صحیح نہیں ہے۔

● ان کے اسلام کے سلسلے میں دوسرا قصہ:

امام احمد نے اپنی مسند میں انقطاع کے سبب ضعیف سند سے شریح بن عبید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ، عمر بن خطاب نے کہا: میں اسلام لانے سے قبل ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کو روکنے کے لئے نکلا تو میں نے دیکھا کہ آپ مسجد میں مجھ سے پہلے ہی پہونچ چکے ہیں، میں ان کے پیچھے کھڑے ہو گیا، اور کہا: یہ اللہ کی قسم شاعر ہے جیسا کہ قریش کے لوگوں کا کہنا ہے، کہتے ہیں، پھر اللہ کے رسول نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ- وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ﴾ الحاقة: ٤٠ - ٤١۔

میں نے کہا کاہن ہیں تو آپ نے یہ آیت: ﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ- تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ- وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ- لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ- ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ- فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ الحاقة: ٤٢ - ٤٧ آخر تک تلاوت کی، وہ کہتے ہیں کہ: اس وقت میرے دل میں پوری طرح سے اسلام بیٹھ گیا[1]۔

● عمر کب اسلام لائے؟

ابن سعد نے اپنی طبقات[2] میں لکھا ہے کہ عمر نے بعثت کے چھٹے سال ماہ ذی الحجہ میں اسلام قبول کیا تھا اس میں نظر ہے، کیونکہ ابن عمر اپنے والد کے اسلام لانے والے دن چھ سال کے تھے جیسا کہ ابن سعد نے ہی طبقات[3] ہی کے اندر ذکر کیا ہے، اور احد کے دن وہ کم عمر ہونے کے سبب لوٹا دیئے گئے تھے، اس دن وہ چودہ سال کے تھے، اور غزوہ احد ہجرت کے تیسرے سال واقع

([1]) مسند الإمام أحمد في- رقم حديث (١٠٧)۔

([2]) الطبقات الكبرى لابن سعد (٣/ ١٤٣)۔

([3]) الطبقات الكبرى (٣/ ١٤٣)۔

ہوئی تھی، اس طرح عمر کا قبول اسلام ہجرت سے چار سال ہی قبل معلوم ہوتا ہے جو کہ بعثت کے نویں سال ہوگا، واللہ اعلم [1]۔

اسلام قبول کرتے وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی، یعنی انہوں نے نبی ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا اور آپ سے قبل چالیس آزاد مرد اور عورتیں مسلمان ہو چکے تھے [2]۔

● ان کے اسلام کی خبر کا پھیلنا:

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے فضائل صحابہ میں بسند قوی ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں جب میرے والد عمر نے اسلام قبول کیا تو قریش کو ان کے اسلام لانے کی خبر نہ ہوئی، پھر انہوں نے کہا: قریش کا کون سا شخص خبر کو سب سے زیادہ پھیلاتا ہے، کہا: ان سے کہا گیا ہے کہ جمیل بن معمر جمحی [3]، کہا: وہ صبح ان کے پاس گئے عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں ان کے پیچھے پیچھے گیا دیکھوں کیا کرتے ہیں، اس وقت میں ہر دیکھی چیز کو سمجھ سکتا تھا، وہ ان کے پاس گئے اور اس سے عمر نے کہا: اے جمیل کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، اور محمد کے دین کو اپنا چکا ہوں، کہتے ہیں کہ: اس نے پھر دوبارہ ان سے بات نہ کی اور اپنی چادر کو گھسیٹتا ہوا جانے لگا اور عمر ان کے پیچھے چل پڑے اور میں اپنے والد کے پیچھے ہو لیا، وہ چل کر مسجد کے دروازے پر پہونچا اور بآواز بلند کہا: اے قریش کے لوگوں - وہ لوگ اس وقت کعبہ کے گرد اپنے مجمعوں میں تھے - دیکھو عمر بن

---

(1) البداية والنهاية (٣/ ٨٩) - وفتح الباري (٧/ ٥٧١)۔

(2) الطبّقات الکُبری لابن سعد (٣/ ١٤٣)۔

(3) یہ جمیل بن معمر ابن حبیب جمحی ہیں انہیں جو بھی راز کی بات بتائی جاتی تھی وہ اس کو چھپا نہیں سکتے تھے اس سلسلے میں عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی خبر جب اپ اسلام لائے بہت مشہور ہیں جمیل فتح مکہ کے ساتھ اسلام لائے تھے یہ بہت بزرگ تھے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں شرکت کی تھی اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائے تھے ان پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت غم ہوا تھا۔

خطاب بے دین ہو گیا ہے، کہتے ہیں: عمر نے اس کے پیچھے سے کہا: اس نے جھوٹ کہا: میں نے تو اسلام قبول کیا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود بر حق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے وہ ان سے لڑتے رہے یہاں تک کہ سورج ان کے سروں پر آ گیا اور پھر وہ تھک کر بے بس ہو کر بیٹھ گئے۔

کہتے ہیں کہ وہ اسی حال میں تھے کہ ان کے پاس یمنی سوٹ زیب تن کئے ہوئے ایک بوڑھا آیا اور ان کے پاس ٹھہر گیا، اور کہا: تمہیں کیا ہو گیا، کہا: عمر بن خطاب بے دین ہو گیا، کہا: تو کیا ہوا اس نے اپنی مرضی سے اس کا انتخاب کیا ہے تو تم کیا چاہتے ہو؟

کیا تم چاہتے ہو کہ بنی عدی بن کعب اپنے اس ساتھی کو تمہارے حوالے کر دیں، اسے چھوڑ دو، کہتے ہیں کہ: پھر لوگوں نے انہیں چھوڑ دیا۔

ابن عمر کہتے ہیں کہ: میں نے اپنے والد سے جب وہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تو پوچھا ابا جان وہ شخص کون تھے جنھوں نے مکہ میں آپ کے اسلام والے دن آپ سے لڑنے والے لوگوں کو ڈانٹا تھا؟ انہوں نے کہا: وہ عاص بن وائل سہمی تھے[1]۔

ابن ہشام کہتے ہیں کہ: مجھے بعض اہل علم نے ابن عمر کے حوالے سے بتایا ہے کہ انہوں نے عمر سے کہا: اے والد محترم آپ کے اسلام لانے والے دن آپ سے لڑنے والے لوگوں کو کس نے ڈانٹا تھا اللہ انہیں جزائے خیر دے؟

کہا: میرے بیٹے وہ عاص بن وائل تھا، اللہ اسے اچھا بدلہ نہ دے۔[2]

---

(1) صحیح ابن حبان - کتاب مناقب الصحابة - باب وصف إسلام عمر - رضي اللہ عنہ - رقم حدیث (٦٨٧٩) - فضائل الصحابة از امام أحمد - رقم حدیث (٣٧٢) - اور حافظ ابن کثیر نے اسے البدایہ والنہایہ (٣/ ٨٩) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے اس کی سند بہت جید ہے۔

(2) سیرة ابن هشام (١/ ٣٨٧)۔

● مشرکین کا عمر رضی اللہ عنہ کی قتل کے لئے جمع ہونا:

پھر اس کے بعد مشرک لوگ عمر کے گھر کی طرف گئے وہ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب عمر گھر میں ڈرے ہوئے تھے، عاص بن وائل سہمی، ابو عمرو جو کہ بنو سہم میں سے تھا آپ کے پاس آیا وہ جاہلیت میں ہمارے حلیفوں میں سے تھے، انہوں نے ان سے کہا تمہیں کیا ہوا؟ کہا: تمہارے قوم کے لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجھے اسلام لانے کی وجہ سے قتل کردیں گے، اس نے کہا: وہ تم تک پہونچ ہی نہ سکیں گے، پھر عاص باہر چلا گیا، تو اس نے بہت سارے لوگوں کو دیکھا ان کی کثرت سے وادی مکمل بھری تھی، کہا: تم کہاں جارہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: ہم ابن خطاب کو ڈھونڈھ رہے ہیں جو بے دین ہوگیا ہے، کہا: اس کے پاس پہونچنا مشکل ہے، کہتے ہیں: پھر وہ لوگ واپس ہوگئے[1]۔

● عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو مضبوطی ملی:

عمر کے اسلام لانے سے اسلام اور مسلمانوں کو قوت ملی اور ان کی شان وشوکت میں اضافہ ہوا، اور اب مسلمان خانہ کعبہ کے پاس جاکر طواف کرنے لگے اور اب قریش سے ڈر ختم ہوگیا۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: جب سے عمر اسلام لائے ہمیں قوت ملی[2]۔

اور حافظ نے فتح میں کہا ہے کہ: کیونکہ اللہ کے معاملے میں وہ بہادر اور سخت تھے[3]۔

---

(1) صحيح البخاري - كتاب مناقب الأنصار - باب إسلام عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - رقم حديث (٣٨٦٤) (٣٨٦٥)۔

(2) صحيح البخاري - كتاب المناقب - باب مناقب عمر بن الخطاب - رضي الله عنه - رقم حديث (٣٦٨٤)۔

(3) فتح الباري (٧/ ٤٠٤)۔

امام احمد نے فضائل صحابہ میں اور حاکم نے مستدرک میں بسند حسن ابن مسعود سے نقل کیاہے وہ کہتے ہیں کہ عمر کا اسلام لانا فتح تھی اور ان کی ہجرت کامیابی تھی، اور ان کی امارت رحمت تھی اللہ کی قسم عمر کے اسلام لانے سے پہلے ہم کعبہ کے گرد ظاہری طور پر نماز نہیں پڑھ سکتے تھے[1]۔

اصابہ میں حافظ نے کہاہے: پھر عمر اسلام لائے اور آپ کا اسلام لانا مسلمانوں کے لئے فتح تھی، اور تنگی سے نکلنے کی خاطر ان کے لئے آسانی تھی[2]۔

● آیت کا نزول:

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابوجہل لعنہ اللہ کی بابت یہ فرامین نازل فرمائیں: ﴿أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ الأنعام: ١٢٢۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: صحیح یہی ہے کہ یہ آیت عام ہے اس میں ہر مومن اور ہر کافر داخل ہیں[3]۔

---

(1) میں کہتا ہوں ابن مسعود ان میں سے کمزور لوگوں کو مراد لے رہے ہیں ورنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق اور حمزہ بن عبدالمطلب اور ان جیسے لوگ جو اثر ورسوخ والے تھے خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھا کرتے تھے اور اس خبر کو امام احمد نے فضائل صحابہ میں حدیث نمبر (٣٠٧) اور حاکم نے مستدرک کتاب معرفة الصحابة- باب النهي عن لبس الديباج والحرير میں حدیث نمبر (٤٥٤٣) پر تخریج کیاہے۔

(2) الإصابة (٤/ ٤٨٤)۔

(3) سورۃ الأنعام آیت نمبر (١٢٢)۔

اور سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رحمہا اللہ کہتے ہیں کہ فرمان باری تعالی: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ﴾ الأنفال: ٦٥۔

دونوں کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب عمر بن خطاب اسلام لائے اور ان کے ساتھ چالیس لوگ مکمل ہوگئے۔

حافظ ابن کثیر نے اس کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ: یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ یہ مدنی آیت ہے اور عمر کا قبول اسلام مدینہ ہجرت سے قبل مکہ میں تھا۔ واللہ اعلم [1]۔

(1) تفسیر ابن کثیر (٣/ ٣٣٠)۔

قریش کی طرف سے نبی ﷺ کو لالچ دینا

جب قریش نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی دعوت میں لگے ہیں اور آپ کے ساتھیوں میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، اور اللہ کے راستے سے روکنے اور لوگوں کو آپ کی باتوں کو ماننے سے روکنے کے لئے کی ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں، تو انہوں نے لالچ اور سمجھوتہ کا دوسرا طریقہ اپنانا چاہا، جس میں وہ نبی ﷺ کو مال و مرتبہ اور بادشاہت اور سلطنت کی پیشکش کرتے کیونکہ ان کے گمان میں تھا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ ان خوبصورت پیشکش کے جال میں پھنس جائیں گے۔

● اللہ کے رسول ﷺ سے عتبہ بن ربیعہ کی گفتگو:

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ[1] جو کہ اپنی قوم میں مانا جاتا تھا اور وہ اسی سال سے زیادہ عمر کے ہو چکے تھے، اس نے قریش کے مجموعے میں ایک دن کہا، اس وقت اللہ کے رسول ﷺ اکیلے مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اے قریش کے لوگوں کیا میں محمد کے پاس جاکر بات کروں اور انہیں کچھ پیشکش کروں ہو سکتا ہے وہ کوئی بات مان جائیں اور ہم انہیں وہ چیز دیدیں اور وہ ہم سے دور ہو جائیں، انہوں نے کہا: ہاں ابوالولید ضرور جاؤ ان سے بات کرو عتبہ آپ کے پاس گیا اور بیٹھ گیا اور کہا: اے میرے بھتیجے آپ ہمارے درمیان اچھے نسب اور بڑے مقام والے ہو اور آپ اپنی قوم کے پاس بہت بڑی بات لے کر آئے ہو، ان کی جماعت کو تم نے توڑ دیا ان کو تم نے بے

([1]) یہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ابوالولید ہیں جو قریش کے اندر بڑے مقام والے اور جاہلیت میں اس کے سرداروں میں سے تھے انہیں درست رائے بردباری فضیلت اور خطیب بات مانا جانے والے کے طور پر جانا جاتا تھا یہ حرب بن امیہ کے گود میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائے انہوں نے اسلام پایا اور سرکشی کی مشرکوں کے ساتھ بدر میں شریک ہوئے یہ بہت وزنی جسم کے مالک ہیں ان کا سر بہت بھاری تھا انہوں نے بدر والے دن خود پہننے کے لیے طلب کیا مگر ان کے سر پر وہ نہ آسکا چنانچہ انہوں نے اپنے سر پر ایک کپڑا باندھ لیا اور غزوہ بدر کبری میں انہیں قتل کیا گیا کفر کی حالت میں ان پر اللہ کی لعنت ہو دیکھیے: کتاب الأعلام از زركلي (٤/ ٢٠٠)۔

وقوف کہا، ان کے دین اور معبودوں کی تم نے عیب جوئی کی، اور ان کے گذرے ہوئے آباء واجداد کو تم نے کافر کہا، تو میری بات سنو میں تمہیں کچھ پیشکش کرتا ہوں اس میں غور کرو ہو سکتا ہے ان میں سے کچھ تم قبول کرلو، روای کہتے ہیں: اس سے رسول ﷺ نے کہا: ہاں اے ابوالولید کہو میں سن رہاہوں، اس نے کہا: اے میرے بھتیجے یہ جو تم لائے ہو اس سے تمہارا مقصدا گر مال کمانا ہے تو ہم اپنے مال تمہارے لئے جمع کر دیں اور تم ہم میں سب سے زیادہ مال والے ہو جاؤگے، اور اگر تم شرف اور مقام چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا سردار بنالیں گے اور تمہارے بغیر کوئی کام نہ کریں، اور اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے اور اگر جو یہ تمہارے پاس آتا ہے کوئی بیماری ہے جس سے تم چھٹکارا نہیں پارہے ہو تو ہم تمہارے لئے ڈاکٹروں کو بلالیں گے، اور اس میں ہم اپنا مال خرچ کریں گے یہاں تک کہ تم ٹھیک ہو جاؤ جب وہ اپنی بات کہہ کر فارغ ہوئے رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن رہے تھے، پھر آپ نے کہا: اے ابوالولید کیا آپ نے اپنی بات کہہ لی؟ کہا: ہاں، کہا: اب میری بات سنو، کہا: ٹھیک ہے، آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿حم-تَنزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ-كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ-بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ-وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ﴾ فصلت: ۱ - ۵۔

آپ اس کو پڑھتے رہے، جب عتبہ نے انہیں سنا تو خاموشی سے سنتا رہا اور اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اس پر ٹیک لگائے سننے لگا پھر جب آپ نے اس کی سجدہ والی جگہ پہونچ کر سجدہ کیا تو آپ ﷺ نے کہا: اے ابولولید آپ نے جو سنی وہ سنی اب آپ جانیں۔[1]

اور دلائل میں بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ عتبہ نے سنا، پھر جب اللہ کے رسول ﷺ فرمان باری تعالی: ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ فصلت: ۱۳ پر پہونچے تو عتبہ بوکھلا کر اٹھا اور اس نے اپنا ہاتھ نبی ﷺ کے منہ پر رکھا اور

(1) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۳۰)-الرّوض الأنُف (۲/ ۴۷)۔

آپ سے اللہ کا واسطہ دے کر رحم کی درخواست کی کہ آپ ٹھہر جائیں، وہ اس لئے کہ اسے ڈرانے کی ذمہ داری ادا ہونے کا خوف تھا[1]۔

شیخ ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی ساری باتیں چپ چاپ آرام سے سنا پھر بلا شک اور تاخیر کے اسکی باتیں ٹھکرادیں یہ پیشکش صرف اللہ کے رسول ﷺ کے لئے نہ تھی بلکہ یہ اس امت کے لئے تھی جس کی قیادت آپ ﷺ کر رہے تھے، اور اللہ کے رسول ﷺ کا قریش کی پیشکش کو ٹھکرانا صرف آپ کی طرف سے نہ تھا بلکہ ہمیشہ کے لئے اپنی امت کی طرف سے تھا، اس گفتگو کے بعد قریش کو قناعت ہوگئی اور اس امت سے سمجھوتہ کی امید ختم ہوگئی، اور پھر انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ پر ڈائریکٹ کوئی پیشکش نہ کی اور نہ ہی اس سے قبل کسی واسطے سے اس امت پر کوئی پیشکش کی بلکہ اس کی ساری امید ٹوٹ گئی[2]۔

● عتبہ نے قریش سے کیا کہا:

جب عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ آیتیں سنی وہ کھڑا ہوا اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس ہوا تو ان میں سے ایک دوسرے نے آپس میں کہا ہم اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ابوالولید جس چہرے کے ساتھ گئے تھے اس چہرے سے واپس نہیں آرہے ہیں، جب ان کے پاس بیٹھا تو انہوں نے کہا: کیا ہوا اے ابوالولید؟ اس نے ان سے کہا: میں نے ایک بات سنی ہے میں نے اس طرح کوئی بات کبھی نہیں سنی مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں اس کا جواب کیسے دوں، وہ نہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ ہی کہانت، اے قریش کے لوگوں میری بات مانو اور یہ میری نصیحت سمجھو اور ایک روایت میں ہے کہ: تم آج میری بات مان لو بعد میں ماننا یا نہ ماننا تم اس آدمی اور اس کی دعوت کو چھوڑ دو اس سے دور رہو اللہ کی قسم میں نے جو بات ان سے سنی ہے ان کے اس بات کی بڑی شان ہوگی، اگر عرب لوگ

---

(1) دلائل النبوة للبيهقي (٢/ ٢٠٤ - ٢٠٥)۔

(2) کتاب إلى الإسلام من جديد از أبوالحسن النّدوي رَحِمَهُ اللهُ تعالَى ص ١٣۔

اسے پکڑلیں تو سمجھ لو کہ تمہارے علاوہ اس بارے میں تمہارے لئے کافی ہو گئے اور اگر یہ عرب پر غالب آگیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت ہو گی، اور اس کا غلبہ تمہارا غلبہ ہو گا، اور تم سب سے کامیاب لوگ ہو گے، انہوں نے کہا: اے ابو الولید اس نے اپنی زبان سے تم پر جادو کر دیا ہے، انہوں نے کہا: یہ اس کے بارے میں میری رائے ہے تمہیں جو سمجھ آئے کرو[1]۔

● اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قریش کے موقف کی عکاسی:

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ نبی کی دعوت کے تئیں قریش کے موقف کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے کہا: مجھے راستہ دو تاکہ میں خالی میدان کی طرف نکلوں اور کمزوروں کی مدد کروں مظلوم کے ساتھ کھڑا ہوں اور انسانیت کی کرامت کو واپس لاؤں اور عقل کی سلطنت کو دوبارہ لاؤں انہوں نے کہا: نہیں۔

آپ نے کہا: میرے میسیج کے لئے راستہ دو تاکہ وہ لوگوں کے پاس جائے کیونکہ وہ صرف ایک شہر کے لئے نہیں ہے، نہ ہی صرف ایک دن کے لئے ہیں، انہوں نے کہا نہیں بلکہ آؤ ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں، اور تمہیں ہم اپنا مال دے دیتے ہیں، اور تمہیں اس شہر کا سردار بنا دیتے ہیں۔

تاریخ نے قریش کی ہنسی اڑائی کہ محمد نے ان کو پوری دنیا کی سرداری اور کمانڈری دینے کی طرف بلایا، انہیں کہا کہ: میں تمہارے ہاتھ میں تمام خزانوں؛ مال، علم سب کی چابیاں دیتا ہوں، میں

---

(1) قریش کی جانب سے عتبہ بن ربیعہ کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بات کرنے کے لیے بھیجنے کا قصہ دیکھیے: سیرۃ از ابن اسحاق (١/ ٣٣٠)۔ دلائل النبوۃ از بیھقي (٢/ ٢٠٤ - ٢٠٥)۔ اور اس کی سند کو امام البانی نے شیخ محمد غزالی کی فقہ السیرہ پر اپنی تحقیق میں حسن قرار دیا ہے۔

تمہیں قیصر و کسری کی بادشاہت دیتا ہوں، اور وہ اس بستی کی سرداری انہیں دینے کی پیشکش کرتے رہ گئے، جوریت کے صحراء کے پیچھے دو پہاڑوں کے درمیان بے وقعت تھی (1)۔

(1) کتاب رجال من التاریخ للشیخ علي الطنطاوي رحمہ اللہ تعالی ص ۱۳۔

قریش کی ہٹ دھرمی اوران کی طرف سے نبی ﷺ سے آیات اور معجزات کا مطالبہ

اس طرح جب لالچ اور دہشت گردی کے طریقے نبی ﷺ کوان کے مشن سے روکنے میں کامیاب نہ ہوئے تو اب قریش نے چاہا کہ نبی ﷺ سے غیر عادی چیزیں اور حسی اور مادی معجزے طلب کی جائیں۔

ابن اسحاق نبی ﷺ کے ساتھ قریش کے سرداروں کے بہکانے والی حدیث کو ذکر کرکے کہتے ہیں، انہوں نے کہا: اے محمد اگر تم پیش کی گئیں ہماری کوئی بات نہیں مانتے تو تم یہ بات تو جانتے ہی ہو کہ ہم سے زیادہ تنگ کم پانی والا اور دشوار زندگی والا کوئی شہر نہیں ہے، تو آپ اپنے رب سے جس نے آپ کو یہ دے کر بھیجا ہے سوال کریں کہ وہ ان پہاڑوں کو چلادے جنہوں نے ہمیں تنگی میں کرر کھا ہے، اور ہمارے شہر کو کشادہ کردے اوراس میں ہمارے لئے شام اور عراق کی طرح نہریں جاری کردے اور ہمارے گذرے ہوئے آباء واجداد کو زندہ کردے، اور زندہ ہونے والوں میں قصی بن کلاب بھی ہوں، کیونکہ وہ سچے آدمی تھے، تاکہ ہم ان سے تمہارے بارے میں پوچھیں کہ کیا یہ صحیح ہیں یا باطل اور اگر تمہیں سچا کہیں اور جو ہم نے طلب کیا ہے اسے کرگذریں تو ہم تمہیں سچا مان کر اللہ کی طرف سے عطا کردہ تمہارے مقام کا اعتراف کرلیں گے، اور جان لیں گے کہ اس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے، جیسا کہ تمہارا کہنا ہے، ان سے نبی ﷺ نے کہا: **مجھے اس لئے تمہارے پاس نہیں بھیجا گیا ہے، میں تمہارے پاس وہ لے کر آیا ہوں جو دے کر اللہ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے اور میں نے اسے تم تک پہونچادیا ہے اگر تم اسے قبول کروگے تو وہ تمہارے لئے دنیا اور آخرت کے سلسلے میں بہتر ہے اور اگر تم میری بات کو ٹھکرادوگے تو اللہ کے حکم پر صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے))**، انہوں نے کہا: اگر تم ہمارے لئے یہ نہیں کرتے تو اپنے لئے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ تمہارے ساتھ ایک فرشتہ نازل

کردے جو تمہاری باتوں کو سچا بتائے، اور وہ تمہاری طرف سے ہم سے بات کرے، اور اس سے کہو کہ وہ تمہارے لئے باغات، محل اور سونے چاندی کے خزانے بنادے جو تمہیں تمہارے تلاش معاش کی کاوش سے بے نیاز کردے، کیونکہ تم بازاروں میں اسی طرح جاتے ہو جیسے ہم جاتے ہیں، اسی طرح رزق تلاش کرتے ہو جیسے ہم کرتے ہیں تو اب تم اپنے رب سے یہ چیزیں مانگ لو تاکہ اگر تم اپنے گمان کے مطابق رسول ہو تو ہم تمہارے رب کی طرف سے عطا کی گئی تمہارے فضل اور مقام و مرتبہ کو جان لیں اس پر اللہ کے رسول نے کہا: **((میں یہ نہیں کر سکتا، اور میں یہ سب اپنے رب سے نہیں مانگ سکتا**[1] **... اگر تم اسے قبول کرو گے تو وہ تمہارے لئے دنیا اور آخرت کے سلسلے میں بہتر ہے اور اگر تم میری بات کو ٹھکرا دو گے تو اللہ کے حکم پر صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کردے))**۔

انہوں نے کہا: آپ ہم پر آسمان سے عذاب ہی گرادیں جیسا کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ کا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے ہم تو تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ایسا کر نہ دکھاؤ گے۔ اللہ کے رسول نے فرمایا: ((یہ اللہ کے اوپر ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے تو کردے گا))۔

انہوں نے کہا: اے محمد کیا تمہارے رب کو نہیں پتہ کہ ہم تمہارے ساتھ بیٹھیں گے اور ہم تم سے یہ سب پوچھیں گے، اور یہ سب تم سے مطالبہ کریں گے تو اس نے تمہیں پہلے ہی یہ باتیں کیوں نہ بتادی، اور وہ تمہیں وہ باتیں کیوں نہیں بتایا جو وہ تمہاری لائی ہوئے باتیں نہ ماننے کے سبب ہمارے ساتھ کرنے والا ہے؟

([1]) ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ (۱/ ۳۱۶) میں کہتے ہیں کیونکہ یہ سب چیزیں صرف وہی مانگ سکتا ہے جو اپنے پیغام کو نہ جانتا ہو اور اپنے رب کی سنتوں سے ناواقف ہو اور اللہ کے رسول ﷺ ان دونوں چیزوں سے بری تھے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہیں یمامہ کا وہ آدمی یہ سب سکھاتا ہے، جسے "رحمن" کہتے ہیں اور ہم اللہ کی قسم کبھی بھی رحمن پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، اے محمد تم اس بارے میں ہماری معذرت قبول کر لو!۔

اور ہم اللہ کی قسم تمہیں اور ہمارے ساتھ تمہارے اس برتاؤ کو ہم کبھی نہ چھوڑیں گے چاہے ہم تمہیں ہلاک کریں یا تم ہم کو ہلاک کر دو اور ان میں سے ایک نے کہا: ہم تو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ کی بیٹیاں ہیں اور ایک نے کہا: اور ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو نہ پیش کرو۔

● عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی[1] کی بات:

جب ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ بات کہی تو آپ ان کے پاس سے چلے گئے، اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی بھی گئے، جو کہ نبی ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے لڑکے تھے، انہوں نے کہا: اے محمد تمہاری قوم نے تمہیں کئی پیشکش کی مگر تم نے ان کی ایک نہ مانی، پھر انہوں نے اپنے لئے کچھ مطالبے کئے تاکہ وہ اللہ کے پاس تمہارے مقام کو پہچانیں تو تم نے وہ بھی قبول نہ کیا، انہوں نے کہا کہ: تم اپنے لئے ہی کچھ حاصل کر لو تاکہ ان میں آپ کا مقام ظاہر ہو اور اللہ کے نزدیک تمہارا مرتبہ معلوم ہو تم نے یہ بھی نہ قبول کیا، پھر انہوں نے اس عذاب کو جلدی لانے کا تم سے مطالبہ کیا جس سے تم انہیں ڈراتے ہو تم نے وہ بھی نہ کیا، اللہ کی قسم میں تم پر اس وقت تک ایمان نہ لاؤں گا جب تک تم آسمان پر سیڑھی لگا کر اس پر میری آنکھوں کے سامنے چڑھ گے نہیں ۔''اور پھر وہاں سے تم کوئی کھلی کتاب اور اپنے ساتھ چار فرشتے بھی لے کر نہ آؤ، جو تمہارے لئے تمہاری بات کے صحیح ہونے پر گواہی دیں، اور اللہ کی قسم اگر تم ایسا کرو گے تو بھی مجھے نہیں لگتا کہ میں تمہاری تصدیق کروں گا، پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس

([1]) آپ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اور آپ کا اسلام اچھا رہا۔

سے چلا گیا اور اللہ کے رسول ﷺ اس بات پر غمگیں ہو کر اپنے گھر چلے گئے، کیونکہ آپ کو اپنی قوم سے یہی ایک امید تھی مگر انہوں نے بھی آپ سے پلہ جھاڑ لیا[1]۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی قوم کو اسلام کی جانب بلایا، اور ان سے بات کی، اور انہیں اپنی بات پہونچائی تو ان سے زمعہ بن اسود اور نضر بن حارث اور اسود بن عبد یغوث اور ابی بن خلف اور عاص بن وائل نے کہا: اے محمد تمہارے ساتھ فرشتہ کیوں نہیں ہے جو تمہارے بارے میں بات کرتا اور تمہارے ساتھ دکھائی پڑتا اس پر اللہ نے ان کی بات کو نقل کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ- وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ﴾ الأنعام: ٨ - ٩۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی نے اپنے رسول پر ان کے قوم کے پہاڑ کو چلانے والے اور زمین کو کاٹنے والے اور آباء و اجداد کے زندہ کرنے والے کو مطالبے پر یہ آیتیں نازل فرمائیں: ﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا﴾ الرعد: ٣١[2]۔

اوران کے قول: اپنے آپ کے لئے کچھ لے لو جس کے بارے میں انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپ اپنے لئے باغات محل اور خزانے مانگ لیں اور ایک فرشتہ آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی تصدیق کرے اور آپ کا دفاع کرے اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائی: ﴿وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا- أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كَنزٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا ۚ وَقَالَ الظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا-

---

[1] سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٣٤ - ٣٣٥)۔

[2] سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٤٥)۔

انظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا- تَبَارَكَ الَّذِي إِن شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّن ذَٰلِكَ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَيَجْعَل لَّكَ قُصُورًا﴾ الفرقان: ۷ - ۱۰ [1]

اور اللہ نے اپنے رسول پر ان کے اس قول پر یہ آیتیں نازل فرمائی﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ [2] وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا﴾ الفرقان: ۲۰ [3] یعنی تمھیں آپس میں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنائی تاکہ تم صبر کرو اور اگر میں چاہوں تو دنیا اپنے رسولوں کو دیدوں اگر اس کے بعد بھی وہ مخالفت نہ کریں تو میں ایسا کرتا۔

اور اللہ نے عبداللہ بن ابی امیہ کی بات کے بارے میں فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا- أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا- أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا- أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا﴾ الإسراء: ۹۰ - ۹۳ [4]۔

اور اللہ نے اپنے رسول پر ان کے اس قول کہ تمھیں یمامہ کا ایک شخص سکھاتا ہے جسے رحمن کہتے ہیں اور ہم اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے کے بارے میں فرمایا: ﴿ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي

([1]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳٤٦)۔

([2]) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۱۰۰/٦) میں کہتے ہیں اللہ تعالی پہلے بھیجے ہوئے رسولوں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ وہ سبھی کھانا کھاتے تھے اور وہ اس کے ذریعے سے غذا حاصل کرنے کے محتاج تھے اور وہ بازاروں میں بھی چلتے تھے یعنی قصب معاش اور تجارت کے لیے اور یہ ان کے حال اور ان کے منصب کے منافی چیز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے ان کے لیے اچھی صفات اور اچھی علامت اور فاضل اقوال اور مکمل اعمال اور معجزات اور بے بس کرنے والے دلائل بنائے ہیں جن سے ہر صحیح سالم عقل اور بصیرت رکھنے والا شخص ان کے اللہ کی طرف سے لائے ہوئے معاملے کی سچائی کو جان سکتا ہے۔

([3]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳٤٦)۔

([4]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳٤٦)۔

أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾ الرعد: ۳۰ [1]۔

●ان کے اپنے مطالبہ کا جواب نہ پانے میں حکمت:

امام احمد نے اپنی مسند اور حاکم نے مستدرک میں شیخین کی شرط پر صحیح سند سے ابن عباس کے واسطے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اہل مکہ نے نبی ﷺ سے کہا کہ صفا پہاڑی کو ان کی خاطر سونا بنادے، اور پہاڑوں کو ان سے دور کردیں اور وہ کھیتی کر سکیں تو آپ سے کہا گیا اگر آپ چاہیں تو ان سے نرمی کی جائے اور چاہیں تو ان کا مطالبہ پورا کردیں لیکن اگر وہ پھر انکار کریں گے تو جیسے پہلے لوگ ہلاک ہوئے ویسے یہ بھی ہلاک کردیئے جائیں گے۔ تو آپ ﷺ نے کہا نہیں میں ان پر نرمی کروں گا، ان کا انتظار کروں گا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ الإسراء: ۵۹ [2]۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اس لئے اللہ کی حکمت اور رحمت تھی کہ ان کے مطالبہ کو پورا نہ کیا گیا، کیونکہ اللہ تعالی جانتا تھا کہ وہ اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے اور ان پر جلد عذاب آجائے گا [3]۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کہتے ہیں کہ: اللہ نے ان کے مطالبے کو پورا نہ کیا جب کہ وہ پورا کرنے پر قادر ہے کیونکہ انہوں نے ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے اور جدیت کے ساتھ اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا، انہوں نے ہٹ دھرمی اور مذاق اڑانے کے لئے اس کا مطالبہ کیا تھا، اور اللہ کو یہ پتہ تھا کہ

---

[1] سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳٤٨)۔

[2] مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (۲۳۳۳) - المستدرک للحاکم - کتاب التفسیر - باب سأل أھل مکۃ أن تنحی عنھم الجبال - رقم حدیث (۳٤۳۱)۔

[3] البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۵۷)۔

اگروہ اپنے مطالبہ کے پورا ہونے کو دیکھ بھی لیں تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے، بلکہ پھر بھی وہ سرکشی اور گمراہی کی ڈگر پر لگے رہیں گے۔اللہ نے فرمایا: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ-وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ-وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ﴾ الأنعام: ١٠٩ - ١١١۔

اور اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ الأنعام: ٧۔

اسی لئے اللہ کی حکمت اور ربانی رحمت کا تقاضہ تھا کہ ان کے مطالبہ کو پورا نہ کیا جائے کیونکہ اللہ کی سنت رہی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے نشانیوں کا مطالبہ کیا اور انہیں پورا کردیا گیا مگر انہوں نے ان پر ایمان نہ لائے تو اللہ نے ان پر نیست و نابود کردینے والا عذاب مسلط کردیا، جیسا کہ اللہ نے عاد ثمود اور قوم فرعون کے ساتھ کیا تھا،اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا مَنَعَنَا أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۚ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾ الإسراء: ٥٩۔

اگر قریش کے حسی نشانیوں کے مطالبے کو پورا کردیا جاتا اور پھر وہ ایمان نہ لاتے تو انہیں ہلاک کردیا جاتا لیکن اللہ نے جو بہت حکمت والا ہے اس امت کے نبی کی وجہ سے اس سے نیست و نابود کرنے والے عذاب کو ہٹالیا کیونکہ اللہ نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا تھا عذاب بنا کر نہیں بھیجا جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ الأنبياء: ١٠٧ [1]۔

اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

([1]) كلام الدكتور محمد أبو شهبة في كتابه السيرة النبوية (١/ ٣١٩ - ٣٢٠)۔

لو لم تكن فيه آيات مبينة　　　　كانت بداهته تنبيك بالخبر

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے کہا گیا اے اللہ کے رسول مشرکین پر بددعاء کیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں))[1]۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں امام مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: قریش نے نبی ﷺ سے کہا: اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کرو کہ جبل صفا سونے کا بن جائے، اگر وہ سونے کا بن جائے گا تو ہم تمہاری پیروی کریں گے، اور ہم یقین کرلیں گے کہ جو آپ کہتے ہیں وہ حقیقت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ سے دعا کی اور پھر جبریل آگئے اور کہا اگر آپ چاہیں تو ان کے لئے صفا سونے کا ہو جائے گا مگر اس کے بعد جو انکار کرے گا میں اسے اتنا سخت عذاب دوں گا جتنا کبھی کسی کو نہیں دیا گیا، اور اگر چاہو تو ان کے لئے ہم توبہ کا دروازہ کھول دیتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: اے میرے پروردگار نہیں بلکہ تو ان کے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے[2]۔

• قرآن معجزات کا ایک معجزہ ہے:

ان کی ہٹ دھرمی اور ان کے مذاق اور اڑیل ہونے اور جدیت سے خالی شور مچانے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس قرآن موجود تھا جو کہ تمام نشانیون کی نشانی اور تمام دلیلوں کی دلیل ہے۔

حافظ نے فتح الباری میں قرآن کے معجزہ ہونے سے متعلق کئی وجوہات ذکر کی ہیں، انہیں میں سے چند یہ ہیں:

---

(1) صحیح مسلم-کتاب البر والصلة والآداب-باب النهي عن لعن الدواب وغيرها-رقم حدیث (۲۵۹۹)۔

(2) مسند الإمام أحمد-رقم حدیث (۳۲۲۳)۔

۱-اس کی حسن تالیف اور ایجاز و بلاغت کے ساتھ اس کے کلمات کی خوبصورتی۔

۲-اسی میں سے: اس کے سیاق کی صورت اور نظم و نثر میں عربوں میں سے اہل بلاغت لوگوں کے کلام کے اسالیب کے مخالف اس کا وہ اسلوب جس نے لوگوں کی عقلوں کو حیرت میں ڈال دیا اور وہ لاکھ کاوشوں کے باوجود اس کے مثل کچھ بھی نہ لاسکے اور انہیں اس کے سامنے بے بس ہونا پڑا۔

۳-اسی میں سے: اس کا گذری قوموں اور گذشتہ شریعتوں کے خبروں کو شامل ہونا ہے جن میں سے بعض کی معرفت صرف اہل کتاب میں سے چند ہی لوگوں کو تھی۔

۴-انہیں میں سے: بعد میں پیش آنے والے واقعات کی خبر جن میں سے کچھ تو زمانہ نبوی ﷺ میں ہی پیش آگئے، اور کچھ بعد میں پیش آئے۔

۵-انہیں میں سے: وہ خوبصورتی جو سامع کو محسوس ہوتی ہے۔

۶-اسی میں سے اس کا پڑھنے والا اس کے بار بار پڑھنے سے ملل کا شکار نہیں ہوتا ہے، اور سننے والے کو بھی بوریت نہیں ہوتی اور اس کے دوہرانے سے لذت اور مٹھاس میں اضافہ ہوتا ہے۔

۷-اسی میں سے: یہ ایک ایسی نشانی ہے جو رہتی دنیا تک ختم نہ ہوگی۔

۸-اس میں سے: اس کا مختلف علوم و معارف کا جامع ہونا بھی ہے جس کے عجائب اور فوائد ختم نہیں ہوتے ہیں[1]۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ- أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ- قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾ العنكبوت: ٥٠ - ٥٢۔

(1) فتح الباري (١٠/ ٩)۔

حبشہ کی جانب دوسری ہجرت

اب ایک بار پھر قریش کی سختی اور ان کی ایذاء رسانیوں کا سلسلہ پہلے سے بھی سخت ہو گیا، اور اس نے تمام قبائل کو مسلمانوں کو دوگنا عذاب دینے پر اکسایا، اب مسلمانوں کو ان کے رشتے داروں سے پریشانیوں کا سامنا ہونے لگا، اور انہیں ان سے کافی سختیاں جھیلنی پڑیں، اور آزمائش سخت تر اور نا قابل برداشت ہو گئی، جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی آزمائش کو دیکھا تو آپ نے انہیں دوسری مرتبہ حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت دے دی۔

دوسری ہجرت پہلی سے زیادہ سخت تھی، مسلمانوں کو قریش سے سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، انہیں کافی مشکلات کا سامنا ہوا۔

● عمار بن یاسر کی ہجرت کے بارے میں شک:

اس ہجرت میں نکلنے والے مردوں کی تعداد ۸۳ تھی اگر ان میں عمار بن یاسر کو شامل مانا جائے تو کیونکہ ان کے بارے میں شک ہے اور ان کے بغیر ان کی تعداد ۸۲ ہو گی[1]۔

امام سہیلی کہتے ہیں: ابن اسحاق کو عمار بن یاسر کے حبشہ کی جانب ہجرت کے بارے میں شک ہے؟

اور واقدی، ابن عقبہ وغیرہ اہل سیر کے نزدیک صحیح ترین بات یہی ہے کہ وہ ان میں شامل نہ تھے[2]۔

اور عورتوں میں سے ۱۸ تھیں، ۱۱ قریش سے اور سات قریش کے علاوہ دیگر قبائل سے تھیں یہ تعداد حبشہ میں پیدا ہونے والے ان کی اولاد کے علاوہ ہے[3]۔

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳٦۸)۔

(2) الرّوض الأنُف (۲/ ۹۹)۔

(3) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳٦۸)۔

اس دوسری ہجرت میں ان کے امیر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے[1]۔

شیخ ابوالحسن ندوی کہتے ہیں: مہاجرین کی لسٹ پیش کرنے سے انسانی دائرے کی کشادگی اور تنوع اور اس کے تمام طبقات اور مکہ کے تمام مستویات کی شمولیت معلوم ہوتی ہے، بایں طور کہ ان میں مالدار بھی تھے، فقیر بھی تھے، نوجوان بھی تھے، بوڑھے بھی تھے اور عورتیں بھی تھی، مرد بھی تھے، ان میں سے اکثر لوگ مکہ سے تعلق رکھنے والے تھے، اس سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ دعوت کی تاثیر بہت تھی اور دعوت سبھی کو شامل تھی[2]۔

● ابن اسحاق وغیرہ کا وہم:

میں کہتا ہوں: مسند امام احمد[3]، ابن اسحاق[4] اور مسند[5] طیالسی کی ایک روایت میں ہے کہ اس ہجرت حبشہ ثانیہ میں عثمان بن عفان، عبداللہ بن مسعود اور بدر میں شریک صحابہ کی ایک جماعت شامل تھی؛ یہ بات محل نظر ہے۔

امام ابن قیم کہتے ہیں کہ: اس ہجرت میں عثمان بن عفان اور بدری صحابہ کی ایک گروہ کا ذکر ہوا ہے، یہ یا تو وہم ہے یا تو بدر سے پہلے ایک بار واپس آئے رہے ہوں، اس طرح ان کا تین آنا ہوگا: ہجرت سے پہلے، بدر سے پہلے، خیبر والے سال سے پہلے۔ اسی لئے ابن سعد وغیرہ نے کہا ہے جب انہوں نے نبی ﷺ کے مدینہ ہجرت کی خبر سنی تو ان میں سے ۳۳ لوگ واپس آ گئے جن

([1]) طبقات ابن سعد (٤/ ٣٣٦)۔

([2]) کتاب السِّیرة النَّبویّة لأبي الحسن النّدوي ص ١٣٢۔

([3]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (٤٤٠٠) پر تخریج کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اس میں حدیج ابن معاویہ نامی ضعیف راوی ہیں اس کے باوجود اس کی سند کو حافظ نے فتح (٧/ ٥٨٥) میں حسن قرار دیا ہے اور اس کے اسناد کو حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (٣/ ٧٦) میں جید قرار دیا ہے۔

([4]) سیرۃ ابن ھشام (١/ ٣٦٠) بلا سند۔

([5]) اس کی تخریج امام طیالسی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (٣٤٤) پر کی ہے اور اس کی اسناد ضعیف ہے کیونکہ اس میں حدیج ابن معاویہ نامی راوی ضعیف ہیں۔

میں ۸ عورتیں بھی تھیں، ان میں سے دو مکہ ہی میں فوت ہو گئے اور سات کو مکہ میں روک لیا گیا اور انہیں میں سے بدر میں ۲۴ لوگ شریک ہوئے[1]۔

● ابن اسحاق وغیرہ کا دوسرا وہم:

میں کہتا ہوں: مسند[2] امام احمد اور ابن اسحاق[3] اور بیہقی کی دلائل النبوہ[4] کے اندر ایک روایت میں ہے کہ ابو موسی اشعری بھی مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔

امام بیہقی کہتے ہیں: اس کا ظاہر یہی بتاتا ہے کہ ابو موسی اشعری مکہ میں تھے، اور وہ جعفر بن ابو طالب کے ساتھ سرزمین حبشہ گئے تھے۔

لیکن صحیح بات وہ ہے جو امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابو موسی اشعری سے روایت کی ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعثت کی خبر یمن میں ملی پھر ہم نے حبشہ کی طرف نجاشی کا رخ کیا ہماری ملاقات جعفر بن ابو طالب سے ہوئی اور ہم نے ان کے ساتھ قیام کیا پھر ہم آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیبر والے سال ہماری ملاقات ہوئی[5]۔

---

(1) زاد المعاد (۳/ ۲۳)۔

(2) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (٤٤٠٠) تخریج کیا ہے اور امام طیالسی نے اپنی مسند میں (٣٤٤) اور اس کی سند حدیج ابن معاویہ کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے اس کے باوجود حافظ نے اس کی سند کو فتح الباری (۷/ ۵۸۵) میں حسن قرار دیا ہے اور اس کی سند کو حافظ ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ (۳/ ۷۶) میں جید قرار دیا۔

(3) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۶۱) بلا سند۔

(4) امام بیہقی نے اس کی تخریج دلائل النبوہ (۲/ ۲۹۸) میں کی ہے اور اس کی سند حدیج ابن معاویہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(5) صحیح البخاري - کتاب مناقب الأنصار - باب ھجرۃ الحبشۃ - رقم حدیث (۳۸۷۶) - کلام بیھقي کو دیکھئے: دلائل النبوۃ (۲/ ۳۰۰)۔

اور حافظ نے فتح[1] میں ان روایتوں[2] کی جمع کا تکلف کیا ہے لیکن سب سے بہتر یہ کہنا ہے کہ : یہ روایت ضعیف ہے جو اس صحیح روایت سے نہیں ٹکرا سکتی جسے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

● خالد بن حزام کی وفات:

ہجرت حبشہ ثانیہ کے راستے میں سانپ کے کاٹنے سے خالد بن حزام رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تھی، ابن ابی حاتم نے بسند حسن زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ : خالد بن حزام نے حبشہ کی جانب ہجرت کے راستے میں انہیں سانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہو گئی اس پر اللہ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ النساء: ١٠٠[3]۔

زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: مجھے ان کے آمد کی توقع تھی، میں سرزمین حبشہ میں ان کا انتظار کر رہا تھا، مجھے ان کے وفات کی خبر پہونچنے کے بعد اس سے زیادہ کسی خبر نے غمزدہ نہ کیا؛ کیونکہ ہجرت حبشہ کیلئے نکلنے والوں میں بہت کم ایسے لوگ تھے جن کے ساتھ ان کے گھر کا کوئی فرد یا قریبی

---

[1] فتح الباري (٧/ ٥٨٥)۔

[2] میرا مقصود وہ ضعیف روایت جسے امام احمد حدیث نمبر (٤٤٠٠) اور طیالسی نے حدیث نمبر (٤٤٣)، اور ابن إسحاق نے السیرۃ (١/ ٣٦١)۔ اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (٢/ ٣٠٠) میں نے روایت کیا ہے، اور امام بخاری کی روایت ان کی صحیح میں۔ وروایۃ الإمام البخاري في صحیحه۔

[3] میں کہتا ہوں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ آیت جندب ابن زمرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اسی کو حافظ ابن حجر نے الاصابہ (٢/ ١٦٩) میں راجح قرار دیا ہے۔

رشتہ دار نہ رہا ہو اور میرے ساتھ بنو اسد بن عبد العزی میں سے کوئی نہ تھا اور ان کے علاوہ مجھے کسی کی امید بھی نہ تھی[1]۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: یہ اثر بہت ہی غریب ہے، کیونکہ یہ مکی قصہ ہے، اور یہ آیت مدنی ہے، شاید ان کے کہنے کا مطلب یہ ہو کہ یہ آیت نازل ہوئی اور اگرچہ یہ سبب نزول نہ ہو تو بھی یہ اس کے ساتھ دوسرے حکم کو بھی شامل ہے، واللہ أعلم[2]۔

• خالد بن حزام کی مختصر زندگی:

خالد بن حزام، حکیم بن حزام اور خدیجہ بنت کویلد کے بھائی تھے، انہوں نے پہلے ہی اسلام قبول کیا تھا اور سرزمین حبشہ کی طرف دوسرے قافلہ میں ہجرت بھی کی، مگر راستے میں سانپ کے ڈسنے سے سرزمین حبشہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی[3]۔

• قریش کی طرف سے مہاجرین حبشہ کا تعاقب:

جب قریش نے دیکھا کہ نبی ﷺ کے صحابہ حبشہ میں امن و اطمینان کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے ہیں اور انہیں وہاں گھر اور ٹھکانہ مل گیا ہے، اور نجاشی کی اچھی پناہ انہیں حاصل ہو گئی ہے، تو انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ نجاشی کے پاس ایک وفد بھیج کر انہیں وہاں سے واپس لے آئیں، اس کے لئے انہوں نے دو طاقتور آدمیوں کو منتخب کیا جو عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ تھے انہیں نجاشی اور اس کے کمانڈروں کی خاطر تحفے تحائف دے کر بھیج دیا، اسے سب سے زیادہ پسندیدہ تحفہ چمڑے تھے۔

---

(1) اس خبر کو امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/ ۳۹۲) میں، اور ألباني نے السلسلة الصحيحة میں رقم حدیث (۳۲۱۸)۔ نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

(2) تفسیر ابن کثیر (۲/ ۳۹۲)۔

(3) أسد الغابة (۲/ ۸۳)۔

لہذا انہوں نے اس کی خاطر چمڑے جمع کئے اور اس کے تمام کمانڈروں کو بھی ہدیہ دیئے انہوں نے ان میں سے ہر کمانڈر کو ہدیہ پیش کرنے کے بعد - نجاشی سے گفتگو سے قبل - کہا کہ بادشاہ کے شہر میں ہمارے کچھ بیو قوف لوگ آکر پناہ لئے ہوئے ہیں، جنھوں نے اپنے قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور وہ تمہارے دین پر عمل کرنے والے بھی نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے نیا دین اختیار کیا ہے، جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ ہی تم جانتے ہو، اور ہماری قوم نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے تاکہ بادشاہ سلامت انہیں ہمارے ساتھ واپس بھیج دیں، جب ہم ان کے بارے میں بادشاہ سے بات کریں گے تو تم ان سے کہنا کہ وہ انہیں واپس کر دیں، اور ان سے بات نہ کریں، کیونکہ ہم ان کے قوم کے لوگ ہیں اور انہیں اچھے سے جانتے ہیں، اور ان کی ان سے متعلق عیب جوئیوں سے زیادہ باخبر ہیں۔

پھر وہ دونوں نجاشی کے پاس گئے اور اسے تحفے پیش کئے ان میں چمڑے اور گھوڑے اور ریشم کا ایک جبہ بھی تھا، پھر انہوں نے اس سے گفتگو کی اور دونوں نے کہا: بادشاہ سلامت ہمارے کچھ بیو قوف لوگ آپ کے شہر میں بھاگ آئے ہیں، انہوں نے اپنی قوم کا دین ترک کر دیا ہے انہوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا ہے بلکہ ایک نیا ہی دین قبول کر لئے ہیں جسے نہ ہم جانتے اور نہ تم اور اب ہمیں ان کے قوم کے سرداروں میں سے ان کے باپ چچا اور رشتے داروں نے آپ کی طرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ ہمارے ساتھ ان کو واپس کر دیں، کیونکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ جانکار ہیں، وہ ان کی عیب جوئیوں اور ان کی طرف سے پیش آمدہ پریشانیوں سے زیادہ واقف ہیں، اس پر اس کے گرد بیٹھے سپاہیوں نے کہا: ہاں بادشاہ سلامت یہ سچ کہہ رہے ہیں، ان کے قوم کے لوگ انہیں اچھا جانتے ہیں اور ان کی طرف سے کی گئی عیب جوئی سے وہ زیادہ واقف ہیں تو آپ انہیں ان کے حوالے کر دیں، تاکہ یہ ان کو اپنے شہر ان کی قوم کے لوگوں کے پاس لے کر چلے جائیں۔

اس پر نجاشی کو غصہ آگیا اور ان کی بات نہ مانی اور قسم کھالی کہ وہ اپنے شہر میں آکر پناہ لینے والوں میں سے کسی کو اس وقت تک ان کے حوالے نہ کرے گا، جب تک انہیں بلا کر ان سے ان کے بارے میں ان کی کہی بات کی بابت پوچھ نہ لے۔

• نجاشی کا مسلمانوں کو سامنے لا کر سوال کرنا:

پھر نجاشی نے اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کے پاس قاصد بھیجا اور انہیں بلایا گیا، وہ حاضر ہوئے، اور وہ سب ہر حال میں سچ بولنے[1] کا ارادہ کر رکھے تھے، نتیجہ چاہے جو بھی ہو۔

نجاشی نے ان سے کہا: یہ دین کون سا ہے جس کے اپنانے سے تم نے اپنی قوم کے دین سے الگ ہو گئے ہو، اور نہ ہی میرے دین میں ہو، اور نہ ہی دوسرے موجودہ ادیان میں سے کسی دین پر ہو؟

جعفر بن ابی طالب[2] نے صحابہ کی طرف سے بات کی ذمہ داری لی اور ان سے کہا: بادشاہ سلامت ہم جاہلیت والی قوم تھے، بت پرستی کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، زناکاری کرتے تھے، رشتہ کاٹتے تھے، پڑوسیوں کو تکلیف دیتے تھے، ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔

ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہمارے پاس ہم میں سے ایک رسول بھیجا، ہم اس کے نسب اور سچائی اور امانت اور پاکدامنی کو اچھی طرح جانتے ہیں، اس نے ہمیں اللہ کی جانب بلایا، تاکہ اس کی توحید کو مانیں اور اسی کی عبادت کریں، اور اس کے علاوہ ہم اور ہمارے باپ دادا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں، انہوں نے ہمیں سچ بات کہنے، امانت کو ادا کرنے، صلہ رحمی،

([1])حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (٤/ ٢٣٣) میں اللہ تعالی کے فرمان: {يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ} (سورۃ التوبۃ: ١١٩) کے بارے میں کہتے ہیں، یعنی لوگو تم سچ بولو اور سچائی کو لازم پکڑو تم سچے لوگوں میں سے ہوگے اور ہلاکتوں سے بچ جاؤگے اور اللہ رب العالمین تمہارے لیے تمہارے معاملات سے نکلنے کا راستہ بنادے گا۔

اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (٦٠٩٤) پر روایت کیا ہے اور امام مسلم نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (٢٦٠٧) پر عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لوگو تم سچ بولو کیونکہ سچائی بھلائی کی جانب رہنمائی کرتی ہے اور بھلائی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور انسان برابر سچ بولتا رہتا ہے اور سچائی کی تلاش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے یہاں سچا لکھا جاتا ہے))۔

([2])امام ابو نعیم الحلیۃ (١/ ١٦٠) میں لکھتے ہیں: انہیں میں سے پیش قدمی کرنے والا خطیب اور کھانا کھلانے والا سخی لوگوں کو جاننے والا خطیب مسکینوں کی مہمان نوازی کرنے والا دونوں ہجرتیں کرنے والے دونوں قبلوں کے طرف نماز پڑھنے والے ہیرو بہادر سخی محنتی جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی ہیں لوگوں سے علادگی اختیار کرنے والے اور حق کی جانب اشارہ کرنے والے تھے۔

حسن جوار، حرام کاموں اور خونوں سے رکنے کا حکم دیا، اور زناکاری، بری بات، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور نماز[1]، زکاۃ کا حکم دیا[2] اور دیگر اسلام کے اعمال انہوں نے گنوائے تو ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لے آئے، اور اللہ کی طرف سے جو لے کر آئے ہیں ہم نے ان میں ان کی پیروی کی، اور ہم صرف اللہ کی عبادت کرنے لگ گئے، اور اس کے ساتھ شرک کو چھوڑ دیا، جو انہوں نے ہم پر حرام کیا ہم نے انہیں حرام کرلیا، اور جو انہوں نے ہمارے لئے حلال کیا اسے ہم نے حلال جان لیا، اس لئے ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن ہوگئے، اور انہوں نے ہمیں عذاب دیا اور ہمارے دین سے متعلق ہمیں آزمائش میں ڈالا، تاکہ ہمیں بتوں کی پرستش پر واپس کردیں، اور جو بری چیزیں پہلے حلال سمجھتے تھے ایک بار پھر اسے حلال سمجھنے لگیں، جب انہوں نے ہمیں ستایا اور ہم پر ظلم کیا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوئے تو آپ کے شہر آگئے اور دوسروں کے مقابلے آپ کو اختیار، اور آپ کی پناہ لینی چاہی اور بادشاہ سلامت ہم نے یہ امید کی ہے کہ آپ کے یہاں ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا[3]۔

(1) جعفر نے نجاشی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اور اپ نے ہمیں نماز کا حکم دیا یعنی وہ نماز جو اسرا اور معراج کے وقت پانچوں نمازوں کی فرضیت سے پہلے تھی اور میں نے بعثت کے ابتدا کے معاملے میں اس کو بیان کیا ہے تو آپ وہاں پر اس کا مراجعہ کرلیں۔

(2) اور آپ رضی اللہ عنہ کا قول "زکوۃ" اس سے مطلق طور پر صدقہ مراد ہے کیونکہ مال کی زکوۃ مدینہ میں فرض ہوئی۔

(3) شیخ ابوالحسن ندوی اپنی کتاب السّیرۃ النّبویّۃ میں صفحہ نمبر ۱۳٤ پر کہتے ہیں: بے شک جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بات حبشہ کے بادشاہ کے سامنے اور ان کا اسلام کی تصویر کو پیش کرنا بہت ہی حکمت بھرا کلام تھا جو اپنے مناسب وقت میں اور مناسب جگہ پر صادر ہوا اور یہ اپنے کہنے والے شخص کے عقل کی مضبوطی پر بھی دلیل ہے قبل اس کے کہ یہ ان کے عربی بیان کی بلاغت پر دلالت کرے اور یہ بات اللہ تعالی کے الہام کے بغیر اور اس کے اس دین کی تائید کے بغیر جس کا ارادہ اللہ تعالی نے کیا کہ اس کے نور کو مکمل کرے اور اسے تمام دین پر غالب کرے ممکن نہیں تھا اور یہ فطرت کی سلامتی اور عقل کی رجاحت پر بھی دلیل ہے جس میں بنو ہاشم کے لوگ پورے قریش پر بلند تھے اور جس میں قریش کے لوگ تمام عرب کے لوگوں پر درجہ رکھتے تھے چنانچہ جعفر رضی اللہ عنہ نے اس بات کو فوقیت دی کہ ان کا جواب جزیرہ عرب میں جاہلیت کے دنوں میں جو حال اور جب اللہ تعالی نے ان میں اپنے رسول کو بھیجا اور انہوں نے اللہ کی طرف اور کشادہ اور سیدھے دین اور اچھے اخلاق کی طرف بلایا جب انہوں نے ان پر ایمان لایا اور ان کی پیروی کی اس کے بعد ان کا کیا حال ہوا تھا اس کی حکایت کے بیان کے طور پر ہو اور حالت کی حکایت کرنا خاص طور سے جب اس میں کوئی شخص درستگی سے ہٹ کر بات نہ کرے تو وہ منـــا قشے اور

نجاشی نے ان سے کہا: کیا وہ جو اللہ کے پاس سے تمہارے پاس لائے ہیں ان میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟ جعفر نے کہا: ہاں، نجاشی نے ان سے کہا: کچھ مجھے پڑھ کے سناؤ، تو انہوں نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھیں جسے سن کر نجاشی رونے لگے، یہاں تک کہ ان کی داڑھی تر ہوگئی، اور ان کے پاس موجود عیسائی علماء بھی رو پڑے، جعفر کی تلاوت کو سن کر ان کی بھی ڈاڑھیاں تر ہوگئیں، پھر نجاشی نے کہا: یہ اور موسی علیہ السلام[1] کی لائی ہوئی شریعت ایک ہی طاق سے ہیں، پھر وہ قریش کے دونوں نمائندوں کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا: تم دونوں چلے جاؤ اللہ کی قسم ہم انہیں کبھی بھی تمہارے حوالے نہ کریں گے، ان کے خلاف کوئی سازش بھی نہ کی جائے گی۔

امام نسائی نے سنن کبری میں بسند ضعیف عبداللہ بن زبیر سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ یہ آیت نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ المائدة: ۸۳[2]۔

حافظ ابن کثیر نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ یہ قول محل نظر ہے، کیونکہ یہ مدنی آیت ہے اور نجاشی کے ساتھ جعفر کا قصہ ہجرت سے پہلے کا ہے[3]۔

مناظرے کو قبول نہیں کرتی اور مقصود معنی کو لوگوں تک پہنچانے میں اس کی قدرت زیادہ ہوتی ہے اور مطلوبہ امر کی تحقیق اور غور کرنے اور انصاف کرنے اور اچھے طرح سے سننے کے لیے تیار کرنے میں زیادہ اثرانداز ہوتی ہیں۔

([1]) یہ امام احمد کی ان کی مسند میں روایت ہے امام سندی مسند کی شرح (۲/ ۲۱۷) میں کہتے ہیں کہ انہوں نے عیسی نہیں کہا حالانکہ وہ ان کے نبی تھے کیونکہ ان کے سلسلے میں یہودیوں کا اختلاف ہے موسی علیہ السلام کے برخلاف کیونکہ ان کی نبوت کے سلسلے میں کسی بھی جماعت نے اختلاف نہیں کیا اور ابن اسحاق کی سیرت (۱/ ۳۷٤) میں ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے عیسی بھی کہا۔

([2]) السنن الکبری از نسائی - کتاب التفسیر - باب (۹) - رقم حدیث (۱۱۰۸۳)۔

([3]) تفسیر ابن کثیر (۳/ ۱۶۶)۔

● مہاجرین اور نجاشی کے مابین بد گمانی پیدا کرنے کی ایک اور کوشش:

جب یہ دونوں نجاشی کے پاس سے نکلے تو عمرو بن عاص نے کہا: اللہ کی قسم میں کل صبح اس کے پاس آؤں گا اور اس کے پاس ان کی عیب بیان کر کے ان کے بیشتر لوگوں کو مٹا دوں گا، تو اس نے عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا: تم ایسا نہ کرو کیونکہ اگرچہ انہوں نے ہماری بات نہ مانی کیونکہ ان کے لئے رشتہ دار کا حق ہے لیکن عمرو بن عاص اپنی رائے پر اڑے رہے۔

جب صبح ہوئی تو وہ نجاشی کے پاس گئے اور ان سے کہا: بادشاہ سلامت یہ لوگ عیسی علیہ السلام کے بارے بہت بڑی بات کہتے ہیں، نجاشی نے ان کے پاس قاصد بھیج کر ان سے عیسی علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا جب نجاشی کا قاصد ان کے پاس گیا تو بعض صحابہ نے بعض سے کہا: اگر تم سے وہ عیسی علیہ السلام کے بارے میں پوچھیں گے تو تم عیسی علیہ السلام کے بارے میں کیا کہو گے؟

انہوں نے کہا: اللہ کی قسم ہم وہی کہیں گے جو اللہ نے کہا ہے، اور جو اللہ کے رسول ہمارے پاس لے کر آئے ہیں، چاہے جو بھی ہو۔

جب وہ نجاشی کی دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے ان سے کہا: تم عیسی بن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

جعفر بن ابو طالب نے کہا: ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی بتاتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور اسکے رسول تھے اور اس کے روح اور کلمہ [1] تھے جسے اللہ نے کنواری پاکدامن مریم کی طرف القاء کیا۔

([1]) امام سہیلی الرّوض الأنف (۲/ ۱۱۳) میں کہتے ہیں: اور اس کا کلمہ ہونے کا معنی ہے کہ اس نے اس کے لیے حکم فرمایا تھا جیسے کہ جب آدم کو مٹی سے پیدا کیا تو حکم فرمایا تھا کہ ہو جا اور وہ وجود میں آ گئے۔

پھر نجاشی نے اپنے ہاتھ کو زمین پر مارا اور ایک لکڑی کی تیلی اٹھائی اور کہا جو تم نے کہا عیسی بن مریم اس سے اس لکڑی کے برابر بھی زیادہ نہ تھے[1]۔

اب اس کی بات سن کر اس کے گرد موجود سپاہیوں نے ناراضگی بھری باتیں کہیں، تو اس نے کہا: اللہ کی قسم اگر تم ناراض بھی ہو جاؤ مجھے پرواہ نہیں پھر اس نے مسلمانوں سے کہا: جاؤ تم سب میرے یہاں امن سے رہو، جو تمہیں برا بھلا کہے گا وہ اس کی سزا پائے گا، پھر کہا: جو تمہیں برا بھلا کہے گا اس کی سزا وہ پالے گا، پھر کہا: جو تمہیں برا بھلا کہے گا اس کی سزا وہ پالے گا، مجھے یہ پسند نہیں کہ میں تمہیں پریشان کروں اگرچہ مجھے سونے کا ایک پہاڑ دیا جائے۔

پھر اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا: تم ان کے تحفوں کو انہیں لوٹا دو، مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ نجاشی کے پاس سے ناکام واپس ہوئے، اور مسلمانوں کو نجاشی کے یہاں بہترین پناہ کے ساتھ بہتریں اقامت کی جگہ مل گئ[2]۔

شیخ محمد غزالی کہتے ہیں کہ: ظاہر بات یہی ہے کہ نجاشی ہدایت یافتہ اور صاف عقل والا آدمی تھا، اللہ کو اچھے سے جانتا تھا، عیسی علیہ السلام کے بارے میں صحیح عقیدہ رکھتا تھا، کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جو معاملہ انہوں نے اپنے شہر میں ان پناہ لینے والوں کی خاطر اپنایا جو اپنے دین کو بچانے کے لئے آزمائش کی خوف سے بھاگے ہوئے تھے، ان کا وہ اچھا معاملہ ان کی اچھی سوچ کا نتیجہ تھا[3]۔

---

(1) امام سندی مسند کی شرح (٢/ ٢١٨): میں کہتے ہیں کہ: یعني: یہ مقدار، ان کا مقصد تھا: اس کی یہ مقدار اس سے زیادہ ان کی کوئی اور حیثیت نہیں ہے جیسا کہ ظالم لوگ بیٹا وغیرہ کہتے ہیں۔

(2) جعفر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ نجاشی کا قصہ دیکھیے: مسند الإمام أحمد- رقم حدیث (١٧٤٠) - (٢٢٤٩٨)- المستدرک للحاکم - کتاب التفسیر- باب قصة إسلام النجاشي- رقم حدیث (٣٢٦١)- شرح مشکل الآثار از طحاوي- رقم حدیث (٥٥٩٨)- السیرة از ابن إسحاق (١/ ٣٧٢) —اور اس کی سند حسن ہے۔

(3) فقه السیرة للشیخ محمد الغزالي رحمه الله تعالی ص ١١٤۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ کہتے ہیں: اس قصے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ جو اللہ کے ساتھ سچائی کا معاملہ اپنائے اللہ اس کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے، اور برائی کا ارادہ کرنے والوں کے خلاف اللہ ان کی مدد کرتا ہے، اور اللہ ایسے لوگوں کے لئے تنگی اور پریشانیوں سے نکلنے کا راستہ نکال دیتا ہے، اور آسانی پیدا کرتا ہے، شاید اس میں دعوت کے راہ میں کام کرنے والوں کے لئے نشانی ہو، وہ اس لئے تاکہ وہ اپنی دعوت میں حق اور سچائی کو لازم پکڑیں اور اس میں تحریف اور تغییر سے کام نہ لیں اور سیاسی وغیرہ رجحان کے تابع ہو کر مداہنت نہ کریں اور اسلامی حقائق کو واضح کریں، ہر حال میں چاہے کچھ بھی ہو[1]۔

● نجاشی کا قبول اسلام:

نجاشی نے جعفر بن ابی طالب کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبوت کی تصدیق کی، وہ اپنی قوم سے اپنے اسلام کو چھپائے رہتے تھے۔

امام ذہبی نے سیرت میں کہا ہے کہ : نجاشی کس کا نام اصحمـــــہ تھا، جو حبشہ کے بادشاہ تھے، ان کا اسلام اچھا رہا وہ ہجرت نہ کر سکے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بھی نہیں وہ ایک طرح سے تابعی تھے اور ایک طرح سے صحابی تھے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں فوت ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غائبانہ طور پر ان کی نماز جنازہ ادا کروائی تھی[2]، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کے علاوہ کسی اور کی غائبانہ طور نماز جنازہ پڑھانا ثابت نہیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی وفات نصاری کے بیچ ہوئی تھی اور ان کے یہاں کوئی نماز پڑھانے والا نہیں تھا کیونکہ ہجرت کرکے وہاں جانے والے صحابہ سات ہجری میں خیبر کے سال وہاں سے مدینہ ہجرت کرکے چلے آئے تھے[3]۔

---

(1) کتاب السیرة النبویة للدکتور محمد أبي شهبة رحمہ اللہ (١/ ٣٨٠)۔

(2) میں کہتا ہوں کہ : میں اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان پر صلاۃ غائب سے متعلق تفصیل ذکر کروں گا۔

(3) سیر أعلام النبلاء (١/ ٤٢٨)۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں کہا ہے کہ: نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر تھا جو حبشہ کے بادشاہ تھے، نجاشی ان کا لقب تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسلمان ہوئے ہجرت نہیں کئے تھے، وہ مسلمانوں کے مددگار تھے اوران کے لئے بہت نفع بخش تھے[1]۔

میں کہتا ہوں: نجاشی کی وفات ہجرت کے نویں سال ماہ رجب میں ہوئی تھی۔

● نجاشی کی بادشاہت میں اللہ کی مدد:

ام سلمہ کہتی ہیں کہ: اللہ کی قسم جب ہم نے دیکھا کہ نجاشی سے اس کی بادشاہت چھیننے کوئی آرہاہے تو ہمیں نہیں پتہ کہ اس سے زیادہ غم ہمیں کبھی لاحق ہوا ہو ہمیں یہ خوف لاحق تھا کہ وہ شخص کہیں نجاشی پر غلبہ نہ حاصل کرلے اور ایسے شخص کو وہاں کی بادشاہت حاصل ہوجائے جو نجاشی کی طرح ہمارا حق نہ پہچانے، وہ کہتی ہیں کہ: نجاشی اس کی طرف نکلے، ان دونوں کے درمیان نیل درپیش تھا، کہتی ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کہا: کون آدمی جاکر وہاں موقع پر پہونچے اور پھر وہاں کی خبر ہمیں پہونچائے؟

زبیر بن عوام نے کہا: میں، وہ اس وقت بہت ہی کم عمر تھے۔

وہ کہتی ہیں: لوگوں نے ان کے لئے ایک گھڑے میں پھونکا، جسے انہوں نے اپنے سینے پر رکھ لیا پھر تیر گئے یہاں تک کہ نیل کے اس کنارے پہونچ گئے جہاں لوگ اکٹھا تھے، پھر چل کے ان کے پاس پہونچ گئے، کہتی ہیں کہ: ہم نے اللہ تعالی سے نجاشی کے لئے دشمن پر فتح اور ملک میں اس کی بادشاہت کی دعاء کی[2]۔

---

(1) الإصابة (١/ ٣٤٧)۔

(2) شیخ ابو الحسن ندوی اپنی کتاب السِّيرة النَّبويّة، ص ١٣٥ میں کہتے ہیں: اور مسلمانوں کی جانب سے نجاشی کے لیے یہ دعا بے گھر کیے ہوئے مہاجرین سے متعلق اس کے حسن موقف کے اعتراف اور اس کے اچھے کام کے بدلے کے طور پر تھا جو کہ اسلام کے اخلاقی تعلیم اور مسلمانوں کے اخلاق کے بالکل مطابق تھا۔

وہ کہتی ہیں کہ: پھر زبیر دوڑ کر واپس آئے انہوں نے اپنے کپڑے کو لہرایا(تاکہ لوگ انہیں دیکھ سکیں)وہ کہہ رہے تھے،خوش ہو جاؤ نجاشی کو کامیابی ملی اور اللہ نے اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا اور اللہ نے اسے اپنے شہر میں بادشاہت عطا کی ہے،ام سلمہ کہتی ہیں: اللہ کی قسم ہم اس دن سے زیادہ کبھی خوش نہیں ہوئے[1]۔

● حبشہ میں مسلمانوں کی بقاء:

جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ساتھ ہیں حبشہ میں ہی ٹھہرے رہے ،پھر جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس غزوہ خیبر کے وقت آئے حبشہ میں وہ دس سالوں سے زیادہ تک ٹھہرے رہے،یہ بہت لمبی مدت ہے،حضرت جعفر رضی اللہ تعالی عنہ نے اسلام کی طرف دعوت دینے کے سلسلے میں یقینا کوشش کی ہوگی گویا انہوں نے اس نصرانی شہر میں اسلام کے بارے میں لوگوں کو بتایا ضرور ہوگا اور وہ نصرانی لوگ بہت نرم مزاج اور بے گھروں کو پناہ دینے والے تھے،ان کا حاکم عدل وانسانیت سے معروف بھی تھا،لیکن وہ زمانہ تاریخ کے لکھے جانے کا زمانہ نہیں تھا اور ہمارے سامنے کوئی تاریخ نہیں جو اس بات کو ثابت کر سکے لیکن قیاس اس بات کا متقاضی ہے[2]۔

● حبشہ کی جانب ہجرت والے قصہ سے کچھ فوائد:

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: حبشہ کی طرف ہجرت کرنے میں کئی فقہی مسائل تھے:

---

(1) نجاشی کے اپنے بادشاہت میں لوگوں کو پناہ دینے کا قصہ دیکھیے: مسند الإمام أحمد-رقم حدیث(١٧٤٠) (٢٢٤٩٨)-ا/ا سیرۃ ازابن إسحاق(١/ ٣٧٥)-اوراس کی سند سے حسن ہے۔

(2) السیرۃ النبویۃ لأبي الحسن الندوي رحمہ اللہ تعالی ص ١٣٥۔

- اپنے وطن سے نکلنا، اگرچہ مکہ کی فضیلت تھی لیکن چونکہ دین کو بچانے کے لیے نکلے تھے اگرچہ یہ بلد اسلام کی طرف نہ تھی کیونکہ شہر کے لوگ نصاری تھے اور مسیح کی پوجا کرتے تھے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ اللہ کے بندے ہیں اس بات کی وضاحت نجاشی کے ساتھ جعفر ابن ابی طالب کی بات سے ہو چکی ہے اور سپاہی ناراض بھی ہوئے تھے مگر وہ پھر بھی اس ہجرت کے سبب مہاجرین کہلائے، وہ سب دو ہجرت کرنے والے تھے جن پر اللہ رب العالمین نے سبقت کی وجہ سے تعریف کی ہے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ التوبة: ١٠٠۔[1]

-اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو دو قبلہ کی جانب رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور دو بار ہجرت کئے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بیعت رضوان میں شریک تھے تو دیکھیے کس طرح سے اللہ تعالی نے اس ہجرت کے ذریعے سے ان کی تعریف کی ہے وہ اللہ رب العالمین کے گھر سے دار کفر کی جانب گئے ہوئے تھے کیونکہ ان کا ایسا کرنا اپنے دین کے سلسلہ میں احتیاط کے طور پر تھا اور اس امید سے سفر کرنے والے تھے کہ ان کے اور ان کے رب کے

[1] حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (٤/ ٢٠٣) میں کہتے ہیں: اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ وہ مہاجرین اور انصار میں سے سبقت کرنے اور بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے راضی ہوا، ان لوگوں کی بربادی ہو جو ان سے بغض رکھتے ہیں یا انہیں برا بھلا کہتے ہیں یا ان میں سے بعض کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان سے بغض رکھتے ہیں خاص طور سے اللہ کے رسول ﷺ کے بعد صحابہ کے سردار اور ان میں سب سے بہتر سب سے افضل یعنی صدیق اکبر اور خلیفہ اعظم ابو بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ، کیونکہ بے شک رافضیوں میں سے ذلیل گروہ افضل ترین صحابہ سے دشمنی رکھتے ہیں ان سے بغض رکھتے ہیں انہیں برا بھلا کہتے ہیں ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے عقل اور ان کے دل الٹے ہیں یہ لوگ قران کی تعلیم سے کہاں ہیں؟ جب وہ ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں جن سے اللہ راضی ہوا، رہی بات اہل سنت کی تو وہ جن سے اللہ راضی ہوا ان کے لیے ان سے رضامندی ظاہر کرتے ہیں اور ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے برا بھلا کہا ہے اور ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جن کو اللہ تعالی اپنا دوست بناتا ہے اور ان لوگوں سے دشمنی رکھتے ہیں جن کو اللہ تعالی اپنا دشمن قرار دیتا ہے اور وہ اتباع اور پیروی کرنے والے ہیں بدعت پر چلنے والے نہیں ہیں وہ اقتدا کرنے والے ہیں اور وہ خود سے آگے نہیں بڑھتے اسی لیے وہ اللہ کے کامیاب ہونے والے گروہ ہیں اور اس کے مومن بندے ہیں۔

عبادت کے درمیان کوئی حائل نہ ہوگا، وہ اللہ رب العالمین کا امن وامان کے ساتھ ذکر کر سکیں گے اور یہ حکم مسلسل باقی رہے گا، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین کا دین تمام باطل پر غالب نہ ہو جائے اور جب بھی کوئی مومن حق پر تکلیف دیا جائے اور اور باطل کو حق پر غالب دیکھے اس امید کے ساتھ کی کسی دوسرے شہر میں اس کے اور اس کے دین کے درمیان کوئی حائل نہیں ہوگا اور اس میں وہ اپنے رب کی عبادت صحیح طریقے سے کر سکے گا اس طرح سے تو اس طرح سے نکلنا ایک مومن کے لیے ضروری ہوگا یہ ہجرت قیامت تک منقطع نہ ہوگی۔[1]

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: ہجرت ان تمام مسلمان ہونے والوں پر واجب ہے جو اپنے دین کے سلسلے میں فتنہ اور آزمائش کا خوف کھائیں۔[2]

● نبی ﷺ کے پاس سب سے پہلے آنے والے لوگ:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: نبی پاک ﷺ مکہ میں تھے تو بیس لوگ یا اس سے قریب کچھ نصرانی کے لوگ جب انہیں حبشہ میں نبی ﷺ کی خبر پہنچی تو آپ کے پاس آئے اور آپ کو اس وقت انہوں نے مسجد میں پایا، وہ آپ کے پاس بیٹھے اور آپ سے گفتگو کی اور آپ سے پوچھا، اس وقت کعبہ کے ارد گرد اپنے مجمعہ میں قریش کے کچھ لوگ موجود تھے، جب ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھ کر فراغت حاصل کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا اور پھر قرآن کی آیتوں کی تلاوت کی جب انہوں نے قرآن سنا تو ان کی آنکھیں بہہ پڑیں پھر انہوں نے اللہ رب العالمین کی بات کو مان لیا اور اللہ پر ایمان لائے، اللہ رب العالمین کی باتوں کی تصدیق کی اور انہوں نے وہ سب چیزیں جان لی جو ان کی کتاب میں ان کے بارے میں وہ پڑھا کرتے تھے۔

---

(1) الرّوض الأنُف (٢/ ١١١ - ١١٢)۔

(2) فتح الباري (٧/ ٦٣٥)۔

جب وہ آپ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر جانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ابو جہل لعنہ اللہ ان کے پاس کچھ لوگوں کو لے کر آیا، اور ان لوگوں نے ان سے کہا: اللہ رب العالمین تم سب بد ترین سواروں کو برباد کرے تمہارے پیچھے تمہارے دین والوں نے تم کو اس شخص کی خبر لانے بھیجا اور جو تمہاری مجلس ختم نہ ہوئی کہ تم اپنے دین کو چھوڑ دیا اور تم نے ان کے باتوں کی تصدیق کی اس کی وجہ سے ہم تم سے زیادہ بیوقوف کسی اور لوگوں کو نہیں جانتے تو ان لوگوں نے ان سے کہا: ہاں تم پر اللہ کے سلامتی ہو ہم تمہارے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے جو ہمارے لئے ہے وہ ہمارے لئے ہے اور جو تمہارے لئے ہے وہ تمہارے لئے ہے ہم اپنے آپ کو خیر سے محروم نہیں رہ سکتے۔

اور کہا جاتا ہے - واللہ أعلم - انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ- وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ- أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ-وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ﴾ القصص: ٥٢ - ٥٥[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں جو علماء اور اولیاء اہل کتاب میں سے تھے ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ وہ قرآن پر ایمان لائے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ البقرة: ١٢١۔

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا﴾ القصص: ٥٤۔

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٥ - ٦)- دلائل النبوۃ از بیہقی (٢/ ٣٠٦)۔

یعنی: یہ لوگ اس صفت سے متصف ہیں جو پہلے کتاب پر ایمان لائے پھر دوسرے کتاب پر بھی ایمان لائے، انہیں دوگنا اجر دیا جائے گا، پہلے رسول پر ایمان لانے کی وجہ سے اور پھر دوسرے پر ایمان لانے کی وجہ سے، صحیحین میں عامر شعبی کی حدیث جسے ابو بردہ کے حوالے سے حضرت ابو موسی اشعری کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((تین لوگوں کو دو گنا اجر دیا جائے گا، جو اہل کتاب میں سے تھا اپنے نبی پر ایمان لایا اور پھر اور نبی ﷺ کو پایا تو آپ پر بھی ایمان لایا، اور ان کی پیروی کی ان کی تصدیق کی، وہ بندہ جس نے اللہ کا حق ادا کیا اور اپنے آقا بھی حق ادا کیا اور وہ شخص جس کے پاس اس کی لونڈی ہو اس نے اسے کھلایا پلایا پھر اسے اچھے ادب سکھلائیں اور پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی[1]۔

اور اللہ تعالی کا فرمان: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ﴾ القصص: ٥٥، یعنی: وہ ان کے ساتھ نہیں گھلتے اور نہ ہی ان کے ساتھ ملتے ہیں، بلکہ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا: ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ الفرقان: ٧٢[2]۔

اور یہ آیتیں کسی کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہوں، قرآن مشرکین کو ایک واقعہ کی جانب موڑ رہا ہے، جسے وہ جانتے ہیں، اوہ اس کا انکار نہیں کر سکتے، انہیں پاکیزہ روحوں کے نمونے کے ساتھ آمنے سامنے لانے کے لیے کہ وہ قرآن کو کیسے قبول کرتی ہیں، وہ اس سے مطمئن ہیں، اس میں حق دیکھ تی ہیں، اور جانتی ہیں کہ یہ اس سے پہلے کی کتاب سے مطابقت رکھتی ہے اور انہیں اس سے روکنے والی کوئی چیز سستی یا گھمنڈ اور کبریائی نہیں ہوتی ہے اور حق کے راستے میں جو ایمان لائے انہیں جو تکلیف پہنچتی ہے جو مصیبت پہنچتی ہے اس پر وہ صبر کرتے ہیں جاہلوں کے ذریعے جو مصیبت پہنچتی ہے اور وہ حق پر پیش آنے والے مصائب پر بھی صبر کرتے ہیں... یہ واضح صورت ہے

(1) صحیح الإمام البخاري- کتاب العلم- باب تعلیم الرجل أمتہ وأھلہ- رقم حدیث (٩٧)- وأخرجہ صحیح الإمام مسلم- کتاب الإیمان- باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد- صلی اللّٰہ علیہ وسلم- إلی جمیع الناس- رقم حدیث (١٥٤)۔

(2) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی بات ان کی تفسیر (٦/ ٢٤٤) میں دیکھیے۔

اس مومن نفس کی جو اپنے ایمان سے مطمئن ہو، وہ بیکار باتوں سے بالاتر ہوتی ہے، وہ سماحت اور محبت میں بہت بلند ہوتی ہے اور یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح اور غیر مبہم راستہ بیان کرتی ہے جو آداب الٰ ی کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ بایں طور کہ جاہلوں کے ساتھ نہ شریک ہوں، نہ ان سے جھگڑیں، نہ ان سے ناراض ہوں، نہ انہیں تکلیف دیں، بلکہ وہ ان سے بلند رہیں اور بردباری کا معاملہ کریں اور ہر ایک کے لئے بھلائی اور خیر کا جذبہ رکھیں حتیٰ کہ جو انہیں کاٹے یا ان کے ساتھ برائی کرے۔ (1)

([1])في ظلال القرآن (٥/ ٢٧٠٠ - ٢٧٠١) لسید قطب رَحِمَہُ اللّٰہ۔

بنوہاشم کا بائیکاٹ اور گھاٹی کا محاصرہ

جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا معاملہ پھیلتا اور بلند ہوتا ہی جارہا ہے اور ان کے تمام اسالیب اور طریقہ کار فیل ہوتے جارہے ہیں، ان کے کسی بھی ہتھکنڈے سے اسلام کا پھیلنا بند نہیں ہوا اور ابو طالب کے ساتھ ان کا سمجھوتہ کارگر نہ ہوا ان کے بعد نبی ﷺ سے بھی ان کا سمجھوتہ ناکام رہا اور آپ نے اس کا انکار کردیا، تو انہوں نے ان کے بائیکاٹ پر اتفاق کرلیا۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب قریش نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ ایک شہر میں پہنچ گئے ہیں اور وہاں انہیں امن وقرار حاصل ہوگیا ہے، نجاشی نے انہیں اپنی پناہ دیدی ہے اور عمر بن خطاب بھی اسلام قبول کرچکے ہیں، وہ اور حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ صحابہ کے ساتھ ہیں، اور اب اسلام قبائل میں پھیلنے لگا ہے، تو انہوں نے یہ ساری باتیں اسلام سے متعلق دیکھیں، اور انہوں نے میٹنگ کی اور یہ پلان بنایا کہ وہ ایک کتاب لکھیں گے جس میں وہ بنی ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف ایک کام کریں گے کہ ان سے نہ کوئی نکاح کرے، نہ ان کے یہاں سے کوئی نکاح کرے، نہ ان سے کوئی چیز بیچے اور نہ ان سے کچھ خریدے اور ان پر دامن زندگی کو تنگ کردیں نہ کوئی ان کو اپنے ساتھ بٹھائے، نہ ہم ان کو اپنے ساتھ شامل کریں یہاں تک کہ وہ اللہ کے رسول کو قتل کرنے کے لئے ان کے حوالے کردیں۔

پھر جب میٹنگ کی تو انہوں نے اسے ایک صحیفہ میں لکھا، اور اس پر عہد وپیمان کیا، پھر اسے خانہ کعبہ کے اندر اپنے آپ پر تاکید کے لئے لٹکا دیا۔

اس کا لکھنے والا منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار تھا۔[1]

([1]) سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۸۸)۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: اور مشہور بات یہ ہے کہ منصور بن عکرمہ ہی نے وہ صحیفہ لکھا تھا، جیسا کہ ابن اسحاق کا ذکر کرنا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر بد دعا کی تھی جس سے اس کے ہاتھ فالج زدہ ہو گئے تھے جس سے وہ اب فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ (1)

جب اَبو طالب نے اپنے بھتیجے پر قریش کی ریشہ دوانیوں کو دیکھا تو وہ بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب میں سے اپنے اہل خانہ کے ساتھ جمع ہوئے اور انہیں اپنے بھتیجے کی حفاظت کے لیے ابھارا ،ان کے ساتھ کھڑے ہونے کی بات کہی جس کے لئے سبھی نے ان کی بات مان لیں اور انہوں نے یہ اتفاق کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گھاٹی میں داخل کر لیں گے اور انہیں کسی کو قتل نہ کرنے دیں گے ، چنانچہ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا، پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور ان کے ساتھ وہ سبھی ان کی گھاٹی میں داخل ہوئے ، یہاں تک کہ جو کافر تھے وہ بھی اپنی رشتہ داری کی حمیت میں ان کے ساتھ داخل ہوئے اور ان سے ابو لہب بن عبد المطلب کے علاوہ کوئی بھی الگ نہ ہوا اور وہ قریش کے ساتھ ہو گیا اور اس نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کا ساتھ چھوڑ دیا۔

ابو طالب اللہ کے رسول ﷺ پر خوف کھاتے تھے ،جب لوگ سونے لگتے تھے ، تو وہ آپ ﷺ کو اپنا بستر لیکر بلاتے تا کہ مکر اور دھوکہ کرنے والا دیکھ سکے اور جب لوگ سو جاتے تھے تو وہ اپنے بچوں یا اپنے بھائیوں یا اپنے چچا کے بیٹوں میں سے کسی کو ساتھ لے جاتے اور اور انہیں آپ ﷺ کے بستر سلا دیتے اور اللہ کے رسول ﷺ کو حکم دیتے کہ وہ آئیں اور ان کے بستروں پر سو جائیں۔ (2)

---

(1) البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۹٤)۔

(2) دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱/ ۲۷۳)۔

● بائیکاٹ کی شدت:

اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمان اس گھاٹی میں تین سال تک رہے، ان پر آزمائش اور سختی[1] بڑھتی گئی، قریش نے ان سے کھانے پینے کی چیزیں روک لی تھیں انہیں بازاروں میں جانے سے منع کر دیا تھا، انہیں کھانے یا کسی خرید و فروخت سے قریب نہیں ہونے دیتے، ان لوگوں نے ان سے بازار کو کاٹ کر رکھا تھا کوئی بھی کھانا ان سے قریب پہنچنے نہیں دیتے تھے راستے ہی میں وہ جلدی سے خرید لیا کرتے تھے تا کہ انہیں بھوک سے مار ڈالیں ابو لہب تاجروں کے درمیان چلتا پھرتا تھا اور ان سے کہتا تھا کہ محمد کے ساتھیوں کو مہنگے داموں میں بیچو تا کہ وہ تمہارے پاس سے کچھ خرید نا پائیں اور میں تمہیں بڑھا چڑھا کر کے ڈبل دام دوں گا تو وہ ان پر چیزوں کی قیمت کو بڑھا دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آدمی اپنے بچوں کے پاس واپس جاتا تھا اور وہ بھوک سے بلک رہے ہوتے تھے اور ان کے ہاتھ میں انہیں کھلانے کے لئے کوئی کھانے کی چیز نہ ہوتی تھی، تاجر پھر ابو لہب کے پاس جاتے اور وہ انہیں نفع دیتا یہاں تک کہ مومنوں کو بہت پریشانیاں لاحق ہوئیں ان کے پاس نہ کھانے کو تھا نہ پہننے کو تھا، ان کے بچوں کے رونے کی آواز گھاٹی کے پیچھے سے سنائی دیتی تھی، وہ درختوں کے پتے اور چمڑے کھانے پر مجبور تھے ان میں سے کئی لوگ تو ہلاک ہو گئے۔

ابو نعیم نے حلیہ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: میں ایک رات پیشاب کرنے کے لئے باہر نکلا اور میں نے اپنے پیشاب کے نیچے کچھ آواز سنی، دیکھا تو اونٹ کے چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا میں نے اسے لے لیا اور اسے دھویا پھر میں نے اسے

([1]) میں کہتا ہوں: یہ تین سختیوں میں سے ایک ہے جس پر جبرائیل کے نبی ﷺ کو تین مرتبہ ڈھانپنے کی تاویل دلالت کرتی ہے جب انہوں نے آپ سے کہا تھا پڑھو اور آپ نے کہا تھا میں پڑھنا نہیں جانتا تو حضرت جبرائیل نے تین مرتبہ اپ کو ڈھانپا تھا اور میں نے وحی کے نزول کی ابتدا میں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے تو آپ اس کا مراجعہ کر لیں۔

سے جلایا، اسے پوچھ کر اس پر پانی مار کر اس میں پانی پیا، اس طرح سے تین دن کھانے کے بعد میں اپنے بدن میں طاقت محسوس کرنے لگا۔[1]

مسلمانوں پر مسلط کردہ محاصرہ سخت کر دیا گیا، ان سے مدد کو روک لیا گیا، کھانے پینے کی چیزوں کی کمی ہوگئی اور مشقت آخری حد تک پہنچ گئی، بچوں کے رونے کی آواز شعب کے پیچھے سے سنائی دے رہی تھی انہیں بہت سخت پریشانی کا سامنا تھا، ان کے مخالفین نے بھی ان کی حالت پر افسوس کا اظہار کیا، اس قدر آزمائش کے باوجود بھی انہوں نے اللہ رب العالمین کے راستے میں ہر پریشانی اور مصیبت کو برداشت کی۔[2]

اس معاملے سے کفار قریش کافی خوش تھے، کوئی بھی جو وہاں پر قید تھے ان کے پاس کھانا پہنچانے کی ہمت نہیں کر پاتا تھا سوائے سری طور پر ان میں سے جو لوگ ان کی صلہ رحمی کرنا چاہتے، جو ان کے پاس جاتے تھے ان میں سے حکیم بن حزام[3] بھی تھے جو سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی تھے، اور ہشام بن عمرو عامری[4] اور ان میں سب سے زیادہ بنی ہاشم سے صلہ رحمی کرنے والے یہی تھے، وہ رات کو اونٹ لے کر کے آتے اور اس پر کھانا لادتے، پھر اسے گھاٹی کے جانب لے جاتے تھے اور اس کے بعد ڈور کو چھوڑ دیتے تا کہ وہ قیدیوں کے پاس چلے جائے۔[5]

---

(1) حلیۃ الأولیاء (١/ ١٣٦)۔

(2) فقہ السیرۃ للشیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ١١٨۔

(3) حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

(4) ہشام بن عمر امری رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے اور یہ مولفہ قلوب میں سے تھے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے حنین کے غنیمتوں میں سے ١٠٠ سے کم دیا تھا دیکھیے: الإصابۃ (٦/ ٤٢٦)۔

(5) سیرۃ ابن هشام (١/ ٤١٢)۔

● حکیم ابن حزام اور ابو جہل کے درمیان گفتگو

اور ایک دن حکیم بن حزام اپنے غلام کے ساتھ گیہوں لے کر اپنی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی جانب نکلے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اسی گھاٹی کے اندر تھیں، راستے میں ابو جہل سے ان کی ملاقات ہو گئی، اس نے انہیں روک لیا اور کہا: کیا تم کھانا لے کر بنو ہاشم کے پاس جا رہے ہو، اللہ کی قسم تم اسے لے کر کے نہیں جا سکتے، میں تمہیں مکہ میں بدنام کر دوں گا، اسی دوران ان کے پاس بختری بن ہشام آئے اور کہا: تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟

ابو جہل نے کہا: یہ بنو ہاشم کے پاس کھانا لے کر جا رہا ہے!

ابوالبخ تری نے اس سے کہا: اپنے پھوپھی کے لیے کھانا لے کر جا رہا ہے جو انہوں نے اس کے پاس بھیجا تھا، کیا تم اسے ان کا کھانا بھی لے جانے سے روک رہے ہو؟

اس کے راستے کو چھوڑ دو، ابو جہل نے انکار کیا یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ گئے، تو ابوالبختری نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اسے مارا جس سے وہ زخمی ہو گیا، اور اس نے اسے سختی کے ساتھ روند ڈالا، اور حمزہ بن مطلب ان کے قریب ہی یہ معاملہ دیکھ رہے تھے، اور وہ ناپسند کرتے تھے یہ بات اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جائے اور اس سے ان کی ہمت ٹوٹے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: ان سب کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ دن ورات اپنی قوم کو سری اور جہری طور پر اللہ رب العالمین کے حکم کی طرف بلایا کرتے تھے اور اس سلسلے میں وہ کسی سے ڈرتے نہیں تھے۔ (1)

محمد غزالی رحمہ اللہ ابن اسحاق کے اس کلام پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: کیونکہ بے گھر کرنے سے دعوت کا کام نہیں رکتا بلکہ اس سے جڑیں اور مضبوط ہو جاتی ہیں اور اس کی شاخیں پھولنے پھلنے لگتی ہیں، اسلام نے اس مرحلے میں بہت سے معاون حاصل کئے اور اس کے ساتھ ساتھ

---

(1) سیرۃ ابن ہشام (۱/ ۳۹۲)۔دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱/ ۲۷۶)۔

مشرکین آپس میں اختلاف کے شکار ہوگئے، وہ اپنے کام کی درستگی کے بارے میں پوچھتے تھے، ان میں سے بعض لوگ اس سے بائیکاٹ کو ختم کرنا چاہتے تھے اور وہ اس بائیکاٹ کو شامل صحیفہ کو بھی چاک کرنا چاہتے تھے۔[1]

● حبر امت اور ترجمان القرآن رضی اللہ تعالی عنہ کی ولادت:

بائیکاٹ کے درمیان حبر امت اور ترجمان قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت اسی گھاٹی میں ہوئی۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ حبر امت، اپنے زمانے کے فقیہ اور تفسیر کے امام ابو العباس عبداللہ ابن عم رسول اللہ ﷺ عباس بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی ہیں ان کی ولادت بنو ہاشم کی گھاٹی میں ہجرت سے تین سال قبل ہوئی۔

نبی ﷺ کے ساتھ انہیں تیس مہینے تک صحبت کی شرف حاصل رہی اور اس دوران انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے بہت ساری حدیث روایت کی ہیں۔

وہ بہت خوبصورت، لمبے قد کے مالک، عقلمند، ہوشیار، باوقار اور باکمال شخصیت کے حامل تھے۔

یہ طائف کے اندر سنہ ٦٠ ہجری میں فوت ہوئے۔[2]

● صحیفے کا چاک کیا جانا اور بائیکاٹ کا خاتمہ:

بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب اس گھاٹی میں تین سال[1] تک رہے، یہاں تک کہ وہ کافی پریشان ہوئے جیسا کہ ہم نے دیکھا، پھر قریش کے کچھ لوگ کھڑے ہوئے جو مروت اور ضمیر کے

---

(1) کتاب فقہ السیرۃ ص ١٢١۔

(2) سیر أعلام النبلاء (٣/ ٣٣١)۔

زندہ تھے، جن میں ہشام بن عمرو بن ربیعہ بھی تھے، جو بنی ہاشم کے رشتہ دار بھی تھی وہ اپنی قوم میں شرف کے مالک تھے، انہوں نے بائیکاٹ کے دنوں میں اپنی خوب کوشش کی تھی، وہ زہیر بن ابی امیہ المخزومی کے پاس گئے، ان کی والدہ عاتکہ بنت عبد المطلب تھیں، انہوں نے کہا: اے زہیر! کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو، شادی بیاہ کرو اور تمہارے ماموں زاد لوگ ایسی حالت میں رہیں، نہ ان سے بیچا جائے، نہ ان سے خریدا جائے، نہ ان سے نکاح کیا جائے، نہ ان کے عورتوں سے نکاح کیا جائے، میں یہ قسم کھاتا ہوں کہ اگر وہ ابوالحکم بن ہشام کے ماموں زاد ہوتے اور تم انہیں ایسا کرنے کے لئے کہتے جیسا انہوں نے تم سے کہا ہے تو وہ کبھی بھی اس کے لئے تیار نہ ہوتے، انہوں نے کہا: ہشام تیری بربادی ہو، اب میں کیا کروں؟ میں تو صرف ایک اکیلا آدمی ہوں، اللہ کی قسم لگا اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو میں اس کو چاک کرنے کے لئے تیار ہو جاتا اور اسے چاک کر کے ختم کر دیتا، انہوں نے کہا: میں نے ایک آدمی پالیا، انہوں نے کہا کہ: وہ کون ہے؟

انہوں نے کہا: وہ میں ہوں، زہیر نے ان سے کہا: ایک اور (تیسرا) آدمی ڈھونڈتے ہیں۔

وہ مطعم بن عدی کے پاس گئے اور کہا: اے مطعم! کیا تو اس بات سے خوش ہوں کہ تمہارے قبیلے بنو عبد مناف کے دو قبیلے ہلاک ہوں اور آپ اس پر گواہ ہیں اور قریش کی موافقت کرتے ہیں۔

اللہ کی قسم اگر تم نے انہیں اس سلسلے میں ڈھیل دی تو تم انہیں اس بارے میں خود سے جلدی کرنے والا پاؤ گے تو اس نے کہا: تمہاری بربادی ہو میں آخر کیا کروں میں تو بس ایک اکیلا آدمی ہوں، انہوں نے کہا: میں نے دوسرا آدمی پالیا ہے، اس نے کہا: وہ کون ہے؟ کہا: میں، کہا: ہم تیسرا آدمی تلاش کرتے ہیں، انہوں نے کہا: میں نے پالیا، کہا: وہ کون ہے؟ کہا: زہیر بن ابو امیہ، انہوں

([1]) میں کہتا ہوں: اس طور پر گھاٹی کے محاصرے کی بات بعثت کے ساتویں سال محرم سے بعثت کے دسویں سال تک کی ہو گی اور اسی عرصے میں ابو طالب کی وفات بھی ہوئی تھی، دیکھیے: فتح الباري (٧/ ٥٩٠)۔ الطبقات الکبری لابن سعد (١/ ١٠١)۔

نے کہا: ہم چوتھا آدمی تلاش کرتے ہیں، چنانچہ وہ ابو البختری بن ہشام کے پاس گئے، اور اس نے ان سے وہی کہا جیسا کہ مطعم بن عدی سے کہا تھا، تو انہوں نے کہا: کیا اس پر ہماری کوئی مدد کرے گا؟

کہا: ہاں، کہا: وہ کون ہے؟ کہا: زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں بھی تمہارے ساتھ ہوں، کہا: کوئی پانچواں بھی تلاش کرو۔

چنانچہ وہ زمعہ بن اسود بن مطلب کے پاس گئے اور ان سے بات کی اور ان سے ان کی قرابت داری اور ان کے حقوق کی بات کی تو انہوں نے ان سے کہا: کیا اس معاملے پر اور کوئی ہے جس طرف تم ہمیں بلا رہے ہو؟

انہوں نے کہا: ہاں، پھر انہیں سبھی کا نام بھی بتایا۔

ان سبھی نے مکہ کے بلائی حصہ میں موجود حجون نامی پہاڑ پر رات میں جمع ہونے کا وعدہ کیا۔

وہاں وہ لوگ جمع ہوئے، اور اپنا پلان تیار کیا اور صحیفہ کو چاک کرنے کا معاہدہ کیا، اور زہیر نے کہا کہ: میں پہلے شروع کروں گا اور میں پہلے بات کروں گا، چنانچہ جب صبح ہوئی تو سب اپنی مجلسوں کی جانب گئے اور زہیر بن ابی امیہ نے بھی صبح کی اس وقت ان پر ایک بہترین جوڑا تھا انہوں نے خانہ کعبہ کا سات طواف کیا، پھر لوگوں کے پاس آئے اور کہا: اے مکہ والو! کیا ہم کھانا کھائیں، کپڑا پہنیں اور بنو ہاشم ہلاک ہوں نہ ان سے بیچا جائے اور نہ ان سے خریدا جائے، اللہ کی قسم میں اس وقت تک سکون سے نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اس ظالم بائیکاٹ سے متعلق صحیفہ کو چاک نہ کردیا جائے۔

ابوجہل - لعنۃ اللہ علیہ - "جو مسجد کے کونے میں تھا" نے کہا: تم نے جھوٹ کہا اللہ کی قسم وہ پھاڑا نہیں جائے گا، تو زمعہ بن اُسود نے کہا: اللہ کی قسم تو اس سے بڑا جھوٹا ہے، جب اسے لکھا گیا تب بھی ہم راضی نہ تھے۔

ابوالبختری نے کہا: زمعہ نے صحیح کہا، ہم اس سے راضین ہیں ہیں، گے اور نہ ہی اس کا اقرار کرنے والے ہیں۔

دوسری طرف مطعم بن عدی کھڑے ہوئے اور کہا کہ: تم دونوں نے صحیح کہا اور اس کے علاوہ بات کرنے والا جھوٹا ہے، ہم اس سے اللہ رب العالمین کی طرف براءت ظاہر کرتے ہیں اور جو اس میں لکھا ہے اس سے بھی، ہشام بن عمرو نے بھی ایسا ہی کہا۔

ابو جہل نے کہا: یہ معاملہ پہلے سے طے تھا، اس کے بارے میں ایک دوسرے اس کے علاوہ کہیں اور مشورہ کیا گیا ہے۔

● رسول ﷺ کا اپنے چچا کو صحیفہ کے چاک کئے جانے کی خبر دینا:

اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو یہ خبر دی کہ اللہ رب العالمین نے انہیں بتایا ہے کہ صحیفہ کو چاک کر دیا گیا ہے اور اللہ رب العالمین نے اس پر لکڑی کھانے والے کیڑے کو مسلط کر دیا ہے، اس نے ہر اس چیز کو چاٹ کر ختم کر دیا جس میں ظلم تھا صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے نام کو چھوڑا باقی ساری چیزیں اس نے صاف کر دی۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ رب العالمین کے ہر نام کو کیڑے نے چاٹ لیا اور اس میں شرک ظلم اور زیادتی ہی باقی رہی، پہلی روایت زیادہ درست ہے[1]، جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی تو انہوں نے کہا: کیا تمہارے رب نے تمہیں اس کی خبر دی ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، تو ابو طالب نے کہا: چمکتے ہوئے ستاروں کی قسم تم نے کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولا ہے۔

---

(1) فتح الباري (۷/ ۵۹۰)۔

● اللہ کے رسول ﷺ کی کہی بات میں سچائی:

آپ ﷺ اپنی قوم بنو عبد المطلب کہ ایک جماعت کے ساتھ چل کر گئے جب مسجد پہنچے تو جب قریش نے انہیں دیکھا تو انہیں یہ گمان ہوا کہ وہ پریشانی کی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ کو ہمارے سپرد کرنے کی خاطر وہاں سے نکلے ہیں، چنانچہ ابو طالب نے گفتگو کی اور کہا کہ: ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاملہ درپیش ہوا ہے آؤ تو اپنے اس صحیفہ کو لے کر جس میں تمہارا عہد و پیمان ہے، شاید کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صلح ہو جائے، ابو طالب نے ایسا اس لئے کہا تھا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ اس صحیفہ کو ہمارے آنے سے پہلے دیکھ سکیں، پھر ابو طالب نے کہا: میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ میں ہمارے اور تمہارے درمیان ایک درمیان کا معاملہ رکھوں، بے شک میرے بھتیجے نے مجھے خبر دی ہے اور اس نے مجھ سے کبھی بھی جھوٹ نہیں کہا اس نے کہا ہے کہ: اللہ رب العالمین نے تمہارے صحیفہ پر جس کو تم نے لکھا تھا ایک کیڑا مسلط کر دیا ہے جس نے اس میں موجود ساری چیزیں کھالیں ہیں سوئے "باسمک اللھم" کے۔[1]

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ: اس میں اس نے اللہ کا ایک نام بھی نہیں چھوڑا سب کو چاٹ لیا اس میں صرف اور صرف تمہارے دھوکے اور تمہارے ظلم کی بات موجود ہے، اگر یہ بات جیسے اس نے کہی ہے اسی طرح سے ہے تو ہوش میں آجاؤ اور اللہ کی قسم ہم اسے تمہارے حوالے اس وقت تک نہیں کریں گے جب تک کہ ہم سبھی موت کے گھاٹ نہ اتر جائیں اور اگر وہ جو کہہ رہا ہے وہ بات جھوٹ ہے تو ہم اپنے ساتھی کو تمہیں دیں گے، تو تم اسے چاہے قتل کر دیا اسے زندہ رکھو، انہوں نے کہا: تم نے ہمارے ساتھ انصاف کی بات کی ہے جو تم کہہ رہے ہو اس سے ہم راضی ہیں، انہوں نے صحیفے کو کھولا تو سب نے اس میں وہی دیکھا جیسے کہ آپ ﷺ نے اس کے

---

[1] امام طبری اپنی تاریخ (۱/ ۵۵۳) میں کہتے ہیں: یہ قریش کے لوگوں کے خطوط کے ابتدا ہوا کرتی تھی جب بھی وہ کچھ لکھتے تھے تو اسی کے ذریعے سے ابتدا کیا کرتے تھے۔

بارے میں خبر دی تھی، جب قریش نے یہ دیکھا تو ان کے ہاتھ میں جو چیزیں تھیں وہ گر گئیں یعنی وہ ہکا بکا رہ گئے وہ اپنے سروں کے بل گر پڑے اور پھر کہا یہ تمہارے بھتیجے کا جادو ہے اور وہ اور زیادہ ظلم اور سرکشی پر اتر آئے۔

ابو طالب نے کہا: اے قریش کے لوگو! ہمیں تم نے کیوں قید اور بند کر رکھا ہوا ہے، جب کہ معاملہ واضح ہو گیا کہ ظالم تو تم ہی ہو، تم نے قطع رحمی کی ہے تم نے ہی برائی کا ارتکاب کیا ہے۔

پھر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے غلاف اور کعبہ کے درمیان داخل ہو گئے اور کہا: اے اللہ تو ہماری ظالموں کے خلاف مدد کر جنہوں نے ہمارے رشتہ داروں کو توڑا ہے اور ہماری حرمتوں کو پامال کیا ہے، پھر وہ گھاٹی کی جانب واپس چلے گئے۔

جب یہ بات ہو گئی تو مطعم بن عدی اٹھ کر کے صحیفہ کے پاس گئے اور انہوں نے اسے پھاڑ دیا پھر وہ ان لوگوں کے پاس گئے قریش کے جن لوگوں نے صحیفہ چاک کرنے پر اتفاق کیا ہوا تھا انہوں نے ہتھیار لیا اور پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے اور انھیں وہاں سے نکلنے اور اپنے گھروں میں جانے کا حکم دیا چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

ان کے گھاٹی سے نکلنے کا واقعہ بعثت کے دسویں سال کے شروع کا ہے۔[1]

● ابو طالب کے ساتھ قریش کا آخری سمجھوتا:

اللہ کے رسول ﷺ گھاٹی سے نکل کر اللہ رب العالمین کی جانب دعوت دینے لگے، قریش پہلے سے زیادہ کفر والے ہو گئے اور وہ اللہ کے راستے سے مزید سختی کے ساتھ روکنے لگے، اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب کو ستانے لگے، ابو طالب اپنے بھتیجے کی حفاظت کرتے رہے، اور

---

[1] () بائیکاٹ کی تفصیل دیکھیے: سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۳۸۸)۔الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۱۰۰)۔دلائل النبوۃ للبیھقي (۲/ ۳۱۱)۔دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱/ ۲۷۱)۔فتح الباري (۷/ ۵۸۹)۔البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۹۳)۔وروی البخاري في صحیحہ۔کتاب الأنصار۔باب تقاسم المشرکین علي النبي۔صلی اللہ علیہ وسلم۔رقم الحدیث (۳۸۸۲)۔بائیکاٹ سے متعلق بہت ہی مختصر۔

طرح سے ان کی حفاظت کرتے یہاں انہیں بیماری لاحق ہوئی اور بیماری نے شدت پکڑ لی اس وقت مشرکین نے دوبارہ نبی پاک ﷺ کے بارے میں ابو طالب کے سامنے سمجھوتے کی پیشکش کی، انہیں یہ خدشہ تھا کہ اگر وہ ابو طالب کی وفات کے بعد ان کے بھتیجے کو تکلیف دیں گے تو عرب کے لوگ انہیں طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے ان کے چچا کی زندگی میں کچھ نہ کہا اور جب وفات ہو گئی تو انہوں نے انہیں تکلیف پہنچانی شروع کر دی۔

جب ابو طالب بیمار ہوئے اور ان کی بیماری کے بارے میں قریش کو معلوم ہوا تو قریش نے آپس میں کہا کہ: حمزہ اور عمر اسلام لے آئے ہیں اور محمد کا معاملہ قریش کے تمام قبائل میں پھیل چکا ہے تو تم ابو طالب کے پاس چلو اور وہ اپنے بھتیجے کے بارے میں ہم سے کچھ کہیں اور ہم سے کچھ وعدہ کریں، اللہ کی قسم ہم ان کے اپنے معاملے پر غالب ہونے سے امن میں نہیں ہیں۔

تو ان کے بڑے لوگ ان کے پاس گئے، وہ پچیس لوگ تھے، ان میں سے عتبہ اور شیبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابو سفیان بن حرب، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث تھے، انہوں نے اپنے ایک آدمی کو آگے کیا اور ابو طالب کے پاس جانے کی اجازت طلب کی انہیں اجازت مل گئی جب ان کے پاس داخل ہوئے تو کہا: اے ابو طالب آپ ہمارے بڑے ہیں ہمارے سردار ہیں آپ ہمارے لئے اپنے بھتیجے کے سلسلے میں انصاف سے کام لیں، آپ اس سے کہیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنا چھوڑ دے، اور ہم انہیں اور ان کے معبود کو چھوڑ دیں گے، اور ایک دوسرے لفظ میں ہے کہ انہوں نے کہا: اے ابو طالب آپ ہمارے درمیان خاص مقام اور مرتبہ رکھتے ہو، آپ کو یہ بیماری لاحق ہوئی ہے اور ہم آپ پر خوف کھاتے ہیں، آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہمارے اور تمہارے بھتیجے کے درمیان کیا مسئلہ ہے تو تم انہیں بلاؤ اور اس سے ہمارے لئے اور ہم سے اس کے لیے کچھ عہد و پیمان کرو تا کہ وہ ہم سے رک جائے اور ہم اس سے رک جائیں وہ ہمیں اور ہمارے دین کو چھوڑ دے اور ہم اسے اور اس کے دین کو چھوڑ دیں۔

پھر ابو طالب نے آپ ﷺ کے پاس بھیجا گھر میں داخل ہوئے اور ابو طالب کے درمیان صرف ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی ابو جہل کو یہ خدشہ ہوا کہ رسول ﷺ ان کے پاس بیٹھیں گے وہ ان پر اور زیادہ نرمی کریں گے وہ کودا اور اس جگہ چلا گیا اور آپ ﷺ نے اپنے چچا کے پاس کوئی جگہ نہ پائے تو وہ دروازے پر بیٹھ گئے ابو طالب نے کہا: اے میرے بھتیجے یہ دیکھو تمہارے قوم کے سردار تمہارے پاس آئے ہوئے ہیں وہ تمہارے لئے جمع ہیں تاکہ تم ان سے کچھ لو وہ تمہیں کچھ دیں اور ایک روایت میں ہے کہ جس میں ہے کہ یہ تمہاری قوم کے بڑے اور بزرگ لوگ ہیں وہ تم سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم ان کو ان کے معبودوں کو غلط کہنے سے رک جاؤ اور وہ تمہیں چھوڑ کر تمہارے معبودوں کو چھوڑ دیں تو تم اسے قبول کر لو انہوں نے انصاف کی بات کہی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((تم خیال کرتے ہو کہ اگر میں تمہیں یہ دے دوں تو تم وہ کلمہ کہو گے جس کے ذریعہ سے تم عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم تمہارے تابع فرمان ہو جائیں گے؟))۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ابو طالب نے کہا: میرے بھتیجے تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو؟

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں ان سے ایک کلمہ کہلوانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سے عرب کے لوگ ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور سارے عجم کے لوگ انہیں جزیہ دیں گے ،ابو طالب نے کہا: ایک کلمہ کی بات ہے تو آپ ﷺ نے کہا: صرف ایک ہی کلمہ کی بات ہے، تو ابو جہل نے کہا: ہاں تیرے باپ کی قسم ہم دس کلمہ کہنے کے لئے تیار ہیں؟

ایک روایت میں ہے: ابو جہل نے اپنی قوم کے درمیان سے کہا: یہ تو بہت ہی نفع بخش کلمہ ہے، ہم تمہیں یہ بھی دیں گے اور اس کے ساتھ دس اور کلمات دیں گے، بتاؤ تو وہ کلمہ کون سا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: تم "لا الہ الا اللہ" کہو اور تمہارے جو اللہ رب العالمین کے علاوہ دیگر معبود ہیں انہیں چھوڑ دو۔

ابو طالب نے کہا: میرے بھتیجے اللہ کی قسم میں نے یہ نہیں دیکھا کہ تم نے ان سے کوئی نقصان کا سوال کیا ہو؟

لیکن مشرکوں کے سرداروں نے اپنے ہاتھ سے تالی بجائی اور کہا: اے محمد کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیں؟ تمہارا معاملہ تو بہت ہی عجیب ہے پھر انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ: یہ اللہ کی قسم یہ آدمی تمہیں ان میں سے کچھ دینے والا نہیں ہے جو تم اس سے چاہتے ہو تو تم چلو اور اپنے آباؤ اجداد کے دین پر قائم رہو، یہاں تک کہ اللہ رب العالمین ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، پھر وہ کھڑے ہوئے اور وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ کی قسم ہم تمہیں گالی دیں گے تمہارے معبود کو گالی دیں گے جو تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے، پھر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ [1] (1) بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ [2] (2) كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ [3] حِينَ مَنَاصٍ (3) وَعَجِبُوا أَنْ

---

[1] () ابن عباس سعید بن جبیر اور اسماعیل بن ابی خالد اور بن عیینہ کہتے ہیں: یعنی شان و منزلت والا، دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (۷/ ۵۱)۔

[2] () حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۷/ ۵۱): میں کہتے ہیں کہ: بے شک اس قران میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے عبرت ہے اور اس سے کافر لوگ فائدہ نہیں حاصل کر سکے کیونکہ وہ تکبر اور گھمنڈ کرنے والے تھے اور اس کی مخالفت کرنے والے تھے۔

[3] () حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۷/ ۵۲ - ۵۳) میں کہتے ہیں کہ: یہ "لات" اصل میں "لا" ہے جو کہ نفی کے لیے آتا ہے اور اس کے ساتھ "تا" کو زیادہ کر دیا گیا جیسے کہ "ثم" میں زیادہ کیا جاتا ہے اور "ثمت" کہا جاتا ہے اور "رب" میں زیادہ کیا جاتا ہے اور "ربت" کہا جاتا ہے اور یہ مفصول ہے اور وقف اسی پر ہوگا

اور بعض لوگوں نے شعر کہا ہے: ولات ساعة مندم

ســاعة کے زیر کے ساتھ اور اہل لغت کہتے ہیں نوص: دیر کرنے کو اور بوص: آگے بڑھنے کو، اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا: ولات حین مناص یعنی اب یہ وقت نہ فرار ہونے کا ہے نہ جانے کا ہے۔

جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (4) أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (5) وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلَى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ (1) يُرَادُ (1) مَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هَذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾۔[2]

---

[1] ()اور امام طبری اپنی تفسیر (۱۰/ ۵۵۲): میں کہتے ہیں یہ قول جسے محمد کہتے ہیں اور ہمیں اس کی جانب بلاتے ہیں "لا الہ الا اللہ" کہنے سے متعلق اس سے محمد ہم سے ہمارے اوپر بلندی کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ ہم ان کے پیروکار بن جائیں اور ہم اس جانب ان کی خواہش کو پوری نہیں کریں گے۔

[2] ()اس قصے کو ان لوگوں نے تخریج کیا ہے: جامع الترمذي - کتاب تفسیر القرآن - باب سورة ص - رقم حدیث (۳۵۱۲) — اور ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے - مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (۲۰۰۸) - صحیح ابن حبان - کتاب التاریخ - باب ذکر الإخبار عن أداء العجم الجزیۃ إلى العرب - رقم حدیث (٦٦٨٦) - السیرۃ از ابن إسحاق (۲/ ۳۱) — اور اس کی إسناد ضعیف ہے — المستدرک للحاکم - کتاب التفسیر - باب سورة ص - رقم حدیث (۳٦۷۰) - اور اس کی سند حسن ہے۔

ابو طالب کی وفات[1]

ابو طالب اب زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور انہیں موت آگئی، ان کی وفات گھاٹی سے نکلنے کے بعد میں بعثت کے دسویں سال[2] ہوئی، یہ ہجرت سے ۳ سال پہلے کا واقعہ ہے، ان کی عمر اس وقت تھی ۸۵ سال تھی۔[3]

جب ان کی وفات کا وقت ہوا[4] تو اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس ابو جہل عبداللہ بن ابی امیہ بھی قریش کے کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، نبی

---

[1]() حافظ ابن حجر اور فتح الباری (۷/ ۱۹۱) میں اور الاصابہ (۷/ ۱۹۶) میں کہتے ہیں: ابو طالب کا نام تمام لوگوں کے نزدیک عبد مناف تھا یہ نبی ﷺ سے ۳۵ سال پہلے پیدا ہوئے تھے جو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے والد عبداللہ کے سگے بھائی تھے اسی لیے انہوں نے عبدالمطلب کو اپنی وفات کے وقت وصیت کی تھی چنانچہ انہوں نے آپ کی کفالت کی یہاں تک کہ آپ بڑے ہو گئے اور وہ آپ کی مدد کرتے رہے یہاں تک کہ آپ مبعوث ہوئے اور ابو طالب کی وفات ہو گئی اور وہ نبی ﷺ کا دفاع کرتے تھے اور ہر تکلیف دہ چیز کو اپ سے روکتے تھے اور اپ کی حفاظت اور اپ کا دفاع کرنے کے سلسلے میں ان کے واقعات مشہور ہیں ان کے اشعار میں سے اس سلسلے میں جو شعر مشہور ہوا وہ اپ کا یہ قول ہے:

والله لن يصلوا إليك بجمعهم   حتى أوسد في التراب دفينا

جب کہ وہ اپنے قوم کے دین پر ہی قائم تھے اور ان کی وفات اپ ﷺ کے گھاٹی سے نکلنے کے بعد بعثت کے دسویں سال میں ہوئی۔

[2]() میں کہتا ہوں: اس مہینے کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے جس میں ابو طالب کی وفات ہوئی تھی چنانچہ کہا گیا ہے کہ رمضان میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شوال میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجب میں اپ کی وفات ہوئی تھی، واللہ اعلم۔

[3]() فتح الباري (۷/ ۱۹۱)۔ زاد المعاد (۱/ ۹۵)۔ الطبقات الكبرى لابن سعد (۱/ ۵۹)۔

[4]() امام نووی مسلم کی شرح (۱/ ۱۹۰) میں کہتے ہیں کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی وفات کا وقت قریب ہوا اور اس کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور یہ معائنہ اور نزع کے پہلے کی بات ہے اور اگر یہ معاینہ کی حالت میں ہوتا تو انہیں ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالی سورۃ نساء آیت نمبر ۱۸ کے اندر فرماتے ہیں: {وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ} اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ نبی ﷺ اور کفار قریش کے ساتھ ان کے بات کرنے کا واقعہ معائنہ سے قبل کا ہے۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے ایک کلمہ [1] جس کے ذریعے میں اللہ رب العالمین کے پاس تمہارے لئے شفاعت کر سکوں، ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت سے پھر رہے ہو؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو برابر یہ پیشکش کرتے رہے اور یہ کلمہ دہراتے رہے یہاں تک کہ ابو طالب نے آخری بات جو نہی تھی وہ یہ تھا کہ: وہ عبدالمطلب کی ملت پر ہیں [2]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لئے اللہ رب العالمین سے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ رب العالمین مجھے منع نہ کر دے۔ [3]

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا سے کہا کہ تم لا الہ الا اللہ کہہ دو ایک کلمہ جس سے تمہارے لئے گواہی دے سکوں انہوں نے کہا: اگر مجھے قریش کے لوگوں کا خوف نہ ہوتا کہ وہ مجھے عار دیتے ہوئے یہ کہیں گے کہ جزع اور غصے نے انہیں اس بات پر ابھارا ہے، تو

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۱۹۳) میں لکھتے ہیں کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کے اس حالت میں شہادت کو نہ پڑھنے سے اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سمجھا کہ گویا انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ اس کے موت کے وقت واقع ہونے کی وجہ سے انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی یا اس لیے کہ وہ نماز وغیرہ جیسے باقی اعمال نہیں انجام دے سکے اسی لیے اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے حجت پکڑنے والی بات ذکر کی۔

([2]) میں کہتا ہوں: بری صحبت کے اثر کے سلسلے میں غور کیجئے کہ کس طرح بری صحبت کی وجہ سے ابو طالب کو کفر کی حالت میں مرنا پڑا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ ہی کہا ہے جب اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ((ادمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے چنانچہ تم دیکھو کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے)) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ کس سے مل جل رہا ہے؟ اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۸٤١٧)، (٤٠٢٨) پر روایت کیا ہے اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الادب باب حدیث نمبر پر (٤٨٣٣) روایت کیا ہے اور اس کی اسناد جید ہے۔

اور شاعر کہتا ہے:

عنِ المرءِ لا تَسَلْ وسَلْ عن قَرِينِهِ ... فكُلُّ قَرِينٍ بالمُقَارَنِ يَقْتَدِي

فَإِنْ كَانَ ذَا شَرٍّ فَجَنِّبْهُ سُرْعَةً ... وَإِنْ كَانَ ذَا خَيْرٍ فَقَارِنْهُ تَهْتَدِي

إِذَا كُنْتَ فِي قومٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ ... ولا تَصحَبِ الأَرْدَى فتَرْدَى مَعَ الرَّدِي

([3]) صحیح بخاری-کتاب مناقب الأنصار-باب قصة أبي طالب-رقم حدیث (٣٨٨٤)- صحیح مسلم-کتاب الإیمان-باب الدلیل علی صحة إسلام من حضره الموت...-رقم حدیث (٢٤)۔

میں آپ کی انکھوں کو ٹھنڈک پہنچا دیتا ہے، تو اللہ تعالی نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾۔(1)

اس حدیث کے فوائد:

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں کئی ایک فوائد ہیں:

1-قریبی مشرک کی زیارت اور عیادت کی جواز کا بیان۔

2-اس میں یہ بھی ہے کہ: توبہ قبول ہوتی ہے اگرچہ مرگ موت کی شدت ہی کیوں نہ ہو، یہاں تک کہ معاینے کی حالت کو پہنچ جائے، تو توبہ قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا﴾ [غافر:٨٥]۔

3-اس میں یہ بھی ہے کہ: کافر بھی اگر حق کی گواہی دے تو عذاب سے نجات پا جائے گا کیونکہ اسلام پہلے کے تمام گناہوں کو معاف کرانے کا سبب ہوتا ہے۔

4-اس میں یہ بھی ہے کہ کفار کا عذاب متفاوت ہوتا ہے اور ابو طالب کو حاصل ہونے والا نفع ان کے خصائص میں سے ہے نبی کی برکت کے سبب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر یہ پیشکش کی تھی کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں اور آپ نے ان سے محمد رسول اللہ کی پیشکش نہیں کی تھی، کیونکہ دونوں کلمہ گویا ایک ہی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابو طالب کو یہ واضح طور پر معلوم تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں لیکن وہ توحید کا اقرار نہیں کر رہے تھے اسی لئے انہوں نے قصیدہ نونیہ میں کہا تھا:

ودعوتني وعلمت أنك صادق ولقد صدقت و كنت قبل أمينا

اسی لیے انہوں نے اسی کے حکم پر اکتفاء کیا کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہہ دے اور جب وہ توحید کا اقرار کرلیں گے تو رسالت کی گواہی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔(1)

---

[1] () صحیح مسلم-کتاب الإیمان-باب الدلیل علی صحۃ إسلام من حضرہ الموت..-رقم حدیث(٢٥) (٤٢)۔

مسلمانوں کا اپنے کافر میتوں کے لئے استغفار:

مسلمانوں نے اپنے کافر فوت شدگان کے لئے مغفرت کی دعا کرنی شروع کی جو ان کے خاندان میں سے حالت شرک میں فوت ہوئے تھے تو اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (113)﴾[التوبة:١١٣]۔

اور رب العالمین نے یہ بھی کہا ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (56)﴾[القصص:٥٦]۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالی ہدایت کے مستحق اور غوایت کے مستحق لوگوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے، اور صحیحین میں یہ بات ثابت ہے کہ یہ ابو طالب عم رسول ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی: جو آپ کی حمایت کیا کرتے تھے اور آپ کی حفاظت کیا

---

[1] ()فتح الباري(٧/ ٥٩٤).

[2] ()حافظ ابن حجر فتح الباری(٧/ ٥٩٣) - (٩/ ٤٥٩)میں کہتے ہیں رہی بات دوسری ایت کے نزول کی تو ابو طالب کے قصے میں یہ واضح ہے رہی بات اس سے قبل نازل ہونے کی تو اس میں نظر ہے اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ ایت جو استغفار سے متعلق ہے وہ ابو طالب کے بعد تھوڑی دیر میں نازل ہوئی تھی جو کہ اس کے اور ان کے علاوہ کے حق میں عام ہے اور اس کے نزول کی تاخیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو سورہ براکی تفسیر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منافقوں کے لیے استغفار کے سلسلے میں گزر چکی ہے یہاں تک کہ اس سے نہیں کا نزول ہو گیا چنانچہ وہ نزول کے تاخیر کا متقاضی ہے اگرچہ سبب متقدم ہے اسی کی جانب اپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب کی حدیث سے بھی اشارہ ہوتا ہے اور اللہ تعالی نے ابو طالب کے بارے میں یہ ایت {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ} نازل فرمائی کیونکہ اس سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ایت ابو طالب اور ان کے علاوہ کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی اور دوسری ایت صرف انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور سبب کے تعدد کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حدیث نمبر (٧٧١) پر ابو اسحاق نے ابو الخلیل کے واسطے سے علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے دونوں والدین کے لیے استغفار کرتے ہوئے سنا جو کہ مشرک تھے تو میں نے کہا کہ کیا کوئی ادمی اپنے والدین کے لیے دعا کر سکتا ہے استغفار کی حالانکہ وہ مشرک ہیں تو انہوں نے کہا کہ کیا ابراہیم نے اپنے والد کے لیے استغفار نہیں کیا تھا تو میں نے یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیان کیا تو یہ ایت {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ... إلى قوله تعالى: تَبَرَّأَ مِنْهُ} (سورة التوبة آية ١١٣ - ١١٤). نازل ہوئی۔

کرتے تھے اور آپ کے صف میں کھڑے ہوتے تھے اور ان سے سخت محبت کیا کرتے تھے، جو طبعی محبت تھی، شرعی محبت نہ تھی جب ان کی وفات کا وقت آیا اور ان کا وقت پورا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایمان کی طرف بلایا اور اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی پس ان پر تقدیر غالب آگئی اور یہ موقع ان کے ہاتھ سے چلا گیا اور وہ کفر ہی پر جمے رہے اور ہر چیز میں اللہ رب العالمین کی مکمل حکمت ہوتی ہے۔[1]

غور کرنے والوں کے لئے عبرت اور نصیحت

جب انسان اس خبر میں غور کرتا ہے تو اسے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کے چچا تھے وہی آپ کی کفالت کرنے والے تھے آپ کی نگرانی کرنے والے تھے اور آپ کو محفوظ رکھنے والے تھے اللہ رب العالمین نے ان کے لیے ایمان نہیں لکھی تھی جب کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے خوب محبت کرتے تھے اور اللہ کے رسول بھی ان کے لئے اس بات کو خوب پسند کرتے تھے کہ وہ ایمان لے آئیں، وہ اس لیے کیونکہ انہوں نے قرابت کی عصبیت کو فوقیت دی اور والدین کی محبت کو فوقیت دی ان کا مقصد نصرت عقیدہ نہیں تھا، اللہ نے ان سے اس بات کو جان لیا تھا اسی لیے ان کے لیے وہ چیز مقدر نہ کی گئی جسے اللہ کے رسول ﷺ چاہتے تھے اور جس کی ان سے امید رکھتے تھے، اس لیے یہ معاملہ یعنی ہدایت کا معاملہ اللہ کے رسول ﷺ کے حصے میں نہیں آیا بلکہ اللہ رب العالمین نے اپنے خاص ارادے اور تقدیر کے ساتھ اسے رکھا، رسول کے ذمہ صرف سے پہنچا دینا ہے اور ان کے بعد داعیوں کے لیے صرف خیر خواہی کا جذبہ رکھنا ہے اور اس کے بعد لوگوں کے دل اللہ رب العالمین کی انگلیوں کے درمیان ہیں اور ہدایت اور گمراہی اس اعتبار سے

---

[1] تفسیر ابن کثیر (٦/ ٢٤٦)۔

ہوتے ہیں جس طرح اللہ رب العالمین بندوں کے دلوں سے واقف ہے ان میں اس طرح ہدایت اور ضلالت ڈالتا ہے جس طرح سے وہ ہدایت وضلالت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔[1]

ابو طالب کی تدفین:

ابو داؤد نے اپنی سنن میں اور طیالسی نے اپنی مسند میں بسند حسن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب ابو طالب کی وفات ہوئی تو میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور میں نے کہا: بے شک آپ کے چچا گمراہ تھے اور اب وہ فوت ہو گئے ہیں۔

تو رسول ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنے والد کو دفن کر دو، پھر تم اس وقت تک کوئی نیا کام مت کرنا جب تک تم میرے پاس نہ آجاؤ۔

علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے انہیں چھپا دیا پھر آپ کے پاس آیا اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں غسل کروں اور میرے لیے آپ ﷺ نے دعا کی۔[2]

ابو طالب کا انجام:

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبد اللہ بن حارث کے حوالے سے عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے انہوں نے کہا: تم نے اپنے چچا کو کسی چیز سے بے نیاز نہ کیا، اللہ کی قسم وہ تمہاری حفاظت کیا کرتے تھے، تمہارے لئے وہ غصہ ہوا

---

[1] ()في ظلال القرآن (٥/ ٢٧٠٣)۔

[2] اسے امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں کتاب الجنائز- باب الرجل یموت و له قرا, بة مشرک حدیث نمبر پر (٣٢١٤) اور طیالسی نے اپنی مسند تخریج کیا ہے حدیث نمبر (١٢٢) پر اور اسے امام ذہبی نے ا‌ل سیرة النبو یہ (١/ ١٩٣) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن متصل ہے۔

کرتے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنم میں بالکل چھچھلی جگہ پر ہوں گے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے حصے میں ہوتے))۔[1]

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو سعید خدری کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو سنا جب آپ کے پاس آپ کے چچا کا ذکر ہوا تو آپ نے کہا: شاید قیامت کے روز میری شفاعت ان کے لیے نفع بخش ہو گی چنانچہ انہیں جہنم کی چھچھلی (اتھلی) جگہ میں رکھا جائے گا جو ان کے ٹخنوں تک پہنچے گی جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔[2]

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: یہ نفع جو ابو طالب کو حاصل ہو گی ان کے خصائص میں سے ہے اور یہ نبی پاک ﷺ کی برکت کی وجہ سے ہے))۔[3]

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو طالب کو سب سے ہلکا عذاب ہو گا، انہیں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گے جن سے ان کا دماغ کھول رہا ہو گا۔[4]

امام سہیلی کہتے ہیں: اس میں حکمت یہ ہے کہ ابو طالب عام طور پر اللہ کے رسول ﷺ کی تابعداری کرتے تھے مگر انہوں نے اپنے قدموں کو عبد المطلب کی ملت پر جمائے رکھا تھا، اسی لئے

---

[1] () صحيح بخاري - كتاب المناقب - باب قصة أبي طالب - رقم حديث (٣٨٨٣)۔ صحيح مسلم - كتاب الإيمان - باب شفاعة النبي - صلى الله عليه وسلم - لأبي طالب والتخفيف عنه بسببه - رقم حديث (٢٠٩)۔

[2] () صحيح الإمام البخاري في - كتاب المناقب - باب قصة أبي طالب - رقم حديث (٣٨٨٥)۔ صحيح الإمام مسلم - كتاب الإيمان - باب شفاعة النبي - صلى الله عليه وسلم - لأبي طالب والتخفيف عنه بسببه - رقم حديث (٢١٠)۔

[3] () فتح الباري (٧/٥٩٤)۔

[4] () صحيح الإمام مسلم - كتاب الإيمان - باب أهون أهل النار عذابا - رقم حديث (٢١٢)۔ مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٢٦٣٦)۔

خاص طور پر ان کے قدموں پر عذاب مسلط کیا جائے گا، کیوں کہ انہوں نے اپنے آباء واجداد کے ملت پر انہیں جمائے رکھا تھا۔[1]

میں کہتا ہوں کہ: ابو طالب کامیاب نہ ہوئے جب کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی خوب مدد اور نصرت کی تھی۔

[1] () الروض الأنف (۲/۲۲۵)۔

خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات

خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا اللہ کے رسول ﷺ کے لئے اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے تھیں انہوں نے سب سے تنگی کی حالت میں آپ کی مدد کی اور آپ کی رسالت کو پہنچانے میں آپ کا تعاون کیا، جہاد جیسے سخت حالات میں بھی آپ کے ساتھ انھوں نے شرکت کی، آپ کو اپنے نفس اور مال کے ذریعے سے سہارا دیا، آپ کو اس نعمت کا احساس اس وقت ہوگا جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ انبیاء کی بیویوں میں سے کچھ ایسی تھیں جنہوں رسالت کے سلسلے میں ان کی خیانت کی،[1] اور اپنے شوہروں کی ناشکری کیں اور وہ اپنے مشرک قوم کے ساتھ رہیں اور ان کے ساتھ مل کر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کیا کرتی تھیں۔[2]

●ان کی وفات کا وقت:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ہشام کے واسطے سے ان کے والد سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات نبی ﷺ کے مدینہ کے لئے نکلنے سے تین سال پہلے ہوئی۔[3]

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: ان کی وفات ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اور یہ درست قول کے مطابق بعثت کے دس سال بعد کا واقعہ ہے۔[4]

---

[1] () اللہ تعالی سورہ تحریم میں ایت نمبر (١٠) پر فرماتے ہیں {ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ}۔
حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (٨/ ١٧١) میں اللہ تعالی کے اس فرمان {فَخَانَتَاهُمَا} کے بارے میں کہتے ہیں کہ: اس سے مراد بدفعلی یا بدکاری میں نہیں بلکہ دین میں ہے کیونکہ انبیاء کی عورتیں بدکاری میں واقع ہونے سے معصوم ہوتی ہیں انبیاء کے حرمت کی وجہ سے۔

[2] () کتاب فقہ السیرۃ للشیخ محمد الغزالي رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَی ص ١٢٢۔

[3] () صحیح الإمام البخاري - كتاب المناقب - باب تزويج النبي - صلى الله عليه وسلم - عائشة، وقدومها المدينة - رقم حديث (٣٨٩٦)۔

[4] () فتح الباري (٧/ ٥١٣)۔

میں کہتا ہوں کہ: یہ نماز کی فرضیت جو کہ اسراء اور معراج میں ہوئی تھی اس کے پہلے وفات پائی تھیں، لیکن اس کے دن اور مہینے کی تعیین میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: ابو طالب کی وفات کے تین دن بعد ان کی وفات ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ: ایک مہینے بعد یہ بھی کہا جاتا ہے: دو مہینے بعد۔[1]

انہیں حجون میں دفن کیا گیا جو اہل مکہ کا مقبرہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ ان کی قبر میں نازل ہوئے تھے اس وقت نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی، نبی ﷺ نے ان کے ساتھ ۲۵ سال کی مدت تک قیام کیا تھا، جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی عمر ۶۵ سال تھی اور اللہ کے رسول ﷺ اس وقت ۵۰ سال کے تھے۔[2]

● ان کی وفات پر اللہ کے رسول ﷺ کا غم:

آپ ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات کا بہت زیادہ غم ہوا اور آپ اپنے گھر میں ٹھہرے رہا کرتے تھے اور نکلنا بند کر دیا تھا۔

ابن سعد طبقات کے اندر کہتے ہیں کہ: جب ابو طالب کی وفات ہوئی اور خدیجہ بنت خویلد فوت ہو گئیں تو آپ ﷺ پر دو دو مصیبتیں[3] اکٹھا ہو گئیں، آپ نے اپنے گھر کو لازم پکڑ لیا اور اپنے گھر سے نکلنا کم کر دیا۔[4]

---

[1] () آپ رضی اللہ عنہ کی موت کے سلسلے میں روایات کا اختلاف کو دیکھیے: دلائل النبوۃ للبیہقي (۲/ ۳۵۲)۔ سبل الھدی والرشاد (۲/ ۴۳۴)۔

[2] () سیر أعلام النبلاء (۲/ ۱۱۱ - ۱۱۲)۔

[3] () اور وہ دونوں آ کے چچا ابو طالب اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی موت ہے۔

[4] () الطبقات الکبری (۱/ ۱۰۱)۔

• مصیبت کے وقت آپ ﷺ کا طریقہ:

مصیبت کے وقت آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ سکون اور اطمینان کے ساتھ مصیبت کا سامنا کیا کرتے تھے اور اللہ رب العالمین کی قضاء پر رضامندی ظاہر کرتے تھے اور اللہ رب العالمین کی تعریف کرتے تھے اور آپ اس سے براءت کا اظہار کرتے تھے جو مصیبت کی وجہ سے اپنے کپڑے پھاڑ دے یا اپنی آواز کو بلند کرے یا نوحہ اور ماتم کرے یا اپنے بالوں کو مونڈے۔(1)

• خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالی عنہا کی فضیلت:

شیخان نے اپنی صحیحین میں ابوہریرہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول یہ خدیجہ ہیں آپ کے پاس سالن کا برتن لا رہی ہیں یا کھانے یا پینے کی کوئی چیز لا رہی ہیں، جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں آپ کے رب کی جانب سے سلام پیش کریں،(2) اور میری طرف سے بھی اور آپ جنت میں انہیں موتیوں سے بنے ایسے گھر کی خوشخبری دے دیں جس کے اندر شور شرابہ نہ ہوگی اور نہ ہی تھکان محسوس ہوگی۔(3)

امام سہیلی کہتے ہیں کہ: ان دونوں صفتوں کی مناسبت؛ یعنی اس گھر میں شور شرابہ اور تھکان نہ ہوگی کیونکہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کی جانب دعوت دی تو انھوں نے اطاعت کرتے ہیں خوشی سے آپ کی فرمانبرداری کی اور آواز بلند کرنے پر مجبور نہ کیا اور نہ ہی آپ کی انہوں نے منازعت کی اور نہ ہی آپ ﷺ کو اس سلسلے میں کوئی تھکان لاحق ہوئی بلکہ انہوں نے آپ ﷺ کی ساری تھکان اور پریشانیوں کو دور کر دیا اور آپ ﷺ کو انہوں نے ہر پریشانی اور ہر تکلیف

---

[1] () زاد المعاد (۱/ ۵۰۸)۔

[2] () امام ابن قیم جلاء الافہام (349) میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی قسم ان کے لیے صرف خاص ہے ان کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ نہیں ہے۔

[3] () اور امام سہیلی اور الروض الأنف (۱/ ٤١٧) میں کہتے ہیں اور بے شک اللہ تعالی نے انہیں جنت میں موتیوں کے گھر کی بشارت دی کیونکہ وہ ایمان کے سلسلے میں سبقت کرنے والی تھیں۔

کو آپ پر آسان کر دیا، لہذا یہ مناسب معلوم ہوا کہ جس گھر کی انہیں بشارت اللہ رب العالمین نے دی وہ ان کے کاموں کے اعتبار سے ہو۔[1]

اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ترمذی اور امام احمد نے بسند صحیح ہے ان سب نے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: دنیا کی عورتوں میں یہ عورتیں تمہارے لیے کافی ہیں؛ مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور فرعون کی بیوی آسیہ۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کہ آسیہ، مریم اور خدیجہ کے درمیان مشترک بات یہ ہے کہ ان سب نے نبی کی کفالت کی اور ان کی کفالت انہوں نے اچھے طریقے سے کی اور ان کی انہوں نے تصدیق بھی کی، آسیہ نے موسی علیہ السلام کی پرورش کی اور ان کے ساتھ احسان کیا اور جب ان کی بعثت ہوئی تو انہوں نے ان کی تصدیق کی اور مریم نے اپنے بیٹے کی کفالت کی اور بہترین طریقے سے کفالت کی اور جب ان کو اللہ رب العالمین رسول بنا کر بھیجا تو ان کی تصدیق کی اور خدیجہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے شادی کی رغبت ظاہر کی اور ان پر اپنے مال کو خرچ کیا اور جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔[3]

---

[1] () الرّوض الأنف (١/ ٤١٧)۔

[2] () صحيح ابن حبان - كتاب إخباره - صلى الله عليه وسلم - عن مناقب الصحابة - باب ذكر خديجة رضي الله عنها - رقم حديث (٧٠٠٣) — جامع الترمذي - كتاب المناقب - باب فضل خديجة رضي الله عنها رقم حديث (٣٢١٦) - مسند الإمام أحمد - رقم الحديث (١٢٣٩١)۔

[3] () البداية والنهاية (٣/ ١٤١)۔

اور امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین کے اندر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: دنیا کی سب سے بہترین خاتون مریم ہیں اور دنیا کی سب سے بہترین خاتون خدیجہ ہیں۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اس کا سب سے واضح مفہوم یہ ہے کہ یہ سب کے سب اپنے زمانے کے اعتبار سے روئے زمین پر سب سے بہترین عورتیں تھیں۔[2]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے زمین میں چار خطوط کھینچے اور کہا کہ: کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، اللہ کے رسول ص ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنتی خواتین میں سب سے بہتر خواتین: خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔[3]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ مجھے نبی ﷺ کی بیویوں میں سے کسی پر اتنا غیرت[4] نہ آئی جتنی خدیجہ پر آئی، میں نے انہیں دیکھا نہ تھا لیکن اللہ کے نبی ﷺ ان کا کثرت سے ذکر کیا کرتے تھے اور

[1] () صحيح البخاري-كتاب المناقب- باب تزويج النبي- صلى الله عليه وسلم- خديجة وفضلها رضي الله عنها- رقم حديث (٣٨١٥)- ومسلم في صحيحه- كتاب فضائل الصحابة- باب فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها- رقم حديث (٢٤٣٠)۔

[2] () صحيح مسلم بشرح النووي (١٥/ ١٦١)۔

[3] () مسند الإمام أحمد- رقم حديث (٢٦٦٨)- صحيح ابن حبان- كتاب إخباره- صلى الله عليه وسلم- مناقب الصحابة- باب ذكر البيان بأن خديجة من أفضل نساء أهل الجنة- رقم حديث (٧٠١٠)۔

[4] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٥١٥) میں کہتے ہیں: اس میں غیرت کے اثبات پر دلیل ہے اور یہ کہ ان کا عورتوں میں سب سے فضیلت والی عورتوں سے واقع ہونا چہ جائے کہ ان کے علاوہ سے کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نبی ﷺ کی دیگر خواتین سے غیرت کرتی تھیں لیکن وہ حضرت خدیجہ سے سب سے زیادہ غیرت کرتی تھیں اور انہوں نے اس کا سبب بیان کیا کیونکہ نبی ﷺ ان کو خوب زیادہ ذکر کیا کرتے تھے یاد کیا کرتے تھے۔

جب بکری ذبح کرتے تھے تو اسے کئی حصوں میں تقسیم کرتے اور پھر حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے اور میں آپ سے کہا کرتی تھی کہ شاید خدیجہ کی طرح سے دنیا میں کوئی عورت ہی نہ تھی؟ تو آپ ﷺ فرماتے: وہ تو ایسی اور ایسی (1) تھیں اور انہی سے مجھے اللہ رب العالمین نے اولاد عطا کی۔ (2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نے بسند حسن عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ جب خدیجہ کا ذکر کرتے تھے تو ان کی تعریف کرتے تھے اور بہت اچھے انداز میں ان کی تعریف کرتے تھے اور آپ ﷺ کے بارے میں وہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان پر غیرت کی اور کہا کہ آپ اس بوڑھی بغیر دانتوں والی عورت کو کتنا یاد کرتے ہیں! حالانکہ اللہ رب العالمین نے آپ کو ان سے بھی اچھی بیویاں عطا کی ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ رب العالمین نے اس کا بدل مجھے نہیں دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں جبکہ سارے لوگوں نے میرا انکار کیا، انہوں نے میری تصدیق کی جب کے سارے لوگوں نے مجھے جھٹلایا، انہوں نے اپنے مال سے مجھے سہارا دیا جب کہ سارے لوگوں نے مجھے بے سہارا کر دیا اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالی نے مجھے اولاد دی (3) جبکہ دوسری بیویوں سے اولاد نہ ہوئی۔ (4)

---

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٥١٦) میں کہتے ہیں یعنی وہ فضل والی اور عقل والی خاتون تھیں۔

[2] () صحيح الإمام البخاري - كتاب المناقب - باب تزويج النبي - صلى اللہ عليه وسلم - خديجة وفضلها رضِيَ اللہ عَنْهَا - رقم حديث (٣٨١٨)۔

[3] () حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (٣/ ١٤٠) میں کہتے ہیں: یہ حدیث نبی ﷺ کے بیٹے ابراہیم کے ماریہ سے ولادت کے پہلے اور ان کے مکمل طور پر آنے سے پہلے کی ہے اور یہ خاص ہے کیونکہ نبی ﷺ کے ساری اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھے سوائے ابراہیم کے جو کہ ماریہ قبطیہ مصریہ سے تھے - اللہ ان سے راضی ہو - ۔

[4] () اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (٢٤٨٦٤) پر روایت کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (٣/ ١٤٠) میں اسے نقل کیا ہے اور کہا ہے اس کو امام احمد نے تنہا روایت کیا ہے اور اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں ہے۔

● رسول ﷺ کا خدیجہ کو مکافہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ کو یہ بدلہ دیا کہ آپ ﷺ نے ان کی زندگی میں ان کے ساتھ کسی اور سے شادی نہیں کی، امام مسلم رحمہ اللہ اپنی صحیح[1] کے اندر زہری کے طریق سے عروہ کے حوالے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں وہ کہتی ہیں نبی ﷺ نے خدیجہ پر کسی اور سے نکاح نہ کیا، یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئیں اس میں اہل علم کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے، اس میں اللہ کے نبی کے نزدیک ان کی قدر و منزلت پر دلیل ہے اور یہ کہ نبی ﷺ کے یہاں ان کی بہت اہمیت تھی کیونکہ انہوں نے دوسرے لوگوں سے زیادہ آپ کو بے نیاز کیا تھا آپ کی اتنی خدمت کی تھی کہ دوسرے لوگ اگر دوگنا ہوتے تو بھی نہیں کر سکتے تھے، ان سے شادی کے بعد آپ ﷺ نے ۳۸ سال گزاری حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا ان میں سے پچیس سال تک آپ کے ساتھ تنہا تھیں، جو کہ مکمل مدت کی دو تہائی ہوتی ہے، اس طویل مدت کے باوجود بھی آپ نے ان دل کو غیرت اور سوکنوں کی پریشانی سے محفوظ رکھا اور انہیں اس کی سختیوں کا سامنا نہ ہوا کیونکہ اگر آپ نے دوسری شادی کی ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ اس میں کچھ مسائل پیدا ہوتے اور یہ ایسی فضیلت تھی جس میں کسی کو بھی آپ کی برابری حاصل نہ ہوئی تھی، اور وہ اس امت کی عورتوں میں سب سے پہلے اسلام کی دولت سے بھی سرفراز ہوئیں انہوں نے اپنے بعد کی ہر عورت کے لئے ایک اچھا طریقہ ایجاد کیا لہذا ان کے لئے انہیں ان کے برابر اجر ملے گا کیونکہ اس حدیث میں جسے امام احمد نے اپنی مسند[2] میں بسند صحیح مسلم کی شرط پر نقل کیا ہے یہ بات ثابت ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت ایجاد کی تو اس کو اس کا اجر ہو گا اور جو اس کے بعد اس پر عمل کرے گا اس پر بھی اسے اجر ملتا رہے گا۔

---

[1] صحیح مسلم - کتاب فضائل الصحابة - باب فضائل خديجة أم المؤمنين رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، رقم حديث (٢٤٣٦)۔

[2] مسند الامام أحمد، رقم حديث (١٩١٥٦)۔

اس میں ان کے ساتھ مردوں میں سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شریک ہیں اوران دونوں کا اس وجہ سے کیا ثواب ہے اس کو اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔[1]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ان احادیث میں حسن عہد محبت کی حفاظت اور ساتھی کے مقام کی پاسداری اور زندگی اور موت کے بعد حسن معاشرت اور اس ساتھی کے اہل بیت کے اکرام پر دلیل ہے۔[2]

• حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے خصوصیات:

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے خصائص میں سے یہ درج ذیل چیزیں ہیں:

1- اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی زندگی میں کسی اور سے شادی نہیں کی۔

2- آپ ﷺ کی ساری اولاد ابراہیم کے علاوہ انہیں سے تھی، ابراہیم کی والدہ آپ کی لونڈی ماریہ قبطیہ تھیں۔

3- دنیا کی تمام عورتوں میں سب سے بہترین عورت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا تھیں۔

4- انہوں نے آپ ﷺ کو کبھی پریشان نہ کیا اور نہ ہی آپ ﷺ کو انہوں کبھی غصہ دلایا اور نہ ہی آپ ﷺ سے ان کو کوئی مصیبت برداشت کرنی پڑی اور نہ ہی انہوں نے کبھی آپ کو چھوڑا تھا یقیناً یہ سبھی ان کے لئے بہت ہی بڑے فضائل ہیں۔

5- آپ کے خصائص میں سے ہی ہے کہ وہ اس امت میں سب سے پہلی خاتون تھیں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا، ان پر اللہ رب العالمین کی رضا ہو۔

---

[1] () فتح الباري (٧/ ٥١٧)۔

[2] () صحيح مسلم بشرح النووي (١٥/ ١٦٤)۔

6- اللہ رب العالمین نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ انہیں سلام بھیجا تھا اور اللہ کی قسم یہ ایسی خصوصیت ہے جو ان کے علاوہ کسی اور کے لئے نہ ہوئی۔[1]

• نبی ﷺ کا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عقد نکاح:

امام مسلم نے اپنی صحیح امام احمد نے مسند میں اور لفظ أحمد کے ہیں، عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ جب سودہ بڑی ہو گئیں تو انہوں نے اپنے دن کو میرے لئے وقف کر دیا تو آپ ﷺ ان کا دن میرے لئے خاص کرتے تھے اپنی تمام عورتوں کے ساتھ ان کے دن کو تقسیم کرتے تھے وہ کہتی کہ وہ پہلی عورت تھی جن سے آپ ﷺ نے میرے بعد نکاح کیا تھا۔[2]

حافظ فتح الباری میں کہتے ہیں کہ: اس کا معنٰی یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سودہ سے نکاح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد کیا تھا، لیکن ان سے دخول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی سے دخول سے پہلے کیا تھا جس پر سب کا اتفاق ہے۔[3]

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شوال میں شادی کی اور شوال[4] میں رخصتی کی تو اللہ کے رسول ﷺ کی کونسی بیوی آپ کے ساتھ مجھ سے زیادہ قسمت والی تھی۔[1]

---

[1] () جلاء الأفھام ص ٣٤٨۔

[2] () صحیح مسلم - کتاب الرضاع - باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا - رقم حدیث (١٤٦٣) - مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (٢٤٣٩٥)۔

[3] () فتح الباري (١٠/ ٣٩١)۔

[4] () شوال یہ مہینوں کے ناموں میں سے ایک معروف مہینے کا نام ہے وہ مہینہ ہے جو رمضان کے بعد اتا ہے اور یہ حج کے مہینوں میں سے پہلا مہینہ ہے اور کہا جاتا ہے شوال کا نام شوال اونٹ کے دودھ کے ختم ہونے سے پڑا اور عرب کے لوگ اس میں نکاح کرنے کو بدشگونی تصور کرتے تھے اور کہتے تھے خاتون اپنے شوہر سے اسی طرح سے دور رہے جس طرح سے اونٹنی دور ہوتی ہے جب اس کو حمل ہو جائے اور وہ اپنے دم سے اس کو دور کر دے تو نبی ﷺ نے ان کے اس بدشگونی کے فکر کو باطل قرار دیا اور عائشہ رضی اللہ عنہ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا دیکھیے: لسان العرب (٧/ ٢٤٣)۔

جب نبی ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کیا توان کی عمر اس وقت ٦ سال تھی اور جب مدینہ ہجرت کے بعد دخول کیا توان کی عمر ٩ سال تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں ایک روایت نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے شادی اس وقت کی جب میں ٦ سال کی تھی اور جب دخول کیا تو اس وقت میں نو سال کی تھی۔[2]

ایک دوسری روایت میں امام احمد کے پاس ان کے مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت خدیجہ کی وفات کے وقت مدینہ نکلنے سے دو یا تین سال پہلے مجھ سے شادی کی اور میں اس وقت سات سال کی تھی۔[3]

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا اس روایت میں یہ کہنا کہ میں آپ سے شادی کے وقت سات سال کی تھی اور جب کہ اکثر روایتوں کے اندر یہ ہے کہ وہ چھ سال کی تھیں توان کے درمیان جمع کی صورت یہ ہے کہ وہ چھ سال اور کچھ مہینے کی تھیں تو صرف سال پر اکتفا کیا گیا اور دوسری روایت کے اندر جس سال میں داخل ہوئی تھیں اسے بھی شمار کر دیا گیا ہے، واللہ اعلم۔[4]

امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (١٧٩/٩) میں کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام کے ذریعے سے اس چیز کو رد کرنے کا ارادہ کیا تھا جو جاہلیت میں لوگوں کے یہاں موجود تھی اور جو بعض لوگ اج کے دن شادی بیاہ اور رخصتی کو مکروہ سمجھنے کا خیال رکھتے ہیں، یہ باطل دعوی ہے اس کی کوئی اصلیت اور حقیقت نہیں ہے اور یہ جاہلیت کے ان اثار میں سے ہے جن سے لوگ بد شگونی لیتے تھے کیونکہ شوال کے نام میں ختم کرنے اور اٹھانے کا معنی شامل ہے۔

[1] () صحيح الإمام مسلم-كتاب النكاح-باب استحباب التزوج والتزويج في شوال، واستحباب الدخول فيه-رقم حديث (١٤٢٣)۔

[2] () صحيح البخاري-كتاب النكاح-باب إنكاح الرجل ولده الصغار-رقم حديث (٥١٣٣) - (٥١٣٤)-وأخرجه في مناقب الأنصار-باب تزويج النبي-صلى الله عليه وسلم-عائشة-رقم حديث (٣٨٩٤) - (٣٨٩٦) — صحيح مسلم-كتاب النكاح-باب تزويج الأب البكر الصغيرة-رقم حديث (١٤٢٢) (٧٠)۔

[3] () مسند الإمام أحمد-رقم الحديث (٢٦٣٩٧)۔

[4] () صحيح مسلم بشرح النووي (٩/ ١٧٧)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان سیاقوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح حضرت سودہ سے نکاح سے پہلے ہوا تھا۔[1]

● سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نبی پاک ﷺ کا نکاح:

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عائشہ کے بعد سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نکاح کیا۔

یہ وہ پہلی خاتون تھیں جن سے اللہ کے رسول ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد دخول کیا اور یہ آپ ﷺ کے پاس تین یا اس سے زیادہ سالوں تک اکیلی رہی تھیں یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے رخصتی کرائی اور یہ بہت ہی جلیل القدر اور شریف اور بھاری بھر کم بدن والی خاتون تھی۔[2]

سودہ رضی اللہ تعالی عنہا پہلے اپنے چچیرے بھائی سکران بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ کے عقد میں تھیں جو سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ کے بھائی تھے انہوں نے ان کے ساتھ ہی بہت پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور ہجرت کر کے سرزمین حبشہ کی جانب دوسری ہجرت میں گئے تھے پھر وہ مکہ واپس آئے اور وہیں مدینہ ہجرت سے پہلے فوت ہو گئے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ حبشہ ہی میں فوت ہو گئے تھے۔[3]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے بسند حسن ابو سلمہ اور یحییٰ سے حدیث نقل کی ہے وہ دونوں کہتے ہیں: جب خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات ہو گئی تو خولہ بنت حکیم جو عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالی عنہ کی بیوی تھیں، اللہ کے رسول کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ: اے اللہ

---

[1] () البداية والنهاية (٣/ ١٤٥)۔

[2] () سير أعلام النبلاء (٢/ ٢٦٥)۔

[3] () الطبقات الكبرى لابن سعد (٧/ ٢٦٨)۔الإصابة (٣/ ١١٣)۔البداية والنهاية (٣/ ١٤٥)۔

کے رسول ﷺ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کس سے کروں انہوں نے کہا: اگر چاہو تو باکرہ سے کرو اور چاہو تو ثیبہ سے کرو تو آپ ﷺ نے فرمایا: باکرہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: آپ کے نزدیک سب سے محبوب شخص کی بیٹی عائشہ بنت ابی بکر، آپ نے فرمایا: اور ثیبہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: سودہ بنت زمعہ کہ جو آپ پر ایمان لائیں ہیں آپ اور آپ کی تابع داری کرتی ہیں، آپ کی بات مانتی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: آپ دونوں کے پاس جاؤ اور میرے بارے میں ذکر کرو اور دیکھو وہ کیا کہتی ہیں؟ وہ کہتی ہیں: میں سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس گئی میں نے ان سے کہا کہ: کیا بات ہے اللہ نے تمہیں کتنے خیر اور برکت سے نوازا ہے؟ انہوں نے کہا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ: مجھے اللہ کے رسول ﷺ نے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں تمہیں ان کے لیے خطبہ یعنی نکاح کا پیغام دوں، انہوں نے کہا: میں چاہتی ہوں مجھے قبول ہے، میرے والد کے پاس جاؤ اور ان سے اس بارے میں ذکر کرو اس وقت ان کے والد بہت بزرگ تھے جو بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تھے وہ حج سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ ان کے پاس گئیں اور انہیں جاہلیت کا جو سلام تھا وہ سلام پیش کیا تو انہوں نے کہا: یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: خولہ بنت حکیم، [1] انہوں نے کہا: تم کیوں آئی ہو؟ انہوں نے کہا: مجھے محمد بن عبد اللہ نے بھیجا ہے کہ میں ان کے لیے سودہ سے نکاح کا پیغام آپ تک پہنچاؤں، کہا: وہ تو بہت اچھے آدمی ہیں اور بہت ہی برابری کے آدمی ہیں، پھر انہوں نے کہا کہ: تمہاری سہیلی کیا کہہ رہی ہیں؟ کہا: وہ تو چاہتی ہیں کہا: انہیں میرے پاس بلاؤ انہوں نے بلایا وہ آئیں اور کہا کہ اے میرے بیٹی یہ کہہ رہی ہیں کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب نے تمہارے لئے نکاح کا پیغام بھیجا ہے اور وہ تو بہت اچھے آدمی ہیں کیا تم چاہتی ہو کہ میں ان کا نکاح تم سے کرا دوں۔

---

[1] () یہ خولہ بنت حکیم سلمیہ ہیں جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں ان کی کنیت ام شریک ہے اور یہ بہت ہی نیک اور فاضلہ خاتون تھیں، نبی ﷺ سے انہوں نے روایت کیا ہے اور ان سے سعد ابن ابی وقاص اور سعید ابن المسیب نے روایت کیا ہے، دیکھیے: الإصابة (٨/ ١١٦)۔

انہوں نے کہا: ہاں تو ان کے والد نے کہا: تم انہیں میرے پاس بلاؤ، تو اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس گئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے ان کی شادی کرا دی۔[1]

● سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا کی نبی پاک ﷺ کے حکم کی شدید پیروی:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں بسند حسن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے سال اپنی بیویوں سے کہا کہ: یہی سال ہے، اس کے بعد گھروں کو لازم پکڑنا[2] وہ کہتے ہیں کہ: پھر ساری خواتین حج کیا کرتی تھیں سوائے زینب بنت جحش اور سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہما کے اور وہ دونوں کہا کرتی تھیں کہ: اللہ کی قسم ہمیں کوئی بھی سواری نہیں ہلا سکتی بعد اس کے کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ بات سنی ہے۔[3]

---

[1] () مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (٢٥٧٦٩) - المستدرک للحاکم - کتاب النکاح - باب تزویج عائشة رضي الله عنها - رقم حدیث (٢٧٥٢)۔

[2] () یعنی تم واپس اپنے گھروں سے نہ نکلنے لگو اور اپنے گھروں کو لازم پکڑ و دیکھیے، النہایہ (١/ ٣٨٠)۔

امام بیہقی کہتے ہیں جیسا کہ ان سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (٥٥٦/٤) میں نقل کیا ہے کہ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اس سے مراد ایک مرتبہ حج کا واجب ہونا ہے مردوں کی طرح نہ کی زیارت سے منع ہے اور اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ گھروں میں برقرار رہنے سے مراد واجب کے طور پر نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ: اسی لیے عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ کیا ہم اپ لوگوں کے ساتھ غزوہ اور جہاد کریں؟ تو اپ ﷺ نے فرمایا تھا: سب سے خوبصورت اور اچھا جہاد وہ حج ہے جو مقبول حج ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو میں اس کے بعد کبھی بھی حج کو نہیں چھوڑتی ہوں جب سے میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا۔

[3] () مسند الإمام أحمد - رقم حدیث (٢١٩٠٥) - (٢٦٧٥١) - سنن أبي داود - کتاب المناسک - باب فرض الحج - رقم حدیث (١٧٢٢)۔ شرح المشکل از طحاوي - رقم حدیث (٥٦٠٣)۔

• سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کا اپنا دن عائشہ کے لئے خاص کرنا:

جب سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کی عمر بڑی ہو گئی اور انھیں یہ خدشہ رہا کہ اللہ کے رسول ﷺ انہیں چھوڑ دیں گے تو آپ ﷺ سے انہوں نے کہا کہ وہ اپنا دن عائشہ کے لیے وہب کرنا چاہتی ہیں اور آپ انہیں نہ چھوڑیں تو رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں بسند حسن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: سودہ کو یہ ڈر ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ انہیں طلاق دے دیں گے، تو انہوں نے کہا کہ: آپ مجھے طلاق نہ دیں آپ مجھے اپنے پاس رکھیں اور میں اپنے دن عائشہ کے لئے وہب کر دیتی ہوں اور آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا، اس پر اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ﴾ [النساء:١٢٨]۔(1)

سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات:

سودہ رضی اللہ تعالی عنہا اللہ کے رسول ﷺ کے پاس رہیں، یہاں تک کہ مدینہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری ایام میں ان کا انتقال ہوا یہی ان کی وفات کے سلسلے میں مشہور بات بھی ہے۔(2)

---

(1) جامع الترمذي- كتاب التفسير- باب ومن سورة النساء- رقم حديث(٣٢٨٩) —اور حافظ نے اسے الإصابة(١٩٦١٨) میں نقل کیا ہے- اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

(2) الإصابة(١٩٧١٨)- سير أعلام النبلاء(٢/ ٢٦٦)۔

چچا ابو طالب کی وفات کے بعد

نبی کریم ﷺ پر قریش کی ایذا رسانیوں میں شدت

ہم نے دیکھا ہے کہ کس طرح مصیبتیں اللہ کے رسول ﷺ پہ در پہ آتے جا رہی تھیں، آپ ﷺ گھاٹی سے بعثت کے دسویں سال نکلے، یہاں تک کہ ابو طالب اور خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات اسی سال ہو گئی، پھر آپ کی قوم سے مصیبتیں آپ پر آتی رہیں وہ آپ کو ایذا پہونچانے کی جرأت بھی کرنے لگے، انہوں نے آپ کو قول و فعل سے پریشان کرنا شروع کر دیا ،جب کہ پہلے صرف اور صرف بات اور مذاق حق ہی تک محدود تھے۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں: غالبا جو بات مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ کفار کی جانب سے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان اونٹ کی اوجھڑی ڈالی جانے والی بات جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے اسی طرح سے جو عبداللہ بن عمرو بن عاص نے خبر دی ہے کہ انہوں (کفار) نے آپ کے گلے کو بہت سختی کے ساتھ گھوٹ دیا تھا، یہاں تک کہ ابو بکر صدیق ان کے درمیان حائل ہوئے تھے اسی طرح نماز کی حالت میں ابو جہل لعنۃ اللہ کے آپ کے کندھے کو روندنے کے ارادے کے سلسلے میں جو بات کی جاتی ہے، جس کے درمیان فرشتے حائل ہو گئے تھے،اور اس طرح دیگر سبھی واقعات سبھی چچا ابو طالب کی وفات کے بعد کے ہیں، واللہ اعلم۔ (1)

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں بسند جید عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قریش کے لوگ مجھ سے دور ہی رہتے تھے یہاں تک کہ ابو طالب کی وفات ہو گئی۔ (2)

---

[1] ()البداية والنهاية (٣/ ١٤٦)۔

[2] ()المستدرک للحاکم - کتاب الهجرة الأولى إلى الحبشة - رقم حديث (٤٣٠٢)- والبيهقي في الدلائل (٢/ ٣٥٠)۔

امام بیہقی نے دلائل میں بسند صحیح عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب تک ابو طالب کی وفات نہ ہوئی تھی قریش نے مجھے کوئی ایسی تکلیف نہ پہنچائی جس کو میں ناپسند کرتا ہوں۔[1]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: جب ابو طالب کی وفات ہوگئی تو قریش نے آپ ﷺ کو ایسی تکلیفیں دیں جو ان کی زندگی میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے، قریش کے بے وقوفوں میں سے ایک آپ کے سامنے آیا اور اس نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی، تو اللہ کے رسول ﷺ اپنے گھر میں آئے اور اپنے سر پر پڑے ان غبار کو ہٹایا، آپ کی کوئی بیٹی کھڑی ہوئی اور اس نے آپ کے سر سے سے مٹی کو صاف کیا، اور کے رسول ﷺ فرمار ہے تھے میرے بیٹی نہ روؤ اللہ رب العالمین تمہارے والد کی حفاظت کرنے والے ہیں۔[2]

ابن سعد نے طبقات میں بسند ضعیف عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں دو برے پڑوسیوں کے درمیان تھا ابو لہب اور عقبہ بن ابی معیط، وہ دونوں میرے پاس جانوروں کے فضلات لاتے اور میرے دروازے پر رکھ دیا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ پھینکی ہوئی کچھ گندگی لاکر میرے دروازے پر رکھ دیا کرتے تھے اللہ کے رسول ﷺ اس کو لے کر نکلتے اور کہتے اے بنو عبد مناف اپنے پڑوسیوں کے ساتھ تمہارا یہ کیسا رویہ ہے؟ پھر آپ سے پھینک دیتے تھے۔[3]

---

[1]() اس کی تخریج امام بیہقی نے دلائل نبوت (۲/ ۳۵۰) میں اور ابن اسحاق نے سیرت (۲/ ۳۰) میں عروہ تک صحیح سند کے ساتھ کی ہے مگر وہ مرسل ہے۔

[2]() سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۳۰)۔

[3]() الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۹۷) ۔مزید دیکھئے: السلسلۃ الضعیفۃ ۔رقم حدیث (۴۱۵۱)۔وضعیف الجامع ۔رقم حدیث (۴۲۷۷)۔از البانی رحمہ اللہ۔

• کفار کی جانب سے اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا ایک قصہ:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن عاص سے سوال کیا کہ مجھے بتاؤ کہ قریش نے نبی ﷺ کے ساتھ سب سے سختی پر مشتمل کون سی حرکت کی تھی؟ انہوں نے کہا: ایک مرتبہ جب نبی ﷺ حجر کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے اسی وقت عقبہ بن ابو معیط -لعنہ اللہ- آیا اور اس نے اپنا کپڑا آپ کے گلے میں ڈالا اور آپ کے گلے کو سختی سے گھوٹ دیا، ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور آپ کے کندھے کو پکڑ کر کے اسے آپ ﷺ سے دور کر دیا اور کہا: ((أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ))[غافر:۲۸]۔ کیا تم ایک شخص کو صرف اس لئے قتل کر دوگے کیوں کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔(1)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: یہ جو جواب عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے دیا تھا اس میں حضرت عائشہ سے مروی حدیث کی مخالفت ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے کہا تھا کہ سب سے سخت جو میں نے اپنی قوم سے اذیت پائی وہ۔۔۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے طائف میں ثقیف کے ساتھ اپنا قصہ بیان کیا تو ان میں جمع کی صورت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو نے اس جانب توجہ دی جو انہوں نے دیکھا تھا اور وہ طائف میں جو نبی پاک ﷺ کے ساتھ واقعہ پیش آیا تھا وہ وہاں موجود نہ تھے۔(2)

• نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے کے سلسلے میں ایک دوسرا قصہ:

اللہ کے رسول ﷺ نے قریش سے ابو طالب کی وفات کے بعد جو پریشانیاں برداشت کیں ان میں سے ایک وہ بھی ہے جسے امام حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح انس بن مالک کے حوالے

---

(1) صحیح البخاري -كتاب مناقب الأنصار- باب مالقي النبي -صلى الله عليه وسلم- من المشركين بمكة -رقم حديث (۳۸۵۶)۔

(2) فتح الباري (۷/ ۵۵۸)۔

سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ :انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اتنا مارا کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوگئی اس وقت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرکے کہنے لگے : کیا تم ایک ایسے شخص کو اس لئے قتل کرنے کے درپہ ہو کیونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے ؟انہوں نے کہا: یہ کون ہے؟

ان لوگوں نے کہا: یہ ابن ابی قحافہ پاگل ہیں۔[1]

● آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے متعلق ایک اور قصہ :

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بیت کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور ابو جہل اور اس کے ساتھی وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ : کون ہے جو فلاں کے اونٹ کی اوجھڑی لائے اور اسے محمد جب سجدے کی حالت میں ہوں تو اسے ان کے پیٹھ پر رکھ دے،جو ان میں سے سب سے بدترین انسان تھا وہ کھڑا ہوا اور اسے لے آیا وہ برا انسان عقبہ بن ابی معیط تھا اس نے دیکھا جب آپ ﷺ نے سجدہ کیا تو جاکر کے آپ کندھوں کے درمیان آپ کے پیٹھ پر اسے رکھ دیا اور میں اس وقت یہ ماجرہ دیکھ رہا تھا میں آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا اے کاش میرے پاس طاقت اور قوت ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ : پھر وہ لوگ ہنسنے لگے اور اتنی تیزی کے ساتھ ہنستے کی ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور اللہ کے رسول ﷺ سجدے میں تھے اپنے سر کو نہیں اٹھا سکتے تھے، فاطمہ[2] رضی اللہ

---

[1] () المستدرک للحاکم-کتاب معرفۃ الصحابۃ-باب خلافۃ أبي بکر-رقم حدیث (٤٤٨١)۔

([2]) یہ فاطمہ بنت رسول ﷺ ہیں ان کے نام کی تصریح امام مسلم کی صحیح میں موجود ایک روایت میں ہوئی ہے، شیخ محمد غزالی اپنی کتاب فقہ السیرۃ میں صفحہ نمبر ۱۲۴ پر کہتے ہیں اور بیٹی عربی معاشرے میں اپنے والد کے ذمہ داری میں ہوتی ہے اور اس کی قوت سے فخر کرتی ہے اور اس کی حمایت سے مانوسیت حاصل کرتی ہے اور آدمی کے دل میں جو بات تکلیف پہنچاتی ہے وہ یہ کہ وہ اپنے اپ کو اس حالت میں دیکھے کہ اس کی بیٹی اس کا دفاع کر رہی ہو اور عاجزی اور مدد کی کمی محسوس کر رہی ہو۔

عنہا آئیں اورانہوں نے آپ کے پیٹھ سے وہ ساری چیزیں اتار کر الگ کر دیں، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا سر اٹھایااور کہا: اے اللہ تو قریش کے لوگوں کوانکے کئے کا بدلہ دے، آپ ﷺ نے ایسا تین مرتبہ کہا، جب آپ ﷺ نے ان پر یہ بد دعا کی تو انہیں یہ بات گراں گزری۔

ابن مسعود رضی اللہ تعالی کہتے ہیں کہ: وہ جانتے تھے کہ اس شہر[1] میں کی گئی دعا قبول ہوتی ہے پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام لیااور کہااے اللہ توابو جہل کو ہلاک کر، اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر دے، ابن مسعود کہتے ہیں اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان لوگوں کو دیکھا جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے شمار کیا تھا کہ وہ بدر کے گڑھے میں مرے پڑے ہوئے تھے۔[2]

فوائد حدیث :

حافظ نے فتح میں لکھاہے کہ اس حدیث میں کئی فوائد ہیں:

پہلا فائدہ: کفار کے نزدیک مکہ میں دعا کی عظمت کا احساس اور یہ مسلمانوں کے نزدیک اور زیادہ تعظیم کا باعث ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار کو آپ کے دعا کی سچائی کا علم تھا کیونکہ وہ آپ کی دعا سے ڈر گئے تھے، لیکن حسد نے انہیں آپ کی بات نہ ماننے پر ابھارا تھا۔

تیسرا فائدہ: آپ ﷺ جو آپ کو ستاتے تھے ان کے بارے میں نرمی سے کام لیتے تھے جیساکہ طیالسی کی مسند میں موجود ایک روایت میں شعبہ کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود

([1]) مراد مکہ، فتح الباري (۴٦٦/١)۔

([2]) صحیح البخاري-کتاب الوضوء-باب إذا ألقي علي ظهر المصلّي قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلاته-رقم حديث (٢٤٠)،اسی طرح امام صاحب نے کئی اور مقام پر بھی صحیح ہی میں واسے روایت کیاہے- صحیح مسلم-کتاب الجهاد والسير-باب ما لقي النبي-صلى الله عليه وسلم-من أذى المشركين والمنافقين-رقم حديث (١٧٩٤)۔

رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح کسی اور پر بد دعا کرتے ہوئے نہیں دیکھا[1] وہ واقعی معنوں میں اس بد دعا کے مستحق تھے کیوں کہ انہوں نے اللہ رب العالمین کی عبادت کے وقت آپ کا مذاق اڑایا تھا۔

4- دعا کو تین مرتبہ دہرانا مستحب ہے۔

5- ظالم پر بد دعا جائز ہے، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب ظالم کافر ہو، رہی مسلم کی بات تو اس کے لئے استغفار، دعا اور توبہ مستحب ہے۔

6- فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالی عنہا بچپن سے ہی بہادر تھیں کیونکہ کی وہ اپنی قوم میں اور اپنے آپ میں بہت ہی اعلی مقام پر تھیں یہ اس بات ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے ان کو واضح طور پر برا بھلا کہا تھا حالانکہ وہ تو قریش کے سردار تھے لیکن جیسے کہ روایت میں آتا ہے کہ انھوں نے ان کو جواب نہ دیا۔

7- اس میں یہ بات بھی ہے کہ ڈائریکٹ کوئی کام کرنا سبب یا کسی چیز کی مدد سے زیادہ بڑا ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے عقبہ کے بارے میں کہا کہ وہ سب سے بدبخت انسان تھا، باوجود اسکے کے اس کے ساتھ ابو جہل بھی تھا جو کہ کفر میں اور زیادہ سخت تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور زیادہ ستایا کرتا تھا لیکن یہاں بد بختی کی نسبت اس قصے کی نسبت سے کی گئی ہے، کیونکہ یہ سارے لوگ اس معاملے میں شریک تھے اور راضی تھے مگر عقبہ جو تھا اس نے یہ کام ڈائریکٹ کیا اس لیے وہ ان میں سب سے بڑا بدبخت ہوا، اسی لیے یہ سارے لوگ جنگ میں قتل کئے گئے اور عقبہ کو باندھ کر کے قتل کیا گیا۔[2]

[1]() أخرجه الطيالسي في مسنده- رقم حديث (٣٢٣) — اور اس کی اسناد صحیح ہے۔

[2]() ہر وہ شخص جو بغیر معرکہ یا جنگ یا غیر ارادی طور پر قتل کیا جائے تو وہ باندھ کر قتل کیا جانا ہوتا ہے، دیکھیے نہایا اور حافظ ابن حجر کی بات کو فتح الباري (١/ ٤٦٨) میں دیکھیے۔

یعنی یہ سبھی لوگ غزوہ بدر کبریٰ میں قتل کیے گئے سوائے عقبہ کے کیوں کہ وہ قیدی تھا اللہ کے رسول ﷺ نے تلوار سے اس کے قتل کا حکم دیا۔

● اللہ کے رسول ﷺ کو ستانے کی ایک اور کہانی:

اللہ کے رسول ﷺ کو مشرکین کی طرف سے ابو طالب کی وفات کے بعد جو پریشانیاں لاحق ہوئیں انہیں میں سے ایک وہ بھی ہے جسے شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو جہل نے کہا: کیا محمد تمہارے سامنے سجدہ کرتے ہیں؟ اس سے کہا گیا: ہاں، اس پر اللہ تعالی کی لعنت ہو اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم ہم اگر میں اس کو ایسا کرتے دیکھوں تو میں اس کے کندھے پر اپنا پیر رکھوں گا ہے یا اس کے چہرے کو مٹی میں دبادوں گا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر اللہ کے رسول ﷺ آئے اور آپ نے نماز پڑھی تو وہ آپ کے کندھے پر پیر رکھنے کے لئے آگے بڑھا مگر اچانک وہ ایڑی کے بل واپس ہونے لگا ایڑیوں پر چلتے ہوئے وہ اپنے ہاتھوں سے بچنے کی کوشش بھی کر رہا تھا اس سے کہا گیا کہ: تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا: میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک کھائی تھی اور کچھ پر تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: اگر وہ مجھ سے قریب ہوتا تو فرشتے اسے ایک ایک عضو کرکے اچک جاتے[1] وہ کہتے ہیں کہ اس وقت اللہ رب العالمین نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ كَلَّآ إِنَّ ٱلۡإِنسَٰنَ لَيَطۡغَىٰٓ (٦) أَن رَّءَاهُ ٱسۡتَغۡنَىٰٓ (٧) إِنَّ

---

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۹/ ۷٤٦) میں کہتے ہیں: بے شک ابو جہل کے حق میں معاملے کو سخت کیا گیا اور اس طرح عقبہ ابن ابی معیط کے لیے واقع نہیں ہوا جس نے کی نبی ﷺ کے پیٹھ پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر رکھی تھی جب اپ نماز پڑھ رہے تھے جیسا کہ ہمارے ساتھ گزر چکا ہے کیونکہ وہ دونوں اگرچہ نماز کی حالت میں اذیت پہنچانے کے سلسلے میں شریک تھے لیکن ابو جہل نے دھمکی دے کر اور اپنے اہل طاعت کا دعوی کر کے اور اپ ﷺ کے کندھے مبارک کو روندنے کا ارادہ کر کے اضافی گناہ کیا تھا اور اس میں اور اس میں جس چیز کا عقوبت کو جلدی کرنے کا تقاضہ ہوا اس کے سلسلے میں جلدی کرنے میں مبالغہ کا بیان ہے اگر اس نے ایسا کیا ہو اور اس لیے کیونکہ اونٹ کی اوجھڑی کی نجاست ثابت نہیں ہے اور عقبہ نبی ﷺ کے بددعا کا شکار ہوا اور جو اس کے ساتھ تھے وہ بھی چنانچہ وہ سب بدر والے دن قتل کیے گئے۔

إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ (8) أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ (9) عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ (10) أَرَأَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ (11) أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ (12) أَرَأَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ (13) أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ (14) كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (15) نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (16) فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ (17) سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (18) كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب (19)﴾ العلق: 6-19۔[1]

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے مسلم کی شرط پر مضبوط سند سے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس ایک دن آئے جب آپ غمگیں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے بدن سے خون بہہ رہا تھا، آپ کو اہل مکہ سے کچھ لوگوں نے مارا تھا، وہ کہتے ہیں کہ: انہوں نے آپ سے کہا: آپ کو کیا ہوا ہے؟

وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کہا کہ: ان لوگوں نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ: آپ سے جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ میں تمہیں ایک نشانی دکھاؤں؟[2]

آپ نے فرمایا: ہاں، وہ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے وادی کے پیچھے ایک درخت دیکھا اور کہا: اب تم اس درخت کو بلاؤ، آپ ﷺ نے اسے بلایا اور وہ چل کر آگیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا، جبریل علیہ السلام نے کہا: اب سے کہو کہ لوٹ جائے تو آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ اپنی جگہ لوٹ گیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بس کافی ہے۔[3]

---

[1] () صحيح البخاري-كتاب التفسير-باب قوله تعالَى: {كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ} -رقم حديث (٤٩٥٨)- صحيح مسلم-كتاب صفات المنافقين وأحكامهم-باب قوله تعالَى: {كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ} -رقم حديث (٢٧٩٧)۔

[2] () امام سندی مسند کی شرح (٧/ ١٤١) میں کہتے ہیں: جبرائیل علیہ السلام کا قول کہ کیا اپ کو یہ پسند ہے کہ میں اپ کو ایسے نشانی دکھاؤں جو اپ کے لیے اللہ رب العالمین کے یہاں موجود کرامت اور شرف پر دلالت کریں جس کے بعد اپ رسالت کے سلسلے میں حاصل ہونے والے تھکاوٹ کو بھول جائیں۔

[3] () مسند الإمام أحمد-رقم حديث (١٢١١٢) — سنن ابن ماجه-كتاب الفتن-باب الصبر علي البلاء-رقم حديث (٤٠٢٨)-والبيهقي في الدلائل (٢/ ١٥٤)۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ نے مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ذریعے سے انس بن مالک کے واسطے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ کے راستے میں بہت تکلیف دی گئی جو تکلیف کسی اور کو نہ دی گئی، مجھے ڈرایا گیا اس قدر کسی اور کو نہ ڈرایا گیا مجھ پر تین دن ایسے آئے کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کا کوئی سامان نہ تھا سوائے اس تھوڑی چیز کے جسے بلال اپنے بغل میں چھپائے ہوئے تھے۔[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب آپ ﷺ مکہ سے نکلے اس وقت آپ کے ساتھ بلال بھی تھے تو بلال کچھ کھانا اپنے بغل کے نیچے دبائے ہوئے تھے۔[2]

امام احمد کے یہاں مسند میں اور ترمذی کے یہاں ایک دوسری روایت میں ہے جو کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تحقیق کہ مجھے اللہ کے راستے میں ڈرایا گیا اس قدر اور کسی کو ڈرایا نہیں جاتا، مجھے اذیت دی گئی اور کسی کو اذیت نہیں دیا جاتا اور ۳۰ دن اور رات[3] میرے اوپر ایسے آئے کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لیے کچھ بھی ایسا نہیں تھا جو کوئی انسان کھا سکے سوائے اس کے جو بلال نے اپنے بغل میں دبا رکھا تھا۔[4]

---

[1] مسند الإمام أحمد - رقم حديث (١٢٢١٢) - وابن ماجة في سننه في المقدمة - فضل سلمان وأبي ذر والمقداد رضي الله عنهم - رقم حديث (١٥١)۔

[2] جامع الترمذي (4/ 459)۔

[3] امام طیبی کہتے ہیں کہ: یہ شمولیت کے لیے تاکید ہے یعنی لگاتار ۳۰ دن اور راتیں ان میں سے کچھ بھی وقت کم نہ تھا، دیکھیے تحفۃ الاحوذی (۷/ ۲۱۵)۔

[4] مسند الإمام أحمد - رقم حديث (١٤٠٥٥) - جامع الترمذي - كتاب صفة القيامة والرقائق والورع - باب رقم (٢٨) - رقم حديث (٢٦٤٠)۔

• علی طنطاوی رحمہ اللہ کی ایک خوبصورت بات:

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: وہ آپ کو تکلیف دینے لگے، وہ آپ کو ڈرایا دھمکایا کرتے تھے ان کا یہ گمان تھا کہ شاید ڈرانے سے وہ کام ہو جائے جو ترغیب سے نہیں ہو سکا انہوں نے آپ کے راستے میں کانٹے ڈالے چلتے ہوئے اور سجدے کی حالت میں آپ کے اوپر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی گئی اور طائف میں پتھروں سے مارا گیا آپ کے خون بہائے گئے آپ کا مذاق اڑایا گیا اور بے وقوفوں کو انہوں نے آپ کے پیچھے لگا دیا۔

یہ سارے امور آپ کے غصے کو نہ بھڑکا سکے ان سے آپ کی شفقت جاگی، وہ شفقت جو بڑے لوگ چھوٹے نقصان پہنچانے والے بچوں پر کرتے ہیں اور جو نرمی عقلمند لوگ پاگلوں کے سلسلے میں کرتے ہیں، آپ ﷺ کا جواب تھا اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ جانتے نہیں ہیں۔ (1)

اور قریش کے لوگ اپنے کفر پر اڑے رہے اللہ کے راستے میں روڑا بنتے رہے اللہ کے رسول سے دشمنی کرتے رہے لیکن کیا قریش نے اللہ کے نور کو بجھانے کی طاقت اپنے اندر پائی؟ (2)۔

---

[1] () اس حدیث کی تخریج امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب الرقائق - باب الأدعیۃ حدیث نمبر (۹۷۳) پر کی ہے اور اس کی اسناد حسن ہے لیکن اس لفظ کے ساتھ: ((اللهم اغفر لقومي فإنهم لا يعلمون)) اور اس کی تخریج امام بخاری نے اپنے صحیح میں کتاب أحادیث الأنبیاء - باب (٥٤) - حدیث نمبر (٣٤٧٧) پر نبی ﷺ کے واسطے سے کی ہے اپ ﷺ انبیاء میں سے ایک نبی کے قصے کو بتا رہے تھے جنہوں نے اس دعا کے مثل اپنی قوم کے لیے دعا کی تھی۔

[2] () شیخ علی رحمہ اللہ کا قول ان کی کتاب: رجال من التاریخ ص ۱۳ - ۱٤ میں دیکھیے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حبشہ کی جانب ہجرت کے لئے اجازت طلب کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ جب مکہ میں تکلیف کا سامنا کرنے لگے اور انہیں بھی پریشانی لاحق ہوئی اور یہ دیکھا کہ قریش کے لوگ اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے اصحاب پر غالب ہو رہے ہیں تو آپ نے اللہ کے رسول ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو اللہ کے رسول ﷺ نے اُنہیں اجازت دے دی۔[1]

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے اپنے والدین[2] کو اسی دین[3] پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہمارے اوپر کوئی بھی دن نہیں گزرتا تھا جس میں اللہ کے رسول ﷺ صبح و شام ہمارے پاس نہ آئیں، جب مسلمانوں پر آزمائش سخت ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ حبشہ[4] کی جانب ہجرت کے لئے نکلے جب وہ برک غماد نامی جگہ[5] پہنچے تو ان سے ابن دغنہ[6] کی ملاقات ہوئی وہ قبیلہ قارہ[1] کے سردار تھے، انہوں

[1] () سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۴۱۰)۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۲/ ۱۴۱) میں کہتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہ کے والدین سے مراد ابو بکر اور ام رومان ہیں اور یہ ام رومان رضی اللہ عنہ کے اسلام کے مقدم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

[3] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۶۳۸) میں لکھتے ہیں یعنی دین اسلام پر۔

[4] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۶۳۸) میں لکھتے ہیں: تاکہ وہ ان لوگوں سے مل جائیں جو ان سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں اور میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ جو لوگ نے حبشہ کی جانب پہلے ہجرت کیا تھا وہ جدہ گئے جو کہ مکہ کا ساحلی علاقہ ہے تاکہ وہاں سے حبشہ کے لیے کشتی پر سوار ہوں۔

[5] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۶۳۹) میں لکھتے ہیں: برک غماد: یمن کی جانب مکہ سے ۵ رات کے فاصلے پر ایک جگہ ہے۔

[6] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۶۳۹) میں لکھتے ہیں: ابن دغنہ اہل لغت کے نزدیک مہمل اور معجم کے پیش اور نون کے تشدید کے ساتھ ہے اور راویوں کے نزدیک پہلے کے زبر اور دوسرے کے زیر اور نون کی تخفیف کے ساتھ ہے اور دغنہ یہ ان کی والدہ تھیں اور کہا گیا ہے ان

نے کہا: اے ابو بکر تم کہاں جارہے ہو؟ ابو بکر نے کہا کہ: مجھے میرے قوم نے نکال دیا ہے[2] میں چاہتاہوں کہ زمین میں سفر کروں[3] اور اللہ رب العالمین کی عبادت کروں، ابن دغنہ نے کہا کہ: اے ابو بکر تمہاری طرح انسان نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جاسکتا ہے، آپ تو بے سہاروں کو سہارا دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں،[4] مہمان نوازی کرتے ہیں اور پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے ہیں، میں تمہیں پناہ دیتاہوں[5]، تم واپس چلو اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو، تو وہ لوٹ آئے اور ابن دغنہ بھی ان کے ساتھ آئے، ابن دغنہ شام کو قریش کے سرداروں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ابو بکر کے جیسا نہ نکلے گا[6] نہ نکالا جائے گا[1] کیا تم ایسے

کے والد کی والدہ تھیں اور کہا گیا ہے ان کی سواری تھی اور دغنہ کا معنی ہے "مسترخیہ" یعنی پر سکون اور اس کا اصل بہت زیادہ بارش والی بدلی سے ہے۔

[1]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/ ۶۳۹) میں لکھتے ہیں: قارہ یہ بنو ہون "پیش اور تخفیف کے ساتھ" کے مشہور قبیلوں میں سے ایک ہے ابن خزیمہ ابن مدرکہ ابن الیاس ابن مدر اور یہ قریش میں بنو زہرہ کے حلیف تھے اور تیر اندازی کی طاقت میں ان کی مثال پیش کی جاتی تھی۔

[2]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/ ۶۳۹) میں لکھتے ہیں: یعنی وہ میرے نکالنے کے سلسلے میں سبب بنے۔

[3]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/ ۶٤٠) میں لکھتے ہیں کہ: شاید ابو بکر نے ابن دغنہ سے اپنے جانے کے سمت کو چھپایا تھا کیونکہ وہ کافر تھے ورنہ یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ حبشہ کی جانب جانے کا ارادہ کر رہے تھے اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ اس راستے سے وہاں نہیں پہنچ سکتے تھے جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا یہاں تک کہ وہ زمین میں اکیلے ایک لمبی مدت تک چلیں اور پھر ان پر سیاح کا نام صادق ائے کیوں کی سیاحت سے کوئی ایک خاص جگہ مراد نہیں ہوتی جس میں ٹھہرا جائے۔

[4]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/ ۶٤٠) میں لکھتے ہیں کہ: ابن دغنہ کے ابو بکر کے لیے صفت میں خدیجہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کے مثل موافقت اس بات پر دلیل ہے کہ ابو بکر بہت زیادہ فضیلت والے ادمی تھے اور وہ بھی کمال کی صفات سے متصف تھے۔

[5]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/ ۶٤٠) میں کہتے ہیں: مجیر کا معنی ہے جو تمہیں تکلیف دے گا میں اس کو منع کروں گا۔

[6]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۷/ ۶٤٠) میں لکھتے ہیں کہ: یعنی اپنے وطن سے اپنے اختیار سے کسی اور جگہ اقامت کی نیت سے نہیں نکلے گا کیونکہ اس میں ان کے شہر والوں کے لیے بہت زیادہ فائدے ہیں۔

شخص کو نکال رہے ہو جو پریشان حال لوگوں کی پریشانیاں دور کرتا ہے، جو صلہ رحمی کرتا ہے، جو لوگوں کے بوجھ کو اٹھاتا ہے جو مہمان نوازی کرتا ہے اور لوگوں کی پریشانی میں ان کی مدد کرتا ہے؟

تو قریش نے ابن دغنہ کی پناہ کو جھٹلایا[2] نہیں اور انہوں نے ابن دغنہ سے کہا کہ: تم ابو بکر کو یہ حکم دو کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں رہ کر کریں اور اس میں نماز پڑھے اور اس میں جو چاہے کریں، ہمیں تکلیف نہ دیں، اور نہ ہی وہ اپنی عبادت کو ظاہر کریں، کیونکہ ہمیں اپنے اور اپنے بچوں کے فتنے میں پڑ جانے کا خدشہ ہے، تو یہ بات ابن دغنہ نے ابو بکر سے کہی تو ابو بکر نے اسے مان لیا اور اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرنے لگے، اور پھر نماز ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی اپنے گھر کے علاوہ کہیں بھی قرآن پڑھتے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سوجھی[3] کہ وہ اپنے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالیں چنانچہ ایسا ہی کیا اور پھر اس میں نماز پڑھنے لگے اور قرآن پڑھنے لگے، اب پھر سے مشرکوں کی عورتیں اور ان کے بچے ان کو تاڑنے لگے[4] وہ جو پڑھتے تھے اس سے تعجب کرتے تھے اور ان کی طرف دیکھتے تھے اور ابو بکر رونے والے آدمی تھے اپنی آنکھوں پر ان کو کنڑول نہ ہوتا تھا جب وہ قرآن پڑھتے تھے لہذا قریش کے سرداروں کو اس سے خوف ہوا تو انہوں نے ابن دغنہ کے پاس قاصد بھیجا جب وہ آیا تو انھوں نے کہا کہ: ہم نے ابو بکر کو تمہارے پناہ کی وجہ سے پناہ

---

[1]() حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٤٠) میں لکھتے ہیں کہ: اور نہ ہی کوئی انہیں ان کے بغیر اختیار کے نکالے گا گزشتہ معنی کی وجہ سے بعض مالکیہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جس میں متعدد نفع ہو تو اس کا کسی دوسرے شہر کی جانب نکلا ناممکن نہیں کیا جائے گا سوائے بہت زیادہ ضرورت کے پیش نظر۔

[2]() حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٤٠) میں کہتے ہیں: یعنی کسی نے ان پر ابو بکر کے امان کے سلسلے میں قول کو نہیں ٹھکرایا ~~اور جو شخص بھی تمہاری تکذیب کرے گا تو اس نے گویا تمہارے قول کو ٹھکرا دیا۔~~

([3]) حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٤٠) میں لکھتے ہیں: یعنی ان کے لیے پہلی رائے کے علاوہ کوئی دوسری رائے ظاہر ہوئی۔

([4]) ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب ہے السیرۃ النبویۃ (١/ ٣٨٣) میں کہتے ہیں: اور یہ قصہ واضح طور خالص عربوں کے نفس میں پر قران کی تاثیر اور اس کے بیانی اور بلاغت سے پر معجزے پر دلالت کرتا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورتیں ہوں بلکہ بچے بھی، میں کہتا ہوں: اور ہمارے ساتھ عربوں پر قران کی تاثیر کا ایک جھلک جب سورہ نجم کی کا نزول ہوا اس وقت کافروں کے سجدہ کرنے کے قصے میں ہی بھی گزر چکا۔

دیا تھااور یہ شرط لگائی تھی کہ وہ گھر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں، لیکن انہوں نے اس سے تجاوز کیا اور اپنے گھر کے آنگن میں ایک مسجد بنائی ہے اور وہ نماز کو ظاہر کر کے پڑھتے ہیں قرآن کو ظاہر کر کے پڑھتے ہیں اور ہم اپنے بچوں اور عورتوں پر خوف کھاتے ہیں تو تم انہیں منع کروا گروہ اس پر راضی ہو کر اپنے رب کی عبادت گھر میں کریں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ علانیہ طور پر اپنے رب کی عبادت کریں گے تو تم اپنے ذمہ کو واپس لے لو، کیونکہ کہ ہمیں یہ ناپسند ہے کہ ہم تمہارے ذمہ کو توڑیں اور ہم ابو بکر کو اعلانیہ طور پر عبادت کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ کہتی ہیں: چنانچہ ابن دغنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: تم جانتے ہو جس پر میں نے تم سے عہد کیا تھا تو اب چاہے تم اس پر راضی رہو یا تم میرے ذمہ کو میرے پاس لوٹا دو میں یہ نہیں پسند کرتا کہ عرب کے لوگ یہ سنیں کہ میں نے ایک آدمی کے عہد کو پامال کیا ہے، تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میں تمہاری پناہ کو واپس کرتا ہوں اور میں اللہ رب العالمین کی پناہ[1] سے راضی ہوں[2]۔

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٤١) میں لکھتے ہیں کہ: یعنی ان کی امان اور ان کی حمایت اور اس میں دین کے سلسلے میں سخت ترین امر کو اپنانے کے جواز اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے قوت یقین پر بھی اشارہ ہے۔

([2]) صحيح البخاري- كتاب المناقب- باب هجرة النبي- صلى الله عليه وسلم- وأصحابه إلى المدينة- رقم حديث (٣٩٠٥)- وأخرجه في كتاب الكفالة- باب جوار أبي بكر في عهد النبي- صلى الله عليه وسلم- رقم حديث (٢٢٩٧)- صحيح ابن حبان- كتاب التاريخ- باب ذكر وصف كيفية خروج المصطفى- صلى الله عليه وسلم- من مكة- رقم حديث (٦٢٧٧)۔

اللہ کے رسول ﷺ کا طائف کی جانب نکلنا

جب نبی ﷺ پر قریش کی اذیتیں بڑھ گئیں اور ان کی طرف سے دی جانے والی تکلیفیں سخت ہو گئیں اور آپ بے یار و مددگار ہو گئے اور جب قریش نے اسلام سے بے نیازی ظاہر کی، اور انہوں نے آپ سے اعراض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے سوچا کہ قریش میں دعوت کا کوئی فائدہ نہیں تو آپ ﷺ مکہ سے نکل کر دوسرے شہر کی جانب جانے کے بارے میں سوچنے لگے کہ وہاں پر کوئی آپ کا مددگار اور قبول کرنے والا اور بات ماننے والا مل جائے اس پیغام کے سلسلے میں جو آپ اللہ رب العالمین کی طرف سے لے کر کے آئے ہیں۔

چنانچہ آپ ﷺ طائف کی جانب نکل گئے جہاں ثقیف[1] قبیلے کے لوگ آباد تھے ان سے مدد طلب کرنے کے لئے اور ان سے اپنی قوم کے سلسلے میں مدد حاصل کرنے کے لئے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے طائف کا سفر اس لیے کیا کیونکہ قوت اور سرداری میں مکہ کے بعد حجاز میں ان کا دوسرا نمبر تھا یا اس لیے کیوں کہ حضرت حلیمہ سعدیہ کی جہت سے آپ کے ماموں بنو ثقیف سے ہی تھے، اس لئے آپ نے سوچا کہ طائف کی جانب نکلا جائے اور ثقیف سے اپنے قوم کے خلاف مدد اور تعاون حاصل کی جائے آپ کو یہ امید تھی کہ اللہ رب العالمین ہدایت دے دیں گے اور وہ آپ کی دعوت کو مان لیں گے۔[2]

[1] () شیخ ابو الحسن اپنی کتاب السیرۃ النبویۃ ص ۱٤٤ میں کہتے ہیں: ثقیف کے لیے جو خوبیاں ذکر کی جاتی ہیں کہ وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد عربوں میں سے بہت سارے لوگ مرتد ہو گئے سوائے قریش اور ثقیف کے اور اسلامی جنگوں میں ان کا بہت اثر تھا اور انہوں نے بہت ازمائش کو برداشت کیا اور ان کے بہت سے اچھے مواقف بھی جنگ میں نظر ائے تھے۔

[2] () السیرۃ النبویۃ لأبي الحسن الندوي رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱٤٤۔

طائف ایک مشہور شہر ہے جس کے اور مکہ کے درمیان ۸۰ کلو میٹر کا فاصلہ ہے، اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے ساتھ موجود آپ کے غلام زید بن حارثہ[1] پیدل ہی چلتے ہوئے گئے اور اسی طرح واپسی میں بھی پیدل چل کر ہی وہ مسافت طے کی۔

اس کی طرف آپ ﷺ بعثت کے دسویں سال شوال کی ۲۷ تاریخ کو نکلے تھے۔[2]

● رسول ﷺ کا طائف پہنچنا:

جب اللہ کے رسول ﷺ طائف پہنچے تو ثقیف کے کچھ لوگوں کے پاس گئے جو اس وقت ثقیف کے سردار اور وہاں کے بلند مقام والے لوگ تھے وہ تین بھائی تھے: عبد یا لیل بن عمرو بن عمیر، مسعود بن عمرو بن عمیر اور حبیب بن عمرو بن عمیر[3] ان میں سے ایک کے پاس قریش کے بنو جمح کی ایک خاتون تھیں اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس بیٹھے اور انہیں اللہ کی طرف بلایا اور ان سے ان کے پاس آنے کی وجہ بتائی جو کہ ان سے اسلام کی مدد آپ کی قوم میں سے جو آپ کی مخالفت کرے ان کے خلاف کھڑے ہونے کا مطالبہ تھا۔

ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ تعالی نے تمہیں بھیجا ہے تو وہ کعبہ کے غلاف کو نکال دے گا۔

اور دوسرے نے کہا: کیا اللہ نے تمہارے علاوہ کسی اور کو رسول بنا کر بھیجنے کے لیے نہیں پایا۔

---

[1] () یہ جسے ابن سعد نے اپنی طبقات (۱/ ۱۰۲) میں جبیر ابن مطعم کے حوالے سے روایت کیا ہے اور موسی ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے اور ان کے علاوہ نے سیرت (۲/ ۳۲) میں ذکر کیا ہے اپ ﷺ اکیلے پیدل چلتے ہوئے نکلے تھے تو جمع کی صورت یہ ہو گی کہ زید رضی اللہ عنہ بعد میں اپ سے جا ملے تھے دیکھیے: شرح المواهب (۲/ ۵۰)۔

[2] () الطبقات الکبری لابن سعد (۱/ ۱۰۲)۔ سیرة ابن هشام (۲/ ۳۳)۔ دلائل النبوة لأبي نعيم (۱/ ۲۹۵)۔ شرح المواهب (۲/ ۴۹)۔

[3] () یہ سبھی بھائی تھے سب نے اسلام قبول کیا اور اپنے قوم کے ساتھ سنہ ۹ ہجری میں عام الوفود میں آئے۔

اور تیسرے نے کہا: اللہ کی قسم میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا اگر تو اللہ کا رسول ہے جیسا کہ تو کہہ رہا ہے تو تو تیری بات کو تیرے اوپر لوٹانے سے زیادہ خطرناک ہے اور اگر تو اللہ پر جھوٹ بول رہا ہے تو میرے لئے تجھ سے بات کرنا مناسب نہیں ہے۔

جب اللہ کے رسول ﷺ ان کی خیر اور بھلائی سے مایوس ہو گئے تو ان سے کہا: اگر تم ایسا کر رہے ہو تو میرے بارے میں کسی کو بتانا مت رسول ﷺ نے ناپسند کیا کہ آپ کی قوم تک آپ کے ان کے پاس جانے کی خبر پہنچے، کیونکہ وہ یہ جان کر آپ کے خلاف مزید سختی کرنے لگتے اور ان کی دشمنی اور بدبختی اور بڑھ جاتی لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا انہوں نے آپ سے کہا کہ تم ہمارے شہر سے نکل جاؤ اور انہوں نے اپنے بیوقوفوں اور غلاموں کو ان کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو گالی دیتے اور آپ کے اوپر چلاتے رہے یہاں تک کہ لوگ جمع ہو گئے اور وہ آپ کے راستے میں دو صف بنا کر بیٹھ گئے اور آپ جب بھی کوئی قدم بڑھاتے وہ اسے وہ پتھروں سے مار مار کر زخمی کر دیتے یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے دونوں قدموں کو زخمی کر دیا وہ اسی طرح سے مذاق اور مستی کر رہے تھے ، زید بن حارثہ اپنے نفس سے آپ کی حفاظت کر رہے تھے ان کے سر میں بھی کئی زخم پہونچے، وہ بے وقوف قوم اس وقت تک ایسا کرتے رہے جب تک کہ آپ عتبہ اور شیبہ[1] بن ربیعہ کے ایک باغ میں نہیں پہنچ گئے جب وہ اس باغ میں پہنچ گئے تو آپ سے وہ بے وقوف واپس ہو گئے اور آپ ﷺ اور آپ کے خادم زید بن حارثہ وہاں ایک انگور کے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔

---

[1] () یہ دونوں شخص مکہ کے سرداروں میں سے تھے اور یہ نبی ﷺ کو اذیت پہنچانے والے سخت ترین لوگوں میں سے تھے اور انہیں غزوہ بدر کبری کے دن کفر کی حالت میں قتل کیا گیا۔

عجیب ہمت:

کیا آپ لوگ دیکھتے ہیں یہ سبھی مصائب اور یہ پریشانیاں اللہ کے رسول ﷺ کی عزیمت میں کچھ اثر ڈال سکیں؟ کیا آپ کے ایمان، آپ کی دعوت اور آپ کے دعوتی جذبے میں کچھ کمی لا سکیں؟

... یہ آزمائش لگاتار جاری رہی اور پھیلتی گئی یہ ایک دو دن یا ایک مہینے کی بات نہیں تھی بلکہ کئی سالوں تک یہ جاری ہیں اگر رسول ﷺ کے علاوہ کوئی اور آدمی ہوتا وہ کہتا کہ بس ہو گیا میں نے جو کرنا تھا کر لیا میں نے محنت کر لی اب میرا وقت آگیا کہ میں اس سے ہٹ جاؤں اور اپنے گھر میں بیٹھ جاؤں۔

لیکن پیچھے ہٹنے کا کوئی امکان آپ ﷺ کے منہج میں تھا ہی نہیں، اسی طرح مستحیل کا کوئی کلمہ آپ ﷺ کی ڈکشنری میں نہ تھا، جب آپ مکہ میں کامیاب نہ ہوئے تو کہیں اور کا رخ کیا کیا، کیونکہ یہ دعوت پوری دنیا اور تمام زمانے کے لئے تھی۔ (1)

دعا اور تضرع:

جب پریشانیاں زیادہ ہو گیں تو آپ ﷺ نے ایک ایسی دعا کی کہ جب بھی میں اسے پڑھتا ہوں میری آنکھیں نم ہو جاتی ہیں یہی اور میں نہیں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی اسے سنے اور سمجھے اور اس میں میں دل ہو تو وہ اپنی آنکھوں کو بہنے سے روک پائے گا۔ (2)

جب رسول اللہ ﷺ باغ میں مطمئن ہوئے تو اپنے رب کی جانب متوجہ ہوئے اور یہ مشہور دعا ارشاد فرمائی: ((اے اللہ میں تیری طرف اپنی کمزوری اور حیلوں کے کمی اور لوگوں پر اپنی

---

[1] () کتاب رجال من التاریخ للشیخ علي الطنطاوي رحمہُ اللہ تعالیٰ ص ٢٦۔

[2] () کتاب رجال من التاریخ للشیخ علي الطنطاوي رحمہُ اللہ تعالیٰ ص ٢٦۔

ذلت کی شکایت کرتا ہوں، اے اللہ تو رحم کرنے والا ہے، تو کمزوروں کا پالنہار ہے، تو میرا رب ہے تو مجھے کسی کے حوالے کر رہا ہے کیا کسی دور کی طرف جو مجھ پر دھاوا بول دے، یا کسی میرے دشمن کو میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے اگر تم مجھ پر پر غضب ناک نہیں ہے تو مجھے کوئی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے کشادہ ہے میں تیرے چہرے کے نور کے ذریعے سے پناہ چاہتا ہوں، جس نے تاریکیوں کو روشن کر دیا اور اسی سے دنیا اور آخرت کے معاملے درست ہوئے، اس بات سے کی تو مجھ پر اپنا غصہ مجھ پر نازل فرما، یا تیری سختی مجھ پر حلال قرار پائے، اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں یہاں تک کہ تو راضی ہو جا اور اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی اور قوت والا نہیں ہے۔[1]

عداس کا قصہ

جب ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ نے آپ کو دیکھا جب کہ وہ دونوں بھائی چار دیواری کے اندر تھے، انہوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو طائف کے بے وقوفوں سے کیا تکلیف پہنچی ہے تو انہیں آپ پر ترس آئی اور انہوں نے اپنے غلام کو جو نصرانی تھا اسے بلایا، اس غلام کا نام عداس تھا، اس سے انہوں نے کہا: یہ انگور کا گچھا لے جاؤ اس سے پلیٹ میں رکھ لو اور اس آدمی کے پاس جا کر کے اس سے کہو کہ اسے کھائے عداس نے ایسا ہی کیا اور اسے لے کر اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے پہنچا اور اسے آپ کے سامنے رکھا اور کہا کھاؤ، جب اللہ کے رسول ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھا تو کہا بسم اللہ[2] پھر آپ نے کھایا: تو عداس نے آپ کے چہرے کی جانب تعجب سے دیکھا

---

[1] () سیرۃ بن ھشام (٢/ ٣٣)-البدایۃ والنھایۃ (٣/ ١٤٧)-زاد المعاد (٣/ ٢٨)-ودلائل النبوۃ لأبي نعیم (١/ ٢٩٦)۔

[2] () امام ابن قیم زاد المعاد (١/ ١٤٣) میں کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ اپنے کھانے کی ابتدا میں اللہ کا نام لیتے تھے اور اخر میں اللہ کا حمد بیان کرتے تھے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو کہتے تھے: ((الحمد لله الذی أطعم وسقی، وسوغه وجعل له مخرجا)) اس کی تخریج امام ابن حبان نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (٥٢٢٠) پر کی ہے اور اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں: جیسا کہ ان سے امام ابن القیم نے زاد المعاد (٤/ ٢١٣) میں نقل کیا ہے: جب کھانے کے وقت چار چیزیں جمع ہو جائیں تو کھانا مکمل ہو جاتا ہے:

۱-جب اللہ کا نام ابتدا میں لیا جائے، ۲-اور اخر میں اللہ کا شکر ادا کیا جائے، ۳-اور اس پر ہاتھ زیادہ ہوں، ۴-اور حلال مال سے ہو۔

اور کہا: اللہ کی قسم یہ کلام تو اس شہر والوں کا نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا: تم کس شہر سے ہو اور تمہارا دین کیا ہے۔[1]

اس نے کہا: میں نصرانی ہوں اور میں نینوا[2] کا رہنے والا ہوں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا: نیک آدمی یونس بن متی کے گاؤں سے؟ تو عداس نے کہا: آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے خبر ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وہ میرے بھائی ہیں وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔

یہ سن کر عداس اللہ کے رسول ﷺ کے سر کو چومنے لگا آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا اور وہ اسلام لے آیا۔[3]

ربیعہ کے دونوں بیٹوں نے جب یہ ماجرہ دیکھا تو ایک نے دوسرے سے کہا: رہی بات تمہارے غلام کی تو اس نے اسے تمہارے اوپر خراب کر دیا ہے جب عداس ان کے پاس آیا تو اس سے دونوں نے کہا: اے عداس تم نے اس کے سر کو اور ہاتھ پاؤں کو کیوں چوما؟

---

[1]() شیخ علی طنطاوی اپنی کتاب رجال من التاریخ میں صفحہ نمبر ۷۲ پر کہتے ہیں: اور یہاں پر ایک بہت ہی عجیب موقف ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس سخت حالت میں اور اس سخت ترین موقف میں جس میں بہادر سے بہادر ناامید ہو جائیں اپ ﷺ نے یہ خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ کمزور شخص جس کو عداس کہا جاتا ہے وہ دعوت کو قبول کر لے چنانچہ اپ ﷺ کو جو بھی پریشانیاں لاحق ہوئی تھیں ان سے اپ ﷺ مایوس ہو کر اس تک دعوت پہنچانے سے نہیں رکے بلکہ اپ ﷺ اس کی طرف گئے اپنے تمام تھکان اور تکلیف کو بھول گئے یہاں تک کہ عداس مسلمان ہوئے اور یہ نبی ﷺ کے لیے بہت چھوٹا موقف تھا لیکن پوری تاریخ میں دعاۃ کے لیے بہت عظیم موقف ہے اور کوئی باحث دعوت کے لیے اخلاص اور اس کے لیے اپنے اپ کو بھول جانے کے سلسلے میں کسی دوسرے شخص کا موقف اس طرح نہیں پائے گا جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا موقف تھا۔

[2]() نینوی: پہلا حرف زیر کے ساتھ ہے اور دوسرا سکون کے ساتھ ہے یہ یونس بن متی علیہ السلام کا موصل میں جو عراق کا شہر ہے ان کا گاؤں تھا۔ دیکھئے: معجم البلدان (۵/ ۳۹۱)۔

[3]() عداس رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور ان کا شمار صحابہ میں سے ہوتا ہے اور تیمی کی سیرت میں ہے کہ عداس نے کہا تھا کہ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں دیکھیے: الإصابة (٤/ ٣٨٥)۔

اس نے کہا: اے میرے آقا اس شخص سے بہتر نظام پر کوئی نہیں ہے مجھے اس نے ایک ایسی خبر دی ہے جو نبی کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا ان دونوں نے اس سے کہا عداس تمہاری بربادی ہو وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر نہ دے بے شک تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے۔[1]

(1) سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۳٤)۔البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۱٤۷)۔شرح المواھب (۲/ ۵۰)۔طبقات ابن سعد (۱/ ۱۰۲)۔زاد المعاد (۳/ ۲۸)۔

● اللہ کے رسول ﷺ کی مکہ واپسی:

پھر آپ ﷺ طائف سے ہم و غم اور حزن کے ساتھ مکہ واپس ہوئے آپ کو افاقہ اس وقت ہوا جب آپ قرن ثعالب پر پہنچے۔

شیخان نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے نبی پاک ﷺ سے کہا کہ کیا آپ پر احد والے دن سے زیادہ سخت کوئی اور دن بھی آیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تمہاری کی قوم سے کافی تکلیف لاحق ہوئی[1] سب سے زیادہ سخت عقبہ والے دن کی پریشانی تھی میں نے اپنے نفس کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال پر پیش کیا مگر اس نے میری بات نہ مانی، میں وہاں سے نکلا اور میں اپنے چہرے کے بل غم میں مبتلا تھا، مجھے اس وقت تک افاقہ نہ ہوا جب تک کہ میں قرن ثعالب[2] پر نہ پہنچ گیا، پھر میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو میں نے ایک بدلی دیکھی جس نے مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا میں نے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ موجود تھے انہوں نے مجھے پکارا اور کہا کہ اللہ رب العالمین نے تمہارے لئے تماری قوم کی بات سن لی ہے اور انہوں نے کیا جواب دیا یہ بھی اللہ رب العالمین نے سن لیا ہے، اللہ رب العالمین نے تمہارے پاس پہاڑوں کے فرشتوں کو بھیجا ہے تاکہ تم میں اسے جو چاہو حکم دو پھر پہاڑوں کا فرشتہ مجھ سے مخاطب ہوا مجھ پر سلام پیش کیا اور کہا: اے محمد جو چاہو حکم آج تمہاری مرضی ہے اگر چاہو تو میں ان دونوں پہاڑوں[3] کو ان پر بٹھادوں تو

---

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: آپ ﷺ کے فرمان میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے قوم سے مراد قریش ہیں نہ کہ اہل طائف جو کہ ثقیف سے ہیں کیونکہ قریش کے لوگ ہی اپ ﷺ کے ثقیف کے پاس جانے پر ابھارنے والے سبب تھے اور اس لیے کہ ثقیف کے لوگ عائشہ رضی اللہ عنہ کے قوم سے نہیں تھے۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٦/ ٤٦٢) لکھتے ہیں کہ: قَرْنُ الثعالِبِ: یہ اُھلِ نَجْدٍ کا مِیقَاتُ ہے، اور اسے قرنُ المنازِلِ بھی کہا جاتا ہے۔
میں کہتا ہوں: قرنُ المنازل آج کل مکہ سے تقریباً (٨٠) کلومیٹر دور ہے۔

[3] () مکہ کے گرد موجود دو پہاڑ ابو قبیس اور احمر کے نام سے جانے جاتے ہیں یہ ایسا پہاڑ ہے جس کا رخ جبل قویقعان پر نکلتا ہے ~~اور اخشب ہر بڑے پتھر والے سوکھے پہاڑ کو کہا جاتا ہے~~، دیکھیے: النھایۃ (٢/ ٣١)۔

آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ مجھے امید ہے[1] کہ اللہ رب العزت ان سے ایسے لوگ نکالیں گے جو اللہ رب العالمین کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔[2]

میں کہتا ہوں کہ: اللہ رب العالمین نے ان کافروں کے سلسلے میں اپنے نبی کی دعا کو قبول کی چنانچہ ابو طالب کی پشت سے علی بن ابی طالب کو نکالا جعفر بن ابی طالب کو نکالا اور ابو جہل کی پشت سے عکرمہ بن ابو جہل کو نکالا اور ولید بن مغیرہ کی پشت سے خالد بن ولید کو نکالا اور عاص بن وائل کی پشت سے عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ کو نکالا اور مطعم بن عدی کی پشت سے جبیر بن مطعم کو نکالا اور ان کے علاوہ بہت سارے لوگ جو انہیں کفار کے پشت سے پیدا ہوئے۔

● ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کا جنوں کے اسلام لانے سے متعلق ایک وہم:

ابن اسحاق[3]، ابن سعد[4] نے اور ابن القیم نے زاد المعاد[5] میں ذکر کیا ہے کہ جنوں نے نبی پاک ﷺ کی قراءت پہلی بار اس وقت سنی جب اللہ کے رسول ﷺ طائف سے واپسی کی

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٦/ ٤٦٢) میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے قوم پر شفقت اور اپ کے صبر اور بردباری کا بیان ہے جو کہ اللہ تعالی کے سورہ ال عمران {فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ} آیت نمبر 159 اور سورہ انبیاء کی {وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ} ایت نمبر 107 کی ایت میں موجود فرمان کے موافق ہے۔

[2] () صحيح البخاري - كتاب بدء الخلق - باب إذا قال أحدكم آمين - رقم حديث (٣٢٣١)۔ صحيح مسلم - كتاب الجهاد - باب ما لقي النبي - صلى الله عليه وسلم - من أذى المشركين والمنافقين - رقم حديث (١٧٩٥)۔ صحيح ابن حبان - كتاب التاريخ - باب صبر المصطفى - صلى الله عليه وسلم - على أذى المشركين - رقم حديث (٦٥٦١)۔

[3] () سيرة ابن هشام (٢/ ٣٥)۔

[4] () الطبقات الكبرى (١/ ١٠٢)۔

[5] () زاد المعاد (٣/ ٢٩)۔

اور نخلہ[1] نامی مقام پر رات گزاری تو وہیں پر وہ اسلام بھی لائے تھے یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ انہوں نے آپ ﷺ سے بعثت کے ابتدائی دنوں میں قرآن سنا تھا، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

● نبی ﷺ کا مکہ میں مطعم بن عدی کی پناہ میں داخل ہونا:

پھر اللہ کے رسول ﷺ مکہ آئے اور آپ کی قوم کے لوگوں نے اور زیادہ مخالفت ظاہر کی اور وہ آپ کے دین سے اور زیادہ بیزار ہو گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں داخلے کا ارادہ کیا تو زید بن حارثہ نے کہا کہ: آپ ان کے پاس کیسے جاؤ گے انہوں نے ہی تو آپ کو نکالا تھا؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے زید بے شک اللہ رب العالمین جو تم دیکھ رہے ہو اس سے نکلنے کا راستہ بنانے والے ہیں اللہ رب العالمین اپنے دین کو بلند کرنے والا ہے اللہ رب العالمین نبی کو غالب کرنے والا ہے۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ حرا کے پاس پہنچے، اور آپ نے خزاعہ کے ایک شخص کو جن کا نام عبداللہ بن اریقط تھا اخنس بن شریق کی جانب ان سے پناہ طلب کرنے کے لئے بھیجا، تو اخنس نے کہا کہ: میں قریش کا حلیف ہوں یہ کہہ کر انہوں نے آپ ﷺ کو پناہ دینے سے منع کر دیا۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا کہ وہ آپ کو پناہ دیں تو سہیل ابن عمرو نے کہا: بے شک بنو عامر بن لوی بنو کعب کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتے اس طرح سہیل بن عمرو نے بھی آپ ﷺ کو پناہ دینے سے منع کر دیا۔

پھر آپ ﷺ نے مطعم بن عدی[2] کے پاس بھیجا کہ وہ آپ ﷺ کو پناہ دیں، تو مطعم نے ان کی بات مان لی اور انہوں نے عبداللہ بن اریقط سے کہا: جاؤ محمد سے کہو کہ وہ آ جائیں۔

---

[1]() نخلہ: حجاز میں مکہ سے قریب ایک جگہ ہے جس میں بہت سارے کھجور کے درخت اور مختلف کھیتی باڑی ہیں، دیکھیے: (۸/ ۳۸۱)۔

[2]() مطعم ابن عدی کفر کی حالت میں ہی فوت ہوئے۔

چنانچہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس واپس گئے اور انہوں نے وہ رات وہیں گزاری جب صبح ہوئی تو مطعم بن عدی نمودار ہوئے وہ اور ان کے چھ یا سات بیٹے سبھی ہتھیار سے لیس تھے اسی حالت میں وہ مسجد میں میں داخل ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ سے کہا: آپ طواف کریں اور اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کے ارکان کے پاس رہ کر اللہ کے رسول ﷺ کی نگرانی کریں۔

یہ دیکھ کر ابو سفیان مطعم بن عدی کے پاس آئے اور کہا: کیا تم نے پناہ دیا ہے یا تم نے ان کے پیروی کی ہے؟[1]

مطعم نے کہا: نہیں بس میں نے پناہ دی ہے۔

ابو سفیان نے کہا: تب تو ہم تمہارے ذمہ داری کو نہیں توڑیں گے جس کو تم نے پنادی ہم بھی اس کو پنادیتے ہیں پھر وہ ان کے ساتھ بیٹھ گئے یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی طواف مکمل کرلی، پھر جب آپ ﷺ واپس ہوئے تو وہ بھی آپ کے ساتھ واپس گئے اور ابو سفیان اپنے مجلس کی طرف لوٹ گیا۔[2]

• مطعم بن عدی کے ساتھ نبی ﷺ کی وفاداری:

مطعم بن عدی کے اسی عمل کے سبب جب اللہ کے رسول ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں کہا تھا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں بات کرتے تو میں انہیں ان کی وجہ سے چھوڑ دیتا۔[3]

---

[1] () یعنی اپ نے ان کی پیروی کی اور ان کے دین میں داخل ہو گئے۔

[2] () اللہ کے رسول ﷺ کے طائف جانے اور اس سے واپس آنے کی تفصیل دیکھیے: زاد المعاد (۳/ ۳۸ - ۴۰)- شرح المواهب (۲/ ۴۹ - ۶۶)- سیرۃ ابن هشام (۲/ ۳۲ - ۳۵)- البدایۃ والنهایۃ (۳/ ۱۴۷)- سبل الهدی والرشاد (۲/ ۴۳۸ - ۴۴۰)- الطبّقات الکُبری لابن سعد (۱/ ۱۰۱ - ۱۰۲)- دلائل النبوۃ للبیهقي (۲/ ۴۱۵ - ۴۱۷)۔

[3] () اس حدیث کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں- کتاب الخمس- باب ما مَنّ النبي- صلی اللّٰہ علیہ وسلم- علی الأساری من غیر أن یخمس- حدیث نمبر (۳۱۳۹)- اور کتاب المغازي- باب رقم (۱۲)- رقم حدیث (۴۰۲۴)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں کہتے ہیں: یعنی: بغیر فدیہ لیے، پھر حافظ ابن حجر نے ان کی وجہ سے انہیں چھوڑنے کا سبب بیان کیا، کیونکہ مطعم بن عدی گھاٹی میں قید ہونے کے وقت بنو ہاشم کے خلاف قریش اور ان کے ساتھیوں کے لکھے ہوئے صحیفہ کو چاک کرنے میں سب سے سخت تھے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ انہوں نے نبی پاک ﷺ کو طائف سے واپسی کے بعد مکہ میں داخل ہوتے وقت پناہ دی تھی۔ (1)

امام زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ آپ ﷺ کے بلند اخلاق میں سے ہے کہ آپ نے فتح اور کامیابی کے وقت مطعم بن عدی کے اس احسان کو یاد کیا۔ (2)

● ابو جہل لعنہ اللہ کا استہزاء:

اور ابو جہل نے -اس پر اللہ کی لعنت ہو- نبی ﷺ کا مذاق اڑانے کا ارادہ سے کہا کہ نبی کو پناہ کی ضرورت کیسے ہو سکتی ہے گویا وہ یہ کہہ رہا تھا کہ آپ کی حفاظت کے لئے فرشتے کیوں نہیں نازل ہوئے؟۔

اس نے -اس پر اللہ کی لعنت ہو- جب آپ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا جب مشرک لوگ کعبہ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو کہا: اے بنو عبد مناف یہ تمہارا نبی ہے، تو عتبہ بن ربیعہ نے اس کا جواب دیا اور کہا: تم کیا انکار کرتے ہو کہ ہم میں سے نبی ہو یا فرشتہ؟

جب ان کو یہ کہتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے سنا تو ان سے آپ علیہ السلام نے کہا اے عتبہ بن ربیعہ جہاں تک تمہاری بات ہے تو تم نے اللہ اور اس کے رسول کی حمایت نہیں کی ہے تم نے تو اپنی حمایت کی ہے اور اے ابو جہل بن ہشام رہی بات تمہاری تو اللہ کی قسم تمہارے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے یہاں تک کہ تم تھوڑا ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے اور اے قریش کی جماعت پوری

---

[1] () فتح الباري (٨/ ٥٩ - ٦٠)۔

[2] () شرح المواهب (٢/ ٦٧)۔

جماعت تم پر بھی زیادہ دن نہیں آئیں گے یہاں تک کہ تم ایسے معاملے کو اپناؤ گے جس کو تم ناپسند کرتے ہو حالانکہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو۔[1]

[1] () اس کی تخریج امام طبری نے اپنی تاریخ (۱/ ۵۵۵) میں بغیر سند کے اور ابن سعد نے اپنی طبقات (۱/ ۱۰۲) میں واقدی کے طریق سے کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

اسراء اور معراج

اسراء اور معراج کا یہ واقعہ لمبی مدت سے نبی ﷺ کے دعوت کا کام انجام دینے اور مشرکین کے تکلیفوں، ان کی جفاؤں ان کی سرکشی کے بدلے میں صبر کرنے پر تکریم اور ثابت قدم رہنے پر ہمت افزائی کے طور پر پیش آیا۔

● اسراء سے مراد:

فتح الباری میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ: "أسری" یہ "سری" سے ماخوذ ہے جو رات میں چلنے کو کہا جاتا ہے، جیسے آپ کہتے ہیں: "أسری" اور "سری" جب کوئی رات میں چلے، ان دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔[1]

فرمان باری تعالیٰ: ﴿أسری بعبدہ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے براق کو تیار کیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو لے کر کے چلے۔

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿بعبـــدہ﴾ سے مراد محمد ﷺ ہیں، اس پر سب کا اتفاق ہے اور ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہے اور اضافت "شرف و مقام" کو واضح کرنے کے لئے ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ﴿لـیلا﴾ یہ "اسراء" کا ظرف ہے جو کہ تاکید کے لئے ہے، اور کہا جاتا ہے: یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رات کے بعض حصے میں واقع ہوئی نہ کی پوری رات میں، عرب کہتے ہیں "سری فـلان لـیلا" جب کوئی رات کا بعض حصہ چلے اور جب کہتے ہیں "سری لیلـــۃ" تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ پوری رات چلے یعنی کہ[2] "اسری" اسی وقت کہا جاتا ہے جب چلنا

[1] () فتح الباري (٧/ ٥٩٧)۔ لسان العرب (٦/ ٢٥٢)۔
[2] () فتح الباري (٧/ ٥٩٧)۔

رات کے درمیانی حصے میں واقع ہو اور جب رات کی ابتدا میں یہ واقع ہو تو "ادلج" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

یہاں اسراء سے مراد وہ سفر ہے جس کے ذریعے سے اللہ رب العالمین نے اپنے نبی کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جا کر عزت بخشی۔

● معراج[1] سے مراد:

رہی بات معراج کی تو یہ اس سفر کے بعد آپ ﷺ کے اونچے آسمانوں تک چڑھنے اور اس مستوی تک پہنچنے کو کہا جاتا ہے جہاں پر بندوں کی معرفت کام نہیں کرتی۔

اللہ رب العالمین نے قرآن کریم میں اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دو مختلف سورتوں میں اس کی وضاحت کی ہے چنانچہ سورہ اسراء میں اللہ رب العالمین نے اسراء کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ اسراء: ۱۔

اور معراج کا قصہ اللہ رب العالمین نے سورہ نجم میں بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ - عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ - عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ - إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ - مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ - لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ نجم: 13۔18۔

(1) مِعْرَاجُ: میم کے زیر کے ساتھ ہے جس کا معنی ہوتا ہے سیڑھی اور عروج صعود یعنی چڑھنا کے معنی میں ہے، دیکھئے: النہایۃ (۳/ ۱۸۴)۔

● اسراء اور معراج کے سلسلے میں اخبار متواتر ہیں:

حافظ ابو خطاب عمر بن دحیہ اپنی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر میں کہتے ہیں جہاں پر انہوں نے ابن کثیر سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اسراء کے سلسلے میں حدیث متواتر ہے جو درج ذیل صحابہ کرام سے مروی ہے:

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ، علی ابن ابی طالب طالب، ابن مسعود اور ابوذر، مالک ابن صعصعہ اور ابوہریرہ اور ابو سعید، ابن عباس، شداد بن اوس، ابی بن کعب، عبدالرحمان ابن قرط، ابو حبہ، اور ابو لیلی انصاری، عبداللہ بن عمرو، جابر، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، ابوامامہ سمرہ بن جندب، ابوالحمراء، صہیب رومی اور ام ہانی اور عائشہ اور اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ان میں سے کچھ لوگوں نے اسے مکمل طول کے ساتھ بیان کیا ہے اور کچھ لوگوں نے نے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے جو مسانید میں موجود ہیں اگرچہ بعض لوگوں کی روایتیں صحت کی شرط کو نہیں پہنچتی ہیں اسراء کی حدیثوں پر مسلمانوں کا اجماع ہے جبکہ ملحدوں نے ان پر اعتراض کیا ہے ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ الصف: 8 (1)

● اسراء اور معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟:

اسراء اور معراج کے پیش آنے کے واقعہ کے وقت کے سلسلے میں اختلاف ہے، کہا گیا ہے کہ: ہجرت سے ایک سال پہلے جیسا کہ ابن سعد(2) کا کہنا ہے اور اسی کی نووی نے تاکید کی ہے اور ابن

1() تفسیر ابن کثیر (۵/ ۴۵)۔

2() ابن سعد اپنی طبقات (۱/ ۱۰۳) میں کہتے ہیں اسرا اور معراج ہجرت کے ایک سال پہلے ماہ ربیع الاول کی ۷ تاریخ کو پیش آیا۔

حزم نے اس کے بارے میں اجماع نقل کیا ہے جو کی مردود ہے، کیونکہ اس سلسلے میں بہت اختلاف ہے واضح رہے کہ اس بارے میں دس اقوال سے زائد ہیں۔[1]

اور کہا گیا ہے کہ: یہ رجب میں تھا ابن عبدالبر نے اس کی حکایت کی اور نووی نے اسے صیغہ جزم کے ساتھ "الروضہ" کے اندر نقل کیا ہے اور کہا گیا ہے یہ ہجرت سے 3 سال پہلے کا واقعہ ہے جسے ابن اثیر کی روایت کیا ہے۔[2]

میں کہتا ہوں کہ: جس میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ نبی پاک ﷺ کے طائف سے واپسی کے بعد پیش آیا لیکن حتمی دن اور مہینہ اور وہ سال جس میں یہ واقعہ ہوا وہ متعین نہیں ہے۔[3]

● اسراء اور معراج کا سفر بدن اور روح دونوں کے ساتھ تھا:

صحیح بات یہی ہے کہ اسراء اور معراج کا سفر آپ ﷺ کے بدن اور روح دونوں کے ساتھ تھا۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک درست بات یہی ہے کہ یہ کہا جائے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے بندے محمد ﷺ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک راتوں رات کا سفر کرایا، جیسا کہ اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو بتایا ہے اور جیسا کہ آپ ﷺ سے اس بارے میں اخبار وارد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو براق پر سوار کیا جو کہ آپ کو لے کر وہاں پہنچا اور آپ ﷺ نے وہاں پر انبیاء اور رسولوں کی امامت کرائی اور اللہ رب العالمین نے آپ کو کئی نشانیاں دکھائیں اور ان لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کے روح کے ساتھ معراج

---

[1] فتح الباري (٧/ ٢٠٢)۔
[2] الكامل في التاريخ لابن الأثير (١/ ٦٥٠)۔
[3] فتح الباري (٧/ ٢٠٢)۔

کرائی گئی بدن کے ساتھ نہیں کیونکہ اگر بات ان کے کہنے کے مطابق ہو تو اس میں کوئی ایسی چیز نہ ہوتی جو نبوت کے بارے میں دلیل ہو اور نہ ہی آپ کی رسالت پر کوئی حجت ہوتی نہ ہی مشرکوں میں سے انکاریوں کے انکار کی کوئی حقیقت ہوتی اور نہ ہی آپ کی سچائی پر کوئی سوال اٹھاتا کیونکہ یہ چیز ان کے یہاں قابل تردید نہ ہوتی اور نہ ہی بنو آدم میں سے فطرت صحیح کا مالک کوئی شخص انکار کرتا کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ خواب میں ساری چیزیں ممکن ہے انسان خواب میں سال بھر کا سفر کر لیتا ہے تو ایک مہینے یا اس سے کم کی مسافت پر شبہ کیوں کرتے اور اس کے بعد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر یہ خبر دی ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو رات سفر کرائی ہے نہ کہ اپنے بندے کی روح کو سفر کرائی اور اللہ کی بات سے تجاوز کرنا کسی کے لئے درست نہیں اور اللہ رب العالمین کے فرمان: ((أسری بعبدہ)) ایسی کوئی دلالت نہیں ہے کہ اللہ رب العالمین اپنے بندے کے روح کو سفر کرائی، بلکہ دلیل اس بارے میں بالکل واضح ہے اور آپ ﷺ سے حدیث اس بارے میں واضح ہیں کہ آپ ﷺ کو ایک چوپائے پر سفر کرایا گیا جسے براق کہا جاتا تھا اگر وہ روح کے ساتھ ہوتی تو روح کو براق پر سوار نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ چوپائے پر جسموں کو سوار کیا جاتا ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: علماء میں سے اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے کہ آپ ﷺ کو بدن اور روح کے ذریعے سے یا نزع کی حالت میں بیداری کی حالت میں اسراء کرایا گیا نہ کہ خواب میں اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ اور تسبیح یہ بڑے معاملے پر کہی جاتی ہے اگر یہ خواب کی حالت میں ہوتا تو اس میں کوئی بڑی بات نہیں تھی اس میں کوئی عظیم چیز نہ تھی اور کفار قریش آپ کو جھٹلانے کے لیے جلدی نہ کرتے اور بہت سارے لوگ جو آپ پر اسلام لا چکے تھے وہ دین سے نہ پھرتے اور یہ بھی بات ہے

[1] () تفسير الطبري (٨/ ١٦)۔

کہ "عبد" کا لفظ یہ روح اور جسم کے مجموعے کا نام ہے، اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے: ((أسری بعبدہ لیلا ﴾۔

اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وما جعلنا الرؤیا التی أرینك إلا فتنة للناس ﴾ اسراء: 60۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ: یہ آنکھ کی رؤیت ہے، جسے اللہ کے رسول ﷺ کو اس رات دکھایا گیا جس رات اسراء کا واقعہ پیش آیا اور ملعون درخت سے مراد: تھوہڑ کا درخت ہے۔ [2]

پھر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ ما زاغ البصر وما طغی ﴾ النجم: 17 اور "بصر" یہ ذات کے آلات میں سے ہے روح کے آلات میں سے نہیں ہے اور یہ بھی کہ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا تھا جو ایسے سفید جانور کو کہا جاتا ہے جو چمکتا ہے وہ بدن کے لئے ہوتا ہے روح کے لئے نہیں، کیونکہ روح کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے کسی سواری کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، واللہ اعلم۔ [3]

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اندر لکھا ہے کہ: اس سلسلے میں وارد اخبار کے حساب سے سلف میں اختلاف ہوا ہے، کچھ کہتے ہیں کہ: اسراء اور معراج کا سفر بعثت کے بعد ایک ہی رات میں بیداری کی حالت میں نبی ﷺ کے بدن اور روح کے ساتھ پیش آیا یہ محدثین فقہاء اور متکلمین میں سے جمہور علماء کا مسلک ہے اسی پر صحیح اخبار کا ظاہر بھی دلالت کرتا ہے اس سے عدول کسی بھی

---

[1] () حافظ ابن کثیر کی بات ان کی تفسیر (٥/ ٤٣ - ٤٤) میں دیکھئے۔

[2] () صحیح بخاری- کتاب التفسیر- باب وما جعلنا الرؤیا التی أریناک إلا فتنة للناس- رقم حدیث (٤٧١٦)، مناقب الأنصار- باب المعراج- رقم حدیث (٦٨٨٨)- مسند الإمام أحمد- رقم حدیث (١٩١٦)۔

[3] () تفسیر ابن کثیر ٥/ ٤٤۔

صورت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو عقل کو محال ہو جس کے سلسلے میں تاویل کی ضرورت پڑے۔ [1]

اسراء اور معراج صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا:

صحیح اور حسن احادیث کے مجموعہ سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ مکہ سے بیت المقدس کی طرف آپ کا راتوں رات جانا یہ ایک ہی بار واقع ہوا ہے اگرچہ راویوں کی عبارتیں ان کے ادا کے سلسلے میں مختلف ہیں، یا بعض لوگوں نے زیادتی کی اور بعض لوگوں نے کمی کی ہے کیونکہ خطا کا واقع ہونا انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ سے ممکن ہے اور جس نے ہر روایت جو دوسرے کے مخالف ہو اسے ایک الگ مرتبہ شمار کیا ہے تو اس نے اسراء کو کئی بار شمار کیا ہے اور یہ بہت ہی بعید اور غریب بات ہے اور یہ ایسی جگہ دوڑنا ہے جہاں جا کر کے پناہ نہ ملنے والی ہو اور نہ ہی کوئی مطلب حاصل ہونے والا ہو۔

بعض متاخرین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے بیت المقدس کی طرف صرف ایک بار اسراء کرایا گیا اور ایک مرتبہ مکہ سے آسمان تک اور ایک مرتبہ بیت المقدس سے آسمان تک ک اور بہت سارے لوگ اس مسئلہ سے خوش ہیں اور وہ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ اس طرح سے بہت سے اشکالات سے بچ سکتے ہیں مگر یہ بہت ہی دور کی کوڑی ہے یہ کسی بھی سلف سے وارد نہیں ہے اگر یہ متعدد بار ہوا ہوتا تو آپ اس کے بارے میں اپنی امت کو ضرور بتاتے اور لوگ ضرور اس کی تعداد اور تکرار کو ذکر کرتے۔ [2]

---

[1] () فتح الباري (٧/ ٥٩).

[2] () تفسیر ابن کثیر (٧/ ٤٢).

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ درست بات یہی ہے جس پر ائمہ نقل کا قول ہے کہ اسراء صرف ایک بار مکہ سے ہوا تھا بعثت کے بعد۔ [1]

● اسراء اور معراج کا قصہ:

رہی بات اسراء اور معراج کے قصے کہ تو شیخان نے اپنی صحیحین میں اسے روایت کیا ہے اسی طرح کئی اور ائمہ حدیث اور علماء سیرت نے نقل کیا ہے اور میں یہاں پر اس قصے کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا اور تمام روایتوں کے درمیان جمع کی کوشش کروں گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ نبی پاک ﷺ نے انہیں اس رات کی بابت بتایا جس میں آپ کو اسراء کرایا گیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ: میں حطیم [2] میں تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ ﷺ

---

[1] () زاد المعاد (۳/ ۳۸)۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۲۰۳) میں لکھتے ہیں کہ: یہ قتادہ کا شک ہے جیسا کہ امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۷۸۳۵) پر عفان بن ہمام کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور اس کا لفظ یہ ہے کہ جب میں حطیم میں سو رہا تھا اور بسا اوقات قتادہ نے کہا حجر میں سو رہا تھا اور حطیم سے مراد یہاں پر حجر ہے اور جن لوگوں نے حطیم سے مراد رکن اور مقام یا زمزم اور حجر کے درمیان کی جگہ کو مراد لیا ہے ان کا قول درستگی سے بہت دور ہے اور وہ اگرچہ حطیم کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا وہ حجر ہے یا نہیں لیکن یہاں پر اس زمین کے ٹکڑے کا بیان مقصود ہے جس میں وہ واقعہ پیش آیا تھا اور صحیح بخاری میں بدء الخلق کی ابتدا میں حدیث نمبر (۳۲۰۷) میں وارد ہوا ہے کہ جب میں بیت اللہ کے پاس تھا اور یہ زیادہ عام ہے اور صحیح بخاری میں زہری کی روایت میں حدیث نمبر (۳۴۹) میں انس کے حوالے سے ابوذر کے واسطے یہ بات موجود ہے کہ میرے گھر کے چھت کو کھولا گیا اور میں اس وقت مکہ میں تھا اور واقدی کی سندوں کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ آپ کو شعب ابی طالب سے اسرا کرایا گیا اور ام ہانی کی حدیث میں طبرانی کے یہاں ہے کہ آپ ان کے گھر میں سو رہے تھے وہ کہتی ہیں پھر میں نے رات میں اپ کو گھر میں نہیں پایا تو اپ نے فرمایا: بے شک جبرائیل میرے پاس ائے تھے اور ان اقوال کے درمیان جمع کی صورت یہ ہے کہ اپ ام ہانی کے گھر میں سوئے ہوئے تھے جو شعب ابی طالب کے پاس ہے تھا چنانچہ ان کے گھر کی چھت کو کھولا گیا اور ان کی جانب گھر کی اضافت اس لیے کی گئی کیونکہ وہ وہاں رہا کرتے تھے چنانچہ فرشتہ وہاں سے ایا اور اپ کو اپنے گھر سے مسجد کی طرف لے کر گیا اس وقت اپ لیٹے ہوئے تھے اور اپ پر نیند کے اثار تھے پھر فرشتے نے اپ کو مسجد کی جانب نکالا اور اپ کو براق پر سوار کیا۔

نے کہا کہ: میں حجر میں لیٹا[1] ہوا تھا، میرے پاس ایک آنے والا[2] آیا اور اس نے سوراخ کیا، کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ اس نے یہاں سے یہاں تک چاک کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے جارود سے سے کہا جو کہ میرے بغل ہی بیٹھے ہوئے تھے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کہا: آپ کے سینے کے اوپری حصے سے گردن تک اور آپ کے ناف تک چیرا، پھر میرا دل نکالا اور پھر ایک سونے[3] کا طست[4] لایا گیا یا جس میں ایمان[5] بھرا ہوا[6] تھا اس نے میرے دل کو دھویا پھر بھر دیا

---

[1] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٠٤) میں کہتے ہیں کہ: امام بخاری نے اپنی صحیح میں بدخلق میں حدیث نمبر (٣٢٠٧) پر یہ اضافہ کیا ہے اپ نے کہا کہ: میں سوئے ہوئے شخص اور جاگنے والے شخص کے درمیانی حالت میں تھا اور یہ ابتدائی حالت پر محمول کیا جائے گا پھر جب اپ ﷺ کو مسجد کے دروازے پر لے جایا گیا اور براق پر سوار کیا گیا تو اپ ﷺ بیداری کی حالت میں ہی تھے۔

[2] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٠٥) میں لکھتے ہیں کہ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔

[3] () اور حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۰۵) میں لکھتے ہیں کہ: سونے کو خاص طور پر یہاں اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ وہ حسی برتنوں میں سب سے مہنگے اور صاف قسم کا برتن تھا اور اس لیے کیونکہ اس میں کچھ ایسی خاصیتیں پائی جاتی ہیں جو دوسرے میں نہیں ہوتیں اور اس کے یہاں ذکر کرنے کے بہت سے مناسبات ظاہر ہوتے ہیں انہیں میں سے ایک مناسبت یہ ہے کہ یہ جنت کے برتنوں میں سے ہے اور انہیں میں سے ایک خاصیت یہ ہے کہ اسے اگ نہیں کھاتی اور نہ ہی مٹی کھاتی ہے اور اسے زنگ بھی نہیں لگتا اور انہی میں سے یہ بھی ہے کہ یہ ثقیل ترین جواہرات میں سے ہے چنانچہ یہ مناسب ہوا کہ وہ وحی کی وزن کے مناسب ہو۔

[4] ()امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (۱۸۶/۲) میں کہتے ہیں کہ: یہ ایک خاص قسم کا برتن ہے۔
حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۶۰۵) میں لکھتے ہیں کہ: طست کو خاص طور پہ اس لیے ذکر کیا کیونکہ اس وقت غسل کے آلات میں سے سب سے مشہور آلہ یہی تھا۔

[5] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦٠٥) میں کہتے ہیں کہ یہ بھرا ہوا ہونا احتمال ہے کہ اپنے حقیقت پر رہا ہو اور معانی کے لیے جسم کا بنانا یہ جائز ہے جیسا کہ حدیث نے ایا ہے کہ سورہ بقرہ اور اہل عمران قیامت کے دن بدلی کے مانند ائیں گے۔

[6] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (٢/ ٦) میں کہتے ہیں کہ: معنی یہ ہے کہ اس طست میں وہ چیز رکھی گئی جس سے ایمان اور حکمت کا کمال حاصل ہوتا ہے چنانچہ ان کا نام حکمت اور ایمان مجازی طور پر دیا گیا یا اس کی مثال پیش کی گئی معانی کے تمثیل کے جواز کی بنا پر جس طرح سے کی اخرت میں موت کو مینڈھے کی شکل میں بنایا جائے گا حدیث میں ہے کہ موت کو قیامت کے دن لایا جائے گا گویا کہ وہ دھاری دار سیاہ مینڈھا ہو اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التفسیر - باب {وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ} حدیث نمبر (٤٣٧٠) اور مسلم نے اپنی صحیح کتاب الجنة وصفتها - باب النار يدخلها الجبارون میں حدیث نمبر (٢٨٤٩) پر کی ہے۔

[1] اور واپس کر دیا گیا پھر میرے پاس ایک چوپایا لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا جو سفید رنگ کا تھا وہ کہتے ہیں کہ جارود نے ان سے کہا کہ: وہ براق [2] تھا، اے ابو حمزہ؟ انس نے کہا: ہاں وہ اپنا قدم اپنی نظر کے انتہا کو رکھتا [3] تھا اسے لگام پہنایا گیا تھا جب اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر سوار ہونے کا ارادہ کیا تو چوپائے نے آپ کو دشوار تصور کیا تو جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تو محمد ﷺ کے ساتھ ایسا کر رہے ہو آج تک تمہاری ان سے زیادہ اچھے انسان نے کبھی نہیں کی ہو گی [4]
راوی کہتے ہیں: پھر اسے پسینہ چھوٹ گیا۔ [1]

---

[1]() صحیح بخاری میں شریک کی روایت میں حدیث نمبر (۷۵۱۷) پر ہے وہ کہتے ہیں کہ پھر اس کے ذریعے سے اپ کے سینے کو بند کر دیا اور اپ کے حلق کی رگوں کو جوڑ دیا۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۲۰۶) میں کہتے ہیں: یہ قصہ بہت سے ایسے معجزات پر مشتمل ہے جس کا سننے والا ہی دنگ رہ بجائے اس کہ کوئی اسے دیکھے، عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جس کے پیٹ کو پھاڑا جائے اور اس کے دل کو نکال لیا جائے تو وہ مر ہی جاتا ہے اس کے باوجود بھی اپ ﷺ پر اس کی وجہ سے کوئی تکلیف نہ ہوئی اور اپ نے کوئی شدت محسوس نہ کی چہ جائے کہ اپ کو کوئی اور مسئلہ در پیش ہوا ہو۔

[2]() حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ٦٠٧) میں لکھتے ہیں کہ: براق کا نام بریق سے مشتق ہونے کی وجہ سے رکھا گیا چنانچہ اس کے رنگ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ سفید تھا یا برق سے مشتق ہونے کی وجہ سے اس کا نام براق پڑا کیونکہ یہ تیز رفتاری کی صفت کی وجہ سے ہو گا یا لوگوں کے قول شاۃ برکاء سے یہ نام پڑا جب جو کہ لوگ اس وقت کہتے ہیں جب کسی بکری کا اون سفید ہو اور اس کے درمیان میں کالی دھاریاں ہوں اور حدیث میں اس کے سفید رنگ کے ہونے کی صفت سے اس کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ کالی دھاری دار بکریوں کا شمار بھی سفید بکریوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

[3]() حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ٦٠٦) میں لکھتے ہیں کہ: یعنی وہ اپنے پیر کو اس جگہ رکھتا ہے جہاں اس کے نگاہ کی اخری حد ہوتی ہے اتنی مقدار میں اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب المناقب - باب المعراج حدیث نمبر (۳۸۸۷) پر اور امام احمد نے اپنی مسند (۱۷۸۳۵) میں حدیث نمبر پر روایت کیا ہے۔

[4]() حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ٦٠٧) میں لکھتے ہیں کہ: اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ براق انبیاء کرام کے سواری کے لیے تیار کیا گیا تھا ان لوگوں کے برخلاف جو اس کی نفی کرتے ہیں چنانچہ امام نسائی نے یزید بن ابو مالک کی طریق سے انس کے حوالے سے موصول طور پر روایت کیا ہے اور انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اسے اپ سے پہلے انبیاء کے لیے بھی مسخر کیا جاتا تھا اور ان کے قول کا ظاہر بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

اور صحیح مسلم (١٦٢) میں حدیث نمبر میں ایا ہے کہ اپ ﷺ نے فرمایا: چنانچہ انہوں نے اس براق کو اس کڑے سے باندھا جس سے اس کو انبیاء کرام باندھا کرتے تھے۔

پھر نبی پاک ﷺ براق پر سوار ہوئے یہاں تک کہ بیت المقدس [2] پہنچ گئے اور وہاں اس حلقے سے اسے باندھا جس پر تمام انبیاء کرام اپنے سواریوں کو باندھا کرتے تھے اور پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی پھر نکل گیا۔ [3]

● وہ نشانیاں جنہیں اللہ نے نبی پاک ﷺ کو بیت المقدس کے راستے میں دکھائیں:

بیت المقدس کی طرف راستے میں اللہ کے رسول ﷺ نے چند مناظر دیکھی انہیں میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

□ پہلا مشہد

امام مالک نے موطا میں میں یحی بن سعید سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو جب اسراء کرایا گیا تو آپ نے جنوں میں سے ایک فرد کو دیکھا جسے آگ کا ایک شعلہ تلاش کر رہا تھا جب بھی اللہ کے رسول ﷺ اس کی جانب مڑتے اسا ے دیکھتے تھے، تو حضرت جبرئیل آپ

اور امام سہیلی الرّوض الاُونف (٢/ ١٩٤) میں کہتے ہیں کہ: ان پر یہ بات مشکل ہوئی ہے کہ اپ سے پہلے انبیاء کے براق پر سواری کا زمانہ بہت دور کا ہے اور اپ ﷺ اور عیسی علیہ السلام کے درمیان ایک لمبی مدت گزری ہے۔

[1] () صحیح ابن حبان - کتاب الاسراء - باب استصعاب البراق عند رکوب النبي - صلی اللہ علیہ وسلم - رقم حدیث (٤٦) — جامع الترمذي - کتاب التفسیر - باب ومن سورۃ بنی اسرائیل - رقم حدیث (٣٣٩٧) — اور اس کی سند صحیح ہے۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٥٩٥) میں لکھتے ہیں کہ: بیت المقدس تک راتوں رات چلنے کی حکمت یہ ہے تاکہ اللہ تعالی اپ ﷺ کو اس رات میں دونوں قبلہ دکھادے یا یہ کہ بیت المقدس اپ ﷺ سے بیشتر انبیاء کے ہجرت کی جگہ تھی چنانچہ اپ کے لیے اس کی جانب سفر کو اسان کیا گیا تھا کہ بہت سارے فضائل اپ کے لیے اکٹھا ہو جائیں یا اس لیے کہ وہ محشر کی جگہ ہیں اور بیشتر وہ واقعات جو اس رات اپ کے ساتھ پیش ائیں وہ اخروی حالات کے لیے مناسب ہیں چنانچہ وہاں سے معراج کرنا اس کے لیے زیادہ مناسب تھا یا یہ حسی اور معنوی طور پر اپ کے لیے تقدیس کی قسموں کے حصول کے لیے اچھا شگون کے طور پر تھا۔

[3] () صحیح الامام مسلم - کتاب الایمان - باب الاسراء بالرسول - صلی اللہ علیہ وسلم - رقم حدیث (١٦٢)۔

سے کہتے کہ کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتادوں جسے تم کہو اور جب تم کہو گے تو وہ شعلہ بجھ جائے گا اور وہ منہ کے بل گر پڑے گا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔

جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ تم کہو: میں اللہ رب العالمین کے ذریعے سے پناہ مانگتا ہوں ان کلمات کے ذریعہ سے جن کو کوئی بھی نیک یا فاجر تجاوز نہیں کر سکتا ہے آسمان سے نازل ہونے والی شر سے اور جو اس کی جانب اوپر جاتی ہے اور جو بھی شر زمین میں پیدا ہوتی ہے اور جو بھی شر اس سے نکلتی ہے اور رات اور دن کے فتنوں سے اور رات اور دن کے حوادث سے سوائے اس آنے والے کے جو خیر کے ساتھ آتا ہے اے اللہ۔[1]

□ دوسرا مشہد:

اللہ کے رسول ﷺ نے دجال کو دیکھا امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ کو بیت المقدس کی جانب اسراء کرایا گیا پھر آپ اس رات آئے تو انہیں اپنے جانے کی خبر بتائیں اور آپ ﷺ نے کہا کہ آپ نے دجال کو بھی ابھی اس کی اصل حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے چنانچہ نبی ﷺ سے دجال کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے کہا: میں نے اس کو دیکھا جو بہت بڑی جسامت والا بہت سفید اور سفیدی سے بھرپور تھا اس کی ایک آنکھ اپنی صحیح جگہ پر تھی جیسے وہ چمکتا ہوا ستارہ ہو اور اس کے سر کے بال جیسے درخت کی شاخیں ہوں۔[2]

---

[1] ()الموطأ لِلإمام مالک-کتاب الشعر-باب مایؤمر بہ من التعوذ-رقم حدیث(۱۰)-مرسل-اور اسے إمام أحمد نے مسند میں موصولا روایت کیا ہے-اور اس کی إسنادہ حسن ہے-مزید دیکھئے: جامع الأصول(٤/ ٣٦٧)-والسلسلة الصحيحة للألباني رَحِمَہُ اللہُ-رقم حدیث(٨٤٠)۔

[2] ()مسند الإمام أحمد-رقم حدیث(٣٥٤٦)-أور اسے حافظ ابن کثیر نے تفسیر(٥/ ٢٨)میں روایت کیا ہے—اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

□ تیسرا مشہد:

امام بیہقی نے اپنی دلائل میں انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے اسراء والی حدیث میں کہا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ چلے اور جب آپ ﷺ نے راستے کے کنارے دیکھا تو ایک بوڑھی عورت تھی، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر گویا میں ایسی جگہ ہوں جہاں ایک عورت اپنے بازوؤں کو کھولے ہوئے بیٹھی ہوئی ہے اور اس پر اللہ کی پیدا کی ہوئی ساری زینتیں تھیں اس نے کہا: اے محمد مجھے ذرا مہلت دو میں تم سے سوال کرتی ہوں تاکہ پھر میں کسی اور کی طرف توجہ نہ دوں ابھی میں اس کے پاس کھڑا نہ ہوا تھا اور میں نے کہا: اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اے محمد آپ چلتے جاؤ جتنا اللہ تعالی نے چاہا آپ چلے پھر میں نے دیکھا کہ: ایک چیز مجھے سڑک کے کنارے سے بلا رہی ہے وہ کہہ رہی ہے اے محمد آپ آجائیں پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا: اے محمد آپ چلتے جائیں چنانچہ جتنا اللہ نے چاہا آپ چلے یہاں تک کہ آپ بیت المقدس پہنچ گئے پھر جبریل علیہ السلام نے آپ سے کہا کہ: سڑک کے کنارے آپ نے جو وہ بوڑھی عورت دیکھی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عمر صرف اتنی ہی بچی ہے جتنی اس بوڑھی عورت کی زندگی باقی ہے اور جو یہ چاہتا تھا کہ تم اس کے جانب مائل ہو تو وہ اللہ کا دشمن ابلیس تھا وہ چاہ رہا تھا کہ تم اس کے جانب متوجہ ہو جاؤ۔(1)

□ چوتھا مشہد:

اللہ کے رسول ﷺ نے بیت المقدس کے اپنے راستے میں فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت کی قبر کے خوشبو کو محسوس کیا، امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند حسن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس

---

[1] ()البيهقي في دلائل النبوة (٢/ ٣٦٢ - ٣٩٠)۔

رات مجھے اسراء کرایا گیا مجھے ایک بہت تیز خوشبو محسوس ہوئی میں نے کہا: اے جبریل یہ خوبصورت خوشبو کیسی ہے؟

انہوں نے کہا: یہ خوشبو فرعون کی بیٹی اور اس کے اولاد کی کنگھی کرنے والے عورت کی ہے۔

میں نے کہا: اس کا قصہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا کہ: وہ ایک مرتبہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی اسی وقت اس کے ہاتھ سے کنگھی گر گئی تو اس نے "بسم اللہ" کہا، فرعون کی بیٹی نے اس سے کہا کہ میرے باپ کو بول رہی ہو؟ اس نے کہا: نہیں، میں اسے بول رہی ہوں جو میرا اور تیرے باپ سب کا رب ہے یعنی اللہ۔

اس نے کہا: میں اپنے والد کو اس بارے میں بتاؤں گی، اس نے کہا: ہاں بتا دو چنانچہ اس نے بتا دیا اور اس نے اسے بلایا اور کہا: اے فلانہ کیا تمہارا میرے علاوہ کوئی اور رب ہے اس نے کہا: ہاں میرا اور تمہارا رب اللہ ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ: پھر اس نے ایک پیتل کی بہت بڑی ہانڈی لا کر اسے گرمانے کا حکم دیا پھر اسے اس کے بچوں سمیت اس میں ڈالنے کا حکم دیا، اس نے کہا: میری ایک خواہش ہے اس نے کہا: تمہارے کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا کہ: میں چاہتی ہوں کہ تم میری ہڈی اور میرے بچے کی ہڈی کو ایک کپڑے میں رکھ کر کے دفنا دینا، اس نے کہا: تمہاری یہ بات ہمیں منظور ہے، راوی کہتے ہیں کہ: پھر اس کے اولاد کے بارے میں حکم دیا گیا اور انہیں اس کے سامنے ایک ایک کر کے اس میں ڈال دیا گیا اور پھر ایک دودھ پیتا بچہ اس کے پاس تھا جب اس کی باری آئی تو گویا وہ عورت پیچھے ہٹنے لگی اسے دیکھ کر اس بچے نے کہا: اے میری ماں تم کود پڑو کیوں کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سے بہت کم ہے تو عورت بھی کود پڑی۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں کہ: چھوٹی عمر میں چار بچوں نے کلام کیا ایک فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت کہ بچہ، دوسرا یوسف علیہ السلام کی گواہی دینے والا، تیسرا صاحب جریج اور چوتھا ابن مریم۔[1]

□ پانچواں مشہد:

اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کی حالت بھی دیکھی یعنی دار جزاء میں آپ کے لئے ان کے حال کو مثال دے کر کھول دیا گیا، چنانچہ آپ نے ایک قوم کو دیکھا جو ایک دن میں کھیتی کرتے ہیں اور اسی دن میں اسے کاٹ لیتے ہیں جب بھی وہ کاٹتے ہیں وہ اسی طرح سے پھر سے واپس ہو جاتا ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے تھے ان کے لیے نیکیوں کو سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے اور جو وہ اللہ رب العالمین کے راستے میں خرچ کیے تھے ان کا بدلہ بھی اللہ انہیں دیتا ہے اور اللہ رب العالمین سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔[2]

---

[1] ()اس کی تخریج امام أحمد نے مسند میں-رقم حدیث(٢٨٢١)-اور ابن حبان نے صحیح-کتاب الجنائز-رقم حدیث(٢٩٠٣)کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس حصر میں نظر ہے چنانچہ یہ بات ثابت ہے کہ ماں کے گود میں ان چار لوگوں کے علاوہ کئی اور لوگوں نے بھی کلام کیا تھا جن میں سے ایک وہ ہے جو اپنی ماں کا دودھ پیتا تھا تو اس کے پاس سے ایک خوبصورت اور اچھے لباس والا سوار گزرا تو اس کی والدہ نے اس کے لیے دعا کرتے ہوئے کہا: اے اللہ میرے بیٹے کو اسی طرح بنادے تو اس نے ماں کے دودھ کو چھوڑ کر اس کی جانب دیکھا اور کہا: اے اللہ مجھے اس کی طرح نہ بنا پھر وہ اپنے ماں کی چھاتی سے دودھ پینے لگا پھر اس کا گزر ایک لونڈی سے ہوا جس کو لوگ مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اس نے بدکاری کی ہے یا چوری کی ہے تو اس نے کہا: اے اللہ میرے بیٹے کو اس کی طرح نہ بنانا تو اس نے ماں کا دودھ چھوڑا اور کہا: اے اللہ مجھے اس کے مثل بنانا تو اس نے کہا تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو اس نے کہا وہ جو سوار شخص تھا وہ بہت ظالم اور جابر تھا اور یہ لونڈی جس کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ اس نے چوری کی ہے یا بدکاری کی ہے اس نے ایسا کیا ہی نہیں ہے اس کی تخریج امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر(٣٤٣٦)پر اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر(٢٥٥٠)پر کی ہے اور انہی میں سے وہ بچہ بھی ہے جس کی والدہ نے اسے خندق میں پھینک دیا تھا اور اس کے قصے کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر(٣٠٠٥)پر نقل کیا ہے۔

[2] ()تفسیر الطبري(٨/ ٨)-دلائل النبوة للبيهقي(٢/ ٣٩٨)۔

□ چھٹا مشہد:

اللہ کے رسول ﷺ نے بیت المقدس کی طرف اپنے راستے میں ایسی قوم کو دیکھا جن کے سر پتھر سے کچلے جا رہے تھے جب بھی کچلے جاتے دوبارہ پہلی حالت پر آجاتے آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل علیہ السلام یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت جبریل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے وقت اپنے سر کے بوجھل ہو جانے کی وجہ سے اٹھتے نہیں تھے۔[1]

□ ساتواں مشہد:

اللہ کے رسول ﷺ ایک ایسی قوم پر آئے جن کے سامنے کپڑے لگے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے بھی کپڑے لگے ہوئے تھے وہ اسی طرح گھومتے پھرتے تھے جس طرح سے چوپائے گھومتے پھرتے ہیں وہ لوگ کانٹے دار درخت کھا رہے تھے اور تھوہر کے درخت کھا رہے تھے اور جہنم کے گرم پتھر کھا رہے تھے آپ ﷺ نے پوچھا اے جبریل یہ کون ہیں؟ تو جبریل نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کا صدقہ نہیں دیتے تھے۔[2]

---

[1] () مرجع سابق (۲/ ۳۹۸)۔

میں کہتا ہوں: رہی بات نماز چھوڑنے کی تو یہ بہت ہی خطرناک معاملہ ہے اور نماز کے چھوڑنے والے کی سزا کے سلسلے میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں انہی میں سے وہ حدیث بھی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۸۲) پر نقل کیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((ادمی اور شرک اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے)) اور امام مالک نے موطا میں صحیح سند کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: ((اس شخص کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے جو نماز کو چھوڑ دے)) اسے امام ابن اسیر نے جامع الاصول میں حدیث نمبر (۵۲۲۵) پر نقل کیا ہے۔

[2] () انظر تفسير الطبري (۸/ ۸)-دلائل النبوة للبيهقي (۲/ ۳۹۸)۔

میں کہتا ہوں: رہی بات ان لوگوں کی جو اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتے تو امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر (۱۷۸٤) پر صحیح سند کے ساتھ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بھی شخص اپنے مال کا زکوۃ ادا نہیں کرے گا اس کے لیے اس کا مال قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت میں ائے گا اور وہ اس کے کان میں لپیٹ دیا جائے گا پھر ہمارے اوپر اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی تصدیق کرنے والی قران کی یہ ایت پڑھی {وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ} الآية، سورۃ آل عمران آیت نمبر (۱۸۰)۔

□ آٹھواں مشہد

پھر اللہ کے رسول ﷺ راستے پر بنے ایک لکڑی کے پاس آئے اس سے کوئی بھی گزرتا تھا تو وہ اسے کاٹ دیتا تھا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے جبریل یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ آپ کی امت میں سے ان لوگوں کی مثال ہے جو راستے پر بیٹھتے ہیں اور اسے کاٹ دیتے ہیں، پھر آپ نے اللہ تعالی کے اس فرمان: ﴿ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ ﴾ اعراف: 86 کی تلاوت کی۔ (1)

□ نواں مشہد:

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے بیت المقدس کے اپنے راستے میں دیکھا ایک آدمی کو جو لکڑیوں کے گٹھے جمع کر رہا تھا اور وہ اسے اٹھا نہیں پا رہا تھا وہ پھر بھی چاہتا تھا کہ اور زیادہ ہو جائے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے جبریل یہ کون ہے؟ کہا: یہ آپ کی امت سے وہ شخص ہے جس کے پاس بہت سی امانتیں ہوں گی اسے ان کے ادا کرنے کی طاقت نہ ہوگی لیکن پھر بھی وہ چاہے گا کہ وہ اسے اٹھا لے۔ (2)

---

[1] () یہ خبر تفسیر طبري (۸۱۸)- دلائل النبوۃ للبیهقي (۲/ ۳۹۸) میں ہے۔
میں کہتا ہوں: رہی بات راستہ کاٹنے کی تو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲٤٦٥) اور احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۱۳۰۹) پر ابو سعید خدری کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((لوگو تم راستوں میں نہ بیٹھا کرو)) لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ راستے میں بیٹھنا ہمارے لیے ضروری ہے ہم وہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((اگر تم بیٹھنا چاہتے ہو تو تم راستے کو اس کا حق دو))، لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نگاہیں پست رکھنا، تکلیف دہ چیزوں سے لوگوں کو محفوظ رکھنا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا)) ۔

[2] () دیکھئے: تفسیر الطبري (۸/ ۸)- دلائل النبوۃ للبیهقي (۲/ ۳۹۸)۔
میں کہتا ہوں: رہی بات لوگوں کے امانتوں اور ان کے حق کی ادائیگی کی تو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۷۱۵۰) اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱٤۲) پر معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد

□ دسواں مشہد:

پھر اللہ کے رسول ﷺ ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کے زبان اور ہونٹوں کو آگ کی قینچیوں سے کاٹا جارہا تھا جب بھی انہیں کاٹا جاتا وہ پھر جیسے کاتیسا واپس ہو جاتے وہ اسی حالت میں رہتے ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ آپ کی امت کے خطیب ہیں جو لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے حالانکہ وہ اللہ رب العالمین کی کتاب کی تلاوت کرتے تھے کیا وہ سمجھدار نہیں تھے۔(1)

□ گیارہواں مشہد:

اللہ کے رسول ﷺ ایک چھوٹی سی بل کی جانب آئے جس میں سے بہت بڑا بیل نکل رہا تھا وہ بیل چاہتا تھا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں واپس ہو جائے لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اللہ کے رسول ﷺ نے کہا اے جبریل یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ وہ شخص ہے جو بہت بڑی بات کرتا ہے اور پھر اس پر شرمندہ ہوتا ہے اور چاہتا ہے وہ اس بات کو لوٹالے مگر وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا۔(2)

فرمایا:((جس بھی بندے کو اللہ تعالی کوئی ذمہ داری دیتا ہے اور وہ ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ نہیں کرتا تو وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا)) ۔

[1]() أخرجه الإمام أحمد في مسنده-رقم الحديث(١٢٢١١)-والطيالسي في مسنده-رقم الحديث(٢١٧٢)وإسناده صحيح۔

[2]() تفسير الطبري(٨/ ٨)ودلائل النبوة للبيهقي(٢/ ٣٩٨)۔

میں کہتا ہوں: یہ اپ ﷺ کے بخاری کے صحیح میں موجود حدیث نمبر(٦٤٧٨)اس حدیث کے مثل ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر(٢٩٨٨)پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:((بے شک بندہ اللہ کی ناراضگی والی ایک بات کہتا ہے جس کے بارے میں اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گر جاتا ہے))اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اپ ﷺ نے فرمایا:((اس کے ذریعے سے وہ جہنم میں اس سے بھی زیادہ دوری تک گر جاتا ہے جتنی دوری مشرق اور مغرب کے درمیان ہے))۔

□ بارہواں مشہد:

آپ ﷺ کو دار جزا میں مثال پیش کر کے سود خور کی سزا بھی دکھائی گئی آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ خون کے نہر میں تیر رہا ہے اور اپنے منہ میں پتھر ڈال رہا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبریل یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ سود خور ہے۔ [(1)]

□ تیرہواں مشہد:

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں امام مسلم نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ص ﷺ نے فرمایا: میرا گزر اسرا کی رات لال ٹیلے کے پاس موسی علیہ السلام سے ہوا وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ [(2)]

---

[1]() اس کی تخریج إمام أحمد اپنی مسند (۲۰۱۰۱) میں کی ہے اور اس کی سند قوی ہے۔
اور صحیح بخاری میں حدیث نمبر (۷۰٤۷) پر ہے اللہ کے رسول ﷺ نے سود خوروں کے بارے میں اسی طرح منظر دیکھا تھا لیکن وہ خواب کی بات ہے۔
میں کہتا ہوں: اللہ تعالی نے قران مجید میں سود خوروں کو بہت سخت دھمکی دی ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے سورہ البقرہ کی ایت نمبر ۲۷۵ میں ارشاد فرمایا{الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ}اور اللہ تعالی نے سورہ بقرہ کی ۲۷۸-۲۷۹ نمبر ایت میں فرمایا:{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (278) فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ}۔

[2]() أخرجه الإمام مسلم في صحيحه - كتاب الفضائل - باب من فضائل موسى عليه السلام رقم الحديث (۲۳۷۵)۔

● اللہ کے رسول ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھانا:

پھر رسول اللہ ﷺ مسجد اقصی (1) پہنچ گئے آپ کے ساتھ جبریل علیہ السلام بھی تھے انبیاء کو وہاں پر جمع پایا تو جبریل علیہ السلام نے رسول ﷺ کو آگے کیا اور آپ نے سب کی امامت کرائی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: نماز کا وقت ہوا اور میں نے سب کو نماز پڑھائی۔ (2)

اور امام احمد اپنی مسند میں ایک روایت میں اس حدیث کو صحیح سند کے ساتھ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ: جب آنحضرت ﷺ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھی پھر آپ نے ادھر ادھر دیکھا سارے انبیاء بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ (3)

● رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کو نماز کب پڑھائی؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ سب سے راجح قول یہی ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کرام کو آسمانوں پر جانے سے پہلے نماز پڑھائی تھی۔ (4)

جبکہ حضرت ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو آسمانوں پر جانے کے بعد واپس آکر نماز پڑھائی تھی، وہ کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٣/ ٣٨٥) میں لکھتے ہیں کہ اور مسجد اقصی یہی بیت المقدس ہے اس کا نام اقصی مسافت میں مسجد حرام سے دور ہونے کی وجہ سے پڑا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی مسجد نہ تھی اور مقدس مطہر اور پاک صاف کو کہا جاتا ہے بیت المقدس کے اور کئی نام ہیں جن میں سے ایلیا اور بیت المقدس وغیرہ ہیں.

[2] ()(٢) أخرجه الإمام مسلم في صحيحه - كتاب الإيمان - باب ذكر المسيح ابن مريم - رقم الحديث (١٧٢).

[3] () مسند الإمام أحمد - رقم حديث (٢٣٢٤) — اور اسے حافظ ابن کثیر نے تفسیر (٥/ ٢٨) نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے.

[4] () فتح الباري (٧/ ٦١٠).

نے تمام انبیاء کو آسمانوں میں جمع کیا تھا پھر دوبارہ بیت المقدس آئے اور وہ آپ کے ساتھ تھے پھر انہیں آپ نے نماز پڑھائی پھر آپ براق پر بیٹھے اور مکہ واپس آگئے، واللہ اعلم۔(1)

اور البدایہ والنہایہ کے اندر کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس کی طرف آئے اور ظاہر بات یہ ہے کہ انبیاء بھی آپ کے ساتھ آپ کی عزت افزائی کے لئے نیچے آئے اور اللہ رب العالمین کے پاس سے واپسی کے وقت تعظیم کی خاطر میں وہ آپ کے ساتھ آئے تھے، جیسا کہ مہمانوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کبھی بھی جس کے پاس آئے ہوئے ہیں اس سے پہلے کسی اور کے ساتھ نہیں بیٹھتے اسی لیے جب بھی وہ کسی کے پاس سے گزرتے تھے اور وہ آپ پر سلام کے لیے آگے بڑھتا تو کہتے: یہ فلاں ہیں انہیں سلام کرو، چنانچہ وہ اوپر جانے سے پہلے ہی ان کے ساتھ اکٹھا ہوئے ہوتے تو تعارف کی ضرورت دوبارہ نہ پڑتی اس پر یہ بھی چیز دلالت کرتی ہے کہ آپ نے کہا جب نماز کا وقت ہوا تو میں نے انہیں امامت کرائی اس وقت وقت نماز فجر ہی کا وقت تھا آپ ان کے آگے بڑھے امام کے طور پر حضرت جبرئیل کے حکم سے سب کو نماز پڑھائی تو بعض لوگوں نے یہ اس سے فائدہ مستنبط کیا ہے کہ امام اعظم کو امامت کے لئے آگے کیا جائے گا یعنی گھر کے مالک پر اسے مقدم کیا جائے گا بایں طور کی بیت المقدس ان کا علاقے اور ان کا گھر تھا۔(2)

احمد شوقی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:

أسرى بك الله ليلا إذ ملائكه — والرسل في المسجد الأقصى على قدم
لما خطرت به بسيدهم — كالشهب بالبدر أو كالجند بالعلم
صلى وراءك منهم كل ذي خطر — ومن يفز بحبيب الله يأتمم
جبت السماوات أو ما فوقهن بهم — على منورة درية اللجم
ركوبة لك من عز و من شرف — لا في الجياد ولا في الأينق الرسم

---

(1) تفسیر ابن کثیر (۵/ ۳۱)۔

(2) البدایة والنهایة (۳/ ۱۲۳)۔

مشيئة الخالق البارى و صنعته   وقدرة الله فوق الشك و التهم

حتى بلغت سماء لا يطار لها   على جناح ولا يسعى على قدم

وقيل كل نبى عند رتبته   ويامحمد هذ العرش فاستلم

●بیت المقدس میں آپ ﷺ پر برتن پیش کیا جانا:

جب آپ ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کو نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو دو برتن پیش کیے گئے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں امام احمد نے اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور وہاں میں نے دو رکعت نماز پڑھی اسی وقت جبریل علیہ السلام میرے پاس ایک برتن لے کر آئے جس میں شراب تھی اور ایک دوسری برتن لائے جس میں دودھ تھا تو میں نے دودھ اختیار کیا[1] جبریل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے۔[2]

[1]() حافظ ابن حجر فتح الباری (١١/ ٢٠٠) میں لکھتے ہیں کہ: شراب اور دودھ کے درمیان اختیار دینے کی حکمت حالانکہ شراب حرام ہے اور دودھ حلال ہے یہ ہے کہ یا تو اس وقت شراب حرام نہ ہوئی ہو یا یہ کہ وہ جنت کا شراب رہا ہو اور جنت کا شراب حرام نہیں ہے۔

[2]() حافظ امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (١/ ١٨٤) میں کہتے ہیں: چنانچہ یہاں پر فطرت کی اسلام اور استقامت سے تفسیر بیان کی گئی اور اس کا معنی یہ ہے واللہ اعلم کہ میں نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا اور دودھ کو اس لیے علامت بنایا گیا کیونکہ وہ پینے والے کے لیے اچھا پاک اور آسان ہوتا ہے واللہ اعلم اور حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الإیمان - باب الإسراء برسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - إلی السماوات حدیث نمبر (١٦٢) پر اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (١٢٥٠٥) پر تخریج کیا ہے۔

●رسول ﷺ کا معراج میں سوار ہو کر آسمانوں کی طرف جانا:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ: حضرت جبریل نے میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے آسمان دنیا کی طرف چلا کر لے گئے[1] جب میں آسمان دنیا کی طرف گیا تو جبریل علیہ السلام نے دربان سے کہا: دروازہ کھولو۔[2]

اس نے کہا: آپ کون ہیں؟ کہا: جبرئیل کہا: آپ کے ساتھ کون ہے[3] کہاں محمد کہا: کیا ان کے پاس بھیجا گیا تھا[4] کہا: ہا ں لگ کہا: خوش آمدید بہت ہی اچھے آنے والے ہیں، پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا۔

پھر آپ ﷺ نے کہا کہ ہم آسمان دنیا سے اوپر گئے ہم نے دیکھا کہ ایک شخص بیٹھا ہوا ہے اس کے دائیں بہت سارے لوگ ہیں اور بائیں بہت سارے لوگ ہیں پھر اس نے اپنے دائیں

---

[1] ()حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ (۱۲۱/۳) میں کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ کا براق پر سوار ہو کر اسمانوں کی جانب جانا نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگ گمان کرتے ہیں بلکہ براق نامی جانور بیت المسجد کے دروازے سے بندھا ہوا تھا تاکہ اپ اس پر سوار ہو کر مکہ واپس جائیں چنانچہ اپ ﷺ ایک اسمان سے دوسرے اسمان کی جانب معراج کے ذریعے سے گئے تھے۔

[2] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (۲/ ۷) میں لکھتے ہیں کہ: یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دروازہ بند تھا۔

[3] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۲۱۰) میں لکھتے ہیں کہ: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کے ساتھ کوئی ساتھی بھی ہے ورنہ سوال اس طرح سے ہوتا کہ کیا اپ کے ساتھ کوئی اور ہے اور احساس ہو سکتا ہے دیکھ کر کے ہوا ہو کیونکہ آسمان شفاف ہے یا کسی معنوی امر کی وجہ سے ہوا ہو جیسے نور اور روشنی میں اضافہ یا اس طرح کوئی اور چیز جس سے کسی نئے معاملے کے واقع ہونے کا احساس ہو جس کے ذریعے سے اس صیغے کے ساتھ سوال کرنا بہتر معلوم ہو مناسب معلوم ہو۔

[4] ()امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (۱/ ۱۸۵) میں کہتے ہیں یعنی اپ کے پاس اسراء اور اسمانوں کی طرف انے کے لیے بھیجا گیا تھا یہاں پر اصل بعثت اور رسالت سے متعلق سوال مراد نہیں ہے کیونکہ اس وقت تک یہ بات ان پر مخفی نہ ہوتی اور یہی صحیح بات ہے اور حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/ ۲۱۰) میں لکھتے ہیں کہ: فرشتوں کے اس سوال "کیا ان کے جانب بھیج دیا گیا ہے؟" میں حکمت یہ ہے اللہ تعالی نے اپنے نبی کو یہ خبر دینا چاہا تھا کہ آپ ملا اعلی میں بھی مشہور ہیں اسی لیے انہوں نے کہا: "اور ان کی طرف بھیج دیا گیا ہے" چنانچہ اس بات پر دلیل ہے کہ وہ یہ جانتے تھے کہ ایسا معاملہ پیش ائے گا ورنہ وہ مثال کے طور پر کہتے: محمد کون ہیں؟۔

جانب دیکھا اور ہنسا اور پھر بائیں جانب دیکھا اور رویا، میں نے کہا یہ کون ہے؟ جبریل نے کہا یہ آپ کے والد آدم ہیں آپ ان سے سلام کرو میں نے سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر کہا: ہم نیک بچے کو مرحبا کہتے ہیں، نیک نبی کو مرحبا کہتے ہیں۔

پھر جبرئیل نے کہا: یہ جو لوگ دائیں جانب ہیں اور یہ لوگ جو بائیں جانب ہیں یہ ان کی ذریت ہے، دائیں جانب والے جنت کے لوگ ہیں اور بائیں جانب والے جہنم کے لوگ ہیں اس لئے جب انہوں نے اپنے دائیں جانب دیکھا تو ہنسے اور جب بائیں جانب دیکھا تو رو پڑے۔ (1)

• وہ مشاہد جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے آسمان دنیا پر دیکھا:

1-یتیموں کے مال کھانے والوں کی حالت:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب آسمان دنیا پر پہنچا تو کچھ لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کے مانند تھے ان کے ہاتھ میں ہتھیلی بھر پتھر کے مانند آگ کے ٹکڑے تھے وہ اسے اپنے منہ میں پھینک رہے تھے جو ان کے پشت سے نکل جارہی تھی میں نے کہا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کے مال ظلم کر کے کھاجایا کرتے تھے۔ (2)

---

[1] ()البخاري في صحيحہ-كتاب الصلاة-باب كيف فرضت الصلوات في الإسراء؟-رقم حديث(٣٤٩)-ومسلم في صحيحہ-كتاب الإيمان-باب الإسراء برسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-إلى السماوات-رقم حديث(١٦٣)۔

[2] ()دلائل النبوة للبيهقي(٢/ ٣٩٢)سيرة ابن هشام(٢/ ١٩)۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالی نے یتیموں کے مال کو ظلم کھانے والوں کو دھمکی دیتے ہوئے سورہ نساء کی ایت نمبر ۱۰ میں: {إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا} فرمایا ہے۔

2-ان عورتوں کی حالت جو اپنے شوہروں پر ایسی چیزیں داخل کرتی ہیں جو ان سے نہیں ہے:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں نے ایسی عورتوں کو دیکھا جو اپنے چھاتیوں کے بل لٹکائی ہوئی تھیں، میں نے کہا: یہ کون لوگ ہیں اے جبریل؟

تو انہوں نے کہا: یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کی طرف ایسے بچوں کو منسوب کرتی تھیں جو ان کے نہیں تھے۔[1]

3-غیبت[2] کرنے والوں کی حالت:

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((جب مجھے معراج کرایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کے ناخن پیتل کے تھے وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے کہا: اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟))۔

انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے گوشت کھایا کرتے تھے اور ان کی عزت سے کھلواڑ کیا کرتے تھے۔[3]

---

[1] () سیرت ابن ہشام (۲/ ۱۹)۔

[2] () غیبت کی تفسیر نبی ﷺ نے اس حدیث میں بیان کی ہے جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۲۵۸۹) پر تخریج کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟)) لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((تمہارا اپنے بھائی کو ایسے صفت کے ساتھ ذکر کرنا جسے وہ برا مانے۔
حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۷/ ۳۸۰) میں کہتے ہیں کہ: غیبت کے حرام ہونے پر اجماع ہے۔

[3] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده - رقم الحديث (۱۳۳۴۰) وأبو داود في سننه - كتاب الأدب - باب في الغيبة - رقم الحديث (۴۸۷۸)۔

4-زانیوں کی حالت:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے ایسے لوگوں کو دکھایا گیا یا جن کے سامنے بہت ہی موٹا اچھا گوشت تھا اور ان کے پہلو میں کمزور بدبودار گوشت تھا وہ اس کمزور بدبودار گوشت کو کھا رہے تھے اور موٹے اور اچھے گوشت کو چھوڑ دے رہے تھے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟

انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے لئے حلال کو چھوڑ دیتے تھے اور ایسی عورتوں کے پاس جاتے تھے جنہیں اللہ نے ان پر حرام کیا تھا۔ (1)

5-سود خوروں کی حالت:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((پھر میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ اس طرح تھے جس طرح میں نے کبھی نہیں دیکھا))۔

ایک دوسری روایت میں ہے:((ان کے پیٹ آل فرعون کے راستوں کے گھروں کے مانند تھے جب وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو وہ پیاسے اونٹ کی طرح انہیں روندتے ہوئے ان کے پاس سے گذریں گے اور اس جگہ سے نکلنے کی طاقت نہیں پائیں گے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے جبریل یہ کون ہیں؟ کہا: یہ سود خور لوگ ہیں))۔ (2)

• نبی ﷺ کا دوسرے آسمان کی جانب اوپر جانا:

نبی کریم صلی ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں دوسرے آسمان کی طرف گیا، جبریل علیہ السلام نے دستک دی، کہا گیا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا میں جبرئیل، کہا گیا: آپ کے ساتھ کون

---

(1) سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۱۹)-دلائل النبوۃ للبھیقي (۲/ ۳۹۲)۔

(2) سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۱۹) دلائل النبوۃ للبھیقي (۲/ ۳۹۲)۔

ہے ؟ کہا: محمد، کہا گیا: ان کے پاس بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں، کہا: ان کا استقبال ہے کیا ہی خوب آنے والے آئے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا، میں اب آپ نے دو خالہ زاد بھائیوں یعنی یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے پاس تھا۔

جبریل علیہ السلام نے کہا یہ یحی[1] ہیں اور یہ عیسی[2] ہیں انہیں سلام کہو میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر ان دونوں نے کہا کہ: اچھے بھائی اور اچھے نبی کا استقبال ہے اور انہوں نے میرے لئے اچھی دعا کی۔

● رسول اللہ ﷺ کا تیسرے آسمان کی جانب اوپر جانا:

نبی ﷺ کہتے ہیں کہ پھر ہمیں تیسرے آسمان کی جانب اوپر لے جایا گیا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، کہا گیا: آپ کون ہیں؟

انہوں نے کہا: جبرئیل، کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد، کہا گیا: کیا ان کی جانب بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں، کہا گیا: ان کا استقبال ہے کیا خوب آنے والے آئے ہیں۔

---

[1] () رہی بات یحیی علیہ السلام کی تو اللہ تعالی نے سورہ مریم کی ایت نمبر ۱۲ میں ان کے بارے میں فرمایا {يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا} ہے، حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (٥/ ٢١٦) میں اس ایت کے ضمن میں کہتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ اے یحی تم کتاب کو یعنی تورات کو سیکھو مضبوطی کے ساتھ یعنی محنت اور اہتمام اور اجتہاد کے ساتھ اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی اپنا حکم عطا کیا یعنی سمجھ، علم، محنت اور عزم وارادہ اور خیر کے کاموں کی طرف توجہ اور اس کے سلسلے میں محنت کا جذبہ۔

[2] () عیسی علیہ السلام کی صفت کے بارے میں آیا ہے، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (٣٤٣٧) پر اور مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر پر (١٦٨) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں جب اللہ کے رسول ﷺ کو اسرا کرایا گیا تو میں نے عیسی علیہ السلام سے ملاقات کیا درمیانے قد، لال چہرے والے شخص کو اس طرح دیکھا جو گویا وہ ابھی ابھی غسل کر کے نکل رہے ہوں اور امام مسلم کی صحیح میں ایک روایت میں ایا ہے حدیث نمبر ١٦٧ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے عیسی ابن مریم کو دیکھا تو ان کو میں نے عروہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مشابہ پای۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا میں اب یوسف علیہ السلام کے پاس تھا۔

جبریل نے کہا: یہ یوسف ہیں انہیں سلام کہو میں نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر انہوں نے کہا کہ: اچھے بھائی اور اچھے نبی کا استقبال ہے اور انہوں نے میرے لیے دعا کی۔

رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں کہ: انہیں آدھا حسن عطا کر دیا گیا تھا۔

● نبی ﷺ کا چوتھے آسمان کی جانب اوپر جانا:

نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے چوتھے آسمان کی جانب اوپر لے جایا گیا جبریل نے دستک دی، کہا گیا: کون ہے؟ کہا: جبرئیل، کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ کہا: محمد، کہا: کیا ان کی جانب بھیجا گیا تھا؟ کہا: ہاں، کہا: ان کا استقبال ہے کیا ہی خوب آنے والے آئے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا اب میں ادریس علیہ السلام کے پاس تھا۔

جبریل نے کہا: یہ ادریس علیہ السلام ہیں، ان سے سلام کرو میں نے سلام کیا، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا استقبال ہے انہوں نے میرے لئے بھلائی کی دعا کی۔

پھر نبی ﷺ نے ادریس علیہ السلام کے بارے میں کہا: ((ورفعنه مكانا عليا))۔[1]

---

[1] () شیخ مبارک پوری تحفۃ الاحوذی (۸/ ۵۷۷) میں کہتے ہیں: اور اس کے بلند مقام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اس سلسلے میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اپ کے علاوہ دیگر انبیاء اپ سے زیادہ بلند مقام والے تھے اور یہ اشکال در حقیقت کچھ ہے ہی نہیں کیونکہ انہوں نے کچھ ایسا ذکر نہیں کیا کہ وہ ہر ایک سے بلند ہیں۔

● رسول ﷺ کا پانچویں آسمان کی طرف اوپر جانا:

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ہمیں پانچویں آسمان کی جانب اوپر لے جایا گیا جبریل نے دستک دی، کہا گیا: آپ کون ہیں؟ کہا: جبریل، کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، دربان نے کہا: کیا ان کے پاس بھیجا گیا تھا، کہا: ہاں، کہا گیا: ان کا استقبال ہے کیا ہی خوب آنے والے آئے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا اب میں ہارون علیہ السلام کے پاس تھا۔

جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ ہارون ہیں ان سے سلام کرو میں نے انہیں سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ اچھے بھائی اور اچھے نبی کا استقبال ہے اور انہوں نے میرے لئے بھلائی کی دعا کی۔[1]

● رسول ﷺ کا چھٹے آسمان کی طرف اوپر جانا:

نبی ﷺ کہتے ہیں کہ پھر چھٹے آسمان کی طرف مجھے اوپر لے جایا گیا جبرئیل علیہ السلام نے دستک دی، کہا گیا: آپ کون ہیں؟ کہا: جبریل، کہا گیا: آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد، کہا: کیا ان کی جانب بھیجا گیا تھا، کہا: ہاں، کہا گیا: ان کا استقبال ہے، کیا ہی خوب آنے والے آئے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا، ہم اب موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے۔

جبرئیل علیہ السلام نے رسول ﷺ سے کہا: یہ موسیٰ ہیں ان سے سلام کرو، میں نے ان سے سلام کیا انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا گیا اور کہا اچھے بھائی اور اچھے نبی کا استقبال ہے۔

---

[1] () یہ شیخین کی ان کی صحیحین میں روایت ہے اور ابن اسحاق کی سیرت (۲/ ۲۰) میں ایک روایت میں ہے کہ اپ ﷺ نے فرمایا: ((تو وہ ادھیڑ عمر کے ایسے شخص تھے جن کی داڑھی اور بال سفید تھے اور میں نے کسی ادھیڑ عمر کے شخص کو ان سے زیادہ خوبصورت نہیں پایا)) تو میں نے کہا: اے جبرائیل یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ اپنے قوم میں محبوب ترین شخص ہارون علیہ السلام ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے موسی علیہ السلام کی صفت بتائی اور کہا کہ میرا گزر اسراء کی رات موسیٰ بن عمران ان کے پاس سے ہوا جو گندمی رنگ کے لمبے گھنگرالے بال والے آدمی تھے تھے گویا وہ شنوءۃ[1] قبیلے کے کوئی شخص ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں جب میں ان سے آگے گیا تو وہ رو پڑے۔

کہا گیا: تمہیں کس چیز نے رلا دیا؟

کہا کہ میں رو رہا ہوں[2] اس لیے کیونکہ ایک لڑکا[3] جو میرے بعد بھیجا گیا یا جنت میں اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ جائیں گے۔

• رسول ﷺ کا ساتویں آسمان کی جانب اوپر جانا:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ہمیں ساتویں آسمان کی جانب اوپر لے جایا گیا، جبرئیل علیہ السلام نے دستک دی کہا گیا: آپ کون ہیں؟ کہا جبریل کہا گیا: آپ کے ساتھ کون

---

[1] ()امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (١/ ١٩٤) میں کہتے ہیں شنوءۃ یہ ایک معروف قبیلہ ہے ان کا یہ نام ان میں موجود ایک شخص کی وجہ سے پڑا جسے شنوا کہا جاتا تھا جس کا معنی ہے گھن کھانا اور گندگی سے دور ہونا اور اس حدیث کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الِایمان- باب الِاسراء برَسُول اللہِّ- صلی اللہّ علیہ وسلم حدیث نمبر (١٦٥) (٢٦٧) پر کی ہے۔

[2] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦١٣) میں کہتے ہیں کہ: علماء کہتے ہیں موسی علیہ السلام کا رونا معاذ اللہ حسد کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ اس جگہ پر عام مومن سے حسد کو ختم کر دیا جائے گا تو ان لوگوں کا کیا کہنا جنہیں اللہ تعالی نے منتخب کیا ہو بلکہ وہ اپنی قوم سے واقع ہونے والے ان مخالفت کی کثرت جو ان کے اجر کے کم ہونے کا سبب بنے جن سے ان کا اجر ان سے فوت ہوا تھا جس سے درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے اس پر افسوس کرتے ہوئے رو رہے تھے کیونکہ ہر نبی کے لیے اتنا اجر لکھا جاتا ہے جتنا ان کی پیروی کرنے والوں کے لیے لکھا جاتا ہے اسی لیے ان کی امت سے جتنی تعداد نے ان کی پیروی کی ان کی تعداد محمد ﷺ کے پیروی کرنے والوں سے کم تھی اور اس امت کے مقابلے میں ان کی مدت لمبی تھی۔

[3] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (٧/ ٦١٣) میں اپ ﷺ کے فرمان: (غلاماً) کے سلسلے میں کہتے ہیں یہ نقص کے طور پر نہیں تھا بلکہ اللہ تعالی کی قدرت کی جانب اشارہ کرنے کے طور پر تھا کہ اللہ تعالی اس عمر کے شخص کو وہ کچھ دے دی جو اس سے پہلے اس سے بڑے لوگوں کو نہیں دیا کرتے تھے۔

ہے ؟ کہا؛ محمد ، دربان نے کہا؛ کیاان کی جانب بھیجا گیا تھا ؟ کہا: ہاں، کہا گیا: ان کا استقبال ہے کیا ہی خوب آنے والے آئے ہیں۔

رسول ﷺ کہتے ہیں پھر ہمارے لئے دروازہ کھولا گیا کیااب ہم ابراہیم علیہ السلام کے پاس تھے جو کہ بیت معمور سے اپنے پیٹھ کو ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے بیت معمور وہ گھر ہے جس میں ہر دن ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں[1] اور پھر کبھی واپس نہیں جاتے یعنی ان کی باری دوبارہ نہیں آتی۔[2]

جبریل نے کہا: یہ تمہارے والد ابراہیم ہیں ان سے سلام کرو، میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا۔

پھر کہاہاں اچھابیٹےاور اچھے نبی کااستقبال ہے۔[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع اور امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں اس دن ابراہیم سے ملا، انہوں نے کہا: اے محمد تم میری طرف سے اپنی امت کو سلام کہنااور انہیں یہ بتانا کہ

---

[1]()حافظ ابن حجر فتح الباری(٧/ ٦١٧) میں لکھتے ہیں کہ: اس سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ فرشتے ہیں کیونکہ کسی اور مخلوق سے یہ نہیں جانا جاتا کہ اسی کے جنس سے ہر دن ٧٠ ہزار لوگ پیدا ہوتے ہیں سوائے فرشتوں کے جن کے بارے میں اس حدیث میں بات ثابت ہے۔

[2]()ابن إسحاق نے السیرۃ میں (٢/ ٢٠): إلی یوم القیامۃ کا اضافہ کیا ہے۔

[3]()ان سب کو تخریج کیا ہے: البخاري في صحيحه- كتاب الصلاة- باب كيف فرضت الصلوات في الإسراء؟- رقم الحديث(٣٤٩)- وأخرجه في كتاب أحاديث الأنبياء- باب ذكر إدريس عليه السلام- رقم الحديث(٣٣٤٢)- وأخرجه في كتاب مناقب الأنصار- باب المعراج- رقم الحديث(٣٨٨٧)- ومسلم في صحيحه- كتاب الإيمان- باب الإسراء برسول الله- صلى الله عليه وسلم- إلى السماوات- رقم الحديث(١٦٢) (١٦٣)- والإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث(١٢٥٠٥)۔

جنت کی مٹی بہت پاک ہے ، یہاں کا پانی میٹھا ہے اور یہ زرخیز بھی ہے اور اس کی کاشتکاری "سبحان اللہ الحمدللہ لاالہ اللہ اللہ اکبر" ہے۔[1]

●ان انبیائے کرام سے ملاقات کی حکمت:

ان انبیائے کرام کے مخصوص آسمان پر ملاقات کی حکمت کے بارے میں اختلاف ہے، کہا جاتا ہے کہ: انہیں آپ سے ملاقات کا حکم دیا گیا تھا تو کچھ لوگ پہلے ہی آپ کو پاگئے اور کچھ لوگوں کو دیر ہوئی اور انہوں نے بعد میں آپ سے ملاقات کی اور کچھ لوگوں کو یہ ملاقات نہ مل سکی۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: صرف انہی انبیائے کرام پر اکتفا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے جو آپ ﷺ کو آپ کے قوم کے ساتھ ان کی طرح معاملات کا سامنا کرنا ہوگا:

أ-جہاں تک آدم علیہ السلام کی بات ہے تو اس سے اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ انہیں جنت سے نکال کر زمین کی جانب بھیجا گیا تھا تو آپ ﷺ کو بھی ہجرت کر کے مدینہ جانا ہوگا ان کے درمیان یکسانیت یہ ہے کہ دونوں کو اپنے اصل وطن سے نکلنے کی مشقت برداشت کرنی پڑی تھی پھر نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ دونوں اپنے اسی جگہ آئے جہاں سے انہیں نکالا گیا تھا۔

ب-اور عیسیٰ اور یحیٰ علیہ السلام کے ذکر سے اس بارے میں تنبیہ ہے کہ انہیں اول ہجرت سے یہود کی دشمنی اور ان کی سرکشی اور ان کے آپ کو تکلیف پہنچانے کی ضد کا سامنا تھا۔

ج-اور یوسف علیہ السلام کے ذکر سے اس بارے میں تنبیہ ہے کہ انہیں جس طرح سے اپنے بھائیوں سے تکلیف اٹھانی پڑی تھی اسی طرح قریش کے اپنے بھائیوں سے نبی پاک ﷺ کو بھی تکلیف اٹھانی پڑی، انہوں نے آپ کے خلاف جنگ کی اور آپ کو ہلاک کرنا چاہا پھر اچھا انجام آپ ہی

[1] () أخرجه الترمذي في جامعه-كتاب الدعوات-باب ماجاء في فضل التسبيح والتكبير والتهليل والتحميد رقم الحديث (٣٧٦٧)-وأخرجه الإمام أحمد في مسنده-رقم الحديث (٢٣٥٥٢)۔

کا ہوا اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے آپ ﷺ نے قریش کیلئے فتح کے دن کہا تھا میں وہی کہتا ہوں جیسا کہ یوسف نے کہا آج تمہارا کوئی مواخذہ نہ کیا جائے گا۔

د-ادریس علیہ السلام سے ملاقات کا راز یہ ہے کہ اس سے آپ کے اللہ کے یہاں بلند مقام کی جانب اشارہ ہے۔

ھ—ہارون علیہ السلام سے ملاقات کا راز یہ ہے کہ اس سے یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ سے محبت کی جب کہ پہلے وہ آپ کو ستایا کرتے تھے۔

و-موسی علیہ السلام سے ملاقات کی حکمت یہ ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کا علاج کیا تھا اس جانب اشارہ کرتے ہوئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف اس سے زیادہ دی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔

و-اور ابراہیم علیہ السلام سے بیت معمور پر ٹیک لگائے ہوئے ملاقات کی حکمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو آخری عمر میں حج کی ادائیگی اور بیت اللہ کی تعظیم کا شرف عطا کیا گیا۔(1)

● اللہ کے رسول ﷺ کا جنت میں داخلہ اور وہاں پر آپ نے کیا دیکھا:

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا: میں نے وہاں پر موجود موتی کے قبے دیکھے اس کی مٹی مسک ہے۔(2)

اور میں نہروں کے پاس گیا جس کا پانی بدبودار نہیں ہوتا، دودھ کے نہروں کے پاس گیا جس کا ذائقہ نہیں بدلتا اور میں شراب کے نہروں کے پاس لے جایا گیا یا جو پینے والوں کے لیے بہت لذت دار ہوتی ہے اور میں صاف ستھرے شہد کی نہر کے پاس لے جایا گیا کیا میں نے دیکھا اس کا انار

---

[1]() فتح الباری (7/ 612)۔

[2]() أخرج ذلک البخاري في صحيحہ-كتاب الصلاة-باب كيف فرضت الصلوات في الإسراء؟-رقم الحديث (٣٤٩)-وأخرجہ في كتاب أحاديث الأنبياء-باب ذكر إدريس عليہ السلام-رقم الحديث (٣٣٤٢)۔

بہت بڑے ڈول کے مانند تھا، پھر میں اونٹ کی گردن کی مانند بڑے گردن والی چڑیوں کے پاس گیا اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو یہ بات بتاتے ہوئے کہا کہ اللہ رب العالمین نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا نہ ہی کسی کان نے سنا اور نہ ہی کسی انسان کے دل پر اس کا شعور لاحق ہوا۔[1]

● رسول ﷺ نے نہر کوثر کو دیکھا:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ: ((میں جنت میں چل رہا تھا اچانک میں ایک نہر کے پاس پہنچا جن کے دونوں کنارے سونے کے تھے اور اس کا بہاؤ موتیوں اور یاقوت کا تھا اس کی مٹی مسک سے زیادہ خوشبودار تھی اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا تھا اور برف سے زیادہ سفید تھا))۔[2]

اور ایک روایت میں ہے صحیح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((میں ایک نہر کے پاس آیا جس کے دونوں کنارے کھوکھلے موتیوں کے گنبد تھے))۔[3]

اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں: میں نے اپنے ہاتھ کو پانی بہنے کی جگہ پر رکھا تو دیکھا وہ بہت خوشبودار مسک ہے، میں نے کہا: اے جبرئیل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ نہر کوثر ہے جسے اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے۔[4]

---

[1] () أخرج ذلک: البيهقي في دلائل النبوة (٢/ ٣٩٤ - ٤٠١)۔

[2] () أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب الرقائق - باب في الحوض - رقم الحديث (٦٥٨١) - وأخرجه الإمام أحمد في مسنده - رقم الحديث (١٣١٥٦)۔

[3] () أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب التفسير - باب سورة {إِنَّآ أَعۡطَيۡنَٰكَ ٱلۡكَوۡثَرَ} - رقم الحديث (٤٩٦٤)۔

[4] () أخرجه الإمام في مسنده - رقم الحديث (١٢٠٠٨) وإسناده صحيح على شرط الشيخين۔

● زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کی لونڈی:

اللہ کے رسول ﷺ نے جنت میں ایک نوجوان لڑکی کو بھی دیکھا، آپ کہتے ہیں کہ : میں نے اس سے سوال کیا تو کس کے لئے ہے؟ جب میں نے اسے دیکھا تھا تو وہ مجھے پسند آئی تھی تو اس نے کہا: زید بن حارثہ کے لئے ، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے زید رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کی بشارت دی۔[1]

● جنت میں بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز:

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جس رات نبی ﷺ کو اسراء کرایا گیا آپ جنت میں داخل ہوئے آپ نے اس کے کنارے میں ایک آواز سنی آپ نے کہا: اے جبریل یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ بلال موذن ہیں، نبی ص ﷺ نے لوگوں کے پاس آکر کہا: بلال کامیاب ہو گیا۔[2]

اور شیخان نے اپنی صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بلال تم ہمیں اسلام میں کیے گئے کے اپنے سب سے افضل ایسے عمل کے بارے میں بتاؤ جس نے تمہیں زیادہ نفع پہنچایا ہو کیونکہ میں نے رات میں تمہارے جوتے کی آواز جنت میں اپنے آگے آگے سنی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ میں نے اسلام کی حالت میں کوئی خاص عمل نہیں کیا ہے سوائے اس کے کہ میں جب بھی مکمل طہارت کی حالت میں رہتا ہوں رات اور دن کے

---

[1] () اسے امام ذہبی نے سیر عالم الد نبلا (۱/۲۳۰) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے اس کی اسناد حسن ہے اور البانی نے اسے سلسلہ صحیحہ میں حدیث نمبر پر نقل کیا ہے اور کہا اس کی اس کی سند صحیح ہے اور ابن اسحاق نے سیرت (۲/۲۱) میں قید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ خبر اسرا اور معراج کے بارے میں ہے۔

[2] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (٢٣٢٤)- وأورده الحافظ ابن كثير في تفسيره (٥/ ٢٧) وصحح إسناده۔

کسی بھی وقت میں تو میں اس طہارت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ جتنی مجھے توفیق دیتے ہیں[1] اتنی نمازیں ادا کرتا ہوں۔[2]

اس حدیث کے فوائد:

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ حدیث میں بہت سے فوائد ہیں:

1-بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی عظیم فضیلت۔

2-اس میں ہمیشہ پاک صاف رہنے کا مستحب ہونا بھی بتایا گیا ہے اور جنت میں داخلے کی وجہ کی مناسبت بھی معلوم ہوئی کیوں کہ جو ہمیشہ طہارت کو لازم پکڑے ہمیشہ طہارت کی حالت میں رہے اس کی روح اوپر جاتی ہے عرش کے نیچے سجدہ کرتی ہے جیسا کہ بیہقی نے شعب کے اندر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما کی حدیث سے روایت کیا ہے اور عرش جنت کی چھت ہے۔

3-اس میں یہ بھی ہے کہ نیک لوگوں سے سوال کیا جا سکتا ہے جن کی وجہ سے اللہ رب العالمین نے انہیں نیک اعمال کی توفیق دی ہے تاکہ ان کی اقتداء کی جائے دوسرے لوگوں کی طرف سے۔

4-اس میں یہ بھی ہے کہ شیخ اپنے شاگرد کے عمل کے بارے میں سوال کرے تاکہ اسے دوسرے لوگوں پر خصوصیت دے اور اگر عمل اچھا ہے تو اس سلسلے میں ترغیب دے اور اگر برا ہے تو اسے منع کرے۔

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۳/۴۵‏۳) میں لکھتے ہیں کہ: جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ ان اعمال سے مراد جس کا ثواب زیادہ ہوتا ہے نفلی اعمال ہیں ورنہ فریضہ نہ قطعی طور پر افضل ہے اور اس سے عبادت کے وقت کے سلسلے میں اجتہاد کرنے کے جواز کی بات بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ نے جو نتیجہ اخذ کیا تھا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا وہ استنباط کے ذریعے تھا چنانچہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو درست قرار دیا۔

[2] () أخرجه البخاري في صحيحه-كتاب التهجد-باب فضل الطهور بالليل والنهار-رقم الحديث (١١٤٩)-وأخرجه مسلم في صحيحه-كتاب فضائل الصحابة-باب فضل بلال-رضي الله عنه-رقم الحديث (٢٤٥٨)۔

5-اس میں یہ بھی ہے کہ جنت ابھی بھی موجود ہے ان لوگوں کی بات کا کوئی اعتبار نہیں جو معتزلہ میں سے اس کا انکار کرتے ہیں۔[1]

● رسول ﷺ پر برتن پیش کیا جانا:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میرے لئے بیت معمور کو اوپر کیا گیا اور میرے پاس شراب، دودھ اور شہد کے برتن لائے گئے میں نے دودھ والے برتن کو لیا اور پی لیا[2] مجھ سے کہا گیا کہ یہ فطرت ہے جس پر تم اور تمہارے امت کے لوگ ہیں۔[3]

صحیح کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں کہا: آپ نے اور آپ کی امت نے فطرت کو پا لیا۔[4]

---

[1]() دیکھئے: فتح الباري (٣/ ٤٦ ٣)۔

[2]() امام ابن المنیر کہتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (٢٠٣/١١) میں ان سے نقل کیا ہے اور شاید اپ ﷺ کے شہد سے دودھ کی طرف مڑنے میں راز یہ ہے کیونکہ دودھ زیادہ نفع بخش ہے اور اس سے ہڈی مضبوط ہوتی ہے اور گوشت پیدا ہوتا ہے اور وہ تنہا ہی کھانے کے برابر ہوتا ہے اور اس میں کسی بھی طرح سے اسراف داخل نہیں ہوتا اور وہ زہد اور تقوی کے زیادہ قریب ہے رہی بات شہد کی تو وہ اگرچہ حلال ہے لیکن وہ ان لذت والی چیزوں میں سے ہے جن کی وجہ سے اس کے استعمال کرنے والے پر اس بات کا خدشہ ہو سکتا ہے جو اللہ تعالی نے سورہ احقاف کی ایت نمبر ٢٠ : ﴿ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ ﴾ میں ذکر کیا ہے اور حافظ ابن حجر فتح الباری (٢٠٣/١١) میں لکھتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میں یہ بھی راز ہو جو اسرا کے راستے میں اپ ﷺ کو پیش ایا کہ اپ پیاسے ہوئے تو اپ نے دودھ کو ترجیح دی دوسری چیزوں کے علاوہ کیونکہ اس میں اپ کی حاجت حاصل ہو جاتی شراب اور شہد کے علاوہ چنانچہ سبب اصلی یہی ہوگا دودھ کو ترجیح دینے کے سلسلے میں اور اس کا شراب اور شہد پر راجح ہونا کئی اور طریقوں سے ثابت ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: جس طریق کی جانب حافظ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے کہ نبی ﷺ کو پیاس لگی تھی تو اپ ﷺ نے دودھ کو اختیار کیا اسے امام بیہقی نے دلائل نبوت (٣٥٦/٢) میں اور تخریج کیا ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے۔

[3]() أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب المناقب - باب المعراج - رقم الحديث (٣٨٨٧) - والإمام مسلم في صحيحه - كتاب الإيمان - باب الإسراء برسول الله - صلى الله عليه وسلم - رقم الحديث (٢٦٤)۔

[4]() أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب الأشربة - باب شرب اللبن - رقم الحديث (٥٦١٠)۔

• رسول ﷺ کا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا:

پھر جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ساتوں آسمان کے اوپر تک گئے یہاں تک کہ سدرۃ المنتہیٰ [1] کو پہنچ گئے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک اوپر لے جایا گیا اس کے پھل جیسے ہجر قبیلے کے مٹکے ہوں اور اس کے پتے جیسے ہاتھیوں کے کان ہوں اور اسے بہت سے رنگوں نے ڈھانپ لیا میں نہیں جانتا وہ کیا تھے تو میں نہیں سمجھتا کہ اس کے حسن اور جمال کی صفت اللہ کی مخلوقات میں سے کوئی بیان کر سکتا ہے، جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: وہاں پر چار نہریں [3] بھی تھیں، دو باطنی نہریں اور دو ظاہری نہریں، میں نے کہا: اے جبریل یہ کیا ہے؟

---

[1] () ابن دحیہ کہتے ہیں جیسا کہ ان سے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۲۱۶) میں نقل کیا ہے کہ: تمام درختوں کو چھوڑ کر بیری کے درخت کو اختیار کیا گیا کیونکہ اس میں تین صفت پائی جاتی ہے گھنا سایہ، لذیذ کھانا اور اچھی خوشبو چنانچہ یہ ایمان کے مقام پر ہوا جو کہ قول عمل اور نیت کو جامع ہوتا ہے اور گویا سایہ عمل کے مقام پر ہے کھانا نیت کے مقام پر ہے اور خوشبو قول کے مقام پر ہے۔

[2] () اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے حدیث نمبر (۱۷۳) پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ بے شک سدرۃ المنتہی چھٹے اسمان میں ہے اور اس کے اندر تعارض ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت یہ ہے وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۷/۲۱۵) میں کہا ہے کہ یہ کہا جائے کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ چھٹے اسمان میں ہے اور اس کے ٹہنیاں اور شاخیں ساتویں اسمان میں ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ یہ سدرۃ المنتہی کا نام یہ اس لیے پڑھا کیونکہ وہیں پر جا کر دنیا سے چڑھنے والی چیزوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور وہاں سے پکڑ لیا جاتا ہے اور اوپر سے جو چیزیں اتی ہیں وہیں تک ختم ہوتی ہیں اور وہاں پر اسے لے لیا جاتا ہے اس کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱۷۳) پر کی ہے۔

[3] () اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے اپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((اس کی جڑ میں چار نہریں ہیں))۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۲۱۶) میں کہتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ سدرۃ المنتہی جنت میں لگائی گئی ہو اور اس کے نیچے سے نہر جاری ہو رہی ہوں۔

انہوں نے کہا: جو دو باطنی نہریں ہیں وہ جنت میں ہوں گی اور جو ظاہر ہیں وہ نیل اور فرات ہیں۔[1]

● رسول ﷺ کا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جبریل کو اپنی اصل صورت پر دیکھنا:

وہاں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اس صورت پر دیکھا جس پر اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ دیباج کے ہرے جوڑے میں تھے ان کے چھ سو پر تھے ان میں سے ہر پر نے آسمان کو ڈھانپ لیا تھا ان کے پر سے بہت سے رنگ نکلتے تھے رسول ﷺ نے اس سے پہلے جبریل علیہ السلام کو مختلف صورتوں میں دیکھا تھا اور آپ ﷺ اکثر آپ کو دحیہ کلبی رضی اللہ تعالی عنہ کی صورت میں دیکھا کرتے تھے۔[2]

اللہ تعالی نے اسی مشہد کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ[3] (13) عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ (14) عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ (15) إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ (16) مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ[1] (17) لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ (18) ﴾ النجم ١٣-١٨۔

---

[1] () أخرجه البخاري في صحيحه-كتاب الفضائل-باب المعراج-رقم الحديث(٣٨٨٧)-وأخرجه في كتاب أحاديث الأنبياء-رقم الحديث (٣٣٤٢)-وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه كتاب الإيمان-باب الإسراء برسول الله-صلى الله عليه وسلم-رقم الحديث(١٦٢)-وباب ذكر سدرة المنتهى-رقم الحديث(١٧٣)۔

[2] () أخرج ذلك البخاري في صحيحه-كتاب التفسير-باب لقد رأى من آيات ربه الكبرى-رقم الحديث(٤٨٥٨)-وأخرجه في كتاب بدء الخلق-باب إذ قال أحدكم آمين والملائكة في السماء-رقم الحديث(٣٢٣٣)-وأخرجه مسلم في صحيحه-كتاب الإيمان-باب ولقد رآه نزلة أخرى-رقم الحديث(١٧٧)۔

[3] () حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۷/۴۵۱) میں کہتے ہیں کہ: یہ دوسری مرتبہ ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی خلقت پر دیکھا تھا جس پر اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے اور یہ اسراء کی رات کا واقعہ ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں اس ایت:﴿ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴾ سورہ نجم:۱۳ کے سلسلے میں کہ اپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جبرائیل کو سورۃ المنتہی کے پاس دیکھا جب ان کے ۶۰۰ پر تھے جن کے پنکھوں سے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں مسروق کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس تھا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا اللہ تعالی یہ نہیں کہتا ﴿وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ (23)﴾ اور اللہ نے یہ بھی کہا ہے: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ انہوں نے کہا: اس امت میں اس سے متعلق سب سے پہلے میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جبرئیل ہیں جنہیں آپ نے ان کی اصل خلقت پر صرف دو ہی بار دیکھا ہے: آپ نے انہیں اس وقت دیکھا جب وہ آسمان سے زمین کی طرف آرہے تھے جس سے آسمان اور زمین کی تمام چیزیں ان کے عظیم خلقت سے چھپ گئی تھیں۔[2]

• پانچ نمازوں کا فرض کیا جانا:

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی طرف دیکھا وہ اللہ کی خشیت سے[3] سے پرانی چٹائی کے مانند ہو گئے تھے، پھر اس درخت کو بدلی نے گھیر لیا، چنانچہ جبریل علیہ السلام پیچھے ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ کو وہاں تک لے جایا گیا جہاں سے قلم کے چلنے کی آواز سنی جاسکتی تھی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ نے جو چاہا میری جانب وحی کیا اور مجھ پر ہر دن اور رات میں

---

[1] () امام حاکم نے اپنی مستدرک میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حدیث نمبر (۳۸۰۱) پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے اللہ تعالی کے اس فرمان: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ دائیں یا بائیں نہیں گئے ﴿وَمَا طَغَىٰ﴾ کہتے ہیں: یعنی اس سے تجاوز نہیں کیا اور حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۱۲۲/۲) میں کہتے ہیں: یہ ثابت قدمی اور اطاعت و فرمانبرداری کی عظیم صفت ہے کیونکہ اپ ﷺ نے وہی کیا جس کا اپ کو حکم دیا گیا اور اپ نے اس سے زیادہ کا سوال نہیں کیا جتنا اپ کو دیا گیا۔

[2] () أخرجه الإمام مسلم في صحيحه- كتاب الإيمان- باب في ذكر سدرة المنتهى- رقم الحديث (١٧٧)- والإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (٢٦٠٤٠)۔

[3] () اسے امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷۸/۱) میں نقل کیا ہے اور کہا ہے اسے امام طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور اس کے ترک کو امام البانی نے سلسلہ صحیحہ میں نقل کیا ہے حدیث نمبر (۲۲۸۹) اور کہا ہے مجموعی طور پر یہ حدیث دونوں طرق کے جمع کرنے کے بعد حسن یا صحیح ہے، واللہ اعلم۔

پچاس نمازیں فرض کیں، پھر میں واپس ہوا اور موسی علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا : تمہیں کس چیز کا حکم دیا گیا ہے ؟

ایک دوسری روایت میں ہے کہ : اللہ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا ہے ؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ان پر پچاس وقت کی یومیہ نمازیں فرض کی ہیں۔

حضرت موسی علیہ السلام نے کہا : آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیے اور اس سے تخفیف کا سوال کریں کیونکہ تمہاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی میں نے تم سے پہلے اللہ کی قسم بنی اسرائیل پر تجربہ کیا ہے اور میں نے بنو اسرائیل کے ساتھ بہت سخت سلوک کیا ہے آپ اپنے رب کے پاس جائیے اور اس سے تخفیف کا سوال کیجئے آپ ﷺ نے فرمایا: میں پھر واپس گیا اور میرے رب نے پانچ نمازیں کم کردیں، میں نے کہا کہ : اللہ نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کردی ہیں، تو انہوں نے کہا کہ : آپ کی امت اس کی طاقت بھی نہیں رکھ سکتی، آپ واپس جاکر اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ : میں برابر اپنے رب اور موسی علیہ السلام کے پاس آتا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے فرمایا: اے محمد یہ پانچ نمازیں ہر دن اور رات میں ہیں اور ہر نماز کے بدلے دس نماز کا ثواب ہے اس طرح پچاس نمازوں کے برابر ہوں گی اور جو ایک نیکی کا ارادہ کرے اور اسے نہ کرے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس نے اسے کر دیا تو اس کے لئے دس نیکی لکھی جاتی ہے اور جو برائی کا ارادہ کرے مگر اسے نہ انجام دے تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں لکھی جائے گی اگر وہ کر دے تو اس کے لئے ایک گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔ (1)

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۶۱۹/۷) میں لکھتے ہیں کہ : یہ اس بات پر سب سے مضبوط دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اسرا کی رات میں بغیر واسطے کے ہمارے نبی محمد ﷺ سے کلام کیا تھا اور حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۱۲۲/۳) میں کہتے ہیں چنانچہ اپ ﷺ کے لیے اس رات رب سے کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا اس سلسلے میں ائمہ سنت کا اتفاق ہے۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں: پھر میں وہاں سے نیچے آیا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا کہ: واپس جاؤ اور اپنے رب سے تخفیف کا سوال کرو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میں اپنے رب کے پاس اس قدر مراجعہ کر چکا ہوں کہ اب مجھے شرم آنے لگی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو مجھے کسی نے پکارا: میں نے اپنے فریضے کو پورا کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کا معاملہ کیا))۔(1)

• اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کی امت کے خصوصیات:

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں دی گئیں، پانچ نمازیں دی گئی، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں، اور آپ کی امت سے جو کبھی شرک نہ کرے ان کے بڑے بڑے گناہوں کی(2) مغفرت کا وعدہ کیا گیا۔

• کیا اسراء کی رات اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟:

اللہ کے رسول ﷺ کے اپنے رب کو اسراء و معراج کی رات دیکھنے سے متعلق علمائے کرام کے درمیان اختلاف ہے، شیخان نے اپنی صحیحین میں مسروق سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ

---

(1) أخرج ذلک کاملہ: البخاري في صحیحہ-کتاب المناقب-باب المعراج-رقم الحدیث (٣٨٨٧)-وأخرجہ في کتاب الصلاۃ-باب کیف فرضت الصلاۃ-رقم الحدیث (٣٤٩)-ومسلم في صحیحہ-کتاب الإیمان-باب الإسراء برسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-رقم الحدیث (١٦٢)-وباب ذکر سدرۃ المنتهی-رقم الحدیث (١٧٣)-والإمام أحمد في مسندہ-رقم الحدیث (١٢٥٠٥)۔

(2) امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (۲/۳-۴) میں کہتے ہیں: اس امت سے جو بھی شرک کیے بغیر فوت ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیں گے اور اس سے مراد اللہ اعلم یہ ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے، جیسا کہ مشرک لوگ رہیں گے اور اس سے مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ انہیں سرے سے عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ شریعت کے نصوص اس سلسلے میں وارد ہیں اور اہل توحید میں سے گنہگاروں کے عذاب کو ثابت کرنے میں اہل سنت کا اجماع ہے اور حدیث کی تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱۷۳) پر اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۳۶۶۵) پر کی ہے۔

میں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے سوال کیا کہ اماں جان کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے ؟انہوں نے کہا: جو بات تم نے کہی ہے اس سے میرے بال خوف سے کھڑے ہو گئے، تم ان تین چیزوں سے کیسے بے خبر ہو جن کے بارے کوئی تمہیں بتائے تو سمجھ جاؤوہ جھوٹا ہے:

جو یہ کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو وہ جھوٹا ہے، پھر انہوں نے یہ آیتیں پڑھی: ﴿لا تدركه الأبصار وهو يدرك الأبصار وهو اللطيف الخبير﴾ الانعام: 103، ﴿وما كان لبشر أن يكلمه الله الا وحيا أو من وراء حجاب﴾ الشوری: 51۔

جس نے آپ کو یہ بتائی کہ آپ کل کی بات جانتے تھے وہ بھی جھوٹا ہے، پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی: ﴿وما تدری نفس ماذا تكسب غدا﴾ لقمان: ۳۴۔

جو آپ کو یہ کہے کہ آپ نے کوئی چیز چھپائی ہے تو اس نے بھی جھوٹ کہا، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿يا أيها الرسول بلغ ما أنزل إليك من ربك﴾۔ المائدۃ: 67۔ [1]

اور شیخان نے اسی طرح سے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے فرمان باری تعالی ﴿فكان قاب قوسين أو أدنى﴾ النجم: 9۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا انہیں چھ سو پر تھے۔ [2]

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابوذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ((وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں))۔ [3]

---

[1] ()والحديث أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب التفسير - باب سورة النجم - رقم الحديث (٤٨٥٥) - وأخرجه مسلم في صحيحه كتاب الإيمان - باب معنى قوله تعالى: {وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى} - رقم الحديث (١٧٧)۔

[2] ()أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب التفسير - باب قوله تعالى: {فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى} - رقم الحديث (٤٨٥٧) - وأخرجه مسلم - كتاب الإيمان - باب ذكر سدرة المنتهى رقم الحديث (١٧٤)۔

[3] ()(٣) أخرجه الإمام مسلم في صحيحه - كتاب الإيمان - باب في قوله عليه السلام - نور أنى أراه - رقم الحديث (١٧٨)۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرمان باری تعالیٰ ﴿ما کذب الفؤاد ما رأی﴾ اور فرمان باری تعالی: ﴿ولقد رآہ نزلۃ أخری﴾ کے بارے میں کہتے ہیں: آپ نے انہیں اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ شریک کی حدیث میں زیادتی ہے جو انہوں نے اکیلے روایت کی ہے[2] جو کہ ان لوگوں کے مذہب کے اعتبار سے ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا تھا اور عائشہ ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول اس آیت میں رویت کے سلسلے میں جبریل کا مراد ہونا سب سے صحیح بات ہے۔[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تعلیق چڑھاتے ہوئے کہا ہے کہ: یہ جو بیہقی نے کہا ہے وہی اس مسئلے میں حق اور سچ بات ہے۔[4]

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: صحیح حدیث میں ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے جو روایت ثابت ہے وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا روایت کا انکار کرتی ہیں تو کچھ لوگوں نے ان دونوں کے درمیان جمع کی صورت نکالی ہے یہ کہہ کر کہ عائشہ نے آنکھ سے دیکھنے کی نفی کی ہے اور ابن عباس نے دل سے دیکھنے کو ثابت کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے الفاظ مطلق طور پر ثابت ہیں یا وہ دل کے ساتھ مقید ہیں، کبھی وہ کہتے ہیں کہ: محمد نے اپنے رب کو دیکھا اور کبھی وہ کہتے ہیں کہ محمد

---

[1] () أخرجه الإمام مسلم في صحيحه - كتاب الإيمان - باب معني قوله تعَالَى: {وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَى} - رقم الحديث (١٧٦) (٢٨٥)۔

[2] () حدیث شریک کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التوحید - باب ماجاء في قوله تعالی: {وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا} حدیث نمبر (۷۵۱۷) پر تخریج کیا ہے اور شریک جس اضافے کے ساتھ تنہا ہیں اس کا لفظ اس طرح سے ہے "ودنا الجبار رب العزة، فتدلى حتى كان منه قاب قوسين أو أدنى"۔

[3] () دلائل النبوۃ (۲/ ۳۸۵)۔

[4] () تفسیر ابن کثیر (۵/ ۸)۔

نے ان کو دیکھا اور ابن عباس سے کوئی صریح لفظ اس بارے میں ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے رب کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہو۔

اسی طرح امام احمد کبھی رؤیت کا اطلاق کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ: آپ نے اپنے دل سے دیکھا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ انہوں نے احمد سے یہ کہتے ہوئے سنا ہو کہ انہوں نے آنکھ سے انہیں دیکھا ہے لیکن ان کے بعض ساتھیوں نے ان کے مطلق کلام کے کچھ حصے کو ہی سنا ہے جس سے انہیں آنکھ کی رویت سمجھ میں آئی، جیسا کہ کہ بعض لوگوں نے ابن عباس کے مطلق کلام کو سنا اور انہوں نے آنکھ کی رویت سمجھ لی۔

اور کسی بھی دلیل میں یہ ایسا کچھ نہیں ہے جس سے یہ بات سمجھ میں آئے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور نہ ہی ایسا کسی صحابی سے ثابت ہے اور نہ ہی کتاب و سنت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے بلکہ تمام صحیح حدیثیں اس کے نفی پر دلالت کرتی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ تعالی سے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے میں نے پوچھا کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ نے کہا: وہ تو نور ہے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔[1]

اور اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ﴾ الاسراء: ۱، اور اگر اللہ رب العالمین نے آپ کو آپ کی آنکھوں سے دکھایا ہوتا اپنے آپ کو تو اس کا ذکر کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہوتا۔

اسی طرح اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿أفتمرونه علی ما یری﴾ النجم: ۱۲، اور اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿ولقد رأی من آیات ربه الکبری﴾ النجم: ۱۸، اگر آپ نے اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا تو اس کا ذکر کرنا زیادہ مناسب تھا۔

---

[1]() أخرجه مسلم في صحيحه - كتاب الإيمان - باب في قوله عليه السلام: "نور أنى أراه" - رقم الحديث (۱۷۸)۔

اور صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمان باری تعالی: ﴿وما جعلنا الرؤیا التی أریناك الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن﴾الاسراء:٦٠، کے سلسلے میں منقول ہے کہ انہوں نے کہا: یہ آنکھ کا دیکھنا ہے، جسے رسول اللہ ﷺ کو اسراء کی رات دکھایا گیا[1] یہ آیات یعنی نشانیوں کی رویت ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے لوگوں کو جو چیزیں معراج کی رات سے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، جو کہ ان کے لیے آزمائش کے طور پر تھی کچھ لوگوں نے اسے سچ کہا اور کچھ لوگوں نے اسے جھٹلادیا، اور انہوں نے یہ خبر نہیں دی آپ نے اپنے رب کو بھی دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے اور نہ ہی کسی حدیث میں جو معراج کے سلسلے میں ثابت ہو اس کا کوئی ذکر ہے اور اگر ایسا کچھ ہوتا تو ضرور بتادیا جاتا جیسا کہ دوسری باتیں آپ نے بتائیں، اور صحیح نصوص اور سلف کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ یا کسی اور نے دنیا میں اللہ رب العالمین کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا سوائے کچھ لوگوں کے جو خاص طور پر ہمارے نبی ﷺ کی رویت کے قائل ہیں اور اس بات پر اتفاق ہے کہ مومنین اللہ رب العالمین کو قیامت کے دن اسی طرح سے اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے جیسے سورج اور چاند کو دیکھتے ہیں۔[2]

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ: ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا قول کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے، تو اگر ان کی دلیل اللہ تعالی کا فرمان: ﴿ما کذب الفؤاد ما رأی﴾النجم:11ہو۔

پھر اللہ رب العالمین نے فرمایا ہے: ﴿ولقد رآہ نزلة أخری﴾ النجم:13 تو اس سے ظاہر یہی ہے کہ ان کی دلیل یہی ہے تو اس بارے میں یہ ثابت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام کو آپ ﷺ نے دیکھا تھا، آپ نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کے اصل خلقت پر دیکھا ہے اور ابن

---

[1]() أخرجه البخاري في صحيحه-كتاب التفسير-باب قوله تعالى: {وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ} -حديث(٤٧١٦)-وأخرجه الإمام أحمد في مسنده-رقم الحديث(١٩١٦)۔

[2]() انظر مجموع الفتاوی(٦/ ٥٠٩ - ٥١٠)۔

عباس کا یہ قول امام احمد کا اپنے اس قول میں دلیل ہے کہ آپ نے اپنے رب کو اپنے دل سے دیکھا ہے، واللہ اعلم۔

اور سورہ نجم میں اللہ تعالی کا فرمان ﴿ثم دنا فتدلی﴾ تو یہ اسراء کے قصے میں موجود قریب ہونے اور جھکنے سے الگ ہے کیونکہ کہ جو سورۃ النجم میں ہے وہ جبرئیل علیہ السلام کا قریب ہونا اور جھکنا مراد ہے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کا کہنا ہے اور سیاق اسی پر دلالت کرتا ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ﴿علمه شديد القوى﴾ وہ جبریل ہیں ﴿ذو مرة فاستوى - وهو بالافق الاعلى- ثم دنا فتدلى﴾ تمام ضمیریں اسی سخت اور مضبوط معلم کے جانب لوٹتی ہیں اور وہی قوت والا ہے بلندی والی افق پر برابر ہونے والا بھی وہی ہے اور وہی قریب ہوئے اور جھکے اور وہی محمد ﷺ سے دو قوس یا اس سے کم مقدار کے فاصلے پر تھے۔[1]

امام امام ذہبی رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے فرمان: ((میں اپنے رب کو دیکھا[2] ہے)) کے بارے میں کہا ہے کہ رویت نوم سے مقید نہیں ہے اور جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ: نبی ﷺ نے اپنے رب کو معراج کی رات دیکھا ہے تو وہ اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں اور دلیل جس پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ امکان تو ہے مگر رؤیت نہ حاصل ہوئی تھی، لہذا ہم اس بارے میں توقف اپنائیں کیونکہ انسان کے اسلام کی اچھائی میں سے یہ بھی ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے[3] تو اس کا ثابت کرنا یا نفی کرنا کرنا مشکل ہے اور توقف اختیار کرنا نجات کا راستہ ہے، واللہ اعلم، اور جو چیز ہمارے لئے ثابت ہوگی وہی ہم کہیں گے اور جو نبی ﷺ کے لئے دنیا میں رویت کو ثابت کرے گا اسے ہم برا بھلا نہیں کہیں گے اور نہ ہی نفی کرنے والے کو کچھ کہیں گے بلکہ ہم کہیں گے

---

[1]() انظر زاد المعاد (٣/ ٣٤)۔

[2]() هذا الحديث أخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (٢٥٨٠) وإسناده صحيح۔

[3]() هذا الحديث أخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (١٧٣٧) وأخرجه الترمذي في جامعه- كتاب الزهد- باب رقم (٩)- رقم الحديث (٢٤٧٠) وإسناده حسن۔

کہ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں، ہاں ہم اس کو برا بھلا کہیں گے اور اس کو بدعتی کہیں گے جو آخرت میں رویت کا انکار کرے گا کیونکہ آخرت میں رویت متواتر نصوص سے ثابت ہے[1]۔

● رسول ﷺ کی مکہ واپسی اور لوگوں کو اپنے اسراء کے بارے میں خبر دینا:

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کے رسول ﷺ کو آسمانوں سے مسجد اقصیٰ لے کر گئے پھر اللہ کے رسول ﷺ مکہ آنے کے لیے جبریل کے ساتھ براق پر سوار ہوئے اور پھر صبح سے پہلے مکہ آ گئے۔

● وہ بعض مشاہد جو مکہ واپسی پر اللہ کے رسول ﷺ نے راستے میں دیکھا:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: میرا گزر بنی فلاں کے لشکر سے ہوا تو انہیں چوپائے یعنی براق کی آہٹ محسوس ہوئی جس سے ان کا ایک اونٹ بھاگ کھڑا ہوا میں نے انہیں اس کے بارے میں بتایا جب میں شام کی جانب متوجہ تھا پھر میں آگے بڑھا یہاں تک کہ ضجنان نامی پہاڑ کے پاس پہنچ گیا پھر میں بنی فلان کے لشکر کے پاس سے گزرا میں نے دیکھا سب لوگ سو رہے تھے ان کے برتنوں میں سے ایک برتن کو انہوں نے کسی چیز سے ڈھکا ہوا تھا میں نے اس کا ڈھکنا کھولا اور اس

---

[1] () امام ذہبی کے کلام کو سیر اعلام النبلا (۱۰/۱۱۴) میں دیکھیے۔

میں کہتا ہوں کہ: اللہ تبارک و تعالی کی قیامت کے دن رویت کے سلسلے میں بہت ساری حدیثیں وارد ہیں، انہی میں سے وہ روایت بھی ہے جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب التوحید - باب قوله تَعَالَى: {وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ (22) إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ} حدیث نمبر (۷۴۳۴) پر اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب المساجد - باب فضل صلاتي ا ُ صبح والعصر حدیث نمبر ۶۳۳ پر جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت اپ نے ۱۴ ویں رات کے چاند کی جانب دیکھا اور کہا کہ: بے شک تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح سے اس چاند کو دیکھ رہے ہو تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی پریشانی نہیں ہو گی چنانچہ اگر تم طاقت رکھو کہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے نماز پڑھ سکو تو تم ایسا ضرور کرو۔

میں جو تھاپی لیا[1] پھر میں نے اس کا ڈھکنا اسی طرح لگا دیا جیسے تھا اس لشکر میں ایک اونٹ کالا سفید تھا جس پر ٹاٹ کے دو برتن لدے ہوئے تھے ایک کالا تھا اور دوسرا سفید اور سیاہ۔[2]

[1] () امام سہیلی الروض الأنف (۲/۱۹۷) میں کہتے ہیں کہ: کس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے کسی اور کی ملکیت والے پانی کو پینا جائز سمجھا اس کا جواب یہ ہے کہ جاہلیت میں عرب کے لوگوں کے یہاں یہ عادت مشہور تھی کہ وہ مسافر کے لیے دودھ کی بھی اجازت دیتے تھے چہ جائے کہ پانی ہو اور وہ یہ بات اپنے چرواہوں کو بتا دیا کرتے تھے اور کرایہ وغیرہ لیتے وقت یہ شرط لگایا کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس سے گزرنے والے کسی شخص کو دودھ پینے سے منع نہیں کریں گے۔

[2] () اس خبر کو دیکھئے: السیرۃ لابن اسحاق (بلا اسناد) ودلائل النبوۃ للبیھقي (2/ 357) اور کہا ہے: یہ اسناد صحیح ہے، اور سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۱٦)۔

• کیا قریش کے لوگوں نے آپ کے اسرا اور معراج کے واقعہ کی تصدیق کی؟

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نبی پاک ﷺ کو بیت المقدس کی طرف راتوں رات لے جایا گیا اور پھر اسی رات آپ ﷺ واپس آئے اور انہیں اپنے سفر کی کہانی سنائی اور بیت المقدس کی علامات بتائیں اور ان کے لشکروں کی علامات سے متعلق انہیں خبر دیں۔[1]

رسول ﷺ نے فرمایا: جب مجھے اسراء کرایا گیا اور میں صبح کے وقت مکہ تھا تو مجھے پتہ چل گیا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے لہٰذا میں اکیلے میں غمزدہ ہو کر ایک جگہ بیٹھ گیا اسی وقت اللہ کا دشمن ابو جہل میرے پاس سے گزرا اور آ کر میرے پاس بیٹھ گیا۔

اور اس نے مذاق اڑانے کے انداز میں کہا: اے محمد کیا کچھ بات ہے؟ میں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: کیا ہوا؟ میں نے کہا کہ: آج رات مجھے اسراء کرایا گیا، اس نے کہا: کہاں تک کا؟ آپ نے کہا: بیت المقدس تک، اس نے کہا: پھر تم اس کے بعد ہمارے پاس صبح کر رہے ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔

اس نے فوراً ہی اس بات کو نہیں جھٹلایا اس خوف سے کہ کہیں جب وہ اپنی قوم کو ان کے پاس بلائے گا تو آپ مکر جائیں، مجھے اس نے کہا: اگر میں تمہاری قوم کو تمہارے پاس بلاؤں تو کیا اسی طرح وہ بات بتاؤ گے جس طرح سے تم نے مجھ سے بتایا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، ابو جہل - اللہ کی اس پر لعنت ہو - نے کہا: اے بنو کعب بن لوی کے لوگوں یہاں آؤ پھر سارے لوگ اس کی جانب اٹھ کر آ گئے اور دونوں کے پاس بیٹھ گئے اور کہا: اے محمد آپ اپنی قوم کو وہ بات بتاؤ جو تم نے مجھے بتائی ہے۔

---

[1] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده - رقم الحديث (٣٥٤٦) - وأورده الحافظ ابن كثير في تفسيره (٥/ ٢٨) وصحح إسناده۔

آپ ﷺ نے فرمایا: آج رات مجھے اسراء کرایا گیا ہے، لوگوں نے کہا: کہاں تک؟ آپ نے کہا: بیت المقدس تک، پھر لوگوں نے کہا: پھر تم ہمارے درمیان صبح کر رہے ہو؟ آپ نے کہا: ہاں۔

مشرکین نے شور مچایا اور اسے بہت بڑا جانا اور ان میں سے کچھ لوگ تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگ اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر تعجب سے رکھنے لگے۔ (1)

یہ بہت عظیم فتنہ تھا بعض اسلام لانے والے مرتد ہو گئے، اس پر اللہ رب العالمین نے مرتد ہونے والوں کے سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴾[الاسراء: ٦٠]۔ (2)

[1] () أخرج ذلک الإمام أحمد في مسنده بسند صحیح علی شرط الشیخین- رقم الحدیث (٢٨١٩). وأخرجه النسائي في السنن الكبرى- کتاب التفسیر- باب سورة الإسراء- رقم الحدیث (١١٢٢١) - وابن إسحاق في السیرة (٢/ ١٢)۔

[2] () أخرج ذلک البخاري في صحیحه- کتاب المناقب- باب المعراج- باب حدیث (٣٨٨٨) وأخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحدیث (١٩١٦)- والحاکم في المستدرک- کتاب معرفة الصحابة- باب الأحادیث المشعرة بتسمیة أبي بکر صدیقاً- رضي الله عنه- رقم الحدیث (٤٤٦٣)۔

امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر (١٠٣/٨) میں کہتے ہیں: اس سلسلے میں سب سے درست بات ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کا وہ خواب ہے جس میں آپ ﷺ نے بیت المقدس تک اسرا کی رات اپنے راستے میں نشانیاں اور عبرتیں دیکھی تھیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اسے زیادہ درست اس لیے کہا کہ اہل تاویل کی حجت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی ہے نہ کہ اس سے اللہ رب العالمین مراد ہیں چنانچہ جب ایسا ہے تو اس کلام کی تاویل یہ ہو گی کہ اور ہم نے جو تمہیں تمہارے مکہ سے بیت المقدس تک اسرا کے دوران اس رات دکھایا وہ لوگوں کے لیے فتنے کے طور پر تھا وہ کہتے ہیں وہ صرف ان لوگوں کے امتحان کے طور پر تھا جو لوگ اسلام سے مرتد ہو گئے تھے جب انہیں اس خواب کی خبر دی گئی جیسے آپ ﷺ نے دیکھا تھا اور اہل مکہ میں سے ان مشرکین کے لیے جو اللہ کے رسول ﷺ سے اس واقعے کو سننے کے بعد اپنی گمراہی اور کفر میں اور زیادہ حد سے بڑھ گئے تھے۔

● ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا موقف:

لوگ ابو بکر صدیق کے پاس گئے اور کہا: اپنے ساتھی کو دیکھو وہ گمان کر رہا ہے کہ رات میں اسے بیت المقدس تک لے جایا گیا اور وہاں پر اس نے نماز پڑھی اور پھر ایک ہی رات میں مکہ بھی واپس آ گیا؟

آپ نے کہا: تم ان پر جھوٹ بول رہے ہو؟ ان لوگوں نے کہا: نہیں، دیکھو وہ وہاں مسجد میں ہیں، لوگوں سے بات کر رہے ہیں ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم: اگر اس نے یہ بات کہی ہے تو اس نے سچ کہا ہے لوگوں نے کہا: کیا تم اس بات کو سچ مانتے ہو کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گیا، صبح ہونے سے پہلے واپس آ گیا؟ انہوں نے کہا: ہاں، اچھا تمہیں اس بارے میں تعجب خیز معاملہ کیا لگتا ہے؟

میں تو اس کی تصدیق اس سے بھی زیادہ دور کی چیز کے سلسلے میں کرتا ہوں میں آپ کی تصدیق آسمان سے آئی ہوئی صبح شام کی خبروں کے بارے میں کرتا ہوں ہو تو کیا یہ تمہارے تعجب سے زیادہ دور کی بات نہیں ہے پھر وہ آئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ نے اپنی قوم کو یہ بات بتائی ہے کہ آپ آج کی رات بیت المقدس گئے تھے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: ہاں۔

ابو بکر نے کہا کہ: آپ نے سچ کہا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر سے کہا: اور تم اے ابو بکر صدیق ہو اسی دن انہیں صدیق کہا گیا۔ (1)

---

1 () اس کی تخریج امام حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفة الصحابة - باب الأحاديث المشعرة بتسمية أبي بكر صديقاً - رضي الله عنه - حدیث نمبر (۴۴۶۳) پر کی ہے اور کہا ہے یہ صحیح الاسناد ہے اور اس پر امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے دیکھیے: السلسلة الصحيحة للألباني حدیث نمبر (۳۰۶)۔

ابو محجن ثقفی کہتے ہیں:

و سميت صديقا و كل مهاجر سواك يسمى باسمه غير منكر
وسبقت إلى الاسلام والله شاهد وكنت جليسا باعريش المشهر
وبالغار إذ سميت بالغار صاحبا وكنت رفيقا للنبى المطهر (1)

● قریش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیت المقدس کے صفت بیان کرنے کا مطالبہ:

ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمارے لئے بیت المقدس کی صفت بیان کر سکتے ہیں؟ اور ان لوگوں میں کچھ لوگ تھے جنہوں نے اس جگہ کا سفر کیا تھا اور وہ مسجد کو دیکھے ہوئے تھے۔

مطعم بن عدی (2) کھڑے ہوئے اور کہا کہ: میں بیت المقدس کے بارے میں سب سے زیادہ جانتا ہوں بتاؤ اس کی عمارت کس طرح سے ہے اور اس کی ہیئت کس طرح ہے اگر محمد سچ بولیں گے تو میں تمہیں بتاؤں گا اور اگر وہ جھوٹ بولیں گے تو بھی میں تمہیں بتاؤں گا، پھر انہوں نے کہا: اے محمد میں لوگوں میں سب سے زیادہ بیت المقدس کے بارے میں جاننے والا ہوں تم مجھے بتاؤ کہ اس کی عمارت کیسی ہے اور اس کی ہیئت اور حالت کیسی ہے؟

---

(1) یہ اشعار دیکھیے: الاستیعاب في معرفة الأصحاب لابن عبد البر (۳/ ۹٤)۔

(2) میں کہتا ہوں: امام بیہقی نے دلائل نبوت (۲/۳۵۵) میں اور ابن اسحاق نے سیرت (۲/۱۲) میں ذکر کیا ہے کہ جس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ہمیں بیت المقدس کی صفت بتاؤ وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تھے یہ صحیح نہیں ہے بلکہ جس نے اپ سے بیت المقدس کی صفت کو بیان کرنے کا مطالبہ کیا تھا وہ مطعم بن عدی تھے جیسا کہ اسے ابو یعلی نے اپنی مسند میں ام ہانی کی حدیث سے روایت کیا ہے دیکھیے فتح الباری (۷/۵۹۹)، (۹/۳۰۷)۔

حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۵/۲۷) میں کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وہی حدیث ہے جسے امام بیہقی نے نقل کیا ہے یعنی وہ حدیث جو شداد ابن اوس سے مروی ہے جو ایسی چیزوں پر مشتمل ہے جس میں سے کچھ صحیح ہے جیسا کہ بیہقی نے ذکر کیا ہے اور کچھ منکر ہے جیسے بیت لحم میں نماز اور بیت المقدس کے بارے میں ابو بکر صدیق کا سوال کرنا۔

اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں: گویا میں ابھی حجر میں ہوں اور قریش مجھ سے میرے اس رات کے سفر کے بارے میں سوال کر رہے ہیں، انہوں نے مجھ سے کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں پوچھا جو مجھے یاد نہ تھیں تو مجھے اس قدر خوف طاری ہوئی اتنا خوف مجھے کبھی طاری نہیں ہوا تھا، پھر اللہ رب العالمین نے اسے میرے سامنے کر دیا گویا میں اب اسے دیکھ رہا تھا اور جو بھی شخص جس چیز کے بارے میں سوال کرتا تھا میں انہیں اس کی خبر دیتا تھا۔[1]

اور بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ: آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اللہ تعالی نے میرے لئے بیت المقدس کو روشن کر دیا اور میں اس کی نشانیوں کے بارے میں انہیں بتانے لگا اس حال میں کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔[2]

اور امام احمد کی مسند میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ان کے لئے اس کی صفات کو بیان کر رہا تھا میں ان کے لیے اس کی صفات کو بیان کرتا رہا یہاں تک کہ مجھ پر بعض صفات ملتبس ہو گئیں، آپ فرماتے ہیں کہ: پھر مسجد کو لایا گیا[3] گویا میں دیکھ رہا ہوں، پھر اسے عقیل کے گھر کے پہلے رکھا گیا پھر میں نے انہیں اس کی صفات بتائیں اور میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جب آپ ﷺ اس کی صفات بیان کر کے فارغ ہوئے تو مشرکین نے کہا کہ: رہی بات صفت کی تو اللہ کی قسم اس نے درست کہا۔[4]

---

[1] () أخرجه مسلم في صحيحه- كتاب الإيمان- باب ذكر المسيح ابن مريم- رقم الحديث (۱۷۲)۔

[2] () أخرجه البخاري في صحيحه- كتاب المناقب- باب حديث الإسراء- رقم الحديث (۳۸۸٦)- وأخرجه في كتاب التفسير- باب قوله تعالى: {أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا} - رقم الحديث (٤۷۱۰)۔

[3] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۵۹۹) میں کہتے ہیں کہ معجزے کے لحاظ سے یہ زیادہ بلیغ ہے اور اس میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پلک جھپکتے ہوئے بلقیس کے عرش کو سلیمان علیہ السلام کے لیے حاضر کیا گیا تھا یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹایا گیا یہاں تک کہ ان کے پاس لایا گیا اور یہ اللہ تعالی کی قدرت میں کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

[4] () اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۸۱۹) پر کی ہے اور اس کی اسناد شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

پھر رسول ﷺ نے ان سے کہا: اس کی نشانی یہ ہے کہ میں تمہارے لشکر سے فلاں فلاں جگہ سے گزرا ہوں انہیں چوپائے کی آہٹ بھی محسوس ہوئی تو ان کا ایک اونٹ بدک کر بھاگ گیا، اور میں نے انہیں اس کے بارے میں بتایا، اور ان کے پاس اس ایک برتن میں پانی تھا جسے وہ کسی چیز سے ڈھکے ہوئے تھے میں نے ان کے برتن کو کھولا اور میں نے اس کا پانی پی لیا پھر اسے جیسے تھا ویسے ہی ڈھک دیا اور ان کے لشکر میں ایک اونٹ تھا جو سفید اور کالا تھا اس پر دو برتن تھے جن میں سے ایک کالا اور دوسرا سفید چمکدار جب لشکر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ اس اونٹ پر اسی طرح کی چیز تھی جو رسول ﷺ نے انہیں بتایا تھا اور ان سے برتن کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انہوں نے پانی بھر کر رکھا تھا اور پھر ڈھک دیا تھا اور وہ جب اس کے پاس گئے تو اسے جیسے کا تیسا ڈھکا ہوا پایا مگر اس میں پانی نہ تھا ان سے ان لوگوں نے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی اونٹ غائب ہو گیا تھا تو انہوں نے کہا ہمارا ایک اونٹ بدک گیا تھا پھر ہم نے ایک آدمی کی آواز سنی جو ہمیں بلا رہا تھا یہاں تک کہ ہم نے اس کو پکڑ لیا۔[1]

کافروں نے رسول ﷺ کی سچائی کو جان کر تعجب کیا مگر اس سے بھی ان کی سرکشی اور نفرت ہی میں اضافہ ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ: رسول ﷺ نے اپنے قوم کو پہلے اسراء کے بارے میں بتایا جب ان کے لئے آپ کے اس معجزے کی سچائی ظاہر ہو گئی تو آپ نے انہیں اس سے بڑی چیز یعنی معراج کے بارے میں بتائیں۔[2]

---

[1]() انظر سیرۃ ابن ھشام (٢/ ١٦)۔

[2]() اسرا اور معراج کے قصے کی تفصیل دیکھیے: صحیح البخاري-کتاب الصلاۃ-باب کیف فرضت الصلاۃ-رقم الحدیث (٣٤٩)-کتاب الحج-باب ماجاء في زمزم-رقم الحدیث (١٦٣٦)-وکتاب بدء الخلق-باب ذکر الملائکۃ علیھم السلام-رقم الحدیث (٣٢٠٧). وکتاب أحادیث الأنبیاء-باب ذکر ادریس علیہ السلام-رقم الحدیث (٣٣٤٢) وکتاب المناقب-باب حدیث الإسراء-رقم الحدیث (٣٨٨٦)-وکتاب المناقب-باب المعراج-رقم الحدیث (٣٨٨٧) - (٣٨٨٨) و صحیح مسلم-کتاب الإیمان-باب الإسراء برسول اللہ-صلی اللہ علیہ وسلم-رقم الحدیث (١٦٢) - (١٦٣) - (١٦٤) - (١٦٥) - (١٦٦) - (١٦٧) - (١٧٢) ومسند الإمام أحمد - رقم الحدیث

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: آپ ﷺ نے اس رات بہت سی آیتیں اور نشانیاں دیکھیں اگر انہیں یا ان میں سے کچھ چیزیں آپ کے علاوہ کوئی دیکھتا تو وہ ڈر جاتا اور اس کا عقل کام کرنا بند کر دیتا لیکن آپ ﷺ نے پر سکون طور پر صبح کی آپ کو یہ خدشہ ہوا کہ اگر آپ اپنی قوم کو اس کے بارے میں خبر دیں گے تو وہ آپ کو جھٹلا دیں گے اسی لئے آپ ﷺ نے نرمی کے ساتھ انہیں پہلے یہ بتلایا کہ میں آج کی رات بیت المقدس کی جانب گیا تھا۔[1]

● اسراء اور معراج کے قصے سے فوائد:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اسراء اور معراج سے متعلق حدیث میں کئی ایک فائدے ہیں:

۱- آسمان کے کئی حقیقی دروازے ہیں اور اس کے دربان بھی ہیں۔

۲- اس میں اجازت طلب کرنے کا اثبات بھی ہے۔

۳- اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اجازت لے رہا ہو اسے یہ کہنا چاہیے کہ میں فلاں ہوں صرف میں کہنے پر اکتفا نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اس سے سوال کا مقصد پورا نہیں ہوتا ہے۔

۴- یہ کہ گزرنے والے کو بیٹھے ہوئے لوگوں پر سلام کرنا چاہیے اگرچہ گزرنے والا بیٹھنے والے سے زیادہ افضل ہو۔

(۱۲۵۰۵) - (۱۲۶۷۳) - (۱٤۰۵۰) - (۱۲۵۵۸) - (۱۳۷۳۹) - (۱۲٦٤۱) وصحیح ابن حبان - کتاب الإسراء الأحادیث من (٤٥ - ٦۰) - السنن الکبری للنسائي - کتاب الصلاۃ - باب فرض الصلاۃ - رقم الحدیث (۳۰۹) - (۳۱۰) - (۳۱۱) السنن الصغری للنسائي - کتاب الصلاۃ - باب فرض الصلاۃ - رقم الحدیث (٤٤۸) (٤٤۹) (٤۵۰) (٤۵۱) دلائل النبوۃ للبیهقي (۲/ ۳۵٤) ومابعدها - البدایۃ والنهایۃ (۳/ ۱۱۸ - ۱۲۸) - زاد المعاد (۳/ ۳۰ - ۳۸) - سیرۃ ابن هشام (۲/ ۹ - ۲۱) الرّوض الأُنُف (۲/ ۱۸۷) - تفسیر ابن کثیر - تفسیر سورۃ الإسراء - تفسیر الطبري - تفسیر سورۃ الإسراء۔

[1] انظر البدایۃ والنهایۃ (۳/ ۱۲۳)۔

۵-اس میں اہل فضل سے مسکرا کر ترحیب اور ثنا اور دعا کے ساتھ ملنے کا استحباب بھی معلوم ہوتا ہے۔

۶-اس میں انسان کے منہ پر تعریف کا جواز ملتا ہے بشرطیکہ کہ وہ فتنے سے مامون ہو۔

۷-اس میں قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنے کا جواز بھی ملتا ہے جو کہ ابراہیم علیہ السلام کے بیت مامور سے ٹیک لگا کر بیٹھنے سے ثابت ہوتا ہے، وہ بھی کعبہ ہی کی طرح ہے اور وہ بھی ہر طرف سے قبلہ ہے۔

۸-اس میں فعل کے واقع ہونے سے قبل حکم کے منسوخ ہونے کا جواز بھی ملتا ہے۔

۹-اس میں رات کے وقت دن کے مقابلے میں سفر کرنے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اسراء رات میں واقع ہوا تھا اور اسی لئے آپ ﷺ کی اکثر عبادت رات میں ہوتی تھی اور آپ کا اکثر سفر بھی رات میں ہوتا تھا، آپ ﷺ نے اس صحیح حدیث کے اندر جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ :((لوگو رات میں سفر کو لازم پکڑو کیوں کہ رات کے وقت زمین کو سمیٹ دیا جاتا ہے))۔[1]

۱۰-اور اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کسی بھی چیز کے حاصل کرنے کے لئے تجربہ زیادہ جانکاری سے زیادہ سود مند ہوتا ہے یہ حضرت موسی علیہ السلام کے نبی سے فرمان سے حاصل ہوا ہے بایں طور کہ انہوں نے کہا کہ : انہوں نے اپنی امت کا ان سے پہلے علاج کیا ہے اور ان پر تجربہ کیا ہے اس سے عادت کے ذریعے سے فیصلہ کرنے کا بھی فائدہ حاصل ہوتا ہے اسی طرح اعلی سے ادنی کو تنبیہ کرنا بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ گزشتہ قومیں اس امت کے مقابلے میں زیادہ مضبوط بدن والے تھے اور موسی علیہ السلام نے اپنے کلام میں کہا کہ : انہوں نے اس سے کم پر ان کا معالجہ کیا انہوں نے بات نہ مانی اسے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کی دوستی کا مطلب بات کو تسلیم کرنا اور کار ضامندی ظاہر کرنا ہے

[1] () رواه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (١٥٠٩١)۔

اور تکلیم کا مقام ادلال اور انبساط ہے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے رسول ﷺ کو اللہ رب العالمین سے طلب تخفیف کا حکم دیا جبکہ حضرت ابراہیم نے ایسا نہ کیا حالانکہ ابراہیم علیہ السلام نبی ﷺ سے زیادہ خاص تھے کیوں کہ وہ باپ کے درجے میں تھے اور ان کا مرتبہ بلند تھا اور ان کے ملت کی اتباع کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

۱۱-اور اس میں یہ بھی فائدہ معلوم ہوا کہ جنت اور جہنم کو پیدا کر دیا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ((مجھ پر جنت اور جہنم کو پیش کیا گیا))۔[1]

۱۲-اس میں اللہ رب العالمین سے سوال کا استحباب بھی ہے اور اللہ رب العالمین کے نزدیک شفاعت کی کثرت کا بھی استحباب ہے جیسا کہ آپ ﷺ کو موسیٰ علیہ السلام کے مشورے کے بعد تخفیف کے سوال پر قبولیت حاصل ہوئی۔

۱۳-اس میں حیا کی فضیلت بھی ہے۔

۱۴-اس میں محتاج کو نصیحت کرنے کی بھی بات ہے اگرچہ نصیحت کرنے والے سے نصیحت طلب نہ کی جائے[2]۔

• نماز کے اوقات:

جب رسول ﷺ نے اسراء کی رات صبح کی تو زوال شمس کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے آپ کو نماز کی کیفیت اور اس کے اوقات کی تعلیم دی۔[3]

---

[1]() أخرجه البيهقي في دلائل النبوة(٢/ ٣٩٤)۔

[2]() فتح الباري(٧/ ٦٢١)۔

[3]() حافظ ابن حجر فتح الباری(۲/۱۸۴) میں لکھتے ہیں کہ: یہ ان لوگوں پر رد ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ وقت کا بیان ہجرت کے بعد ہوا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وضاحت سے واقع ہوا ہے اور اس کے بعد نبی پاک ﷺ نے اسے بیان کیا ہے۔

پس اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا الصلاہ جامعہ [1] کہا اور لوگ جمع ہو گئے جبرئیل علیہ السلام نے آپ کی امامت کرائی اور آپ ﷺ نے لوگوں کی امامت کرائی [2] اس نماز کو ظہر کی نماز کا نام دیا گیا یا تو اس لئے کہ یہ پہلی نماز ظاہر ہوئی تھی یا اس لیے کیوں کہ اسے ظہر کے وقت ادا کیا گیا۔[3]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے بسند صحیح جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہا اٹھو اور نماز پڑھ لو آپ نے سورج کے زوال کے وقت ظہر پڑھی پھر آپ کے پاس عصر کے وقت آئے اور کہا: اٹھو نماز پڑھو، آپ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا تو عصر کی نماز پڑھی یا انہوں نے کہا کہ: جب ان کا سایہ ان کے مثل ہو گیا، پھر مغرب کے وقت آئے اور کہا: اٹھو نماز پڑھو، آپ ﷺ نے مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جب سورج غروب ہو گیا، پھر عشاء کے وقت آئے اور کہا: اٹھو نماز پڑھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی جب شفق غائب ہو گیا، پھر آپ ﷺ کے پاس جبریل فجر میں آئے اور کہا: اٹھو نماز پڑھو، آپ نے اس وقت نماز پڑھی جب فجر روشن ہو گیا یا یہ کہا کہ: جب فجر طلوع ہو گیا، پھر آپ کے پاس دوسری صبح ظہر کے لئے آئے اور کہا: نماز پڑھو آپ نے ظہر اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہو گیا، پھر عصر میں آئے اور کہا: اٹھو نماز پڑھو آپ نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے دوگنا ہو گیا پھر آپ کے پاس مغرب میں آئے ایک ہی وقت تھا اس سے الگ نہ ہوئے، پھر عشاء میں آئے جب رات کا آدھا حصہ گزر گیا یا کہا کہ تہائی حصہ گزر گیا

---

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۲/۱۸۴) میں لکھتے ہیں کہ: انہیں نماز کے لیے یہ کہہ کر بلایا کیونکہ اس وقت تک اذان مشروع نہیں ہوئی تھی۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۲/۱۸۴) میں لکھتے ہیں: اس حدیث سے اس شخص کے امام بنانے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے جو کسی اور کی امامت میں نماز پڑھ رہا ہو اور اس کا جواب اسی طرح دیا جائے گا جس طرح ابو بکر کے نبی ﷺ کے پیچھے اور لوگوں کے ان کے پیچھے نماز پڑھنے کے قصے کا جواب دیا جاتا ہے چنانچہ یہ محمول کیا جائے گا کہ وہ صرف مبلغ تھے۔

[3] () انظر سیرۃ ابن ھشام (۱/ ۲۸۲)۔

تب آپ نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر فجر میں آئے جب زیادہ روشنی ہو گئی اور کہا: اٹھو نماز پڑھو، پھر آپ نے فجر کی نماز پڑھی، پھر انہوں نے کہا: ان دونوں اوقات کے درمیان نمازوں کا وقت ہے۔[1]

● چار رکعت والی نماز میں دو رکعت فرض ہوئی:

اسراء کی رات اللہ کے رسول ﷺ پر نماز کی فرضیت کے وقت ظہر عصر عشاء اور فجر دو رکعتیں اور مغرب کی تین رکعت فرض کی گئی تھیں پھر اللہ کے رسول ﷺ جب مدینہ ہجرت کر کے آئے اور یہ نمازیں چار رکعت ہو گئیں جو کہ آپ کے مدینہ آنے کے بعد کا واقعہ ہے اور سفر کی نماز اپنے پہلی حالت پر ہی باقی رہیں۔

امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین کے اندر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ: اللہ تعالی نے نماز کی فرضیت کے وقت انہیں سفر و حضر دونوں میں دو رکعت فرض کئے تھے پھر سفر کی نماز باقی رہی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔[2]

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ: نماز دو دو رکعت فرض کی گئی پھر آپ ﷺ ہجرت کر کے آئے اور نماز کو چار رکعت کیا گیا اور سفر کی نماز اپنی پہلی حالت پر باقی رہیں۔[3]

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند حسن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں پہلے اللہ کے رسول ﷺ پر جب نماز فرض ہوئی تو دو رکعت تھی سوائے مغرب کے جو کہ

---

[1] ()اس کی تخریج امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۴۵۳۸) پر اور حاکم نے مستدرک میں کتاب الصلاۃ - باب وقت صلاۃ العشاء حدیث نمبر (۷۳۰) پر کی ہے۔

[2] ()أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب الصلاة - باب كيف فرضت الصلاة في الإسراء - رقم الحديث (٣٥٠) - ومسلم في صحيحه - كتاب صلاة المسافرين - باب صلاة المسافرين وقصرها - رقم الحديث (٦٨٥)۔

[3] ()أخرجه البخاري - كتاب مناقب الأنصار - باب التاريخ - رقم الحديث (٣٩٣٥)۔

تین رکعت تھی پھر اللہ رب العالمین نے ظہر عصر اور عشاء کو مکمل کر دیا حضر میں چار اور سفر کی حالت میں انہیں اپنے پہلے فرضیت کے مطابق باقی رکھا۔[1]

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں یہ حدیث مسلم میں موجود ابن عباس کی حدیث سے ٹکراتی ہے وہ کہتے ہیں اللہ تعالی نے تمہارے نبی کی زبانی حضر میں چار رکعتیں سفر میں دو رکعت[2] فرض کی اور جو میرے لئے ظاہر ہوتا ہے اور جس سے تمام دلیلیں جمع ہو جاتی ہیں وہ یہ ہے کہ نمازیں اسراء کی رات دو رکعت فرض ہوئیں سوائے مغرب کے ہجرت کے بعد ان میں اضافہ کر دیا گیا سوائے نماز صبح کے جیسا کہ اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند حسن عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ: حضر اور سفر کی نماز پہلے دو رکعت فرض کی گئی پھر جب نبی پاک ﷺ مدینہ تشریف لائے اور وہاں پر سکون ہوئے تو حضر کی نماز میں دو دو رکعت اضافہ کر دیا گیا اور فجر کی نماز میں لمبی قرات کے سبب اسے چھوڑ دیا گیا اور مغرب کی نماز بھی کیونکہ وہ دن کی وتر ہے۔[3]

پھر اس کے بعد چار نمازیں باقی رہیں جن میں سے سفر کے وقت فرمان باری تعالی ((فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة))[النساء: ١٠١] کے نازل ہونے کی وجہ سے تخفیف کر دیا گیا، عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کے قول: "سفر کی نماز کو مکمل کر دیا گیا" سے مراد تخفیف کی وجہ سے آخری حکم کے اعتبار سے نہ کہ اول فرضیت سے اسی پر برقرار رہیں اس لیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قصر کرنا ضروری (عزیمت) ہے۔[4]

---

[1] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (٣٦٣٣٨)۔

[2] () أخرجه مسلم في صحيحه- كتاب صلاة المسافرين وقصرها- باب صلاة المسافرين وقصرها- رقم الحديث (٦٨٧)۔

[3] () أخرجه ابن حبان في صحيحه- كتاب الصلاة- باب فصل في صلاة السفر- رقم الحديث (٢٧٣٨)۔

[4] () انظر فتح الباري (٢/ ١١ - ١٢)۔

● نماز بیت المقدس کی جانب پڑھی جاتی تھی:

رسول ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور کعبہ کو اپنے اور بیت المقدس کے درمیان کر لیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ہجرت کی اور قبلہ کے تحویل ہونے کے بارے میں وحی نازل ہوئی جیسا کہ ان شاء اللہ اس بارے میں بات آئے گی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں بسند صحیح شیخین کی شرط پر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ مکہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور کعبہ آپ کے سامنے ہوتا تھا، اسی طرح مدینہ ہجرت کے بعد بھی ۱۶ مہینے تک پھر آپ کے رخ کو کعبہ کے جانب موڑ دیا گیا(1)۔

---

[1] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده-رقم الحديث (٢٩٩١)۔

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

قاضی عیاض کہتے ہیں کہ چاند کا ٹکڑا ہونا نبی کے اہم ترین معجزات میں سے ہے اسے بہت سے صحابہ کرام نے روایت کیا ہے اور آیت کریمہ اور اس کے سیاق کا ظاہر بھی یہی ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: مسلمانوں کا اس کے آپ ﷺ کے زمانے میں واقع ہونے پر اجماع ہے اس سلسلے میں بہت سی متواتر احادیث مختلف طرق سے وارد ہیں جو ان میں غور کرنے اور اس کے بارے میں علم حاصل کرنے والوں کے لئے قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔[2]

شیخان نے اپنی صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مکہ والوں نے رسول ﷺ سے طلب کیا کہ آپ انہیں چاند کو دو ٹکڑے کر کے نشانی دکھائیں تو آپ نے ان کو چاند کو دو ٹکڑوں میں دکھایا یہاں تک کہ انہوں نے دیکھا کہ ان دونوں کے درمیان حرا[3] نظر آرہا تھا۔[4]

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: چاند کا ٹکڑا ہوا اور ہم اس وقت نبی کے ساتھ منی[5] میں تھے تو آپ نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ اور ایک ٹکڑا پہاڑ کی جانب چلا گیا۔[1]

---

[1]() انظر صحیح مسلم بشرح النووي (١٧/ ١١٩)۔

[2]() انظر البدایة والنهایة (٣/ ١٢٩)۔

[3]() حرا مکہ میں ایک مشہور پہاڑی ہے۔

[4]() أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب المناقب - باب انشقاق القمر - رقم الحديث (٣٨٦٨) - وأخرجه مسلم في صحيحه - كتاب صفات المنافقين وأحكامهم - باب انشقاق القمر - رقم الحديث (٢٨٠٢)۔

[5]() امام ابن حجر فتح الباری (٧/٥٧٩) میں لکھتے ہیں کہ یہ انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے منافی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ وہ مکہ میں تھے اس لیے کہ انہوں نے اس بات کی تصریح نہیں کی ہے کہ اس رات آپ ﷺ مکہ میں تھے اور اگر ان کی تصریح کو مان لیا جائے تو منی مکہ ہی کا حصہ ہے چنانچہ کوئی تعارض نہیں بچے گا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور لفظ امام احمد کا ہے انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہو گیا اور یہ دو بار واقع ہوا[2]، اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿اقتربت الساعة وانشق القمر- وان یروا آیة﴾ ﴿یعرضوا﴾ ﴿ویقولوا سحر مستمر﴾ القمر: ۱-۲۔[3]

امام طحاوی نے شرح مشکل آثار میں اور امام طیالسی نے اپنی مسند میں بسند صحیح ہے بخاری کی شرط پر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں چاند کا ٹکڑا ہوا، قریش نے کہا: یہ ابن ابی کبشہ[4] کا جادو ہے اور انہوں نے کہا انتظار کرو دیکھو مسافر لوگ کیا کہتے ہیں کیونکہ محمد سارے لوگوں کے اوپر جادو نہیں کر سکتے چنانچہ جب سفر کرنے والے لوگ آئے تو انہوں نے کہا: ایسا ہوا تھا۔[5]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ یعنی چاند کا ٹکڑا ہونے کو بہت ساری جگہوں پر دیکھا گیا اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی اس سے متعلق تاریخ لکھی گئی تھی۔[6]

---

[1] () أخرجه البخاري في صحيحه-كتاب المناقب-باب انشقاق القمر-رقم الحديث (٣٨٦٩)-وأخرجه مسلم في صحيحه-كتاب صفات المنافقين وأحكامهم-باب انشقاق القمر-رقم الحديث (٢٨٠٠)۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۵۸۷/۷) میں لکھتے ہیں: بعض لوگوں پر یہ بات پوشیدہ رہ گئی تھی چنانچہ انہوں نے یہ دعوی کیا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا واقعہ دو مرتبہ پیش ایا تھا اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے اہل حدیث اور سیرت نگار جانتے ہیں کہ یہ غلط ہے کیونکہ یہ واقعہ صرف ایک مرتبہ پیش ایا تھا اور حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (۱۳۲/۳) میں کہتے ہیں کہ ان کا "مرتین" کہنا قابل نظر ہے اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے فرقتین یعنی دو ٹکڑے مراد لیا، واللہ اعلم۔

[3] () الحديث أخرجه مسلم في صحيحه-صفات المنافقين وأحكامهم-باب انشقاق القمر-رقم الحديث (٢٨٠٢) وأخرجه أحمد في مسنده-رقم الحديث (١٢٦٨٨)۔

[4] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۵۸/۱) میں لکھتے ہیں: ابن ابی کبشہ سے انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مراد لیا اور ابو کبشہ حارث ابن عبد العزی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رضاعی والد کا نام تھا جو کہ حلیمہ سعدیہ کے شوہر تھے۔

[5] () أخرجه الطحاوي في شرح مشكل الآثار-رقم الحديث (٦٩٧)-والطيالسي في مسنده-رقم الحديث (٢٩٣)۔

[6] () البداية والنهاية (٣/ ١٣١)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں: بعض لوگوں کا کہنا ہے اگر چاند کے دو ٹکڑے ہونا صحیح ہوتا تو اس کے بارے میں متواتر خبریں آتیں اور ساری زمین والے اس کی معرفت میں مشترک ہوتے اور صرف اہل مکہ کو یہ خصوصیت حاصل نہ ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ رات کے وقت واقع ہوا تھا اور اکثر لوگ سوئے ہوئے تھے اور لوگوں کے دروازے بند تھے اور اس وقت بہت کم لوگ آسمان کی طرف دیکھا کرتے تھے اور کبھی کبھار عادت میں یہ ہوتا ہے کہ چاند کو گرہن لاحق ہوتا ہے اور رات میں بڑے بڑے ستارے ظاہر ہوتے ہیں اور اسے صرف کچھ ہی لوگ دیکھتے ہیں تو اسی طرح سے انشقاق قمر کا بھی واقعہ ہے جو رات میں کچھ لوگوں کے لئے پیش آیا جن لوگوں نے اس کا مطالبہ کیا دوسرے لوگ اس کے لیے تیار نہ تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چاند اس رات ایسی جگہ پر تھا جہاں سے اسے صرف کچھ ہی لوگ دیکھ سکتے تھے جیسا کہ کسوف میں ہوتا ہے کہ کچھ لوگ دیکھتے ہیں کچھ لوگ نہیں دیکھتے۔ (1)

اس کے بعد بھی وہ لوگ ایمان نہ لائے کیونکہ انہوں نے اس کو تکبر اور دشمنی کے طور پر طلب کیا تھا۔

---

[1] () انظر فتح الباري (٧/ ٥٨٠)۔

رسول ﷺ کا قبائل اور افراد پر اپنے آپ کو پیش کرنا

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول ﷺ طائف سے لوٹنے کے بعد مکہ میں بعثت کے دسویں سال مطعم بن عدی کی پناہ میں داخل ہوئے اس وقت آپ کے قوم کے لوگ آپ پر اور آپ کی مخالفت اور آپ کے دین سے دشمنی میں اور زیادہ سخت ہوگئے تھے اس سال حج کا موسم قریب تھا نبی ﷺ نے عرب کے قبیلوں میں دعوت کی تیاری کی جیسا کہ آپ ﷺ بعثت کے چوتھے سال جہری دعوت کی شروعات سے کیا کرتے تھے اور مدینہ ہجرت سے پہلے حج کے آخری موسم تک آپ کا یہ معمول رہا چنانچہ جب بھی لوگ موسم میں جمع ہوتے تھے تو آپ ﷺ سب کو اللہ اور اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے جاتے تھے اور ان پر اپنے نفس کو پیش کرتے تھے اور اپنے پاس اللہ کی آئی ہوئی ہدایت اور رحمت کے بارے میں انہیں بتاتے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ کا ساتھ دیں تاکہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا پیغام لوگوں کو پہنچا سکیں[(1)]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح مسلم کی شرط پر جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ مکہ میں دس سال تک ٹھہرے رہے لوگوں کو ان کے گھروں میں اور عکاظ[(2)] اور مجنۃ[(3)] میں اور موسم کے دوران منی میں لوگوں کے پاس جاتے اور کہتے کون مجھے پناہ دے گا؟ کون میری مدد کرے گا؟ یہاں تک کہ میں اپنے رب کے پیغام کو لوگوں تک پہنچاؤں اور ایسے لوگوں کے لئے جنت ہے یہاں تک کہ کوئی شخص یمن سے نکلتا یا مصر سے روانہ ہوتا

---

[1]() انظر سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۳۵)۔

[2]() عکاظ: یہ مکہ کے قریب ایک جگہ ہے جہاں پر جاہلیت کے زمانے میں بازار لگا کرتا تھا جہاں وہ لوگ کئی دنوں تک قیام کیا کرتے تھے، دیکھیے: النہایہ (۳/۲۵۷)۔

[3]() مجنہ: یہ مکہ کے نچلے حصے میں کئی میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے یہاں عربوں کا ایک بازار لگا کرتا تھا، دیکھیے: النہایۃ (۴/۲۵۷)۔

تو آپ کی قوم کے لوگ اس کے پاس جاتے اور کہتے: قریش کے لڑکے سے بچ کر رہو وہ کہیں تمہیں آزمائش میں نہ ڈال دے۔[1]

امام ابوداؤد اور ابن ماجہ اور ترمذی نے بسند صحیح ہے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ موسم حج میں لوگوں پر اپنے آپ کو پیش کرتے اور کہتے تھے کیا تم میں سے کوئی آدمی ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے کر جائے کیونکہ قریش کے لوگ مجھے اللہ کا کلام پہنچانے سے روک رہے ہیں۔[2]

● ابولہب کی سخت اسلام دشمنی:

اللہ کے رسول ﷺ جب بھی کسی قوم کو اللہ اور اسلام کی طرف بلاتے تو ابولہب آپ کا چچا آپ کے پیچھے پیچھے آپ کو پتھر سے مارتے ہوئے جاتا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں بسند صحیح ربیعہ بن عباد دیلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کو میری آنکھوں نے ذوالمجاز[3] نامی بازار میں دیکھا آپ کہہ رہے تھے: اے لوگو تم لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے، اور آپ گلیوں میں داخل ہوتے اور لوگ آپ کے پاس جمع ہوتے، میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو کچھ کہہ رہا ہو اور آپ بلا خاموش ہوئے کہتے جا رہے تھے "اے لوگو لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے" اور ان

---

[1] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (١٤٤٥٦)۔

[2] () أخرجه أبوداود في سننه- كتاب السنة- باب في القرآن- رقم الحديث (٤٧٣٤)، وابن ماجه في المقدمة- باب فيما أنكرت الجهمية- رقم الحديث (٢٠١)، وأخرجه الترمذي في جامعه- كتاب فضائل القرآن- باب رقم (٢٥)- رقم الحديث (٣١٥٢)۔

[3] () ذوالمجاز: یہ جاہلیت کے زمانے میں مکہ سے ایک فرسخ کی دوری پر عرفہ میں مکہ والوں کا ایک بازار تھا ایک بازار کی جگہ تھی جہاں پر یہ میلہ ذی الحجہ کے چاند نظر آ کے بعد لگتا تھا اور یوم ترویہ تک جاری رہتا تھا جو کہ ذوالحجہ کے اٹھویں تاریخ کو کہتے ہیں، دیکھیے: معجم البلدان (٧/٢٠٧)۔

اور امام احمد کے یہاں مسند میں ایک دوسری روایت میں حدیث نمبر (١٦٠٢٤) پر ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو منی میں لوگوں کے ارد گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا۔

کے پیچھے ایک بھینگا چمکدار چہرے والا دو چوٹیوں والا آدمی تھا وہ کہتا تھا یہ بے دین ہے یہ جھوٹا ہے [(1)] میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا: یہ محمد بن عبداللہ ہیں جو کہ نبوت کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے کہا: یہ ان کی تکذیب کرنے والا کون ہے، کہا گیا: ان کا چچا ابو لہب۔ [(2)]

مسند کی ایک دوسری روایت میں بسند صحیح ہے کہ انہوں نے کہا: ایک شخص آپ کے پیچھے آپ پر مٹی ڈالتا ہوا آیا جو کہ ابو جہل تھا۔ [(3)]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس سیاق میں ایسا کہا کہ وہ ابو جہل تھا ہو سکتا ہے کہ یہ وہم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بار یہ رہا اور دوسرے بار وہ رہا ہو اور یہ دونوں آپ ﷺ کو اذیت دینے میں ایک دوسرے کی نیابت کرتے رہے ہوں۔ [(4)]

● وہ قبائل جنہیں آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی:

ابن سعد نے طبقات میں اور ابو نعیم نے دلائل نبوت میں کہا ہے کہ وہ قبائل جن کے پاس اللہ کے رسول ﷺ آئے جن کا نام ہمیں پتہ ہے وہ بنو عامر بن صعصعہ اور محارب بن خصفہ، بنو فزارہ، غسان، بنو مرہ، بنو حنیفہ، بنو سلیم، بنو عبس، ہوازن سے بنو نصر، بنو بکاء، کندہ، کلب، بنو حارث بن کعب، بنو عذرہ، ہمدان اور ثقیف تھے۔ [(5)]

[1] ()ابن حبان کی صحیح کی ایک روایت میں ہے وہ کہتے ہیں کہ اپ ﷺ کے پیچھے ایک آدمی پتھروں سے آپ کو مارتے ہوئے چل رہا تھا اور اس نے اپ کے ٹخنوں اور پیر کے رگوں کو زخمی کر دیا تھا۔

[2] ()خرجہ الإمام أحمد في مسندہ-رقم الحدیث(١٦٠٢٣)-وأخرجہ ابن حبان في صحیحہ-کتاب التاریخ-باب ذکر مقاساۃ المصطفی-صلی اللہ علیہ وسلم-ماکان یقاسي من قومہ-رقم الحدیث(٦٥٦٢)۔

[3] ()أخرجہ الإمام أحمد في مسندہ-رقم الحدیث(١٦٦٠٣) - (٢٣١٥١)۔

[4] ()البدایۃ والنھایۃ(٣/ ١٥١)۔

[5] ()الطبقات الکبری لابن سعد(١/ ١٠٤)-ودلائل النبوۃ لأبي نعیم(١/ ٢٩٣)۔

1-قبیلہ ہمدان:

امام احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح بخاری کی شرط پر جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ موقف میں اپنے آپ کو لوگوں پر پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی آدمی ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے قریش کے لوگ مجھے اپنے رب کے کلام کو پہنچانے سے منع کرتے ہیں۔

ایک آدمی ہمدان سے آیا اس سے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تم کس قبیلے سے ہو؟

اس نے کہا: ہمدان سے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا: کیا تمہارے قوم کے پاس طاقت و قوت ہے۔

اس نے کہا: ہاں پھر اس آدمی کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں اس کی قوم کے لوگ اس کے عہد کو توڑ نہ دیں، تو وہ اللہ کے رسول کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول میں ان کے پاس جاتا ہوں اور انہیں خبر دیتا ہوں پھر میں آپ کے پاس آئندہ سال آؤں گا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں، پھر وہ چلا گیا اور رجب کے مہینے میں انصار کا وفد آیا۔ (1)

2-بنی عامر بن صعصعہ کا قبیلہ:

ابن اسحاق کہتے ہیں: مجھے زہری نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس آئے اور انہیں اللہ کی طرف بلایا اور ان پر خود کو پیش کیا، ان میں سے ایک آدمی نے جسے بیحرہ بن فراس کہا جاتا تھا، اس نے کہا: اللہ کی قسم اگر اس نوجوان کو میں قریش سے لے لوں تو اس کے ذریعہ سے پورے عرب کو کھا جاؤں گا اس نے اللہ کے نبی کسے کہا: آپ کا کیا خیال ہے اگر ہم آپ

---

(1) أخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (١٥١٩٢)۔

کی پیروی کریں پھر اللہ تعالی آپ کو اپنے مخالفین پر غلبہ عطا کردے کیا آپ کے بعد ہمارے لئے کچھ ہوگا؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: معاملہ اللہ کا ہے وہ جہاں چاہے جسے چاہے دے۔

پھر آپ سے بیحرہ بن فراس نے کہا: کیا ہم عربوں کے لئے اپنی گردن کو آپ کی خاطر جھکا دیں اور جب اللہ تعالی تمہیں ہمارے ذریعے غلبہ سے عطا کردے تو معاملہ ہمارے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے ہوجائے ہمیں تمہارے امر کی کوئی ضرورت نہیں، لہذا انہوں نے آپ پر انکار کیا۔

جب لوگ واپس ہوئے تو بنو عامر اپنے ایک بزرگ کے پاس گئے جو کافی عمر دراز تھے یہاں تک کہ وہ ان کے ساتھ موسم میں شریک نہیں ہوسکتے تھے جب وہ اس کے پاس واپس آتے تو وہ اسے اس موسم میں ہونے والی چیزوں کے بارے میں بتاتے جب لوگ اس سال اس کے پاس گئے تو اس نے ان سے موسم کے بارے دریافت کیا، تو انہوں نے کہا: ہاں ہمارے پاس قریش کا ایک آدمی آیا تھا جو بنو عبد المطلب سے تھا وہ نبی ہونے کا دعوی کررہا تھا اور ہمیں اپنی مدد کے لئے دعوت دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے ساتھ کھڑے ہوں اور ہم اسے اپنے ساتھ اپنے شہر لے کر آئیں۔

شیخ نے اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھا اور کہا: اے بنو عامر کتنا بڑا نقصان ہے یہ بہت بڑا نقصان ہے اللہ کی قسم کوئی اسماعیلی کبھی جھوٹ نہیں بولا وہ تو حق ہے اس سلسلے میں تمہاری رائے کہاں تھی؟[1]

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس قصے میں آپ کی صداقت پر سچی دلیل ہے کیوں کہ اگر آپ بادشاہت یا مقام و مرتبہ چاہتے یا تجارت مقصد ہوتا تو اسی طرح کرتے جس طرح ایک شاطر چالباز کرتا ہے کہ وہ لوگوں سے جھوٹی باتیں کرکے اپنی طرف بلا لیتا ہے اور جھوٹے وعدے کر

---

[1] () سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۳۸)۔

کے لوگوں کو حوصلہ دیتا ہے اور جب اس کی مراد پوری ہو جاتی ہے تو اپنی کہی بات کو بھول جاتا ہے اور اپنے وعدوں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے بلکہ کبھی کبھار تو انکار کرتا ہے اور انہیں سزا دیتا ہے تو یہی نبوت اور دیگر چیزوں میں فرق ہے اور یہی حق کی طرف بلانے والے اور دنیا کے طلبگار میں فرق ہے۔[(1)]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں بسند صحیح شیخین کی شرط پر ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی بنو عامر سے آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے اپنے دونوں کندھوں کے درمیان مہر کو دکھایئے میں لوگوں میں سب سے بڑا ڈاکٹر ہوں، آپ ﷺ نے اس سے کہا: میں تمہیں کچھ نشانی دکھاؤں، اس نے کہا: ہاں کیوں نہیں، وہ کہتے ہیں: آپ نے ایک کھجور کی درخت کو دیکھا تو آپ ﷺ نے اس سے کہا: تم اسے بلاؤ، وہ کہتے ہیں، اس نے بلایا، تو وہ کھسکتے ہوئے آنے لگا، یہاں کہ اس کے سامنے آگیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: واپس لوٹ جاؤ، پھر وہ اپنی جگہ پر لوٹ گیا اس نے کہا : تو اس عامری شخص نے کہا: اے آل عامر میں نے آج سے بڑا جادوگر کبھی نہیں دیکھا تھا۔[(2)]

3-قبیلہ کندہ:

ابو نعیم نے اپنی دلائل میں ام رومان اور عبد اللہ بن ابی بکر وغیرہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ عکاظ نامی مقام پر کندہ قبیلے کے لوگوں کے پاس آئے تو آپ جتنے بھی لوگوں کے پاس گئے تھے ان سے زیادہ نرم کسی کو نہیں پایا جب آپ نے ان کی نرمی اور ان کے مضبوط استقبال کو دیکھا تو آپ ان سے بات کرنے لگے اور کہنے لگے: میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو تنہا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں اور یہ کہ تم مجھے اسی طرح حفاظت دو اور میری مدد کرو جس طرح تم اپنے آپ کی حفاظت اور مدد کرتے ہو، اور اگر میں غالب ہو گیا تو تم کو اختیار رہے گا، ان میں سے اکثر

---

[1]() انظر السیرۃ النبویۃ (١/ ٤٣٠) للدکتور محمد أبو شهبة رحمه اللّٰہ۔

[2]() أخرجه الإمام أحمد في مسنده - رقم الحدیث (١٩٥٤) - وابن حبان في صحیحه - کتاب التاریخ - باب المعجزات - رقم الحدیث (٦٥٢٣)۔

لوگوں نے کہا: یہ تو بہت اچھی بات ہے، لیکن ہم اپنے باپ دادوں کے معبود کی پوجا کریں گے، ان میں سے سب سے چھوٹے نے کہا: اے میری قوم کے لوگو تم اس آدمی کے ساتھ ہو جانے میں جلدی کرو قبل اس کے کہ کوئی اور بازی لے جائے اللہ کی قسم اہل کتاب یہ بیان کرتے ہیں کہ حرم سے ایک نبی نکلے گا جس کا زمانہ قریب آگیا ہے اس قوم میں ایک اندھا آدمی تھا اس نے کہا کہ ذرا میری بات سنو اس کے قوم نے اسے نکال دیا ہے اور تم اس کو پناہ دو گے؟ اور پورے عربوں سے جھگڑا مول لو گے؟ نہیں ہر گز نہیں، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس سے غمگین ہو کر واپس لوٹے پھر سارے لوگ اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں اس بابت بتایا یہ تو یہود میں سے ایک شخص نے کہا: اللہ کی قسم تم لوگوں نے بہت بڑی غلطی کی ہے اگر تم اس آدمی کی مدد کرنے میں جلدی کرتے تو تم عرب کے سردار بن جاتے اور ہم اس کی صفت اپنی کتاب میں پاتے ہیں پھر اس نے ان کے لیے ان کی دیکھی ہوئی صفات کو بیان کیا یہ ساری چیزیں آپ کی تصدیق کر رہی تھیں پھر کہا کہ ہم اس کے نکلنے کی جگہ مکہ کو پاتے ہیں اور اس کے ہجرت کی جگہ یثرب ہے سارے لوگ جمع ہوئے کہ وہ آئندہ موسم میں آپ کو اپنی مدد کی پیشکش کر سکیں لیکن ان کو ان کے ایک سردار نے اس سال روک لیا، لہذا ان میں سے کوئی بھی اس سال موسم میں نہ آسکا۔[1]

4-قبیلہ بنو حنیفہ:

اسحاق کہتے ہیں: مجھے میرے بعض ساتھیوں نے عبداللہ بن کعب بن مالک کے واسطے سے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو حنیفہ کی آبادی میں آئے انہوں نے اللہ کی طرف دعوت دی اور عرب میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ برا جواب دینے والا نہ تھا۔[2]

---

[1] () انظر دلائل النبوة لأبي نعيم (١/ ٢٩٧)۔

[2] () انظر سیرة ابن هشام (٢/ ٣٧)۔

5-قبیلہ عبس:

ابو نعیم نے دلائل میں عبداللہ بن وابصہ عبسی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ منی میں ہمارے قیام کی جگہ آئے ہم اس وقت مسجد خیف کے قریب والے پہلے جمرے کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، آپ ص ﷺ اپنی سواری پر تھے اور اپنے پیچھے زید بن حارثہ کو بٹھائے ہوئے تھے آپ نے ہمیں دعوت دی لیکن ہم نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا، ہمارے لیے کوئی بھلائی نہیں، کہا: ہم اس وقت آپ کے بارے میں اور آپ کی دعوت کے بارے میں موسم حج میں سن چکے تھے آپ ہمارے پاس کھڑے ہوئے اور ہمیں دعوت دینے لگے، ہم نے آپ کی دعوت کو نہ سنی ہمارے پاس میسرہ بن مسروق عبسی بھی موجود تھے چنانچہ انہوں نے کہا کہ: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں اگر ہم نے اس آدمی کی تصدیق کی اور ہم انہیں اپنے پاس لے آئے تو بات بن جائے گی، میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں ہوں ان کا معاملہ غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کی ہر جگہ اس کا بول بالا ہو گا، تو لوگوں نے ان سے کہا: ہمیں چھوڑ دو اور ہمیں وہ بات نہ بتاؤں جو ہمارے بس کی نہیں ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو میسرہ کی بات پسند آئی اور آپ سے گفتگو کی تو میسرہ نے کہا: آپ کی بات کتنی خوبصورت اور کتنی پر نور ہے لیکن میری قوم کے لوگ میری مخالفت کر رہے ہیں اور آدمی تو اپنی قوم کے ساتھ ہی ہو گا اگر وہ اس کی مدد نہ کریں تو کم از کم دشمنی تو دور کی بات ہے رسول اللہ ﷺ واپس آ گئے اور اور سارے لوگ واپس اپنے گھر والوں کے پاس جانے لگے تو ان سے میسرہ نے کہا: ہمیں فدک[1] کے راستے سے لے کر چلو کیونکہ وہاں پر یہود آباد ہیں ہم ان سے اس آدمی کے بارے میں پوچھیں گے چنانچہ وہ لوگ یہودیوں کے پاس گئے اور انہوں نے ایک کتاب نکالی اور اسے رکھ دیا پھر اس میں اللہ کے رسول

---

[1] () فدک حجاز میں ایک گاؤں کا نام ہے جس کے اور مدینہ کے درمیان دو دنوں کا فاصلہ ہے اور تین دن بھی کہا گیا ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے رسول کو مال فے کے طور پر عطا کیا تھا سن سات ہجری میں جو صلح کے ذریعے سے حاصل ہوا تھا چنانچہ وہ خاص طور سے صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور اس میں ایک ابلتا ہوا چشمہ تھا اور بہت سارے کھجور کے پیڑ تھے دیکھیے معجم البلدان (۶/۴۱۷)۔

ﷺ کی بابت بات پڑھی کہ وہ نبی ہوں گے ،ان پڑھ ہوں گے، عربی ہوں گے ،اونٹ کی سواری کریں گے، تھوڑے چیز پر گزارا کریں گے، نہ وہ زیادہ لمبے ہونگے نہ زیادہ چھوٹے ہونگے، نہ ہی گھنگرالے بال والے ہوں گے اور نہ ہی ان کے بال سیدھے ہوں گے ان کی آنکھ میں لالی ہو گی، ملے ہوئے رنگ والے ہوں گے، اگر انہوں نے ہی تمہیں بلایا ہے تو تم ان کی بات کو قبول کرو اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ اور ہم تو اس سے حسد کرتے ہیں ان کی اتباع نہ کریں گے ہماری ان سے کئی جگہوں پر آزمائش ہو گی عرب میں سے کوئی ایسا نہ بچے گا جو اس کی اتباع نہ کریں یا ان سے قتال نہ کریں تو اس کی اتباع کرنے والوں میں سے ہو جاؤ، میسرہ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو یہ معاملہ بالکل واضح ہے، لہذا لوگوں نے کہا کہ ہم موسم میں جائیں گے اور آپ سے ملاقات کریں گے یہ کہہ کر وہ اپنے شہر کی طرف لوٹ گئے اور ان کے آدمیوں نے اس بات کا انکار کیا اور ان میں سے کسی نے پیروی نہ کی جب رسول ﷺ مدینہ آئے اور حجۃ الوداع کیا یا تو میسرہ نے آپ سے ملاقات کی آپ نبی کریم ﷺ پہچان گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول میں آپ کے اتباع کے فراق ہی میں تھا اسی دن سے جس دن آپ ہمارے پاس آئے تھے اور جس دن وہ ساری باتیں ہوئی تھیں مگر اللہ تعالی نے یہی چاہا کہ میرا اسلام لانا دیر سے ہو، تو وہ اسلام لائے اور آپ کا اسلام بہت اچھا رہا اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالی کا شکر ہے جس نے آپ کے ذریعے سے مجھے جہنم سے نجات دی۔ (1)

6-قبیلہ کلب:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھے محمد بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن حصین نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کلب قبیلے کے پاس ان کے ایک بطن کے گھر آئے جنہیں بنو عبداللہ کہا جاتا تھا، آپ نے انہیں دعوت دی اور ان پر اپنے آپ کو پیش کیا یہاں تک کہ آپ ان سے کہہ رہے تھے کہ

---

[1] ()انظر دلائل النبوۃ لأبي نعیم(١/ ٢٩٣) -أسد الغابة(٤/ ٢٠٦)-البدایة والنهایة(٣/ ١٥٧)۔

بنو عبداللہ اللہ تعالی نے تمہارے والد کے نام کو کتنا ہی اچھا بنایا ہے لیکن انہوں نے آپ کی پیشکش قبول نہ کی۔ (1)

7-قبیلہ بنو شیبان:

جن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو پیش کیا ان میں سے ایک جماعت بنو شیبان کی بھی تھی، جن میں مفروق بن عمرو، ہانی بن قبیصہ، مثنی بن حارثہ، نعمان بن شریک بھی تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی جانب بلایا اور ان پر قرآن کی آیتیں تلاوت کیں انہوں نے آپ کی بات کو اچھا جانا اور آپ کی باتیں انہیں پسند آئیں لیکن انہوں نے کسری کا حلیف ہونے کے سبب آپ کی مدد سے معذرت پیش کر لی اس نے ان پر یہ عہد کیا تھا کہ وہ کوئی نئ چیز نہ ایجاد کریں اور نہ ہی کسی مجرم کو پناہ دیں، ان کی سرزمین بلاد فارس کے پاس تھی۔ (2)

8-قبیلہ بنی محارب:

ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محارب بن خصفہ کے پاس پہنچے ان میں سے آپ نے ایک ایک سو بیس سال کے بوڑھے کو پایا آپ نے ان سے بات کی اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ اللہ کے پیغام کو پہنچانے میں آپ کی مدد کریں، تو اس بزرگ شخص نے کہا: اے بھلے آدمی تمہاری قوم کے لوگ تمہارے بارے میں زیادہ جاننے والے ہیں، اور اللہ کی قسم جو شخص تجھے یہاں سے اپنے گھر لے کر جائے گا وہ اہل موسم میں سب سے بری چیز لے کر جائے گا تو ہم سے دور ہو جا ابو لہب وہاں کھڑے ہو کر اس محاربی کی باتیں سن رہا تھا پھر ابو لہب اس محاربی کے پاس کھڑے ہوا اور بولا کہ اگر

---

[1] انظر سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٣٧)-البدایۃ والنھایۃ (٣/ ١٥١)۔

[2] انظر دلائل النبوۃ للبیھقي (٢/ ٤٢٢)-دلائل النبوۃ لأبي نعیم (١/ ٢٨٨)۔

سارے اہل موسم تمہاری طرح ہو جائیں تو یہ اس دین کو چھوڑ دے گا جس پر یہ ہے یہ بد دین اور جھوٹا ہے تو محاربی شخص نے کہا: ہاں تو اللہ کی قسم اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہے یہ تیرے بھائی کا لڑکا ہے تیرا قریبی ہے، پھر محاربی نے کہا: اے ابو عتبہ شاید اسے پاگل پن ہے ہمارے پاس ہمارے محلے کا ایک آدمی ہے جو اس کا علاج کر سکتا ہے مگر اس پر ابو لہب نے کوئی جواب نہیں دیا، ہاں جب بھی وہ آپ کو عرب کے کسی قبیلے کے پاس کھڑا دیکھتا تو وہ کہتا کہ: یہ بے دین اور جھوٹا ہے۔[1]

• وہ افراد جن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو پیش کیا:

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ آنے والے جس کے بارے میں بھی سنتے تھے اور آپ کو یہ پتہ چلتا کہ وہ نامور اور شرف و مقام والا شخص ہے تو آپ اس کے پاس جاتے اور اسے اسلام کی دعوت دیتے تھے اور اپنے دین کے بارے میں اسے بتاتے تھے۔[2]

ان میں سے وہ لوگ جن پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کو پیش کیا کچھ یہ ہیں:

• سوید بن صامت:

یہ اہل یثرب میں سے بنو عمرو بن عوف کے شاعر تھے، جس کی وجہ سے ان کی قوم کے لوگ ان کی طاقت[3] اور شرف اور نسب کی وجہ سے کامل کہا کرتے تھے، وہ مکہ حج کرنے یا عمرہ

---

[1] ()دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱/ ۲۹۳)۔

[2] ()سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۳۸)۔

[3] ()ان کا مقصد ایک ایسی کتاب کے بارے میں تھا جس میں لقمان علیہ السلام کی حکمتیں تھیں اور عربوں کے یہاں ہر کتاب کو مجلہ کہا جاتا ہے، دیکھیے: النھایۃ (۲۵۶/۴)۔

رہی بات لقمان علیہ السلام کی تو علماء نے ان کے سلسلے میں اختلاف کیا ہے کہ کیا وہ نبی تھے یا بغیر نبوت کے اللہ کے نیک بندے تھے یہ دو اقوال ہیں اور زیادہ تر لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے اور ابن عباس کہتے ہیں لقمان ایک حبشی غلام تھے جو بڑھئی تھے اور حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں بعض اثار کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ کچھ اثار ہیں جن میں سے بعض میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ نبی نہیں تھے اور بعض میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کیونکہ وہ غلام تھے اور وہ غلامی کی زندگی پائے ہوئے تھے جو کہ نبی ہونے کے منافی ہے کیونکہ نبی اور

کرنے کے لئے آیا تو اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس اس کے بارے میں سن کر گئے اور اسے اسلام اور اللہ کی طرف دعوت دی، سوید نے آپ سے کہا: شاید تمہارے پاس وہی ہے جو میرے پاس ہے اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا: تمہارے پاس کیا ہے؟

اس نے کہا: لقمان کے حکمت کی کتاب، اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا: اسے مجھ پر پیش کرو آپ پر اس نے اسے پیش کیا، اس سے اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: یہ تو بہت اچھا کلام ہے اور جو میرے پاس ہے یہ اس سے بھی افضل ہے اور جو اللہ تعالی نے مجھ پر نازل کیا ہے وہ ہدایت اور نور ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے اس پر قرآن کی تلاوت کی اور اسے اسلام کی جانب بلایا تو وہ اسلام سے دور نہ ہوا اور اس نے کہا یہ بہت اچھی بات ہے، پھر وہ آپ سے واپس ہو گیا اور اپنی قوم کے پاس مدینہ میں آیا، کچھ دن ہوئے تھے کہ اسے خزرج نے قتل کر دیا اس کی قوم سے کچھ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ اسے اسلام کی حالت میں قتل کیا گیا اور ان کے قتل کا واقعہ بعاث کے دن سے پہلے کا ہے۔[(1)]

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ: مجھے سوید بن صامت کے اسلام میں شک ہے جیسا کہ مجھ سے پہلے میرے علاوہ اس کے بارے میں لکھنے والے اور لوگوں کا شک ہے۔[(2)]

حافظ ابن حجر الاصابہ میں کہتے ہیں کہ اگر ان کا یہ کہنا صحیح ہے کہ وہ اسلام لایا تھا تو وہ صحابہ میں داخل نہ ہوا کیونکہ وہ نبی سے ایمان کی حالت میں ملاقات نہ کیا تھا۔[(1)]

رسول اپنی قوم کے سب سے اچھے حسب اور نسب والوں میں مبعوث کیے جاتے ہیں اسی لیے جمہور صرف اسی طرف گئے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے۔

[1]() بعاث کا دن یہ باکے پیش کے ساتھ ہے یہ ایک مشہور دن ہے جس میں اوس اور خزرج کے درمیان لڑائی ہوئی تھی اور بعاث ایک قلعے کا نام ہے جو اوس کے تابع تھا، دیکھیے: النہایہ (۱۳۸/۱) اور اس واقعہ کی تفصیل آگے آئے گی۔

اور اللہ کے رسول ﷺ کے سوید ابن صامت سے ملاقات کی تفصیل دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام (۲/ ۳۹)-البدایۃ والنھایۃ (۳/ ۱۵۸) -دلائل النبوۃ للبیھقي (۲/ ۴۱۹)-الروض الأنف (۲/ ۲۴۱)۔

[2]() الاستیعاب (۲/ ۲۳۶)۔

● ضماد بن ثعلبہ:

یہ یمن کے قبیلہ از دشنوءۃ[2] کا ایک آدمی تھا جو پاگل پن سے جھاڑ پھوک کیا کرتا تھا وہ مکہ عمرہ کی غرض سے آیا اور ایک جگہ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، اور امیہ بن خلف کے پاس جا کر بیٹھا، ابو جہل نے کہا: یہ آدمی جس نے ہماری جماعت کو بکھیر دیا اور ہمارے عقلوں کو پاگل کہا اور جو ہم میں سے فوت ہو چکے ان کو گمراہ کہا اور ہمارے معبودوں کی ہجو اور برائی بیان کی، امیہ نے کہا: یہ آدمی بلا کسی شک کے پاگل ہی ہے، ضماد نے کہا: اس کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی اور میں نے کہا: اگر میں نے اس آدمی کو دیکھا تو شاید اللہ میرے ہاتھ پر اسے شفا دے دے، چنانچہ جب اس کی ملاقات آپ سے ہوئی اس نے کہا: اے محمد میں پاگل پن سے رقیہ کرتا ہوں اور اللہ تعالی نے میرے ہاتھ پہ بہت سارے لوگوں کو شفا دی ہے تو کیا میں تمہیں رقیہ کروں نبی ﷺ نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اسی سے مدد چاہتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والوں نہیں جس کو گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی معبود بر حق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اما بعد....:

ضماد بن ثعلبہ نے کہا: آپ اپنے یہ کلمات مجھ پر دہراؤ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں تین مرتبہ دہرایا اس نے کہا کہ تحقیق کہ میں نے کاہنوں کی باتیں بھی سنی ہے، جادو گروں کی باتیں بھی سنیں ہے، شاعروں کی باتیں بھی سنی ہے میں نے آپ کے ان کلمات کے مانند عمدہ کلام کبھی نہیں سنی یہ بحر کے وسط اور موجوں کو پہونچی ہوئی ہیں۔

---

[1]() الإصابة (٣/ ٢٤٧)۔

[2]() امام نووی مسلم کی شرح (١٩٤/٢) میں کہتے ہیں شنوءۃ یہ ایک معروف قبیلے کا نام ہے ان کا نام لوگوں کے اس قول کی وجہ سے پڑا کہ یہ ایک ایسا آدمی ہے جس میں ناگواری کی کچھ صفات موجود تھیں اور یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔

اس نے کہا: آپ اپنا ہاتھ دو میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں اور اس نے آپ سے بیعت کرلی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا: اور تمہارے قوم پر۔

اس نے کہا: میرے قوم پر بھی۔ (1)

● طفیل بن عمرو دوسی:

یہ ایک شریف اور ذہین شاعر تھے یمن میں دوس قبیلے کے سردار تھے وہ آپ ﷺ کی طائف سے واپسی کے بعد مکہ آئے تو قریش کے کچھ لوگ ان کے پاس گئے جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ عرب میں سے کسی کو ان کے پاس آتے ہوئے سنتے تھے تو اس کے پاس جا کر اس کا استقبال کرتے اور اسے اللہ کے رسول ﷺ سے خبردار کرتے اور وہ آپ ﷺ کو ہر برائی سے متصف کرتے، کیوں کہ انہیں یہ خدشہ ہوتا تھا کہ وہ اسلام نہ لے آئیں، انہوں نے ان سے کہا: اے طفیل تم ہمارے شہر آئے ہو اور یہ آدمی جو ہمارے درمیان ہے اس نے ہمارے اوپر بہت سختی کی ہے اور اس نے ہماری جماعت کو منتشر کر دیا ہے اور ہمارے معاملے کو بکھیر دیا ہے اور اس کی جادو کی مانند ہے وہ آدمی کو اس کے باپ سے جدا کر دیتا ہے اور آدمی کو اس کے بھائی سے جدا کرتا ہے اور آدمی اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر دیتا ہے ہم آپ پر اور آپ کے قوم کے لوگوں پر خوف کھاتے ہیں اس چیز کا جو ہمیں لاحق ہو چکا ہے چنانچہ تم نہ اس سے کچھ بات کرنا اور نہ تم اس سے کچھ بھی نہ سننا طفیل کہتے ہیں اللہ کی قسم وہ لوگ مجھے خوف دلاتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا کہ میں اس سے کچھ بھی نہ سنوں گا یہاں تک کہ میں نے اپنے کان میں مسجد جاتے وقت روئی ڈال لی تا کہ آپ کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچے اور میں آپ سے کچھ سننا نہیں چاہتا تھا طفیل کہتے ہیں کہ جب ہم مسجد گئے تو

---

[1] ()اس قصہ کے تخریج امام مسلم نے اپنی صحیح میں کتاب الجمعۃ - باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ حدیث نمبر (۸۶۸) اور امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۷۴۹) پر کی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، وہ کہتے ہیں: میں ان سے قریب جا کر کھڑے ہوا اللہ رب العالمین منظور تھا کہ میں آپ کی کچھ باتوں کو سن لوں، وہ کہتے ہیں: میں نے بہت اچھی بات سنیں تو میں نے اپنے آپ میں کہا کہ میری ماں مجھے گم پائے اللہ کی قسم میں تو ہوشیار شاعر ہوں مجھ پر برائی سے اچھائی چھپ نہیں سکتی تو میں اس آدمی کی بات کو کیوں نہ سنوں اگر جو یہ کہہ رہا ہے وہ صحیح ہے تو قبول کر لیتا ہوں اگر قبیح ہے تو اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔

وہ کہتے ہیں: میں اسی طرح ٹھہرا رہا، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اپنے گھر واپس ہوئے میں نے آپ کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے میں بھی آپ کے پاس داخل ہوا میں نے کہا: اے محمد تمہارغ قوم کے لوگوں نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے جو بھی انہوں نے کہا تھا اللہ کی قسم ان لوگوں نے مجھے اتنا ڈرایا کہ میں نے اپنی کانوں میں روئی ٹھوس لیا تھا کہ میں تمہاری بات نہ سن سکوں مگر اللہ تعالی کو یہی منظور تھا کہ میں آپ سے کچھ باتیں سنوں تو میں نے آپ سے کچھ باتیں سنیں اور بہت اچھی بات تھی تو آپ اپنے معاملے کو مجھ پر پیش کرو، وہ کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے اسلام کو مجھ پر پیش کیا اور مجھ پر قرآن کی تلاوت کی تو اللہ کی قسم میں نے کبھی بھی اس سے بہتر کوئی بات نہیں سنی اور نہ ہی کوئی اس سے بہتر اور عدل وانصاف والا معاملہ سنا میں وہیں پر اسلام لے آیا اور میں نے حق کی گواہی دی اور کہا: اے اللہ کے نبی میں اپنی قوم میں اثر دار ہوں اور میں ان کے پاس واپس جا رہا ہوں اور میں انہیں دین کی دعوت دوں گا تو آپ میرے لئے کچھ نشانی بنا دیں تاکہ میں جس بات کی طرف بلاؤں وہ نشانی اس پر میرے لیے مددگار ہو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان کے لئے تو نشانی بنا دے۔

• طفیل کا اپنی قوم کے پاس اسلام کا داعی بن کر جانا:

طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے پاس نکلا جب میں پہاڑ کے اندر اوچائی والے راستے پر تھا جس سے میں کسی آبادی کو دیکھ سکتا تھا تو اس وقت میرے دونوں آنکھوں کے

درمیان ایک نور واقع ہوا جو چراغ کی مانند تھا، میں نے کہا: اے اللہ تو اسے چہرے کے علاوہ کسی اور جگہ کر دے، مجھے یہ خدشہ ہے کہ وہ اسے کوئی برائی اور کمی شمار کریں جو کہ ان کا دین چھوڑنے کی وجہ سے میرے چہرے پہ لاحق ہوا ہے وہ کہتے پھر وہ نور میرے لاٹھی کے سرے پر چلا گیا آبادی کے لوگ اسکے نور کو دیکھ رہے تھے گویا وہ لٹکا یا ہوا قندیل ہو اور اس وقت میں پہاڑ کے اس اونچے راستے سے اتر رہا تھا یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچا اور ان کے پاس صبح کی جب میں ان کے پاس پہنچا تو میرے والد آئے اور وہ بوڑھے تھے میں نے ان سے کہا میرے ابو جان آپ مجھ سے دور رہیں میں آپ سے نہیں اور آپ مجھ سے نہیں، انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے تم ایسا کیوں کہہ رہے ہو؟ میں نے کہا: میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی تابعداری کر لی ہے، تو انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے تمہارا دین ہی میرا دین ہے میں نے ان سے کہا جاؤ غسل کر و اور اپنے کپڑوں کو صاف کر و یہاں تک کہ آؤ میں وہ چیزیں سکھاتا ہوں جو مجھے سکھایا گیا ہے وہ گئے اور غسل کیا اور اپنے کپڑوں کو صاف کیا پھر آئے اور میں نے آپ پر اسلام کو پیش کیا اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا پھر میری بیوی میرے پاس آئی میں نے کہا: مجھ سے دور رہو میں تم سے نہیں ہوں تم مجھ سے نہیں ،اس نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے کہا: میرے اور تمہارے درمیان اسلام نے جدائی کر دی ہے اور میں نے محمد کا دن قبول کر لیا ہے انہوں نے کہا کہ میرا دین وہی ہے جو آپ کا دین ہے کہا: تو جاؤ غسل کر و وہ گئیں اور غسل کیا پھر واپس آئیں اور میں نے ان پر اسلام کو پیش کیا اور وہ اسلام لے آئیں۔

• رسول ﷺ کا قبیلہ دوس کے لیے ہدایت کی دعا:

طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دوس کو اسلام کی جانب بلایا تو انہوں نے سستی کی پھر میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول میری قوم نے میری بات نہ مانی

اور انہوں نے انکار کر دیا ہے آپ ان کے اوپر اللہ رب العالمین سے بد دعا کر دیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے قبلہ جانب رخ کیا تو لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اے اللہ تو دوس کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس لے کر آ، اے اللہ تو دوس کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس لے آ۔[1]

اللہ کے رسول ﷺ نے طفیل رضی اللہ عنہ سے کہا: اپنی قوم کے پاس جاؤ انہیں اسلام کی دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی برتو۔

طفیل کہتے ہیں: پھر میں ان کے پاس گیا میں ان کو دوس کی سر زمین میں اسلام کی طرف دعوت دیتا رہا یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ ہجرت کر کے چلے گئے اور بدر اور احد اور خندق کی لڑائی ختم ہو گئی پھر اللہ کے رسول ﷺ کے پاس اپنی قوم کے مسلمان لوگوں کے ساتھ آیا اللہ کے رسول خیبر[2] میں تھے مجھے جب میں مدینہ پہنچا تو میرے ساتھ دوس کے ۷۰ یا ۸۰ گھر والے تھے پھر ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس خیبر جا پہنچے۔

دوس قبیلے سے طفیل بن عمرو کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں میں اسلام کے راوی ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔

• طفیل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت:

طفیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس قیام کیا یہاں تک کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہو گئی اور جب عرب کے لوگ مرتد ہو گئے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ

---

[1] () أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب الجهاد والسير - باب الدعاء للمشركين بالهدى ليتألفهم - رقم الحديث (٢٩٣٧) - وأخرجه في كتاب الدعوات - باب الدعاء للمشركين - رقم الحديث (٦٣٩٧) - وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه - كتاب فضائل الصحابة - باب من فضائل غفار وأسلم ودوس - رقم الحديث (٢٥٢٤) - وأخرجه الإمام أحمد في مسنده - رقم الحديث (٧٣١٥)۔

[2] () ان کے ہجرت کا قصہ غزوہ خیبر کے واقعات کے ضمن میں دوس قبیلے کے وفد کے ذکر کے وقت ائے گا انشاءاللہ۔

مرتدین سے قتال کے لیے نکلے اور آپ یمامہ کے معرکے میں شہید کر دیئے گئے انہوں نے یمامہ کے معرکہ سے پہلے ایک مرتبہ خواب دیکھا تو انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے تو تم اس کی تعبیر میرے لئے بیان کرو میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر کو حلق کر دیا گیا اور میرے منہ سے ایک چڑیا نکلی اور میں نے ایک عورت سے ملاقات کی تو اس نے مجھے اپنے شرمگاہ میں داخل کر لیا اور اور مجھے اپنے بیٹے کو دکھایا گیا کہ وہ مجھے بے چینی کے ساتھ ڈھونڈ رہا تھا پھر میں نے اسے دیکھا کہ اسے مجھ سے روک لیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ یہ خیر ہے، کہا: میں اللہ کی قسم اس کی تاویل کر چکا ہوں کہ وہ کیا ہے کہا میرے سر کا حلق کیا جانا تو وہ اس کا کاٹا جانا ہے اور پرندہ جو میرے منہ سے نکلا اس کا مطلب میرے روح کا قبض ہونا ہے اور وہ عورت جس نے مجھے اپنی شرمگاہ میں داخل کر لیا تو اس کا مطلب زمین ہے جس میں گڑھا کھود کر مجھے داخل کر دیا جائے گا اور میرے بیٹے کا مجھے تلاش کرنا اور اس کا مجھ سے رک جانا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس چیز کے لیے کوشش کرے گا جو مجھے لاحق ہوا ہے۔

پھر وہ یمامہ کے معرکے میں قتل کر دیے گئے رضی اللہ عنہ اور ان کا بیٹا بھی یرموک کی لڑائی میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں قتل کیا گیا۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ خواب اسی طرح سے واقع ہوا جس طرح سے انہوں نے تاویل کی تھی۔[2]

[1] () طفیل ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے قصے کی تفصیل دیکھیے: سیرۃ ابن هشام (۲/ ۴۲۰)-دلائل النبوۃ لأبي نعیم (۱/ ۲۳۹)-الطبقات الکبری لابن سعد (۴/ ۴۳۹)۔

[2] () انظر البدایۃ والنهایۃ (۶/ ۷۳۱)۔

●ایاس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام:

ایاس بن معاذ یثرب میں بنو عبد الاشہل کے ایک نوعمر لڑکے تھے وہ اوس کے ایک وفد میں مکہ قریش سے اپنے دشمن خزرج کے خلاف اپنے حلیف کو تلاش کرنے کے لئے آئے یہ بعاث والی جنگ سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے وہ عتبہ بن ربیعہ کے پاس ٹھہرے اور انہوں نے ان کی خوب خاطر کی اور انہوں نے ان سے اور قریش سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ خزرج کے خلاف قتال پر ان کے حلیف ہو جائیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بارے میں سنا تو آپ ان کے پاس آئے اور ان کے پاس بیٹھے اور ان سے کہا کیا تم کسی خیر کی تلاش میں آئے ہو انہوں نے آپ سے کہا: وہ کیا ہے؟ ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں جس نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے کہ میں انھیں اسلام اور اللہ رب العالمین کی طرف دعوت دوں اور یہ بتاؤں کہ وہ شرک سے بچیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کتاب نازل کیا ہے اور پھر آپ نے ان سے اسلام کا ذکر کیا اور ان پر قرآن کی تلاوت کی تو ایاس بن معاذ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو یہ اللہ کی قسم ہم بہت ہی بہتر بھلائی ہے جس کے لیے تمہیں یہاں اللہ رب العالمین نے لایا ہے۔

تو ابو حیسر جس کا نام انس بن رافع تھا اس نے بطحاء کی مٹی اٹھا کر اسے ایاس بن معاذ کے چہرے پر دے مارا اور کہا ہم سے دور ہو جا قسم ہے ہم تو اس کے علاوہ معاملے کی خاطر آئے ہیں اگر ہم ایسا کریں گے تو کسی بھی قوم کا وفد اپنے قوم کے پاس اس سے برا سامان لے کر نہ جائے گا ہم اپنے دشمن کے خلاف قریش کی مدد حاصل کرنے کے لیے آئے تھے اور پھر ہم خزرج کے دشمنی کے ساتھ قریش کے دشمنی کو بھی مول لے کر چلیں؟! ایاس خاموش ہو گئے اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے چلے گئے اور وہ لوگ مدینہ واپس ہو گئے اور پھر اور اس وقت اوس اور خزرج کے درمیان بعاث کا واقعہ پیش آیا پھر ایاس بن معاذ زیادہ دن نہ رہے وہ ہلاک ہو گئے وہ اللہ کی تہلیل کے

کلمات ادا کرتے، اللہ کی تکبیر، تعریف و تسبیح اپنی موت کے وقت بیان کرتے تھے، ان کی قوم کو کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اسلام کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔ (1)

میں کہتا ہوں کہ: انہیں امام بخاری نے اپنی تاریخ اوسط میں ذکر کیا ہے ان لوگوں میں سے جو مہاجرین اور انصار میں سے نبی ﷺ کے زمانے میں سب سے پہلے فوت ہوئے اور ان کا ترجمہ تاریخ کبیر میں بھی لکھا ہے۔

• بعاث کا دن:

امام بخاری نے اپنی صحیح میں عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں کہ بعاث کا دن وہ تھا جسے اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کے لئے مقدم کیا تھا جب اللہ کے رسول ﷺ آئے تو اس وقت ان کی جماعت بکھر چکی تھی اور ان کے اچھے لوگ قتل کیے جا چکے تھے اور انہیں زخمی کر دیا گیا تھا، اللہ رب العالمین نے رسول ﷺ کے لیے ان سب کے دلوں میں داخل ہونے کا یہ مقدمہ بنایا۔ (2)

بعاث ایک جگہ کا نام ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ایک قلعے کا نام ہے اور کہا گیا ہے کہ ایک مزرعے کا نام ہے جو بنو قریظہ کے پاس مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر تھا وہیں پر یہ لڑائی اوس اور خزرج کے درمیان واقع ہوئی تھی ان میں ان کے بہت سے لوگ قتل کئے گئے ان میں اوس کے سردار اسید بن حضیر کے والد تھے اور خزرج کے سرداران دنوں عمرو بن نعمان بیاضی تھے وہ بھی اسی وقت قتل کیے گئے، اس میں کامیابی پہلے خزرج کو ملی تھی انہیں حضیر نے ہمت دلائی اور وہ واپس

[1] () ایاس ابن معاذ رضی اللہ عنہ کا قصہ امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۲۳۶۱۹) اور حاکم نے مستدرک میں کتاب معرفۃ الصحابۃ- باب ذکر ایاس بن معاذ حدیث نمبر (۴۸۸۴) اور ابن اسحاق نے سیرت (۴۱/۲) میں پر تخریج کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

[2] () أخرجه البخاري في صحيحه- كتاب المناقب- باب مناقب الأنصار- رقم الحديث (٣٧٧٧)- وأخرجه الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (٢٤٣٢٠)۔

ہو گئے پھر اوس کو کامیابی ملی اس دن حضیر کو زخم ہوا جس سے وہ فوت ہو گئے اور یہ ہجرت سے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

اس میں ان کے سرداروں میں سے وہ لوگ قتل کئے گئے جو ایمان نہ لائے تھے یعنی وہ تکبر کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہونے سے انکار کرتے تھے تاکہ وہ کسی اور کے حکم کے تابع نہ ہوں اور ان میں سے اس طرح جو بچے تھے ان لوگوں میں سے عبد اللہ بن ابی بن سلول منافق تھا اس پر اللہ کی لعنت ہو۔[1]

دکتور محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ رب العالمین نے چاہا کہ یہ واقعہ ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے ہو تاکہ لوگ اسلام قبول کرنے اور رسول پر ایمان لانے کے لئے تیار رہیں اور انصار پر اسلام کی فضیلت ظاہر ہو سکے کہ اللہ رب العالمین نے فرقت کے بعد انہیں جمع کر دیا اور ان کے دلوں میں عداوت کے بعد محبت ڈالی اور شقاوت و بد بختی کے بعد اللہ رب العالمین نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔[2]

---

[1] () فتح الباري (٧/ ٤٨٤)۔

[2] () کتاب السیرۃ النبویۃ (١/ ٤٣٢) للدکتور محمد أبو شهبۃ رحمہ اللہ تعالی۔

انصار[1] کے اسلام قبول کرنے کی شروعات

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کے رسول ﷺ نے ان قبائل میں جن پر آپ نے اسلام کو اور اپنے نفس کو پیش کیا اس طرح کھلے دل والے اور کشادہ سینے والے لوگ نہیں تھے بلکہ سارے مسافر اور مقیم آپ سے دور رہنے کی وصیت کیا کرتے تھے اور آپ کی جانب انگلیوں سے اشارہ کرتے تھے۔

کوئی شخص دور سے آتا تھا تو آپ کی قوم انہیں ہے یہ وصیت کر دیتی کہ قریش کے لڑکے سے بچ کر رہنا، وہ کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔[2]

([1]) حافظ ابن حجر فتح الباری (۹۱/۱)-(۴۸۴/۷) میں لکھتے ہیں: انصار: ناصر کی جمع ہے جیسے اصحاب اور صاحب ہوتے ہیں یا نصیر کی جمع ہے جیسے اشراف اور شریف ہوتے ہیں اور لام اس میں عہد کے لیے ہے یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے مدد کرنے والے اور ان سے مراد اوس اور خزرج کے لوگ ہیں اور اوس کے لوگ اوس بن حارثہ کی جانب نسبت کیے جاتے ہیں اور خزرج کے لوگوں کی نسبت خزرج ابن حارثہ کی جانب کی جاتی ہے اور یہ اس سے پہلے بنو قیلہ قاف کے زبر کے ساتھ سے جانے جاتے تھے جو کہ ان دونوں قبیلوں کو جوڑنے والی ماں ہیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں انصار کا نام دیا، امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۳۷۷٦) پر غیلان ابن جریر کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے انس سے کہا کہ انصار کے نام کی حقیقت کیا ہے؟ کیا تم پہلے سے اس نام سے جانے جاتے تھے یا تمہیں اللہ نے یہ نام دیا ہے تو انہوں نے کہا: ہمیں اللہ نے یہ نام دیا ہے، چنانچہ ان پر یہی نام مشہور ہو گیا اور یہی نام ان کی اولاد اور ان کے حلیفوں اور ان کے غلاموں پر بھی اطلاق کیا جانے لگا اور اس عظیم تعریف کے وہ خصوصی طور پر حقدار ہوئے کیونکہ انہوں نے ہی نبی ﷺ اور اپ کے ساتھیوں کو خصوصی طور پر پناہ دیا تھا دیگر قبیلوں کے علاوہ اور انہوں نے ہی اپ اور اپ کے ساتھیوں کی مدد کی تھی اور اپنے جان اور مال کو ان پر قربان کیا تھا اور ان کا یہ کام دیگر جماعتوں کی جانب سے ان کے لیے حسد اور دشمنی کا موجب تھا اور چونکہ دشمنی بغض کو کھینچنے والی چیز ہوتی ہے اور پھر ان کی جو خصوصیت تھی اس سے حسد کے انے کا بھی خدشہ ہوتا ہے اور حسد سے بغض ساتھ میں اتا ہے اسی لیے ان سے بغض کی تہذیب نبی پاک ﷺ نے فرمائی اور ان کی محبت پر ابھارا یہاں تک کہ اسے ایمان اور نفاق کی نشانی قرار دی گئی ان کی عظیم فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور ان کے عظیم عمل پر تنبیہ کرتے ہوئے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۱۷) اور امام مسلم نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (۷۴) پر انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایمان کی نشانی انصار سے محبت کرنا ہے اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔

([2]) یہ اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حدیث نمبر (۱۴۴۵٦) پر تخریج کیا ہے اور وہ تھوڑی دیر پہلے گزر چکا ہے۔

اس کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تنگ ماحول میں بھی مایوسی ظاہر نہ کی آپ نے دعوت کے مشن کو جاری رکھا، یہاں تک کہ اخیر میں حق کو آسانی حاصل ہوئی۔[1]

پھر بعثت کا گیارہواں سال شروع ہوا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوت کے کام کو انجام دے رہے تھے قریش کی طرف سے مشکلات کے باوجود آپ اس سے پیچھے نہ ہٹے ان کے آپ کے خلاف افواہوں اور جھوٹ کے بازار کو گرم کرنے کے باوجود جن سے ان کا مقصد اپ کی دعوت سے روکنا تھا جب اس سال موسم حج قریب آیا تو آپ آنے والے قبائل اور وفود کے دعوت کے لیے تیار ہوئے جیسے کہ ہر سال موسم میں کیا کرتے تھے۔

جب بعثت کے گیارہویں سال حج کا موسم قریب ہوا اور اللہ رب العالمین اپنے دین کو اپنے نبی کو ظاہر اور مضبوط کرنا چاہتا تھا اور اپنے وعدے کو پورا کرنا چاہتا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکلے چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقبہ کے پاس تھے تو آپ نے ایک چھوٹی جماعت سے ملاقات کی جو خزرج سے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالی نے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: تم کون ہو؟

انہوں نے کہا: ہم خزرج کے لوگ ہیں۔

آپ نے فرمایا: کیا تم یہود کے مددگاروں میں سے ہو۔

انہوں نے کہا: ہاں۔

آپ نے فرمایا: کیا تھوڑی دیر بیٹھ سکتے ہو تاکہ میں تم سے بات کر سکوں۔

انہوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں، وہ آپ کے پاس بیٹھے اور آپ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور ان پر اسلام کو پیش کیا اور قرآن کی تلاوت کی۔

---

(1) فقۃ السیرۃ للشیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالی ص ۱۴۰۔

اور اللہ رب العالمین نے اسلام کی خدمت کے لیے جو ان کے لیے تیار کر رکھا تھا وہ یہ تھا کہ یہود ان کے ساتھ ان کے شہر میں رہتے تھے اور وہ اہل کتاب اور علم والے تھے اور یہ لوگ یعنی اوس و خزرج اہل شرک اور بت پرست لوگ تھے، یہودیوں نے ان کے شہر میں ان پر غلبہ کر لیا تھا جب بھی ان کے درمیان کچھ ہوتا تو وہ کہتے کہ اب ایک نبی آنے والا ہے اور اس کا زمانہ قریب ہے ہم اس کی پیروی کریں گے اور پھر اس کے ساتھ مل کر تمہاری عاد[1] اور ارم[2] جیسی صفائی کریں گے۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں سے بات کی تو ان میں سے لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: اے قوم کے لوگو تم جانتے ہو اللہ کی قسم یہ وہ نبی ہے جس کے بارے میں یہودی تم کو دھمکی دیتے ہیں تو وہ تم سے پہلے ان کی تابعداری نہ کر سکیں لہٰذا انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا آپ کو سچا کہا اور آپ سے آپ کی پیشکش کو قبول کیا اور اسلام کو اپنا اور خزرج کے لوگ یثرب کے عقلمندوں میں سے تھے انہیں خانہ جنگی[3] نے کمزور کیا ہوا تھا اور اس کے شعلے ابھی بھی جل رہے تھے تو انہیں یہ امید ہوئی کی آپ کی دعوت جنگ بندی کا سبب ہو گی تو انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ہم نے اپنی قوم کو چھوڑا ہے اور عداوت اور دشمنی میں ان سے زیادہ کوئی نہیں، ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذریعے ان کو اللہ تعالی جمع کر دے تو ہم ان کے پاس جائیں اور انہیں

([1]) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (۳۹۴/۸) میں کہتے ہیں: عاد: ظلم و جبر کرنے والی سرکش قوم تھی انہی لوگوں کے پاس اللہ تعالی نے اپنے رسول ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا چنانچہ انہوں نے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت کی تو اللہ تعالی نے انہیں ان کے درمیان سے بچالیا اور ان لوگوں کو اپ کے ساتھ بچایا جو اپ پر ایمان لائے تھے اور اللہ نے ان سرکش لوگوں کو بہت تیز اور تند اندھی کے ذریعے سے ہلاک کر دیا۔

([2]) حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۳۹۵/۸) میں کہتے ہیں: ارم: ایک قبیلہ ہے اور قوموں میں سے ایک قوم ہے ان کے مثل اس جگہ کسی اور کو پیدا نہیں کیا گیا یعنی ان کے اس زمانے میں۔

اللہ تعالی یہود کے بارے میں جب کہ وہ اوس اور خزرج کے لوگوں کو رسول کے مبعوث ہونے کی دھمکی دے رہے تھے فرمایا ہے:-{وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ (۸۹)} سورہ البقرۃ آیت نمبر (۸۹)۔

([3]) یہ بعاث کی جنگ ہے جس کو میں نے تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا ہے۔

آپ کے معاملے کے بارے میں بتائیں اور ہم نے جس بات کو آپ سے قبول کیا ہے اس دین کو ان پر پیش کریں اگر اللہ تعالی نے انہیں اس پر جمع کر دیا تو آپ سے طاقتور آدمی کوئی نہیں ہو سکتا۔

● سب سے پہلی مسجد جس میں مدینہ کے اندر قرآن پڑھی گئی:

پھر وہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس سے اپنے شہر کی جانب روانہ ہونے کے لئے واپس ہوئے اور انہوں نے اسلام اور ایمان کی تصدیق کر لی تھی چنانچہ سب سے پہلے مدینہ کے اندر جس مسجد میں قرآن کی تلاوت کی گئی وہ مسجد بنی زریق تھی۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ: زریق زاء کے تقدیم کے ساتھ تصغیر ہے اس سے کسی مسجد کی اضافت اس کے بنانے والے کی جانب کرنے کا جواز ملتا ہے یا ان میں نماز پڑھنے والوں کی جانب اسی طرح خیر اور بھلائی کے کام کرنے والوں کی طرف ان کے اعمال کی اضافت کا جواز بھی ملحق کیا جاسکتا ہے۔[2]

● خزرج کے اس جماعت کے لوگوں کی تعداد اور ان کے نام:

وہ جماعت خزرج کے چھ لوگ پر مشتمل تھی، جیسا کہ ابن اسحاق نے نقل کیا ہے وہ درج ذیل تھے:

---

[1] () سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٤٢)-زاد المعاد (١/ ٩٧)-البدایۃ والنھایۃ (٣/ ١٦٠)-دلائل النبوۃ للبیھقي (٢/ ٤٣١)-الطبقات الکبری لابن سعد (١/ ١٠٥)۔

[2] () فتح الباري (٢/ ٧٧)۔

● بنی نجار سے:

1-اسعد بن زرارہ[1] رضی اللہ عنہ۔

2-عوف بن حارث[2] رضی اللہ عنہ جو عفراء رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔

● بنی زریق سے:

1-رافع بن مالک العجلانی[3] رضی اللہ عنہ۔

● بنی سلمہ سے:

4-قطبہ بن عامر[4] رضی اللہ تعالی عنہ۔

---

[1] () یہ اسعد بن زرارہ بن نجار انصاری ہیں جن کی کنیت ابو امامہ تھی ان کی کنیت ان کے نام پر غالب آگئی اور یہ اسی کے ذریعے سے مشہور ہوئے یہ عقبہ میں شامل ہونے والے نقیبوں میں سے تھے انہوں نے بیت عقبہ اولی اور ثانیہ دونوں میں شرکت کی اور بیعت کی تھی اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر کبری سے پہلے فوت ہوئے جب کی مسجد نبوی کی تعمیر جاری تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں داغا تھا اور وہ انہی دنوں میں فوت ہوئے اور یہ سنہ ایک ہجری کی بات ہے انہیں بقیع میں دفن کیا گیا اور انصار میں سے بقیع میں دفن ہونے والوں میں یہ پہلے شخص تھے دیکھئے: الإصابة (١/ ٢٠٨)۔

[2] () یہ عوف بن عفراء ہیں ابن اسحاق نے سیرت میں انہیں ان لوگوں میں ذکر کیا ہے جو بدر میں شریک ہوئے تھے اور یہ وہیں پر قتل کیے گئے تھے، دیکھئے: أسد الغابة (٣/ ٤٢٦)۔

[3] () یہ رافع بن مالک بن عجلان بن زریق انصاری ہیں ان کی کنیت ابو مالک تھی اور کہا گیا ہے ابو رفاعہ تھی یہ بیعت عقبہ میں شامل تھے اور نقیبوں میں سے ایک تھے انہوں نے بدر میں شرکت کی تھی جیسا کہ موسی بن عقبہ نے ذکر کیا ہے اور ابن اسحاق نے انہیں بدریوں میں نہیں ذکر کیا ہے، دیکھیے: الإصابة (٢/ ٣٦٩)۔

[4] () یہ قطبہ بن عامر خزرجی انصاری ہیں یہ بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ میں شریک ہوئے تھے اور اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ بدر احد اور خندق اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے اور فتح مکہ کے دن بنو سلمہ کا جھنڈا انہی کے پاس تھا احد کے دن انہیں نو زخم لگے تھے ان کی وفات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوئی، دیکھیے: أسد الغابة (٣/ ٤٨٦)۔

● بنو حرام بن کعب سے

5-عقبہ بن عامر[1] رضی اللہ عنہ۔

● بنو عبید بن عدی سے

6-جابر بن عبد اللہ بن رئاب[2] رضی اللہ تعالیٰ عنہ: یہ جابر بن عبد اللہ بن حرام رضی اللہ تعالی عنہ مشہور صحابی ہیں کے علاوہیں۔[3]

● موسی بن عقبہ کی روایت:

موسی بن عقبہ نے اپنے مغازی میں ذکر کیا ہے کہ وہ آٹھ لوگ تھے انہی میں سے کچھ کو ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے اور بعض لوگوں کو انہوں نے ذکر نہیں کیا ہے، وہ اس طرح ہیں:

1-اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ۔

2-رافع بن مالک رضی اللہ عنہ۔

3-معاذ بن عفراء[4]

4-یزید بن ثعلبہ[1]

---

[1] () یہ عقبہ بن عامر خزرجی انصاری ہیں یہ بیعت عقبہ اولی بدر احد اور خندق اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے اور یہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں معرکہ یمامہ میں مسلمان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے تھے، دیکھیے: أسد الغابۃ (۳/ ۲۵۹)۔

[2] () یہ جابر بن عبداللہ بن ریاب بن سلمہ انصاری سلیمی ہیں یہ بیعت عقبہ بدر اور احد اور خندق اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے تھے، دیکھیے: اسد الغابہ (۱/ ۲۹۳)۔

[3] () سیرۃ ابن ھشام (۲/ ٤۲)۔

[4] () یہ معاذ بن عفرا ہیں ان کی نسبت ان کی والدہ عفرا بنت عبید بن مالک کی جانب کی جاتی ہے جو کہ معاذ بن حارث ہیں یہ بیعت عقبہ اولی میں شریک ہوئے تھے یہ غزوہ بدر میں بھی شریک تھے اور ابو جہل کے قتل میں انہوں نے حصہ لیا اور اس کے بعد انہوں نے زندگی گزاری اور کہا جاتا ہے کہ بلکہ وہ بدر ہی میں زخمی ہوئے تھے اور اسی زخم کی وجہ سے فوت ہو گئے تھے، دیکھیے: الإصابۃ (٦/ ۱۱۰)۔

5-ابو ہیثم بن تیہان[2]

6-عویم بن ساعدہ[3]

7-عبادہ بن صامت[4]

8-ذکوان بن عبد قیس[5]

اور ابن سعد نے طبقات میں دو قول ذکر کیے ہیں، جب انہوں نے اس روایت کو ذکر کیا جس میں چھ لوگوں کا نام ہے جو کہ ابن اسحاق کی روایت ہے کہتے ہیں کہ محمد بن عمر الواقدی نے کہا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک ان کے بارے میں سنی ہوئی سب سے مثبت خبر ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے۔[6]

---

(1) یہ یزید بن ثعلبہ خزرجی ہیں جو بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ میں شریک ہوئے تھے، دیکھیے: اسد الغابہ (٤/ ٣٣٤)۔

(2) یہ مالک بن عتیق ہیں جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں خزرجی ہیں یہ عقبہ کی رات نقیبوں میں سے ایک تھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وس ﷺ نے ان کے اور عثمان ابن مظ عون کے درمیان بھائی چارہ کیا تھا پھر یہ بدر میں شریک ہوئے اور ان کی وفات کے وقت کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور زیادہ درست بات یہ ہے کہ ان کی وفات سنہ ٢٠ یا ٢١ ہجری میں ہوئی تھی، دیکھئے: الإصابة (٧/ ٣٦٥)۔

(3) یہ عویم بن ساعدہ انصاری اوسی ہیں یہ بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ دونوں میں حاضر تھے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے اور حاطب بن ابی بلتعہ کے درمیان بھائی چارہ کیا تھا یہ بدر احد خندق اور تمام غزوات میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے ان کی وفات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں ہوئی، دیکھیے: أسد الغابة (٣/ ٤٣١)۔

(4) یہ عبادہ بن صامت خزرجی انصاری ہیں ان کی کنیت ابو لید تھی یہ بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ دونوں میں شریک تھے انہوں نے بدر میں اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شرکت کی پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں قاضی اور معلم بنا کر شام کی جانب روانہ کیا اور وہ حمـــــص میں مقیم رہے پھر فلسطین کی طرف منتقل ہوئے اور وہیں پر ان کی وفات ہوئی جب ان کی عمر ٧٢ سال تھی، دیکھیے: الاصابہ (٣/ ٥٠٦)۔

(5) یہ ذکوان بن عبد قیس ہیں ان کی کنیت ابو سبع تھی انہوں نے بیعت عقبہ اولی اور ثانیہ میں شرکت کی پھر وہ مدینہ سے ہجرت کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے جب کہ وہ مکہ میں تھے چنانچہ انہیں انصاری مہاجری کہا جاتا ہے اور انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور احد کے دن یہ شہید کیے گئے، دیکھیے: اسد الغابہ (١٤٥/٢)۔

(6) الطبقات الکبری از ابن سعد (١٠٥/١)۔

بیعت عقبہ اولیٰ

جب یہ جماعت مدینہ واپس آگئی تو انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے اللہ کے رسول ﷺ کی بابت ذکر کیا اور انہیں اسلام کی طرف بلایا یہاں تک کہ ان میں اسلام پھیل گیا، انصار کے گھروں میں سے کوئی بھی گھر ایسا باقی نہ تھا جس میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر نہ کیا جاتا ہو، پھر آئندہ سال جب بعثت کا بارہواں سال تھا تو موسم حج میں بارہ لوگ مکہ آئے جن میں سے دو لوگ اوس سے تھے اور دس لوگ خزرج سے ان میں سے پانچ وہ لوگ تھے جنہوں نے گذشتہ سال آپ ﷺ سے ملاقات کی تھی۔ وہ یہ لوگ تھے:

● بنو نجار میں سے خزرج کے لوگ:

1-اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ۔

2- 3-عوف اور معاذ بن حارث جو عفراء کے بیٹے تھے۔

● بنو زریق بن عامر میں سے:

4-رافع بن مالک عضلانی رضی اللہ عنہ۔

5-ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ۔

● بنو عوف بن خزرج کے لوگ:

6-عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔

7-یزید بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ۔

● بنو سالم بن عوف میں سے:

8-عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ۔[1]

● بنی سلمہ میں سے:

9-قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

● بنو حرام بن کعب میں سے:

10-عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

● بنو عبد الاشہل میں سے اوس کے لوگ:

11-ابو ہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ۔

● بنو عمرو بن عوف میں سے:

12-عویم بن ساعدۃ رضی اللہ عنہ۔

ان لوگوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے منیٰ میں عقبہ کے پاس ملاقات کی اور آپ سے بیعت کی۔[2]

● بیعت کس چیز پر تھی؟

ابن اسحاق نے السیرہ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: بیعت عقبہ اولی میں حاضر ہونے والوں میں سے میں بھی تھا اس وقت ہم بارہ آدمی تھے ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے عورتوں کی بیعت[3] پر بیعت کیا اور یہ حرب کی فرضیت سے پہلے کا واقعہ

---

[1]() یہ عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری خزرجی ہیں یہ عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک ہوئے پھر وہ اللہ کے رسول ﷺ کی جانب نکلے جبکہ اپ مکہ میں تھے اور وہ اپ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اپ مدینہ کی جانب ہجرت کر کے ائے چنانچہ یہ انصاری مہاجری تھے یہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے اور انہیں غزوہ احد میں قتل کیا گیا تھا، دیکھیے: الإصابة(٣/ ٥١١)۔

[2]() سیرة ابن هشام(٢/ ٤٤)-الروض الأنف(٢/ ٢٤٨)-البداية والنهاية(٣/ ١٦٢)-دلائل النبوة للبيهقي(٢/ ٤٣٥)۔

[3]() حافظ ابن کثیر بدایہ والنہایہ(١٦٢/٣) میں کہتے ہیں: یعنی ان امور کے موافق جن پر بیعت نساء کی ایت اس کے بعد حدیبیہ کے سال نازل ہوئی جو کہ سورہ ممتحنہ کی ایت نمبر ١٢ میں ہے۔

ہے ہم نے اس بات پر بیعت کی تھی ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، ہم چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی پر اپنے سامنے یا پیچھے بہتان نہ لگائیں اور نہ ہی ہم بھلائی کے کاموں میں آپ کی نافرمانی کریں، آپ ﷺ نے کہا: کہ اگر تم اس کو پورا کرتے ہو تمہارے لئے جنت ہے اور اگر تم اس سے پیٹھ پھیرتے ہو تو اللہ رب العالمین کے پاس تمہارا معاملہ ہوگا اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف کردے۔[1]

شیخان نے اپنی صحیحین میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالی عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ: بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے اور اس وقت آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت آپ کے گرد موجود تھی: ((تم مجھ سے اس بارے میں بیعت کرو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کروگے اور چوری نہیں کروگے اور زنا نہیں کروگے اور اپنی اولاد[2] کو قتل نہیں کروگے اور تم اپنے آگے اور پیچھے کسی پر بہتان[3] نہ باندھوگے اور نہ ہی تم بھلائی کے کاموں میں نافرمانی کروگے جو تم میں سے اسے پورا کرے گا اس کا اجر اللہ پر ہوگا[4] اور جو اس میں سے کسی چیز کی مخالفت

---

[1] () سیرۃ ابن هشام (٢/ ٤٧)۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٩٢/١) میں لکھتے ہیں کہ قتل کو اولاد کے ساتھ خاص اس لیے کیا کیونکہ وہ قتل ہے اور قطع رحمی ہے چنانچہ اس سے منع کرنے کا اہتمام کرنا زیادہ ضروری ہے اور اس لیے بھی کیوں کہ یہ ان میں عام تھا جو کہ بیٹیوں کو در گور کرنا ہے اور بچوں کو فقیری اور تنگدستی کی خوف سے قتل کیا جاتا تھا۔

[3] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٩٢/١) میں لکھتے ہیں: بہتان یہ ایسا جھوٹ ہے جو سننے والے کو سکتے میں ڈال دے اور ہاتھوں اور پیروں کو افترا کے ساتھ خاص اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ زیادہ تر کام انہی سے واقع ہوتے ہیں چنانچہ یہی اس کے کرنے پر ابھارتے ہیں اور کبھی کبھار انسان کو کسی بات کی سزا دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے یہ اس کے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

[4] () حافظ ابن حجر فتح الباری (٩٣/١) میں لکھتے ہیں کہ یہ تفخیم کے طور پر ہے اور یہاں علی کے ذریعے سے واجبات کی طرح کسی چیز کے واقع ہونے کی تحقیق کے سلسلے میں مبالغہ کے لیے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا ظاہر کے علاوہ پر محمول کرنا ضروری ہو جاتا ہے ان موجود دلیلوں کی وجہ سے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ پر کوئی بھی چیز واجب نہیں ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ صرف منہیات پر کیوں اکتفا کیا گیا ہے اور مامورات کو نہیں بیان کیا گیا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے نہیں چھوڑا گیا ہے بلکہ اجمال کے طریقے سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کے فرمان میں ہے: ((اور تم نافرمانی نہ کرو)) کیونکہ نافرمانی کرنا امر کی مخالفت کو بھی شامل ہوتا ہے اور بہت سارے منہیات پر مامورات کے برعکس خصوصی طور پر

کرے گا[1] اور اسے اگر دنیا میں عذاب دے دیا گیا تو وہ اس کے لیے کفارہ[2] ہو گا اور جو اس میں سے کچھ کام کر دے اور اللہ اس پر دہ ڈال دے تو اس کا معاملہ اللہ پر ہو گا اگر چاہے تو معاف کرے یا اگر چاہے تو سزا دے[3] تو ہم نے آپ ﷺ سے اس پر بیعت کی۔[4]

اس صحیح روایت میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ یہ بیعت عقبہ کی رات میں ہوئی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عورتوں سے بیعت والی آیت حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور بیعت عقبہ اور حدیبیہ کے درمیان تو کافی فاصلہ ہے۔

اسی لیے محققین علماء نے ابن اسحاق کے اس بیعت کو عورتوں والی بیعت کہنے کے بارے میں کئی مسلک اختیار کیے ہیں:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق کا یہ کہنا کہ عورتوں کی بیعت پر بیعت لیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اسی طرح جس طرح عورتوں سے بیعت والی آیت جو حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی اور وہ آیت اسی طرح نازل ہوئی جس طرح سے اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ سے عقبہ والی رات بیعت کی تھی یہ عجیب بات نہیں ہے کیونکہ قرآن کئی جگہوں پر حضرت حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی موافقت میں نازل ہوئی جیسا کہ ہم نے ان کی سیرت اور تفسیر کے کتاب میں بیان کیا ہے

تنصیص کرنے میں حکمت یہ ہے کہ کسی چیز سے رک جانا زیادہ اسان ہے کسی کام کو کرنے سے کیونکہ برائیوں سے دوری اختیار کرنا مصلحتوں کو حاصل کرنے پر مقدم ہے اور برائیوں سے دور ہونا فضیلت والے اخلاق سے متصف ہونے پر مقدم ہے۔

[1] ()امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (۱۸۶/۱۱) میں کہتے ہیں اس سے مراد شرک کے علاوہ ہے ورنہ شرک کی معافی نہ ہو گی اور اس کی سزا ہی اس کا کفارہ ہو گی۔

[2] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (۹۷/۱) میں لکھتے ہیں کہ: اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ حد کا قائم کرنا گناہ کے لیے کفارہ ہوتا ہے اگرچہ جس پر سزا نافذ کی گئی ہو وہ توبہ نہ کرے اور یہی جمہور کا قول ہے۔

[3] ()حافظ ابن حجر فتح الباری (۹۷/۱) میں لکھتے ہیں کہ: جمہور اس طرف گئے ہیں کہ جو توبہ کر لے اس پر مواخذہ باقی نہ رہے گا اس کے باوجود بھی اسے اللہ کے مکر سے مامون نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ نہیں جان سکتا ہے کہ کیا اس کی توبہ کو قبول کیا گیا یا نہیں۔

[4] ()أخرجہ البخاري في صحیحہ-کتاب الإیمان-باب (۱۱)-رقم الحدیث (۱۸)-وأخرجہ مسلم في صحیحہ-کتاب الحدود-باب الحدود کفارات لأهلها-رقم الحدیث (۱۷۰۹)۔

اور اگر یہ بیعت ایسی وحی کی روشنی میں ہوئی جس کی تلاوت نہیں کی جاتی تو یہ زیادہ ظاہر ہے، واللہ اعلم۔ [1]

اس بیعت کے بارے میں صحیح بات

اور صحیح بات وہی ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ مذکورہ بیعت جو عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے تو اس صفت میں عقبہ کی رات نہیں ہوئی تھی بلکہ عقبہ کی رات وہ بیعت واقع ہوئی تھی جسے ابن اسحاق [2] اور ان کے علاوہ اہل مغازی نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار میں سے حاضر لوگوں سے کہا کہ میں تم سے اس بارے میں بیعت کرتا ہوں کہ تم میری ہر اس چیز سے حفاظت کروگے جس سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو، انہوں نے اس بات پر آپ سے بیعت کی اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ اور آپ کے صحابہ ان کی طرف جائیں گے اور عبادہ بن صامت کی بھی حدیث میں ہے جیسا کہ بخاری نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سستی اور چستی ہر حالت میں سمع وطاعت پر بیعت کی اور یہ کہ ہم معاملات کو ان کے اہل سے نہ چھینیں اور ہم حق کام کریں اور حق بات کہیں اور اس کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا پرواہ نہ کریں۔ [3]

اس کے مراد کی اس سے زیادہ تصریح اس روایت میں ہے جو امام احمد نے اپنی مسند میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوسرے طریق سے نقل کیا ہے کہ ان کا ابوہریرہ کے ساتھ ایک قصہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شام میں پیش آیا عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو

---

[1] ()البداية والنهاية (٣/ ١٦٢)۔

[2] ()سيرة ابن هشام (٢/ ٤٧)۔

[3] ()أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب الأحكام - باب كيف يبايع الإمام الناس - رقم الحديث (٧١٩٩) - (٧٢٠٠) - ومسلم في صحيحه - رقم الحديث (١٧٠٩) (٤٢)۔

ہریرہ جب ہم اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی اس وقت آپ ہمارے ساتھ نہ تھے ہم نے سستی اور کاہلی اور چستی کے وقت سمع واطاعت اور نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے اور حق کہنے اور اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے اور یثرب آنے پر اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرنے اور ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کرنے جس سے اپنی اولاد اور بیویوں کی حفاظت کرتے ہیں پر بیعت کی تھی اور یہ کہ ہمارے لئے جنت ہے یہی وہ بیعت تھی جو ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے کی تھی۔[1]

یہی اس پہلے بیعت میں واقع ہوا تھا اس کے بعد کئی اور بیعتیں ہوئیں انہیں میں سے یہ بیعت بھی ہے جو اس باب کی حدیث میں ہے جس میں ان ذکر کردہ برائیوں سے خبردار کیا گیا ہے اور جو چیز اس بات کے فتح مکہ کے بعد واقع ہونے والی بات کو اور مضبوط بناتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد سورہ ممتحنہ کی آیت:﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾الممتحنة:۱۲ کے نزول کے بعد واقع ہوئی۔

او یہ آیت حدیبیہ کے واقعے کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جسے امام بخاری نے عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے جب ان سے بیعت کی تو آپ نے یہ آیت پوری پڑھی تھی[2] اور مسلم کے یہاں صحیح میں یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے ہمارے اوپر نساء کی آیت پڑھیں اور کہا:﴿أن لا يشركن بالله شيئا﴾۔[3]

---

[1]() أخرجه الإمام أحمد في مسنده-رقم الحديث (٢٢٧٦٩)۔

[2]() أخرجه البخاري في صحيحه-كتاب الحدود-باب الحدود كفارة-رقم الحديث (٦٧٨٤)۔

[3]() أخرجه مسلم في صحيحه-كتاب الحدود-باب الحدود كفارات لأهلها-رقم الحديث (١٧٠٩) (٤٢)۔

اور طبرانی کے یہاں ایک دوسرے طریق سے مروی ہے عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ : ہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی اسی چیز پر جس پر فتح مکہ کے دن آپ نے عورتوں سے بیعت کی اور مسلم شریف کی ایک اور روایت میں عبادہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے اسی چیز پر بیعت لی جس پر عورتوں سے بیعت لی تھی۔ [1]

تو یہ بالکل واضح دلیل ہے کہ یہ بیعت اس آیت کے نزول کے بعد واقع ہوئی تھی بلکہ فتح مکہ کے بعد... اور اس میں التباس اس وجہ سے واقع ہوا چوں کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ دونوں بیعتوں میں شریک تھے بیعت عقبہ اولیٰ اور وہ بیعت بھی جو فتح مکہ کے دن عورتوں کے بیعت کے مانند تھی، کیوں کہ بیعت عقبہ سب سے اہم بیعت تھی جس پر تعریف کی جانی چاہئے، لہٰذا جب وہ اس بیعت کو ذکر کرتے تھے تو اس کے جانب بھی اشارہ کرتے تھے اور جب آپ نے اس بیعت کا تذکرہ کیا جو بیعت عورتوں سے لی گئی تھی تو جسے حقیقت کا علم نہ تھا اسے وہم ہو گیا کہ پہلی بیعت بھی اسی پر واقع ہوئی تھی، جبکہ درست بات اور جس کی تصریح واقع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ بیعت عقبہ اولی کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ عورتوں کی بیعت کے مطابق ہوئی تھی تو یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔ [2]

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے یہی بات مانی چاہیے کیونکہ وہ لوگوں میں قرآن اور قرآن کے نازل ہونے کے سلسلے میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے اسی طرح سنت اور مختلف روایتوں کے درمیان جمع کے طریقوں کے بارے میں اور سیرت اور صحابہ کی تاریخ کے بارے میں بھی اور ان کی ابن اسحاق اور ان کے علاوہ دیگر کئی سیرت نگاروں اور تاریخ نویشوں پر درست تنقیدیں بھی ہیں۔

---

[1] () أخرجه مسلم في صحيحه - كتاب الحدود - باب الحدود كفارات لأهلها - رقم الحديث (١٧٠٩) (٤٣)۔

[2] () فتح الباري (١/ ٩٥)۔

اور یہ تحقیقات اور ان میں مغالطوں اور روایت میں اوہام پر تنبیہ ایسا فن ہے جس کا سیرت نبوی کو قرآن و سنت کی روشنی میں پڑھنے والے کافی اہتمام کرتے ہیں جو کہ قرآن و حدیث کے علوم میں تخصص نہ رکھنے والوں پر پوشیدہ رہ جاتا ہے، چنانچہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہماری اس چیز کی جانب رہنمائی فرمائی۔(1)

خلاصہ: عقبہ میں جو پہلی بیعت کی گئی وہ خوشحالی اور تنگی اور سستی اور چستی کی حالت میں آپ کی سمع وطاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حق کہنے اور اللہ کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کرنے پر تھا اور یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ مدینہ پہنچے تو وہ آپ کی مدد کریں گے اور آپ کی حفاظت ہر اس چیز سے کریں گے جس سے وہ اپنی بیویوں اور بچوں(2) کی حفاظت کرتے تھے اور وہ بیعت جو عورتوں کی بیعت کے مثل واقع ہوئی تو یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے۔

---

[1] () كتاب السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة (١/ ٤٣٩) للدكتور محمد أبو شهبة رحمه اللہ تعالی۔

[2] () اس بیعت کو اس طرح امام بخاری نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (۷۰۵۵)(۷۰۵۶)،(۷۱۹۹)(۷۲۰۰) اور مسلم نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (۱۷۰۹)(۴۲) پر تخریج کیا ہے۔

● ہجرت سے پہلے مدینہ میں سب سے پہلا جمعہ :[1]

سب سے پہلے جس نے نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کے مدینہ آنے سے پہلے جمعہ پڑھی وہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالی عنہ تھے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں مضبوط سند کے ساتھ عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد کی بینائی چلی گئ تو میں آپ کی رہنمائی کرتا تھا وہ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے تھے تو کہتے کہ اللہ کی رحمت ہو اسعد بن زرارہ پر، وہ کہتے ہیں: میں کہتا: اے والد صاحب مجھے ابوامامہ[2] پر آپ کا دعا کرنا بہت عجیب لگتا ہے کہ جب بھی آپ جمعہ کے لئے اذان سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ان پر اللہ کی رحمت ہو تو انہوں نے کہا: اے میرے بیٹے مدینہ میں بنی بیاضہ کی کنکریلی زمین میں خضمات نامی ایک پانی جمع ہونے والی جگہ

---

[1]() حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر (۱۱۹/۸) میں کہتے ہیں جمعہ کو جمعہ اس لیے کہا گیا کیونکہ یہ جمع سے مشتق ہے کیونکہ اہل اسلام ہر ہفتے ایک مرتبہ اس دن بڑی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری (۳/۳) میں لکھتے ہیں اس نام کے ذریعے اس دن کے تسمیہ کے سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ ادم علیہ السلام اسی دن پیدا کیے گئے تھے چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ تخریج کیا ہے اور حدیث نمبر (۲۳۷۱۸) پر سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے نبی ﷺ نے کہا کیا تم جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے میں نے کہا یہ وہی دن ہے جس میں اللہ تعالی نے اپ تمہارے والد کو پیدا کیا تھا اور یہ سب سے زیادہ واضح قول ہے اور اس کے بعد دوسرا قول وہ ہے جس کے تخریج عبدابن حمید اور ابن حبان نے اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ انصار کے جمع کرنے کے قصے میں تخریج کیا ہے۔

اور ابن قیم زاد المعاد (۳۶۳/۱) میں کہتے ہیں اور اپ ﷺ کے طریقے میں سے تھا جمعہ کے دن کے بارے میں کہ اپ اس دن کی تعظیم کرتے تھے اور اس کو مقدس جانتے تھے اور اس کو کچھ ایسی خاص باتوں کے ساتھ خاص کرتے تھے جو دوسرے دنوں میں نہیں کیا کرتے تھے۔

[2]() ابوامامہ یہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

کے اندر انہوں نے ہی سب سے پہلے جمعہ کا اہتمام کیا، میں نے کہا: اس وقت آپ کتنے لوگ تھے تو انہوں نے کہا: ۴۰ لوگ۔[1]

[1]()اس کی تخریج ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب إخباره- صلى الله عليه وسلم - عن مناقب الصحابة- باب ذكر البيان بأن أسعد بن زُرارة هو الذي جمعَ أوّل جمعةٍ بالمدينةِ حدیث نمبر (۷۰۱۳) پر اور ابو داؤد نے اپنی سنن میں کتاب الصلاة- باب الجمعة في القرى حدیث نمبر (۱۰۶۹) پر کیا تخریج کیا ہے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی جانب دعوت اسلام کے لیے بھیجنا

جب موسم ختم ہو گیا اور تمام لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے ساتھ مسلمانوں میں سے ایک نوجوان کو بھیجا جو پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے جو کہ مصعب بن عمیر تھے انہیں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن پڑھائیں اور انہیں اسلام سکھائیں اور انہیں دین کی باتیں سمجھائیں اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ میں مقری کہلائے جاتے تھے۔

مصعب رضی اللہ تعالی عنہ اس وقت مدینہ میں ایک سال قابل قدر سردار خیر کے سلسلے میں پہل کرنے والے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر ٹھہرے تھے۔ (1)

• مصعب رضی اللہ عنہ کی اپنے مشن میں کامیابی:

مصعب رضی اللہ عنہ اسلام کی نشر و اشاعت میں خوب کامیاب ہوئے اور لوگوں کو جمع کیا اور ان مشکلات کا سامنا کرنے میں کامیاب رہے جو ہر اجنبی کی راہ میں آتے ہیں وہ یہ کوشش کرتے تھے کہ وہ لوگوں کی عام زندگی سے ایک نئے نظام کی جانب لائیں، جو حاضر و مستقبل کو اور ایمان و عمل اور اخلاق و سلوک کو شامل ہو اور مصعب رضی اللہ عنہ لوگوں کو لالچ دلانے والے ذرائع کے مالک بھی نہ تھے جو دنیادار اور اور فرصت کو غنیمت جاننے والے لوگوں کی لالچ ہوتی ہے ان کے پاس اگر کچھ تھا تو وہ سمجھداری اور ہوشیاری تھی جو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سیکھا تھا اور وہ اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ یہ کام کر رہے تھے جس کی وجہ سے وہ اپنے عقیدے کی خاطر اپنے مال

[1] () سیرۃ ابن ھشام (٢/ ٤٨)- دلائل النبوۃ للبیھقي (٢/ ٤٣١)- الطبقات الکبری لابن سعد (٣/ ٦٣)- سبل الھدی والرشاد (٣/ ١٩٧)۔

اور جان کو اللہ رب العالمین کی جانب دعوت کے لئے قربان کر رہے تھے... پھر یہ قرآن تھا جس کی تلاوت میں وہ مصروف رہا کرتے تھے اور قرآن کی خوبصورتی سے لوگوں کے دماغ کو کھولتے تھے جس کی وجہ سے دل اس کے لیے نرم پڑ جاتے اور نئے دین کو سیکھنے کے لیے ان میں جذبہ پیدا ہوتا تھا۔[1]

● سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالی عنہما کا قبول اسلام:

جو لوگ مصعب رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھ پر اسلام لائے ان میں بنو عبد الاشہل کے دو سردار سعد بن معاذ[2] اور اسید بن حضیر[3] رضی اللہ تعالی عنہما بھی تھے ان کے اسلام لانے سے پورا بنو عبد الاشہل ایک ہی دن میں اسلام سے سرفراز ہو گیا سوائے اصیرم کے جن کا نام عمرو بن ثابت

---

[1] ()فقہ السیرۃ للشیخ محمد الغزالي رحمہ اللہ تعالی ص ۱٤۷۔

[2] () یہ سعد بن معاذ بن نعمان اوسی انصاری بدری صحابی ہیں جن کی وفات پر اللہ تعالی کا عرش بھی ہل گیا تھا یہ مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلام لائے تھے ان کے اسلام کی وجہ سے بنو عبد الا شہل کے سارے لوگ مسلمان ہو گئے تھے چنانچہ یہ اپنے قوم کے لیے لوگوں میں سب سے زیادہ برکت والے تھے ان کے بدر میں شریک ہونے کے سلسلے میں سب کا اتفاق ہے یہ احد میں بھی شریک ہوئے تھے اور خندق کے دن انہیں ایک تیر لگی تھی اس کے بعد وہ ایک مہینہ باحیات رہے تھے اور انہوں نے بنو قریظہ کے سلسلے میں فیصلہ بھی کیا تھا اور ان کے سلسلے میں ان کی دعا بھی قبول ہوئی تھی دعا بھی قبول ہوئی تھی پھر ان کا زخم بھر گیا اور وہ فوت ہو گئے رضی اللہ عنہ، دیکھیے: اِلا صا بۃ(۳/ ۷۰)۔

[3] () یہ اسید بن حضیر اوسی ا شلی انصاری ہیں یہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے بیت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی اور یہ عقبہ کی رات ۱۲ نقیبوں میں سے ایک تھے یہ مصعب بن عمیر کے ہاتھوں بہت پہلے اسلام لائے تھے بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے احد میں شریک ہوئے تھے اور احد کے دن سات زخم لگے تھے اور وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اس وقت بھی ڈٹے تھے جب لوگ بھاگ گئے تھے اور انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ باقی غزوات میں بھی شرکت کی ان کی وفات صحیح قول کے مطابق سنہ ۲۰ ہجری ماہ شعبان میں ہوئی اور انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اٹھایا تھا اور ان کو بقیع میں دفن کیا گیا تھا، دیکھیے: أسد الغابۃ(۱/ ۱۰۹)۔

تھا[1] ان کا اسلام لانا احد والے دن تک موخر ہوا وہ انصار کی بستیوں میں سب سے پہلی بستی تھی جس کے تمام کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔

ابن اسحاق نے روایت کیا ہے کہ اسعد بن زرارہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو لے کر بنو عبد الاشہل اور بنو ظفر کی بستی میں پہنچے اور ان کے ایک باغ میں ایک کنویں پر داخل ہوئے اس کنویں کو "بئر مرق" کہا جاتا تھا وہ دونوں اس دیوار پر بیٹھے اور اسلم قبیلے کے لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے اور سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان دنوں بنو عبد الاشہل میں سے اپنی قوم کے سردار تھے وہ دونوں اس وقت اپنے قوم کے دین پر یعنی مشرک ہی تھے جب انہوں نے مصعب بن عمیر کے بارے میں سنا اور ان کے اسلام کی جانب دعوت کے بارے میں خبر ہوئی تو سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ان کے پاس چلو جو یہ ہمارے گھروں پر آئے ہوئے ہیں تاکہ ہمارے کمزوروں کو بے وقوف بنائیں ان کو ڈانٹو اور انہیں ہمارے پاس آنے سے منع کرو کیونکہ اگر اسعد بن زرارہ کا میرے نزدیک وہ مقام نہ ہوتا جو تم جانتے ہو تو میں ایسا خود ہی کر لیتا وہ میرے خالہ زاد بھائی ہیں اور میں ان کے پاس نہیں جا سکتا۔

اسید بن حضیر نے اپنا نیزہ لیا اور ان کی جانب متوجہ ہوئے جب اسعد بن زرارہ نے انہیں اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے مصعب بن عمیر سے کہا یہ اس قبیلے کا سردار تمہارے پاس آ رہا ہے، تو تم اس کے سلسلے میں اللہ رب العالمین کے لئے سچائی کا معاملہ اپناؤ مصعب نے کہا کہ اگر یہ بیٹھے گا تو میں اس سے بات کروں گا اسید آئے اور ان دونوں کے پاس غصے والا چہرہ لے لئے کھڑے ہو گئے اور کہا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو ہمارے کمزوروں کو بیوقوف بنانا چاہتے ہو ہمیں اکیلا چھوڑ دو اگر تمہیں اپنے آپ کی ضرورت ہے تو مصعب نے ان سے پر سکون طریقے سے اپنی دعوت کی

---

[1] () یہ عمرو بن ثابت بن وقش بن عبد الاشہل انصاری ہیں اور عمرو کو اُصیرم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے یہ حذیفہ بن یمان کے بھانجے تھے یہ بعد میں اسلام لائے تھے احد کے دن تک ان کا اسلام متاخر ہوا تھا اور احد کے دن یہ شہید ہوئے اور یہی وہ شخص ہیں جو جنت میں داخل ہوئے حالانکہ انہوں نے کوئی ایک رکعت بھی نماز ادا نہیں کی تھی، دیکھیے: الِاصابۃ (٤/ ٥٠٠)۔

کشادگی پر اعتماد کے ساتھ مومنانہ انداز کے ساتھ کہا کیا آپ بیٹھیں گے اور کچھ بات سنیں گے اگر آپ کو اچھا لگے تو قبول کیجئے گا اور اگر برا لگے تو چھوڑ دیں اسید بن حضیر نے کہا: تم نے تو اچھی بات کہی ہے پھر انہوں نے اپنا کدال رکھ دیا اور ان کے پاس بیٹھ گئے پھر مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان سے اسلام کی بات کی اور ان کے سامنے قرآن پڑھیں۔

ان دونوں یعنی مصعب اور اسعد بن زرارہ نے کہا: اللہ کی قسم ہم نے ان کے چہرے پر اسلام کو بھانپ لیا قبل اس کے کہ وہ ہم سے کچھ بات کریں تو اسید نے کہا یہ کلام تو بہت ہی اچھا ہے اگر تم کسی کو اسلام میں داخل کرنا چاہو تو کیا کرتے ہو؟

انہوں نے ان سے کہا: غسل کرو، طہارت حاصل کرو اور اپنے کپڑوں کو صاف کرو پھر حق کی گواہی دے دو اور پھر نماز پڑھو، وہ کھڑے ہوئے نہایا اور اپنے کپڑوں کو صاف کیا اور حق کی گواہی دی پھر دو رکعت نماز پڑھیں اور ان سے کہا کہ: میرے پیچھے ایک آدمی ہے اگر وہ تمہاری پیروی کرلے تو اس قوم کا کوئی بھی شخص پیچھے نہیں رہے گا میں اسے ابھی تمہارے پاس بھیجتا ہوں وہ سعد بن معاذ ہیں۔

پھر انہوں نے اپنا نیزہ لیا اور سعد بن معاذ کے اور ان کی قوم کے پاس گئے جب کہ وہ اپنے مجالس میں بیٹھے ہوئے تھے جب سعد بن معاذ نے ان کی جانب انہیں آتے ہوئے دیکھا تو کہا میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے پاس اسید اس چہرے سے نہیں آرہے جس چہرے کے ساتھ ہمارے پاس سے گئے تھے جب اسید بن حضیر مجمعے کے پاس کھڑے ہوئے تو سعد نے کہا تم نے کیا کیا؟

تو انہوں نے کہا کہ میں نے دونوں لوگوں سے بات کی اللہ کی قسم میں نے ان میں کوئی برائی نہ دیکھی اور میں نے انہیں منع کیا تو انہوں نے کہا کہ جیسا آپ چاہیں وہ ایسا ہی کریں گے اور مجھے

یہ خبر ملی ہے کہ بنی حارثہ کے لوگ اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے لئے آرہے ہیں اس لئے انہیں یہ پتہ چلاہے کہ وہ تمہارے خالہ زاد بھائی ہیں تاکہ وہ تمہارا وعدہ توڑ دیں۔[1]

سعد بن معاذ جلدی سے غصہ ہو کر کھڑے ہوئے انھیں یہ خدشہ تھا کہ جو ان سے ذکر کیا گیا کہیں بنو حارثہ کے لوگ وہی نہ کر دیں انہوں نے نیزہ اسید بن حضیر کے ہاتھ سے لیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں نہیں دیکھ رہا کہ تم کچھ بے نیاز کیا، پھر ان کی جانب چل پڑے جب سعد نے انہیں دیکھا کہ وہ سکون کے ساتھ بیٹھے ہیں تو انہیں پتہ چل گیا کہ اسید بن حضیر نے ان کو یہ چاہا کہ وہ جا کر کے ان سے ان کی بات سنیں، چنانچہ سعد بن معاذ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر کے پاس غضبناک چہرے سے کھڑے ہوئے اور اسعد بن زرارہ سے کہا: اے ابو امامہ اللہ کی قسم اگر میرے اور تمہارے درمیان قرابت داری نہ ہوتی تو تم ایسا نہیں کر پاتے کیا تم ہمارے گھر میں وہ چیز لا رہے ہو جسے ہم نا پسند کرتے ہیں؟۔

اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالی عنہ نے مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ اللہ کی قسم تمہارے پاس اس وقت وہ سردار آیا ہے جس کے پیچھے اس کی پوری قوم ہے اگر یہ آپ کی پیروی کرلیں تو اس کے پیچھے ان میں سے دو لوگ بھی نہیں رہ جائیں گے۔

مصعب نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کیا آپ بیٹھ کر کچھ ہماری باتیں سنیں گے اگر آپ ہماری بات سے خوش ہوں اور چاہیں تو قبول کریں اور اگر نہ پسند کریں تو ہم تمہیں اور تمہاری ناپسندیدہ چیز کو چھوڑ دیتے ہیں، سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی پھر انہوں نے اپنا کدال گاڑا اور بیٹھ گئے پھر مصعب نے ان پر اسلام کو پیش کیا اور ان پر سورہ زخرف کی کچھ آیتیں تلاوت کی: ﴿حم والکتب المبین انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون﴾]الزخرف: ١-٣[۔

---

[1]() ڈاکٹر محمد ابو شہبہ اپنی کتاب سیرت نبوی (2/٤٤٢) میں کہتے ہیں اسید ابن حدیر رضی اللہ عنہ کا مقصد سعد ابن معاذ کی حمیت کو بیدار کرنا تھا تاکہ وہ کھڑے ہوں اور اسعد ابن زرارہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ ہی مصعب کے پاس جا کر ان کی بات سنیں۔

ان دونوں یعنی مصعب اور اسعد بن زرارہ نے کہا کہ اللہ کی قسم ہم نے ان کے چہرے میں اسلام دیکھ لیا قبل اس کے کہ وہ کچھ بات کرتے کیوں کہ ان کا چہرہ چمک رہا تھا اور ان کے چہرے پر خوشی تھی۔

پھر انہوں نے ان دونوں سے کہا کہ جب تم کسی کو اسلام لانے کے لیے کہتے ہو تو کیا کرتے ہو یا اسلام لانے کے وقت تمہارا کیا عمل ہوتا ہے؟

انہوں نے کہا: تم غسل کرو اور نہاؤ اور اپنے کپڑے کو صاف کرو پھر حق کے کلمے کی گواہی دے دو اور نماز پڑھو وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے غسل کی اور اپنے کپڑے صاف کیے پھر حق کے کلمے کی گواہی دی اور دو رکعت نماز پڑھی پھر انہوں نے اپنا نیزہ لیا اور اپنی قوم کے مجمعے کی جانب بڑھے اس وقت ان کے پاس اسید بن حضیر بھی تھے جب ان کی قوم نے انھیں اپنے پاس آتے دیکھا تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم سعد تمہارے پاس جس چہرے کے ساتھ گئے تھے اس چہرے سے اب واپس نہیں آرہے ہیں جب ان کے پاس وہ کھڑے ہوئے تو کہا: اے بنو عبد الاشہل تم میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟

انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے سردار ہیں آپ ہم میں سب میں افضل رائے والے ہیں اور آپ ہم میں سب بہتر ہیں انہوں نے کہا تو تم میں سے مردوں اور عورتوں کا مجھ سے بات کرنا اس وقت تک حرام ہے جب تک تم اللہ اور رسول پر ایمان نہیں لے آتے۔

ان دونوں نے یعنی اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر نے کہا: اللہ کی قسم بنو عبد الاشہل کی بستی میں کوئی بھی شام ہونے سے پہلے مسلمان ہوئے بغیر نہ رہا، سوائے اصیرم یعنی عمرو بن ثابت

کے کہ ان کا اسلام متاخر ہوا احد والے دن تک اور وہ احد کے دن اسلام لائے اور احد ہی میں شہید کئے گئے اور انہوں نے اللہ کے لیے کوئی سجدہ بھی نہ کیا اللہ کے رسول نے خبر دی کہ وہ جنتی ہیں۔ (1)

پھر مصعب رضی اللہ تعالی عنہ نے اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالی عنہ کے گھر میں قیام کیا اور وہاں وہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے گھروں میں کوئی گھر نہ بچا مگر یہ کہ اس میں مسلمان مرد اور عورت موجود تھے۔ (2)

---

[1] () سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ ابن اسحاق نے سیرت (۴۹/۲) میں بیہقی نے دلائل نبوت (۴۳۱/۲) میں تخریج کیا ہے اور اصیرم کے احد والے دن اسلام لانے اور اس میں ان کے شہید ہونے کا قصہ ابن اسحاق نے سیرت (۱۰۰/۳) میں تخریج کیا ہے اور اسے حافظ ابن حجر نے اصابہ (۵۰۰/۴) میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] () سیرۃ ابن هشام (۲/ ٤٩)-دلائل النبوۃ للبیهقي (۲/ ٤٣١)-الطبقات الکبری لابن سعد (۳/ ۲۲۳)۔

انصار کے اسلام کے لئے تیار ہونے کا سبب

قبل اس کے کہ ہم بیعت عقبہ ثانیہ کے بارے میں گفتگو کریں ہمیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انصار کے جلد اسلام لانے کے سبب کو ذکر کریں۔

انصار کے جلدی اسلام لانے میں کئی عوامل مددگار تھے جنہیں کہ اللہ رب العالمین نے مہیا کیا تھا اور آسان کیا تھا وہی قریش اور اہل مکہ اور یثرب کے عربی قبائل کے درمیان فارق ثابت ہوا:

ا-انہیں میں سے اللہ رب العالمین نے جو انہیں نرمی اور آسانی عطا کی تھی اور وہ کبر اور حق کے انکار میں غلو کے شکار نہ تھے جو کہ اس خون اور جنس کی خصوصیات میں شامل ہے جس کی جانب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس وقت اشارہ کیا تھا جب یمن کا وفد آیا تھا آپ ﷺ نے کہا تھا :((تمہارے پاس اہل یمن آئیں گے ہیں جن کے دل بہت نرم[1] ہیں))[2] اور وہ دونوں اوس اور خزرج تھے جن کی اصل یمن کی جانب لوٹتی ہے جن کے آباء واجداد پرانے زمانے میں یہاں آئے تھے۔

2-انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ اوس وخزرج کو خانہ جنگی نے توڑ دیا تھا اور بعاث کے دن کو بھی زیادہ دیر نہ ہوا تھا جس سے وہ لوگ جل رہے تھے اور اس کے شر کو محسوس کر رہے تھے اور اس سے پریشان تھے اسی لیے اجتماع کلمہ کے رغبت پیدا ہوئی اور وہ چاہتے تھے کہ مل جل کر کے رہیں اور جنگ اور لڑائی سے محفوظ رہیں اسی لیے انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے اپنے قوم کو چھوڑا ہے اور ان سے زیادہ کسی قوم میں عداوت اور دشمنی اور شر اور برائی نہیں پائی جاتی ہے ہو سکتا ہے کہ اللہ رب

---

[1]() امام نووی رحمہ اللہ مسلم کی شرح (۲۸/۲) میں کہتے ہیں رہی بات اس کی نرمی اور کمزوری کی صفت کی تو اس کا معنی ہے کہ وہ خشیت اور سکون والی جگہ ہے جو بات کو جلدی سمجھتے ہیں اور یاد دلائے جانے پر متاثر ہوتے ہیں کٹھورپن اور شدت سے وہ محفوظ ہیں۔

[2]() أخرجہ البخاري في صحیحہ-کتاب المغازي-باب قدوم الأشعريين وأهل اليمن-رقم الحديث(٤٣٨٨)-ومسلم في صحيحہ-کتاب الإيمان-باب تفاضل أهل الإيمان فيہ ورجحان أهل اليمن فيہ-رقم الحديث (٥٢) (٩٠)۔

العالمین آپ کے ذریعے ان کو جمع کردیں اگر اللہ تعالی انہیں آپ کے ذریعے سے جمع کردیں گے تو آپ سے زیادہ بہتر اور مضبوط کوئی نہ ہوگا۔ (1)

عائشہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتی ہیں کہ بعاث کا دن اللہ رب العالمین نے نبی ﷺ کے لئے مقدمہ کے طور پر رکھا تھا۔ (2)

3-انہیں میں سے یہ بھی ہے کہ قریش اور سارے عرب کے لوگ نبوت اور انبیاء کا زمانہ بہت دنوں سے نہیں پائے تھے اور وہ لمبی مدت کے سبب اس کے معنی کو بھولے جارہے تھے وہ خود کو امی کہا کرتے تھے اور وہ بت پرستی میں بالکل ڈوبے ہوئے تھے اس طرح سے وہ ان قوموں سے بہت دور تھے جو خود کو انبیاء کے بارے منسوب کیا کرتے تھے اور جن پر کتب سماویہ نازل ہوئی تھیں حالانکہ ان میں تحریف اور عبث داخل ہو چکا تھا، اللہ رب العالمین نے قرآن میں اشارہ کیا ہے:

﴿لتنذر قوما ما أنذر آباؤهم فهم غافلون﴾ [يس: ٦].

رہی بات اوس اور خزرج کی تو یہود سے نبوت اور انبیاء کے بارے میں سنا کرتے تھے اور وہ تورات کے صحیفے پڑھا کرتے تھے ان کی تفسیر پڑھا کرتے تھے بلکہ کہ وہ انہیں یہ دھمکی بھی دیتے تھے کہ آخری زمانے میں ایک نبی مبعوث کئے جائیں گے ہم تم کو ان کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کریں گے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ولما جاءهم كتاب من عند الله مصدق لما معهم وكانوا من قبل يستفتحون على الذين كفروا فلما جاءهم ما عرفوا كفر به فلعنة الله على الكافرين﴾ (3)

---

(1) سيرة ابن هشام (٢/ ٤٢)۔

(2) أخرجه البخاري في صحيحه-كتاب المناقب-باب مناقب الأنصار-رقم الحديث (٣٧٧٧)-وأخرجه الإمام أحمد في مسنده-رقم الحديث (٢٤٣٢٠)۔

(3) سيرة ابن هشام (٢/ ٤٢)۔

اسی لئے اوس اور خزرج اور مدینہ میں موجود عرب کے مشرکین اس قدر عمیق جہالت اور دینی مفاہیم سے نفرت اور الٰہی سنتوں میں حد سے گزرے ہوئے تھے جس طرح اہل مکہ اور ان کے قرب وجوار میں موجود عرب کے یہاں تھے بلکہ انہوں نے اسے جانااور سمجھا یہود اور اہل کتاب کے طریق سے جوان سے ملا کرتے تھے ایک شہر میں رہنے کی وجہ سے اور قرب وجوار کی وجہ سے اور جب انہوں نے رسول اللہ کو پہچانا اور موسم میں حاضر ہوئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو ان کے آنکھوں سے یہ پٹیاں اٹھ گئیں گویا وہ اس دعوت کا انتظار کر رہے ہوں۔[1]

[1] ()السیرۃ النبویۃ لأبي الحسن الندوي رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۵٦ – ۱۵۷۔

بیعت عقبہ ثانیہ

بعثت کے تیرہویں سال جب حج کا موسم قریب ہوا تو انصار کے تہتر آدمی جمع ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کب تک چھوڑے رہیں گے کہ آپ کو مکہ کے پہاڑوں میں دھتکارا جائے اور وہ وہاں ڈر اور خوف کی حالت میں رہیں؟

انہوں نے حج کے لیے جا کر اللہ کے رسول ﷺ سے ملاقات کا وعدہ کیا تو وہ اپنی قوم کے مشرک حجاج کے ساتھ نکلے تھے ان کی تعداد ۵۰۰ تھی یہاں تک کہ وہ حاجیوں کے ساتھ ان کے قیام گاہ پر مکہ پہنچ گئے اور وہ اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھے ان کے ساتھ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے، جب وہ مکہ آئے تو سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کے گھر گئے وہ اپنے گھر نہ گئے اور وہ اللہ کے رسول کو انصار کے بارے میں بتانے لگے اور بتایا کہ وہ کس قدر اسلام قبول کرنے میں جلدی کر رہے ہیں اور آپ ﷺ سے انہوں نے یثرب کے قبیلوں کے بارے میں بتائیں اور ان کی طاقت اور قوت کے بارے میں بھی آپ کو بتایا اس سے اللہ کے رسول ﷺ کو بہت خوشی ہوئی اور آپ نے ان کے لئے دعا کی۔

پھر انصار کے ۷۳ آدمی اور اللہ کے رسول ﷺ کے درمیان خفیہ رابطے ہوئے جس سے دونوں فریق کے درمیان یہ اتفاق ہوا کہ وہ ایام تشریق [1] کے بیچ والے دن میں اس گھاٹی [2] میں جمع ہوں گے جو عقبہ کے پاس منیٰ میں جمرہ اولی کے نزدیک ہے تاکہ ایک عظیم اور تاریخ اسلام کا اہم ترین اتفاق منعقد ہو اور یہ اجتماع رات کی تاریکی میں مکمل خفیہ طور پر پورا ہو۔ [3]

---

[1] () ایام تشریق عید کے بعد کے تین دن ہیں انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ ہدی اور قربانی کے جانور اس وقت تک قربان نہیں کیے جاتے تھے جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے دیکھیے: النہایہ (۲/۴۱۶)۔

[2] () شعب دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے پہاڑ کے درمیان موجود راستے کو شعب کہا جاتا ہے، دیکھیے: لسان العرب (۷/۱۲۸)۔

[3] () سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۵۲)۔الرحیق المختوم ص ۱۴۷۔طبقات ابن سعد (۱/ ۱۰۶)۔

● بیعت عقبہ ثانیہ کا سیاق:

اب آیئے میں آپ کو انصار کے ایک رہنما کے پاس چھوڑتا ہوں جو اس تاریخی اجتماع کو بیان کریں گے جس کو اسلام اور انسانیت کی جنگ کے ایام فیصلہ کن کہا جا سکتا ہے کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں: ہم اپنی قوم کے مشرک حاجیوں کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے حالانکہ ہم نے نماز پڑھی تھی اور ہم نے دین کی باتیں بھی سیکھی تھیں، ہمارے ساتھ ہمارے بڑے اور ہمارے سردار براء بن معرور بھی تھے، جب ہم سفر کے لیے متوجہ ہوئے اور مدینہ سے نکل گئے.... وہ کہتے ہیں کہ: ہم مکہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں پوچھنے نکلے، ہم اس وقت آپ کو نہیں جانتے تھے اور ہم نے اس سے پہلے کبھی آپ کو دیکھا بھی نہ تھا ہم نے مکہ میں ایک آدمی سے ملاقات کی اور اس سے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا تم دونوں انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں اللہ کی قسم، تو اس نے کہا: کیا تم ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب کو پہچانتے ہو، ہم نے کہا: ہاں اور ہم عباس کو پہچانتے تھے کیونکہ وہ ہمارے پاس تجارت کے لئے آیا کرتے تھے، اس نے کہا: جب تم مسجد میں داخل ہو تو عباس کے پاس بیٹھا ہوا جو آدمی ہوگا وہی آپ ﷺ ہیں، میں نے ابھی انہیں وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے، کعب بن مالک کہتے ہیں جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو عباس اور رسول اللہ ﷺ ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ہم نے ان کو سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھ گئے اللہ کے رسول ﷺ نے عباس سے کہا: اے عباس کیا آپ ان دونوں آدمیوں کو جانتے ہو؟۔

انہوں نے کہا: ہاں یہ خزرج کے لوگ ہیں اس وقت انصار کو اوس اور خزرج کہا جاتا تھا یہ براء بن معرور ہیں اور وہ ان کے قوم کے آدمیوں میں سے ایک آدمی ہیں اور یہ کعب بن مالک ہیں۔

کعب نے کہا: اللہ کی قسم میں اللہ کے رسول ﷺ کی وہ بات نہیں بھولتا ہوں آپ نے کہا ہے کہ: شاعر۔[1]

کعب نے کہا: ہاں۔

کعب کہتے ہیں: پھر ہم حج کے لیے نکل گئے اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں عقبہ کا وعدہ کیا کہ ایام تشریق کے وسط میں ملاقات کریں گے جب ہم حج سے فارغ ہوئے اور وہ رات آئی جس کا اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اس وقت ہمارے ساتھ عبداللہ بن عمرو بن حرام، ابو جابر جو ہمارے سرداروں میں سے تھے وہ ہمارے ساتھ تھے ہم اس وقت اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشرکوں سے اپنے احوال کو چھپائے ہوئے تھے ہم نے آپ سے بات کیا اور ان سے کہا: اے ابو جابر آپ ہمارے سرداروں میں سے سردار ہے ہمارے بڑوں میں سے بڑے ہیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جاؤ، پھر ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور ان کو میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے وعدے کی خبر دی چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور وہ ہمارے ساتھ عقبہ میں شریک ہوئے اور وہ نقیب تھے۔

کعب کہتے ہیں کہ: ہم نے اس رات اپنی قوم کے ساتھ اپنے قیام کی جگہ رات گزاری، جب ایک تہائی رات گزر گئی اور لوگوں کا چلنا پھرنا بند ہو گیا تو ہم اپنی قیام گاہ سے نبی کے وعدے کے لئے نکل پڑے، ہم اسی طرح نکلے جس طرح ایک پرندہ چپکے چپکے نکلتا ہے یہاں تک کہ ہم عقبہ کے پاس گھاٹی میں جمع ہوئے اس وقت ہم ۷۲ لوگ تھے جن میں بڑے اور شرف والے چالیس لوگ

[1] () میں کہتا ہوں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کعب بن مالک کے ذریعے سے خوشی کا سبب یہ ہے کیونکہ وہ شاعر تھے اور شعر اس وقت موجود وسائل اعلام سے ایک اہم وسیلہ تھا گویا وہ اپنے شعر کے ذریعے سے اسلام کو پھیلائیں گے جو کہ کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جس میں یہ خوبی نہ پائی جاتی ہو۔

تھے اور ۳۰ نوجوان تھے، اور ہمارے ساتھ ہماری عورتوں میں سے دو عورتیں تھیں نسیبہ بنت کعب ام عمارہ[1] بنو مازن بن نجار کی ایک عورت اور اسماء[2] بنت عمرو ام منیع جو بنو سلمہ کی خاتون تھیں۔

• عباس کا نبی ﷺ کے لیے وعدہ اور انصار کی جانب سے بیعت کا عزم:

انصار گھاٹی میں جمع ہوئے اور اللہ کے رسول ﷺ کا انتظار کرنے لگے، آپ آئے اور آپ کے ساتھ عباس بن عبد المطلب بھی تھے جو اس وقت اپنے قوم کے دین پر تھے مگر انہیں یہ پسند تھا کہ وہ اپنے بھتیجے کا معاملہ دیکھیں اور ان کے لیے عہد و پیمان لیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس جگہ ان سب سے پہلے پہنچے اور آپ کے ساتھ عباس آپ کے چچا بھی تھے، سب سے پہلے جنہوں نے اللہ کے رسول کو دیکھا وہ رافع بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ تھے، جب عباس نے ان کے چہروں کو دیکھا تو کہا ان لوگوں کو میں جانتا ہوں یہ لوگ نوجوان ہیں۔

جب مجلس مکمل ہو گی اور بات شروع ہوئی دینی اور فوجی معاہدے کو انجام دینے کے لئے ، سب سے پہلے گفتگو کرنے والے عباس بن عبد المطلب اللہ کے رسول کے چچا تھے، انہوں نے صراحت کے ساتھ ان کے لیے اس مسوولیت کی خطرناکی کو بیان کرنا شروع کیا جو ان کے اوپر اس کے عہد و پیمان کے نتیجے میں آنے والی تھی، عباس نے کہا: اے خزرج کے لوگو- عرب کے لوگ انصار کی اس بستی کو اوس و خزرج کے نام سے جانتے تھے- محمد ہم میں کس مقام پر ہے یہ تم جانتے ہو ہم نے انہیں اپنی قوم سے جو کہ ہماری ہی رائے رکھتے ہیں آپ کو محفوظ رکھا وہ اپنے قوم میں شان و

---

[1]() یہ نسیبہ بنت کعب بن عمرو ایک فضیلت والی مجاہد انصاری خزرجی نجاری مازنی مدنی خاتون ہیں جن کی کنیت ام عمارہ تھی یہ اپنی کنیت اور نام دونوں سے مشہور ہیں انہوں نے بیعت عقبہ میں شرکت کی یہ احد، حدیبیہ اور حنین اور یمامہ کے دن بھی شریک رہیں اور انہوں نے جہاد کیا اور جہاد ہی میں ان کے ہاتھ کو کاٹ دیا گیا، دیکھیے: سیر اعلام النبلاء (۲۷۸/۲)۔

[2]() یہ اسماء بنت عمرو انصاری ہیں جو کہ معاذ بن جبل کی والدہ تھیں اور ان کی کنیت ام منیع ہے انہوں نے بیت عقبہ ثانیہ میں شرکت کی تھی دیکھیے: الاصابہ (۱۴/۸)۔

شوکت اور طاقت و قوت والے ہیں مگر یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے پاس جائیں اور تم سے مل جائیں تو اگر تم یہ جانتے ہو کہ تم جس لئے بلا رہے ہو اس کو پورا کرو گے اور تم ان کی ان کے مخالفین سے حفاظت کرو گے، تو تم جانو کی اس ذمہ داری کو کیسے پورا کرو گے اور اگر تم یہ خیال کر رہے ہو کہ تم انہیں کسی کے حوالے کر دو گے اور ان کا ساتھ چھوڑ دو گے جب یہ تمہارے پاس چلے جائیں گے تو ابھی سے چھوڑ دو کیونکہ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں طاقت و قوت اور عزت کے ساتھ ہیں۔

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے ان سے کہا کہ جو آپ نے کہا ہم نے سن لیا تو اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ گفتگو کیجئے اور اپنے اور اپنے رب کے لئے جو وعدہ چاہیں لے لیں۔[1]

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے گفتگو شروع کی اور آپ نے ہم پر قرآن کی تلاوت کی اور اللہ کی جانب بلایا اور اسلام کی جانب ترغیب دیں پھر ہم نے آپ کی بات کو قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے اور آپ نے جو کہا ہم اس سے راضی ہوئے، پھر آپ ﷺ نے کہا تم مجھ سے سمع و طاعت پر بیعت کرو سستی اور چستی ہر حال میں اور تنگی اور خوشحالی خرچ کرنے پر بیعت کرو اور اس بات پر بیعت کرو کہ تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دو گے اور اس بات پر کہ اللہ رب العالمین کے لئے کوئی بات کہتے ہوئے کسی کی ملامت کا غم نہ کرو گے اور اس بات کا وعدہ کرو کہ جب میں تمہارے پاس یثرب میں آؤں گا تو میری مدد کرو گے اور میری ہر اس چیز سے حفاظت کرو گے جس سے تم اپنے بیوی بچوں کو حفاظت میں رکھتے ہو اور اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہے۔

پھر براء بن معرور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور کہا اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم ہر اس چیز سے آپ کی حفاظت کریں گے جس سے ہم اپنے گھر والوں کی

---

[1]() شیخ صفی الرحمن مبارک پوری الرحیق المختوم (ص:۱۴۸) میں کہتے ہیں: یہ جواب اس عظیم ذمہ داری کو اٹھانے اور اس کے ساتھ موجود خطروں کو برداشت کرنے پر اس عزم اور ارادے اور ایمان کی پختگی اور پر دلالت کرتا ہے جو ان میں موجود تھی۔

حفاظت کرتے ہیں،اے اللہ کے رسول آپ ہم سے بیعت کیجئے ہم جنگ والے ہیں اور ہم اسلحے والے ہیں ہم نے اسے اپنے باپ دادوں سے پایا ہے۔

براء ابھی رسول اللہ ﷺ سے بات ہی کر رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان نے بات کاٹتے ہوئے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہمارے اور یہودیوں کے درمیان عہد و میثاق ہے اور ہم اس کو ختم کرنے والے ہیں کیا اگر ہم ایسا کریں گے اور پھر اللہ نے آپ کو غلبہ عطا کیا تو کیا آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی جانب چلے آئیں گے؟۔

اللہ کے رسول ﷺ مسکرائے اور کہا نہیں بلکہ خون کے بدلے اور قبر کے قبر ہو گی میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو میں اس سے جنگ کروں گا جس سے تم کروگے اور اس سے صلح کرونگا جس سے تم صلح کروگے۔

براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول آپ اپنا ہاتھ پھیلائیں ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں۔

● نقیبوں[1] کا انتخاب اور بیعت کا انعقاد:

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ((تم میری طرف اپنے میں سے ۱۲ لوگوں کو نکالو تاکہ وہ اپنی قوم کے ساتھ ہر حال میں رہیں))۔

پس ان کا انتخاب فی الحال ہوا ان میں سے نو خزرج کے تھے اور تین اوس میں سے تھے اور ان کے اسماء اس طرح سے ہیں:

● خزرج کے نقیب:

بنو نجار کے نقیب:

---

[1]() نقیب کسی قوم کے لیڈر یا نگراں کو کہا جاتا ہے جو ان کے حالات کو دریافت کرے، دیکھئے: النہایہ (۵/ ۸۸)۔

اسعد بن زرارہ

بنو سلمہ کے نقیب:

براء بن معرور رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عمرو بن حرام حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد۔

بنو ساعدہ کے نقیب:

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ

منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ

بنو زریق کے نقیب:

رافع بن مالک ابن عجلان رضی اللہ عنہ

بنو حارث بن خزرج کے نقیب:

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ

بنو عمرو بن عوف بن خزرج کے نقیب:

عبادہ بن ثابت رضی اللہ عنہ

● اوس کے نقیب:

بنی عبد الاشہل کے نقیب:

اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

بنی عمرو بن عوف کے نقیب:

سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ

رفاعۃ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ۔[1]

• بیعت کی خطورت پر تاکید:

جب بیعت کے شروط سے متعلق بات چیت مکمل ہو گئی اور لوگوں نے بیعت کرنے کا ارادہ کیا تو سنہ ۱۱ اور ۱۲ ہجری میں پہلے اسلام لانے والوں میں سے دو لوگ یکے بعد دیگرے کھڑے ہوئے تاکہ اپنی قوم کو ذمہ داری کی خطرناکی کا احساس دلائیں تاکہ وہ معاملے کے واضح ہوئے بغیر بیعت نہ کریں اور اپنی قوم کے قربانی کے لئے تیاری اور جذبے کو سمجھ سکیں۔[2]

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ: جب لوگ بیعت کے لئے جمع ہوئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو تم اس آدمی سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟

لوگوں نے کہا: ہاں، انہوں نے کہا کہ تم ان سے لال کالے سب لوگوں سے جنگ کے لیے لئے بیعت کر رہے ہو اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر تمہارا مال ختم ہو تو یہ مصیبت ہے اور اگر تمہارے بڑے قتل ہوں تو تم ان کو بے سہارا چھوڑ دو گے تو ابھی سے کیوں کہ اللہ کی قسم وہ دنیا اور آخرت کی بربادی ہو گی اور اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم جس چیز کا ان سے وعدہ کر رہے ہو اسے پورا کرو گے چاہے تمہارے مال ختم ہو یا تمہارے اشراف کو قتل کیا جائے تو انہیں لے چلو تو یہ اللہ کی قسم دنیا اور آخرت کی بھلائی ہیں۔

لوگوں نے کہا ہم آپ کو لے جائیں گے مال کی مصیبت اور اور اشرف کے قتل کی مصیبت ہمیں برداشت ہے، اے اللہ کے رسول ﷺ اگر ہم اپنا معاہدہ پورا کریں تو اس کا کیا بدلہ ہمیں ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت، انہوں نے کہا: آپ اپنا ہاتھ پھیلائیے، آپ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور لوگوں نے بیعت کی۔

---

[1] ()ابن ھشام سیرت (۵۸/۲) میں کہتے ہیں: اہل علم ان میں ابو الہیثم ابن تیہان کو شمار کرتے ہیں جب کہ رفاعہ کو شمار نہیں کرتے۔

[2] ()الرحیق المختوم ص ۱۵۰۔

اور ابن حبان کی صحیح میں جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی ایک روایت میں ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ کو پکڑا جو ستر لوگوں میں سب سے چھوٹے تھے اور کہا: اے اہل یثرب ذرا ٹھہرو، یاد رکھو کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس یہ جاننے کے بعد آئے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا آج اپنے ساتھ لے جانا سارے عرب کے لوگوں سے دشمنی ہوگی اور اس سے تمہارے اچھے لوگوں کا قتل ہونا بھی لازم آتا ہے اور یہ کہ تمہیں تلواروں کے نیچے آنا پڑے گا اگر تم تلوار پر صبر کرنے والے ہو جب تمہیں لاحق ہو اور اپنے اچھے لوگوں کے قتل پر صبر کرنے والے ہو اور عرب سے دشمنی کر سکتے ہو تو تم ان کو اپنے ساتھ لے کر چلو اور تمہارا اجر اللہ پر ہوگا اور یا تم ڈرنے والی قوم ہو اپنے نفس کے سلسلے میں خوف کھاتے ہو تو تم انہیں چھوڑ دو اللہ کے نزدیک ہمارا عذر قبول ہو سکتا ہے۔

انہوں نے کہا: اے اسعد تم اپنے ہاتھ کو ہم سے دور کرو اللہ کی قسم ہم اس بیعت کو نہیں توڑیں گے اور نہ ہی ہم اسے ختم کریں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے نقیبوں سے کہا کہ تم اپنی قوم کے تمام چیزوں کے کفیل ہوں اور جیسے عیسی ابن مریم کے حواری کفیل تھے اور میں اپنی قوم یعنی مسلمانوں پر کفیل ہوں تو انہوں نے کہا: ہاں۔

چنانچہ وہ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک ایک کر کے کھڑے ہوئے ان سے اللہ کے رسو کی شرط پر عباس بن عبد المطلب بیعت لے رہے تھے اور انہیں اس پر جنت کا وعدہ دے رہے تھے۔[1]

---

[1] () بیعت عقبہ ثانیہ کے قصے کو امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (۱۴۶۵۳)، (۱۵۷۹۸) اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں کتاب إخباره- رضي اللہ عنہ- عن مناقب الصحابة- باب ذكر أسعد بن زرارة- رضي اللہ عنہ حدیث نمبر (۷۰۱۱)، (۷۰۱۲) اور ابن اسحاق نے سیرت

• سب سے پہلے بیعت کرنے والے:

سب سے پہلے بیعت کرنے والے براء بن معرور رضی اللہ تعالی عنہ تھے امام احمد نے اپنی مسند میں بسند حسن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے براء بن معرور رضی اللہ تعالی عنہ تھے پھر سارے لوگوں نے بیعت کی۔[1]

اور حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ عقبہ کی رات براء بن معرور رضی اللہ تعالی عنہ نے سب سے پہلے اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[2]

اور ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس رات سب سے پہلے بیعت کرنے والے براء بن معرور رضی اللہ تعالی عنہ تھے اور ان کا بڑا ہاتھ تھا جبکہ انہوں نے بیعت کی تاکید کی اور اس کے لئے جلدی کی۔[3]

• دونوں عورتوں کی بیعت:

جب اللہ کے رسول ﷺ نے آدمیوں سے بیعت کرکے فراغت حاصل کی تو آپ نے زبانی طور پر عورتوں سے بھی بیعت کی آپ نے ان سے مصافحہ نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ عورتوں

میں (۲/۵۲-اور اس کے بعد) تخریج کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے الاصابہ (۸/۱۴) پر نقل کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور جیسے انہوں نے کہا ہے اس کا معاملہ ہے بھی اسی طرح۔

[1]() مسند الامام أحمد حدیث نمبر (۱۵۷۹۸)۔

[2]() أخرجه الحاكم في المستدرك-كتاب معرفة الصحابة- باب كان أوّل من تكلّم من النّقباء البراء بن معرور-رضي اللهّ عنه-رقم الحديث (٤٨٨٦)۔

[3]() زاد المعاد (۳/ ۴۳)۔

سے مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے[1] آپ نے ان کی بیعت زبانی طور پر لی اور جب انہوں نے اس کا اقرار کیا تو فرمایا: جاؤ میں نے تم سے بیعت کر لی۔[2]

● شیطان نے معاہدے کی خبر کا انکشاف کیا:

کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تو شیطان عقبہ کے اوپر سے بلند آواز سے جیسا کہ میں نے کبھی ویسی آواز نہیں سنی تھی کہا، اے گھر والے لوگ اس برے[3] اور بے دین[4] کو تو دیکھو یہ تمہارے خلاف لڑائی کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔

آپ ﷺ نے کہا: یہ عقبہ کا شیطان ہے یہ ابن ازیب ہے اے اللہ کے دشمن سن میں اللہ کی قسم تیرے لیے فارغ ہونے والا ہوں۔

---

[1] () امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر (۵۲۸۸)، (۷۲۱۴) اور مسلم نے اپنے صحیح میں حدیث نمبر (۱۸۶۶) پر عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتی ہیں اللہ کی قسم اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ کبھی بھی کسی خاتون کے ہاتھ کو نہیں چھوئے سوائے اس کے کہ اپ نے ان سے بات اور کلام کے ذریعے سے بیعت کی اور اللہ کے رسول ﷺ نے خواتین سے کوئی اور بیعت نہ لی سوائے اس کے جس کا اللہ رب العالمین نے حکم دیا ہے اپ جب ان سے بیعت کرتے تو زبانی طور پر کہتے میں نے اپ لوگوں سے بیعت کر لی۔۔

[2] () سیرۃ ابن ھشام (۲/ ۷۹)-الطبقات الکبری لابن سعد (۸/ ٤٤٠)۔

[3] () امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب المناقب، باب ماجاء في أسماء رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر (۳۵۳۳) پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالی نے مجھ سے قریش کی بدکلامیوں اور لعن طعن کو پھیر دیا وہ مجھے برائی کیا گیا کہہ کر پکارتے تھے اور برائی کیے گئے کو لعنت کرتے تھے اور میں تو محمد ہوں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری (۷/۲۵۰) میں کہتے ہیں کفار قریش نبی پاک ﷺ کو اپ سے سخت نفرت کی وجہ سے تعریف پر دلالت کرنے والے نام سے اپ کو مخاطب نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اس کے برعکس نام سے اپ کو پکارتے تھے اور مذمم کہا کرتے تھے اور جب اپ کو کسی برائی سے ذکر کرتے تو کہتے تھے اللہ تعالی نے مذمم کے ساتھ ایسا کیا اور مذمم یہ نبی ﷺ کا نام نہیں تھا اور نہ ہی اپ اس کے ذریعے سے جانے جاتے تھے تو جو ان لوگوں سے باتیں واقع ہوتی تھیں وہ آپ کے علاوہ کسی اور کی طرف پھیر دی جاتی تھیں۔

[4] () جب کوئی شخص ایک دین سے دوسرے دین کی جانب منتقل ہو جاتا ہے تو اسے لوگ بے دین کہتے ہیں اور عرب کے لوگ نبی ص ﷺ کو صابي یعنی بے دین کہا کرتے تھے کیونکہ آپ قریش کے دین سے نکل کر دین اسلام کی طرف آئے تھے، دیکھیے: النھایۃ (۳/۳) ۔

• بیعت میں انصار کی سچائی:

عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ نے رسول ﷺ سے کہا: اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم منی والوں پر اپنی تلواروں سے صبح دھاوا بول دیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے، تم اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹ جاؤ۔ لہذا وہ اپنی قیام گاہ کی جانب لوٹ گئے اور سو گئے یہاں تک کہ صبح کی۔[1]

• قریش یثرب کے سرداروں سے خبریں تلاش کرنے لگے:

اور جب یہ خبر قریش کے کانوں میں پڑی تو ان میں ایک بے چینی چھا گئی اور وہ غمگین ہوئے کیونکہ وہ اس طرح کی بیعت کے اپنے جان اور مال پر اس کے نتائج اور انجام سے پوری طرح باخبر تھے اس لیے جیسے ہی انہوں نے صبح کی مکہ کے ذمہ داروں میں سے ایک بڑا وفد جو کہ ان کے بڑے مجرموں کی جماعت تھی وہ منی میں اہل یثرب کے قیام گاہ کی جانب نکل پڑے اور انہوں نے کہا: اے خزرج کے لوگو ہمارے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی[2] کے پاس آئے ہو اور اسے تم ہمارے پاس سے نکال کر لے جانے والے ہو اور تم اس کے ساتھ ہم سے جنگ پر بیعت کر رہے ہو اللہ کی قسم عرب کا کوئی بھی محلہ ہمارے نزدیک ہم میں اور تم میں جنگ ہونے جیسا ناپسند تم سے زیادہ کوئی نہیں۔[3]

تو وہاں خزرج کے مشرک اللہ رب العالمین کی قسم کھانے لگے اور کہنے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ہے یہاں تک کہ لوگ قریش کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس آئے اور اس نے بھی کہا کہ یہ باطل بات ہے اور یہ کچھ ہوا ہی نہیں ہے اور میری قوم

---

[1] () أخرجه الإمام أحمد في مسنده - رقم الحديث (١٥٧٩٨) - وابن إسحاق في السيرة (٢/ ٦١) وإسناده حسن۔

[2] () یعنی رسول ﷺ۔

[3] () أخرج ذلک: الإمام أحمد في مسنده - رقم الحديث (١٥٧٩٨) - وابن إسحاق في السيرة (٢/ ٦١) وإسناده حسن۔

کے لوگ اس طرح کی کوئی بات کر ہی نہیں سکتے ہیں اگر میں یثرب میں بھی ہوتا تو میرے مشورے کے بغیر میری قوم کے لوگ ایسا کچھ نہ کرتے۔

رہی بات مسلمانوں کی تو انہوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر انہوں نے چپی سادھ لی ان میں سے کسی نے نفی یا اثبات میں کوئی بات نہیں کی۔

اور قریش کے سرداروں نے یثرب کے مشرکوں کی بات کی تصدیق کر لی اور وہ ناکام لوٹ گئے۔ (1)

● قریش کے لوگوں کی خبر کے صحیح ہونے پر تاکید اور بیعت کرنے والوں کا پیچھا کرنا:

کچھ لوگ منی سے نکلے اور اس بات میں غور کیا تو انہوں نے پایا کہ خبر تو صحیح ہے اور حقیقت میں بیعت ہوئی ہے لہذا وہ لوگ ان لوگوں کی تلاش میں نکل گئے انہوں نے سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہما کو پالیا وہ دونوں نقیب تھے رہی بات منذر بن عمرو کی تو انہوں نے ان لوگوں کو پچھاڑ دیا اور بھاگنے میں کامیاب ہو گئے لیکن سعد بن عبادہ کو انہوں نے پکڑ لیا اور ان کے ہاتھ کو ان کے گردن سے باندھ دیا پھر انہیں لے کر مارتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے وہ ان کے بال کھینچ رہے تھے وہ زیادہ بال والے شخص تھے۔

سعد کہتے ہیں: اللہ کی قسم جب مجھے قریش کی اس جماعت نے پکڑ لیا اب میں ان کے ہاتھ میں تھا، اسی وقت ان میں سے ایک گورا اور روشن چہرے والا شخص میرے سامنے آیا، میں نے اپنے آپ سے کہا کہ ہو سکتا ہے ان میں سے کسی ایک میں کوئی خیر ہو تو یہی وہ شخص ہوگا لیکن جب وہ میرے پاس آیا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے زور کا طمانچہ دیا میں نے اپنے نفس میں کہا: اللہ کی قسم اس کے بعد ان میں کوئی خیر نہیں، سعد کہتے ہیں: اللہ کی قسم میں ان کے ہاتھ میں تھا وہ مجھے کھینچ رہے

---

[1] () أخرج ذلک الإمام أحمد في مسنده- رقم الحديث (١٥٧٩٨)- والبيهقي في دلائل النبوة (٢/ ٤٤٩)- وابن إسحاق في السيرة (٢/ ٦١) وإسناده حسن۔

تھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے مجھ پر ترس کھائی اور کہا تمہاری بربادی ہو کیا تمہارے اور قریش کے کسی شخص کے درمیان کوئی جوار یا عہد نہیں ہے سعد نے کہاہاں کیوں نہیں اللہ کی قسم میں جبیر بن مطعم بن عدی کے تاجروں کو اپنے شہر پناہ دیا کرتا تھااور میرے شہر میں جوان پر ظلم کرتا تھا میں ان سے ان کی حفاظت کرتا تھااسی طرح سے حارث بن ابی امیہ کو بھی،اس نے کہا تیری بربادی ہو توان دونوں آدمیوں کو پکار اور جو تیرے اور ان کے درمیان کا عہد ہے اس کو ذکر کر وہ کہتے ہیں میں نے ایسا ہی کیااور وہ شخص ان دونوں آدمیوں کی جانب نکل پڑاانہیں اس نے مسجد میں کعبہ کے پاس پایااور ان دونوں سے کہا: یثرب کاایک آدمی ابھی ابھی مکہ کے وادیوں میں مارا جارہاہے اور وہ تم سے مدد طلب کررہاہے اور کہہ رہاہے کہ اس کے اور تمہارے درمیان عہد وپیمان ہے ان دونوں نے کہا: وہ کون ہے؟

اس نے کہا: سعد بن عبادہ، ان دونوں نے کہا: اللہ کی قسم اس نے سچ کہاہے وہ ہمارے تاجروں کو پناہ دیا کرتا تھااور اپنے شہر میں ان پر ظلم نہیں ہونے دیتا تھا، وہ کہتے ہیں: پھر وہ دونوں آئے اور سعد کو اپنے قبضے میں لے لیااور چلے گئے اور جس نے سعد کو چاٹامارا تھاوہ سہیل بن عمرو[1] تھے اور جس نے انہیں پناہ دی تھی یاان پر ترس کھائیں تھی وہ ابوالبختری بن ہشام[2] تھا۔

انصار نے جب سعد کو گم پایاتوانہوں نے یہ میٹنگ کی کہ وہ ان کی جانب واپس جائیں گے اسی وقت انہوں نے انہیں آتاہوادیکھااور سارے کے سارے لوگ مدینہ واپس ہوگئے۔[3]

---

[1]() سہیل ابن عمر فتح مکہ کے وقت اسلام لائے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

[2]()ابوالبختری ابن ہشام غزوہ بدر کبری میں کفر کی حالت میں قتل کیاگیا۔

[3]()بیعت عقبہ ثانیہ کی تخریج کی ہے: الإمام أحمد في مسنده بأسانيد قو یة وح سنة-رقم الحديث(١٥٧٩٨) - (١٤٦٥٣) - (١٤٤٥٦)-وابن حبان في صحيحه بسند صحيح على شرط مسلم-كتاب التاريخ-باب وصف بيعة الأنصار رسول الله- صلى الله عليه وسلم-ليلة العقبة-رقم الحديث(٦٢٧٤)-وكتاب إخباره- صلى الله عليه وسلم-عن مناقب الصحابة-رضي الله عنهم-باب ذكر أسعد بن زرارة-رضي الله عنهم-رقم الحديث(٧٠١٢)-وباب ذكر البراء بن معرور-رضي الله عنه-رقم الحديث(٧٠١١)-وابن إسحاق في ال سيرة(٢/ ٥٢)ومابعدها-والبيهقي في دلائل النبوة(٢/ ٤٤٢)۔

● ابن اسحاق کا وہم

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے انصار سے عقبہ کی دوسری بیعت میں قتال کا حکم آجانے کے بعد جنگ پر بیعت کی تھی وہ اس لئے کیونکہ اللہ نے اب تک رسول ﷺ کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی لہذا جب اللہ تعالی نے آپ کو جنگ کی اجازت دی تو اللہ کے رسول ﷺ نے آخری عقبہ میں ان سے لال کالے سبھی سے جنگ پر بیعت لی اور اپنے اور اپنے رب کی شرط رکھی اور انہیں اس کے پورا کرنے پر جنت کا وعدہ کیا پھر جو قتال کے سلسلے میں آیت نازل ہوئی اس کا ذکر کیا اور فرمایا: ((أذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا)) الحج: ٣٩)[1]۔

یہ ابن اسحاق کے اوہام میں سے ہے حالانکہ وہ بہت بڑے سیرت نگار ہیں کیونکہ جہاد تو ہجرت کے پہلے سال فرض ہوئی ابن ہشام نے بھی اس پر موافقت ظاہر کی ہے۔

اور اس پر اس سے بڑی دلیل اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ جہاد عقبہ سے پہلے فرض نہیں ہوئی تھی کہ عباس بن عبادہ بن نضلہ نے جب نبی ﷺ سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ کہیں تو ہم اہل منی پر صبح صبح اپنی تلواروں سے دھاوا بول دیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا ہمیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔[2]

---

[1] () الخبر في سيرة ابن هشام (٢/ ٨١)۔

[2] () اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (١٥٧٩٨) اور ابن اسحاق نے سیرت (٢/٦١) میں حدیث نمبر پر تخریج کیا ہے اور اس کی اسناد حسن ہے۔

• بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک لوگوں کی فضیلت:

شیخان نے اپنی صحیحین کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عقبہ کی رات اسلام پر بیعت کے وقت موجود تھا اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس کے بدلے بدر میں شریک ہوں[1] اگرچہ لوگ بدر کا اس سے بھی زیادہ ذکر[2] کرتے ہیں۔[3]

شیخ صفی الرحمن مبارکپوری کہتے ہیں کہ: یہی عقبہ کی دوسری بیعت ہے جسے بیعت عقبہ کبری کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ بیعت ایک ایسی فضا میں پوری ہوئی تھی جس میں بکھرے ہوئے مسلمانوں کے درمیان نصرت اور دوستی، اعتماد، بہادری اور اس راستے میں کھو جانے کا جذبہ موجود تھا، چنانچہ یثرب کے مومن لوگ مکہ میں موجود اپنے کمزور بھائیوں پر شفقت کے جذبے سے آئے ہوئے تھے ان کے لیے تعصب کرتے تھے اور ان پر ظلم کرنے والوں پر غصہ ہوتے تھے اور ان کے اندر اپنے اس بھائی کے لئے محبت کا احساس تھا جن سے انہیں اللہ کی خاطر محبت تھی۔

اور یہ محبت اور جذبات کسی جلدی ختم ہونے والے اسباب کی بنا پر نہ تھی بلکہ ان کا منبع اللہ اور اس کے رسول اور اسکی کتاب پر ایمان تھا جو کسی بھی ظلم اور سرکشی کے قوت کے سامنے زائل نہ ہو، ایسا ایمان جس کی ہوا اگر چلے تو عقیدے اور عمل کے سلسلے میں عجائب دیکھنے کو ملے، یہی ایمان تھا جس کی بدولت مسلمانوں نے تاریخ کی اوراق میں اپنے بڑے بڑے کارناموں کو انجام دیا اور انہوں

---

[1] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۲۲۴/۷) میں لکھتے ہیں: کیوں کہ جو بدر میں شریک ہوا تھا اگرچہ وہ اسلام کو مدد حاصل ہونے والی پہلے غزوہ میں شمولیت کی وجہ سے فضیلت والا قرار پایا مگر بیعت عقبہ اسلام کے انتشار کے لیے سبب تھی اور وہیں سے بدر کا قصہ بھی شروع ہوا۔

[2] () حافظ ابن حجر فتح الباری (۲۲۴/۷) میں لکھتے ہیں: یعنی فضیلت کے اعتبار سے زیادہ ذکر اور لوگوں کے درمیان زیادہ مشہور۔

[3] () أخرجہ البخاري في صحیحہ - کتاب المناقب - باب وفود الأنصار إلی النبي - صلی اللہ علیہ وسلم - بمکة - رقم الحدیث (۳۸۸۹) - ومسلم في صحیحہ - کتاب التوبة - باب حدیث توبة کعب بن مالک وصاحبیہ - رقم الحدیث (۲۷۶۹)۔

نے اس پر ایک گہرا اثر چھوڑا، جس کی نظیر آج تک دیکھنے کو نہیں ملتی نہ ہی ماضی میں نہ ہی حال میں اور نہ ہی مستقبل میں دیکھنے کو ملے گا۔[1]

شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ : وہی بیعت عقبہ اور اس میں جو میثاق ساتھ لئے گئے اور جو باتیں ہوئیں بے شک یقین، قربانی اور فنا ہونے کے جذبہ ہی تھا جس نے اس جماعت کو تیار کیا اور ہر کلمہ اسی کے سبب کہا گیا اور ثابت ہو گیا کہ صرف اور صرف مشاعر سے بات نہیں بنتی اور نہ ہی صرف ان کے ہی سبب سے عہد لئے جاتے ہیں کیوں کہ مستقبل کا حساب آج کے حساب سے دیکھا گیا اور جو نقصان اس وقت متوقع تھے ان کو وہاں ہونے والے ممکنہ منافع سے پہلے دیکھا گیا۔

غنیمت کے مال؟ آخر اس بیعت میں میں مال غنیمت کا موضوع کہاں ہے؟ کیوں کہ پورا کا پورا معاملہ جو ہوا وہ تو خالی کرنے اور خرچ کرنے کے بارے میں تھا۔

یہ ستر لوگ آزاد فکر اور خالص قناعت کے ذریعے اسلام کے پھیلاؤ کے مثال تھے۔

وہ لوگ یثرب سے مضبوط ایمان والے بن کر آئے تھے، وہ تو قربانی کی طرف بلانے والے کی بات پر لبیک کہہ رہے تھے وہ تو نبی کے بارے میں بہت ہی مختصر جانتے تھے جو کہ بہت پہلے کی بات تھی اور گمان یہ تھا کہ وہ زوال پذیر ہو جائیں گے، لیکن ہمارے لئے کے یہ درست نہیں کہ ہم اس بہادری اور قوت ارادت کے منبع کو بھول جائیں وہ تو قرآن ہے کیونکہ انصار کے لوگوں نے اپنی اس بڑی بیعت سے پہلے رسول کے صحبت اختیار نہ کی تھی سوائے مختصر ملاقات کے لیکن آسمان سے نازل ہونے والی وحی کی روشنی نے ان کے لیے راستے کو روشن کیا اور مقصد کو واضح کر دیا۔[2]

---

[1] () الرحیق المختوم ص ۱۵۴۔

[2] () فقہ السیرۃ للشیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ تعالی ص ۱۴۸۔

● عمرو بن جموح[1] رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

جب انصار نے عقبہ ثانیہ کی رات اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کرکے مدینہ کی جانب واپسی کی تو انہوں نے وہاں پر اسلام کو ظاہر کیا اور اس کے باشندوں کو اس کے جانب بلایا ان کے قوم میں ان کے کچھ بزرگ شرک والے دین پر تھے انہیں میں سے ایک عمرو بن جموح رضی اللہ تعالی عنہ بھی تھے جو بنو سلمہ کے سرداروں اور بڑے مقام والوں میں سے تھے ان کے بیٹے معاذ تھے جنہوں نے عقبہ کے مقام پر بیعت میں شرکت کی اور اللہ کے رسول ﷺ سے وہاں پر بیعت کی تھی۔

عمرو نے اپنے گھر میں لکڑی کا ایک بت بنا رکھا تھا جسے مناۃ کہا جاتا تھا جس طرح کی تمام بڑے لوگوں نے بنا کر رکھا تھا جب بنو سلمہ کے نوجوانوں نے اسلام قبول کیا جیسے معاذ بن جبل اور ان کے بیٹے معاذ بن عمرو اپنے ساتھیوں کے ساتھ جو اسلام لائے تھے اور انہوں نے عقبہ میں شرکت تھی تو وہ رات میں عمرو بن جموح کے بت کے پاس جاتے تھے اور بنو سلمہ کے کنویں میں ڈال دیتے تھے جس میں لوگوں کی گندگی بھی ہوا کرتی تھی وہ اسے اس میں اٹھا کر ان کے سر کے بل ڈال دیتے تھے جب عمرو نے صبح کی تو کہا کیا تمہاری بربادی ہو یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اس رات کس نے کیا پھر وہ تلاشتے ہوئے گئے اور جب اسے پایا تو جلدی سے صاف کیا اور خوشبو لگائی اور پھر بت سے کہا کہ اللہ کی قسم اگر میں جان جاؤں کہ تمہارے ساتھ یہ کس نے کیا ہے تو میں اسے ذلیل کردوں گا، جب اگلی رات ہوئی اور عمرو سو گئے تو انہوں نے پھر اسی طرح معاملہ کیا، صبح ہوئی تو انہوں نے پھر اسے اسی طرح اسی حالت پر پاتے پھر وہ اسے نہلاتے پاک کرتے اور پھر رات میں وہ اسی طرح سے کرتے اسی طرح سے وہ اس کے ساتھ ہر دن کرتے رہے۔

---

[1] () یہ عمرو بن جموح انصاری خزرجی ہیں جو کہ لنگڑے تھے اور ایک قول کے مطابق بدر میں شریک ہوئے تھے ابن اسحاق نے ان کو ان میں شمار نہیں کیا ہے اور یہ احد کے دن شہید کیے گئے یہ اور عبداللہ بن عمرو بن حرام ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور عمر بن جموح بہت زیادہ سخی اور خرچ کرنے والے تھے قریش کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے اور ان کے بڑوں میں سے ایک تھے، دیکھیے: الاصابہ (۵۰۶/۴) ۔

جب ان لوگوں نے ایسا کئی بار کیا تو انہوں نے ایک دن جہاں ڈالتے تھے وہاں سے نکالا اسے نہلایا پاک کیا اور خوشبو لگائیں پھر اپنی تلوار کو لا کر اس پر لٹکا دیا پھر اس سے کہا: اللہ کی قسم میں یہ نہیں جانتا کہ تمہارے ساتھ یہ کون کرتا ہے اگر تم میں کوئی خیر ہے تو تم اپنے آپ کی خود مدد کرو اور یہ تلوار میرا تمہارے ساتھ ہے جب شام ہوئی اور عمرو سو گئے تو دونوں نے پھر سے وہی کام کیا انہوں نے گردن سے تلوار نکال لی اور ایک مردہ کتا اس کے ساتھ رسی سے باندھ دیا پھر انہوں نے اسے بنو سلمہ کے کنوؤں میں سے ایک ایسے کنویں میں ڈال دیا جس میں لوگوں کی گندگیاں ہوا کرتی تھی پھر عمرو بن جموح نے جب صبح کی تو دیکھا کہ وہ اپنی جگہ پر نہیں تھا پھر وہ اسے ڈھونڈتے ہوئے اس کے پاس پہنچے جس میں وہ سر کے بل مرے ہوئے کتے کے ساتھ رکھا گیا تھا جب انہوں نے یہ دیکھا تو اس کی حقیقت انہیں معلوم ہوئی اور اس کی اصل صورت کا انہیں اندازہ ہوا اور پھر ان کی عقل واپس آئی اور جانا کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان تو جیسے ہی ان کے قوم سے اسلام لانے والوں نے کسی نے ان سے اس بارے میں گفتگو کی تو وہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام بہت اچھا ہوا اور جب وہ اسلام لائے اور انہیں ہدایت کا راستہ معلوم ہوا تو اس بت کو ذکر کرتے ہوئے اور اس کے معاملات کو بیان کرتے ہوئے اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتے ہوئے اس سے اندھے پن اور ضلالت سے نجات دینے پر انہوں نے کہا:

واللہ لو کنت إلها لم تکن	أنت و کلب وسط بئر فی قرن
أف لملقاك إلها مستدن	الآن فتشناك عن سوء الغبن
الحمدللہ العلی ذی المنن	الواھب الرزاق دیان الدین
ھو الذی أنقذنی من قبل أن	أکون فی ظلمة قبر مرتھن
بأحمد المھدی النبی المؤتمن	(1)

[1]() عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا قصہ دیکھیے: سیرۃ ابن ھشام (۲/ ٦٥)۔ الروض الأنف (۲/ ۲۷۸)۔ سبل الھدی والرشاد (۳/ ۲۲۲)۔

مدینہ منورہ کی خصوصیات

ہجرت مدینہ کے بارے میں گفتگو کرنے سے پہلے چلیں آیئے ہم مدینہ منورہ کی خصوصیات پر بات کریں:

مدینہ کو ہجرت کا گھر اختیار کرنے اور اسے دعوت کا مرکز اختیار کرنے میں اس کے باشندوں کے ساتھ اللہ کے فضل کے ارادے کے علاوہ اللہ رب العالمین کی کچھ حکمتیں اور ایسے راز بھی تھے جنہیں اللہ رب العالمین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا انہی میں سے بعض جسب ذیل ہیں:

۱-اس کا ایک قدرتی جنگی قلعہ کے مانند ہونا جس کی طرح اس جزیرہ میں کوئی شہر نہ تھا پس مغربی سمت میں وبرہ کا پتھریلا علاقہ مدینہ کو گھیرے ہوئے تھا اور حرہ[1] واقم (واقم کا پتھریلا علاقہ) مدینہ کے مشرق سے اسے گھیرے ہوئے تھا اور شمالی علاقے کے علاوہ کوئی اور سمت کھلا ہوا نہیں تھا۔[2]

۲-دوسرے جہات جو مدینہ کے اطراف میں تھے وہ کھجور کے درختوں سے گھیرے ہوئے تھے اسی طرح سے گھنی کھیتیاں تھیں جس سے کوئی لشکر نہیں گذر سکتا تھا سوائے یہ کہ بالکل تنگ راستہ پاتا جس سے نظام عسکری کے مطابق صفوں کی ترتیب ممکن نہ تھی۔

۳-ایک چھوٹی سی لشکر ہی سارے عسکری نظام کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جاتی اور آگے بڑھنے سے روک دیتی، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ مدینہ کے ایک جانب میں راستہ تھا اور باقی جوانب کو گھروں اور کھجور کے باغات نے گھیرا ہوا تھا جس میں داخل ہونے کی دشمن کوشش بھی نہیں کر سکتا تھا۔

---

[1] () حرہ کالی پتھروں والے زمین جس میں خالی پیر چلنا ممکن نہ ہو اور اونٹ اور گھوڑے بھی اس پہ نہ چل سکیں چہ جائے کہ اس میں سے کوئی فوج گزر سکے، دیکھیے: النہایہ (۳۵۱/۱) ۔

[2] () یہی وہ مقام ہے جسے نبی ﷺ نے خندق کے دن سنہ ۵ ہجری میں غزوہ خندق میں محفوظ کیا تھا جیسا کہ غزوہ خندق سے متعلق گفتگو کے وقت بیان کیا جائے گا۔

شاید مدینہ کو اختیار کرنے میں اللہ کی اسی حکمت کی جانب اللہ کے رسول ﷺ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے صحابہ سے کہا تھا: مجھے تمہارے ہجرت کی جگہ دکھادی گئی وہ دو کالے پتھروں کے درمیان کھجوروں کے درختوں والی زمین ہے پھر ہجرت کرنے والے لوگوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔[1]

اور مدینہ کے اوس و خزرج کے لوگ کبر و حمیت والے، بہادر اور حفاظت کرنے والے تھے اور گھوڑ سوار تھے طاقت و قوت بھی تھی انہیں آزادی پسند تھی انہوں نے کسی کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ ہی کسی قبیلے یا کسی حکومت کو رشوت دی اور نہ ہی کسی کی داداگیری کو برداشت کیا جیسا کہ یہ بات صراحت کے ساتھ ان کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کے نبی سے خندق کے موقع پر گفتگو میں موجود ہے انہوں نے کہا کہ ہم اور یہ لوگ شرک پر تھے بتوں کی پوجا کرتے تھے ہم صرف اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے اور ہم ان کو پہچانتے بھی نہیں تھے اور وہ ہمارا ایک کھجور بھی مہمان نوازی یا خریدے بغیر نہیں کھا سکتے تھے۔[2]

اور عقد فرید میں ہے کہ انصار کے لوگ یعنی اوس و خزرج جو کہ حارثہ بن عمرو بن عامر کے دو بیٹے تھے وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مضبوط تھے اور ان کی ہمت سب سے بلند تھی انہوں نے کبھی بھی کسی حکمران کو رشوت یا خراج نہیں دیا۔[3]

اس لئے مدینہ ان تمام وجوہات کی وجہ سے اللہ کے رسول اور آپ کے صحابہ کی ہجرت کے لئے زیادہ مناسب تھی تاکہ وہ اسے اپنا گھر اور جائے قرار بنا سکیں یہاں تک کہ اسلام مضبوط ہو

---

[1] () أخرجه البخاري في صحيحه - كتاب الكفالة - باب جوار أبي بكر في عهد النبي - صلى الله عليه وسلم - وعقده - رقم الحديث (٢٢٩٧) - وكتاب المناقب - باب هجرة النبي - صلى الله عليه وسلم - وأصحابه إلى المدينة - رقم الحديث (٣٩٠٥)۔

[2] () سيرة ابن هشام (٣/ ٢٤٦)۔

[3] () العقد الفريد (٣/ ٢٩٧)۔

جائے اور وہ اپنا راستہ آگے کی جانب بنائیں اور جزیرہ کو فتح کرلیں پھر ایک تہذیب و تمدن اور ثقافت کی دنیا ہموار کریں۔[1]

[1] السیرۃ النبویۃ لأبی الحسن الندوی رحمہ اللہ تعالی ص ۱۵۸۔

فہرست

.... 3

تقدیم از شیخ مشہور حسن آل سلمان.. 3

تقدیم از شیخ أ.د/خالد بن علی المشیقح 5

تقدیم از شیخ عثمان بن محمد الخمیس... 7

مقدمہ.. 8

سیرت نبوی کے بارے میں چند اقوال 12

سیرت نبوی کی خصوصیات... 16

● درج ذیل سطور میں ہم سیرت نبوی کی اہم خصوصیات مختصر طور پر ذکر کر رہے ہیں: 16

زمانہ جاہلیت میں جزیرہ عرب.. 23

● شراب نوشی:.. 24

● جوا: 24

● سود خوری:.. 25

● زنا کا پھیلاؤ: 26

● بچیوں کو در گور کیا جانا:... 28

● فاقہ کے ڈر اسے بچوں کا قتل: 29

● گھٹاٹوپ تاریکی اور قاتل مایوسی: 31

نبی ﷺ کی بعثت جزیرہ عرب میں کیوں ہوئی؟.. 32

❁❁❁ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پہلے سے.. 36

آپ کی ولادت باسعادت تک.. 37

● نسب نبوی شریف: 37

● آپ ﷺ کے نسب کی اصالت: 38

نسب نبوی ﷺ کی طہارت 40

نبی ﷺ کا خاندان.. 41

● ہاشم بن عبد مناف:.. 41

● عبد المطلب بن ہاشم:.. 42

● مطلب بن عبد مناف کی وفات:.. 43

عبد المطلب کی زندگی کے اہم واقعات 45

● زمزم(): 45

● غیر صحیح روایات: 48

ہاتھی کا واقعہ 49

● عبد المطلب کا بادشاہ کے پاس جانا:.. 52

عبد المطلب کی اپنے ایک بیٹے کو ذبح کرنے کی نذر 57

● تیر کا عبد اللہ پر نکلنا: 58

● اونٹوں میں سے عبد اللہ کا فدیہ: 59

عبد اللہ بن عبد المطلب کی شادی 61

● غیر درست اور منکر قصہ: 61

● عبد اللہ بن عبد المطلب کی وفات: 62

● اللہ کے رسول یتیم پیدا ہوئے: 63

مولد نبوی ﷺ سے نزول وحی تک 65

● آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہونے والے نشانیاں: 66

□ آپ کی والدہ سے شام کے محلوں کو روشن کرنے والے نور کا نکلنا: 66

□ آپ کا ولادت کے وقت آسمان کی جانب سر اٹھائے رہنا: 69

□ چند مشہور نشانیاں جو صحیح نہیں ہیں: 69

□ رسول اللہ کی ولادت سے عبد المطلب کا خوش ہونا: 70

● ساتویں دن آپ کا ختنہ کرنا اور نام رکھا جانا: 73

● بنو سعد میں آپ ﷺ کی رضاعت: 77

● ایک موضوع حدیث: 79

● دودھ پلانے والیوں کی آمد: 79

● حلیمہ سعدیہ کے آپ ﷺ کی رضاعت کا قصہ: 79

آپ ﷺ کا سینہ مبارک چاک کئے جانے کا واقعہ 84

● سینے کو چاک کئے جانے کے وقت آپ ﷺ کی عمر: 86

● شق صدر کا تکرار: 86

دوسری مرتبہ: جب آپ ﷺ کی عمر دس سال تھی: 87

تیسری مرتبہ: بعثت کے وقت: 87

چوتھی مرتبہ: اسراء اور معراج کے وقت: 88

● مہر نبوت: 89

● چند ضعیف روایات: 91

● نبی ﷺ کا اپنی مشفق والدہ کے پاس واپسی: 92

● رسول ﷺ کی والدہ آمنہ کی وفات: 93

● اللہ کے رسول کا اپنی والدہ کی قبر کی زیارت: 94

آپ ﷺ دادا عبد المطلب کی کفالت میں 94

● ایک قصہ جو عبد المطلب کی آپ ﷺ سے محبت کو واضح کرتا ہے: 95

● اللہ کے رسول ﷺ کا عبد المطلب کے بستر پر بیٹھنا: 95

● عبد المطلب کی وفات: 96

● نبی ﷺ چچا ابو طالب کی کفالتمیں: 96

- نبی ﷺ کا اپنے چچا کے ساتھ شام کی جانب سفر: 97
- اس حدیث کی تصحیح میں علماء کا اختلاف: 100
- امام ذہبی کا اس قصہ پر انکار: 100
- آپ ﷺ کا بکری چرانا: 102
- آپ ﷺ کے بکری چرانے میں حکمت: 103
- حدیث کے فوائد: 105
- نبی ﷺ کا حرب فجار ()میں حاضر ہونا: 106

رسول ﷺ کا خدیجہ کی تجارت کے لئے نکلنا 109

- اضطراب کے سبب ایک ضعیف روایت: 111
- ابو طالب کا خطبہ: 114
- ایک ضعیف روایت: 116
- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت اللہ کے رسول ﷺ کی عمر: 118
- ایک موضوع حدیث: 119
- خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اللہ کے نبی ﷺ کی اولاد: 119
- مشرکین کا اللہ کے رسول ﷺ کے نسب کے انقطاع کا طعنہ دینا: 121
- بڑی عقل والے شخص: 127
- حلال نفقے کی تنگی: 128

● اس حدیث کے فوائد: 130
نبی ﷺ کی جاہلیت کی گندگی سے حفاظت 131
● اللہ کے رسول ﷺ کو بت بہت ہی ناپسند تھے: 132
● شعر بھی اللہ رب العالمین نے رسول ﷺ کو ناپسند تھا: 134
● آپ ﷺ نے کبھی شراب نہ پیا اور نہ ہی کبھی زناکاری کی: 135
● اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کے ساتھ عرفہ میں وقوف کیا کرتے تھے: 137
● اللہ کے رسول ﷺ امانت داری میں بھی معروف تھے: 137
● آپ ﷺ سچ بولنے میں بھی معروف تھے: 137
● اللہ کے رسول ﷺ صلہ رحمی کرنے والے تھے: 138
● بے چینی اور نبوت ورسالت سے کنارہ کشی: 142
بعثت کے مقدمات 144
● بعثت نبوی ﷺ کے قریب شیطانوں کو باتیں سننے سے منع کیا جانا: 144
● اس نگرانی کا واقعہ کب کا ہے؟ 145
نزول وحی کے مقدمات 153
● پہلا: سچے خواب: 153
● دوسرا: نبی ﷺ کی خلوت پسندی: 154
● تیسرا: درخت اور پتھر کا نبی ﷺ کو سلام کہنا: 156

نزول وحی سے ہجرت تک کے واقعات........................ 159

اللہ کے رسول ﷺ پر وحی کا نزول 159

● حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی حدیث: 160

● ایک ضعیف اور مرسل روایت: 164

● وحی کا رک جانا: 164

● ایک اور ضعیف اور مرسل روایت: 165

● قیام اللیل کی فرضیت: 169

● وحی کے مراتب اور اس کے نزول کی شدت: 173

سری (خفیہ) دعوت........................ 180

● خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کا قبول اسلام: 180

● علی بن ابی طالب () رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: 181

● زید بن حارثہ () رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: 183

● نبی ﷺ کی بیٹیاں: 185

● ابو بکر صدیق () رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام: 185

● ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلام کے تقدم پر دلیلیں: 186

● قریش میں آپ کا مقام اور اسلام کی طرف ان کی دعوت: 188

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام لانے والوں کا تذکرہ........................ 189

●لوگوں کا اسلام کی دعوت کے بارے میں سننا:........................ 192
وضوO اور نماز کے فرضیت کی ابتدا........................ 199
●رہی نماز کی بات تو:........................ 200
نبی ﷺ اور مسلمان دار ارقم میں........................ 201
●اسلام میں سب سے پہلا خون:........................ 201
اعلانیہ دعوت........................ 203
●قرابت داروں میں دعوت:........................ 204
●صفاO پہاڑی پر دعوت:........................ 207
●فوائد حدیث:........................ 209
●ظاہری دعوت اور قریش کا ردعمل:........................ 211
●قریش کے ایک وفد کی ابوطالب کے پاس حاضری:........................ 212
●ولید بن مغیرہ کا موقف:........................ 213
●حاجیوں کو آپ ﷺ کی دعوت کو سننے سے روکنے کے لئے قریش کا مشورہ:........ 215
●ابوطالب کا مشہور شعر:........................ 216
●ابن ام مکتومO رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں کیا چیز نازل ہوئی:........................ 219
●ایک حدیث جس کی کوئی اصل نہیں ہے:........................ 221
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام........................ 223

● امام مسلم اور احمد () کی روایت اور یہ الفاظ امام احمد کے ہیں: 223

● امام بخاری کی روایت: 227

● ابوذر کے دیر سے اسلام لانے پر دلیلیں: 228

● ضعیف حدیثیں: 229

نبی ﷺ اور آپ کی دعوت کو روکنے کے لئے 231

قریش کے مختلف طریقہ کار 231

قریش کا مسلمانوں پر ظلم 239

● رسول ﷺ پر واضح طور پر ظلم کرنے والے: 240

● عذاب اور پریشانی کی چند صورتیں: 242

● عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عذاب: 242

● زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا عذاب: 243

● زنیرہ رضی اللہ تعالی عنہ کا عذاب دیا جانا: 243

● مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا عذاب: 244

● نہدیہ اور ان کی بیٹی کا عذاب: 244

● سعید بن زید رضی اللہ تعالی عنہ کا عذاب: 245

● بنو مؤمل کی لونڈی کا عذاب: 245

● بلال رضی اللہ تعالی عنہ کا عذاب: 246

●ایک ضعیف روایت: 246
● آل یاسر کا عذاب:.. 247
●ابوفکیہ () رضی اللہ عنہ کا عذاب: 249
●خالد بن سعید بن عاص کا رضی اللہ عنہ کا عذاب:.. 250
●صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا: 250
●سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اپنی والدہ کے ساتھ آزمائش: 251
●خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا عذاب:.. 252
حضرتابو بکر کا بے سہاروں کو آزاد کرانا.. 254
●ابو بکر کے آزاد کردہ لوگوں میں درج ذیل صحابہ تھے: 254
ا-بلال بن رباح رضی اللہ عنہ: 254
●میں صرف اللہ کی خوشنودی چاہتا ہوں: 256
●سب سے پہلے باآواز بلند قرآن کی تلاوت کرنے والے: 258
●قریش کی ایذاءرسانیوں میں اضافہ: 260
● صحابہ رضی اللہ عنہم کا نبی ﷺ سے شکایت کرنا: 261
مشرکین کی جانب سے نبی ﷺ کا مذاق اڑایا جانا 263
●ابو لہب کی بیوی ام جمیل کی دشمنی:.. 263
●ابو لہب کی رسول ﷺ سے سخت دشمنی: 265

● عتیبہ () بن ابی لہب کی سخت دشمنی: 266

● امیہ بن خلف کا نبی ﷺ کا مذاق اڑانا: 267

● ابی بن خلف کا جھگڑا: 268

● قوم کا سب سے برا آدمی عقبہ بن ابی معیط - اس پر اللہ کی لعنت ہو -: 270

● اخنس بن شریق (): 271

● ولید بن مغیرہ: 272

● عاص بن وائل () کی طرف سے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی: 272

● ایک قصہ جس سے عاص بن وائل کے کفر کی سختی کا اندازہ ہوتا ہے: 274

● کافر کو آخرت میں کسی چیز کا فائدہ نہ ہوگا: 274

● نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری: 275

● اس امت کا فرعون - اس پر اللہ کی لعنت ہو -: 278

● اراشی شخص کا واقعہ: 280

● ایک دوسرا قصہ: 282

● ایک ضعیف حدیث: 283

● رکانہ بن عبد یزید () کا رسول ﷺ سے کشتی: 284

● قریش کے ایلچی علماء یہود کے پاس اور ان کا آپ کا امتحان لینا: 285

● روح والی آیت مکی ہے یا مدنی؟: 285

● کافروں کی دشمنی اور قرآن کے بارے میں ان کا موقف:........................ 286

● قریش کے سرداروں کا چپکے چپکے قرآن سننا:........................ 288

● کبر اور حسد نے ابوجہل کو قبول اسلام سے روکا:........................ 289

حبشہ کی جانب پہلی ہجرت........................ 291

● حبشہ کی جانب ہجرت کرنے والوں کی تعداد: 292

● کفار قریش کا سجدہ: 294

● غرانیق(1) کا قصہ:........................ 295

● اس قصہ کے باطل ہونے پر علماء کے اقوال:........................ 296

● کافروں نے سجدہ کیوں کیا؟........................ 298

● کئی ایسے قصے جو قرآن سے کفار کے حیرت زدہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں: 300

● مہاجرین حبشہ کی واپسی:........................ 300

● عثمان بن مظعون پناہ لے کر داخل ہوئے:........................ 301

● ابوسلمہ بن عبدلاسد رضی اللہ عنہ کا مکہ میں پناہ لینا:........................ 303

● ابن مسعود کے حبشہ واپسی کی بابت ابن سعد کا وہم: 304

● نبی ﷺ کے سلسلے میں قریش کی ابوطالب سے بات چیت: 306

● ایک مشہور ضعیف روایت:........................ 308

● قریش کا نبی کو حوالے کرنے کا مطالبہ: 308

بنو ہاشم اور بنو مطلب کی جانب سے ابو طالب کی حمایت: 310

● ظالموں کی جانب سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش: 310

● سب سے پہلے اللہ کی راہ میں تلوار کھینچنے والے: 313

حمزہ بن عبد المطلب کا قبول اسلام () 314

ان کے قبول اسلام کا سبب: 314

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام () 317

● عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء: 317

● عمر رضی اللہ عنہ کے نرمی کی شروعات: 318

● ان کی بہن فاطمہ اور ان کے شوہر کا قبول اسلام: 319

● عمر کے اسلام لانے کا قصہ: 320

● ان کے اسلام کی خبر کے بارے میں دوسری روایت: 323

● ان کے اسلام کے سلسلے میں دوسرا قصہ: 325

● عمر کب اسلام لائے؟ 325

● ان کے اسلام کی خبر کا پھیلنا: 326

● مشرکین کا عمر رضی اللہ عنہ کی قتل کے لئے جمع ہونا: 328

● عمر کے اسلام لانے سے اسلام کو مضبوطی ملی: 328

● آیت کا نزول: 329

قریش کیطرف سے نبی ﷺ کو لالچ دینا......................... 331

●اللہ کے رسول ﷺ سے عتبہ بن ربیعہ کی گفتگو:......................... 331

●عتبہ نے قریش سے کیا کہا:......................... 333

●اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ قریش کے موقف کی عکاسی:......................... 334

قریش کی ہٹ دھرمی اوران کی طرف سے نبی ﷺ سے......................... 336

آیاتاور معجزات کا مطالبہ......................... 336

●عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی(ا) کی بات:......................... 338

●ان کے اپنے مطالبہ کا جواب نہ پانے میں حکمت:......................... 341

●قرآن معجزات کا ایک معجزہ ہے:......................... 343

حبشہ کی جانب دوسری ہجرت......................... 345

●عمار بن یاسر کی ہجرت کے بارے میں شک:......................... 345

●ابن اسحاق وغیرہ کا وہم:......................... 346

●ابن اسحاق وغیرہ کا دوسرا وہم:......................... 347

●خالد بن حزام کی وفات:......................... 348

●خالد بن حزام کی مختصر زندگی:......................... 349

●قریش کی طرف سے مہاجرین حبشہ کا تعاقب:......................... 349

●نجاشی کا مسلمانوں کو سامنے لاکر سوال کرنا:......................... 351

● مہاجرین اور نجاشی کے مابین بد گمانی پیدا کرنے کی ایک اور کوشش: 354

● نجاشی کا قبول اسلام: 356

● نجاشی کی بادشاہت میں اللہ کی مدد: 357

● حبشہ میں مسلمانوں کی بقاء: 358

● حبشہ کی جانب ہجرت والے قصہ سے کچھ فوائد: 358

● نبی ﷺ کے پاس سب سے پہلے آنے والے لوگ: 360

بنو ہاشم کا بائیکاٹ اور گھاٹی کا محاصرہ............................ 364

● بائیکاٹ کی شدت: 366

● حکیم ابن حزام اور ابو جہل کے درمیان گفتگو............................ 368

● حبر امت اور ترجمان القرآن رضی اللہ تعالی عنہ کی ولادت: 369

● صحیفے کا چاک کیا جانا اور بائیکاٹ کا خاتمہ: 369

● رسول ﷺ کا اپنے چچا کو صحیفہ کے چاک کئے جانے کی خبر دینا: 372

● اللہ کے رسول ﷺ کی کہی بات میں سچائی: 373

● ابو طالب کے ساتھ قریش کا آخری سمجھوتا: 374

ابو طالب کی وفات () 379

اس حدیث کے فوائد: 381

مسلمانوں کا اپنے کافر میتوں کے لئے استغفار: 382

غور کرنے والوں کے لئے عبرت اور نصیحت 383
ابو طالب کی تدفین: 384
ابو طالب کا انجام: 384
خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات 387
● ان کی وفات کا وقت : 387
● ان کی وفات پر اللہ کے رسول ﷺ کا غم: 388
● مصیبت کے وقت آپ ﷺ کا طریقہ: 389
● خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالی عنہا کی فضیلت: 389
● رسول ﷺ کا خدیجہ کو مکافہ: 393
● حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے خصوصیات: 394
● نبی ﷺ کا عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے عقد نکاح: 395
● سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا سے نبی پاک ﷺ کا نکاح: 397
● سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا کی نبی پاک ﷺ کے حکم کی شدید پیروی: 399
● سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کا اپنا دن عائشہ کے لئے خاص کرنا: 400
سودہ رضی اللہ تعالی عنہا کی وفات: 400
چچا ابو طالب کی وفات کے بعد 401
نبی کریم ﷺ پر قریش کی ایذا رسانیوں میں شدت 401

● کفار کی جانب سے اللہ کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا ایک قصہ:............. 403

● نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے کے سلسلے میں ایک دوسرا قصہ: 403

● آپ ﷺ کو ایذا پہنچانے سے متعلق ایک اور قصہ:........................ 404

فوائد حدیث:... 405

● اللہ کے رسول ﷺ کو ستانے کی ایک اور کہانی:............................ 407

● علی طنطاوی رحمہ اللہ کی ایک خوبصورت بات: 410

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے................................ 411

حبشہ کی جانب ہجرت کے لئے اجازت طلب کرنا.................................... 411

اللہ کے رسول ﷺ کا طائف کی جانب نکلنا....................................... 415

● رسول ﷺ کا طائف پہنچنا: 416

عجیب ہمت: 418

دعا اور تضرع:.. 418

عداس کا قصہ.. 419

● اللہ کے رسول ﷺ کی مکہ واپسی: 422

● ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کا جنوں کے اسلام لانے سے متعلق ایک وہم: 423

● نبی ﷺ کا مکہ میں مطعم بن عدی کی پناہ میں داخل ہونا: 424

● مطعم بن عدی کے ساتھ نبی ﷺ کی وفاداری: 425

● ابو جہل لعنہ اللہ کا استہزاء:..426
اسراء اور معراج..428
● اسراء سے مراد:..428
● معراج سے مراد:..429
● اسراء اور معراج کے سلسلے میں اخبار متواتر ہیں:..430
● اسراء اور معراج کا واقعہ کب پیش آیا؟:..430
● اسراء اور معراج کا سفر بدن اور روح دونوں کے ساتھ تھا:..431
اسراء اور معراج صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا:..434
● اسراء اور معراج کا قصہ:..435
● وہ نشانیاں جنہیں اللہ نے نبی پاک ﷺ کو بیت المقدس کے راستے میں دکھائیں:.....438
□ پہلا مشہد..438
□ دوسرا مشہد:..439
□ تیسرا مشہد:..440
□ چوتھا مشہد:..440
□ پانچواں مشہد:..442
□ چھٹا مشہد:..443

□ ساتواں مشہد: 443

□ آٹھواں مشہد 444

□ نواں مشہد: 444

□ دسواں مشہد: 445

□ گیارہواں مشہد: 445

□ بارہواں مشہد: 446

□ تیرہواں مشہد: 446

● اللہ کے رسول ﷺ کا انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھانا: 447

● رسول اللہ ﷺ نے انبیاء کو نماز کب پڑھائی؟ 447

● بیت المقدس میں آپ ﷺ پر برتن پیش کیا جانا: 449

● رسول ﷺ کا معراج میں سوار ہو کر آسمانوں کی طرف جانا: 450

● وہ مشاہد جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے آسمان دنیا پر دیکھا: 451

1- یتیموں کے مال کھانے والوں کی حالت: 451

2- ان عورتوں کی حالت جو اپنے شوہروں پر ایسی چیزیں داخل کرتی ہیں جو ان سے نہیں ہے:

.... 452

3- غیبت () کرنے والوں کی حالت: 452

4-زانیوں کی حالت: 453

5-سودخوروں کی حالت: 453

● نبی گے کا دوسرے آسمان کی جانب اوپر جانا: 453

● رسول اللہ ﷺ کا تیسرے آسمان کی جانب اوپر جانا: 454

● نبی ﷺ کا چوتھے آسمان کی جانب اوپر جانا: 455

● رسول ﷺ کا پانچویں آسمان کی طرف اوپر جانا: 456

● رسول ﷺ کا چھٹے آسمان کی طرف اوپر جانا: 457

● رسول ﷺ کا ساتویں آسمان کی جانب اوپر جانا: 458

● ان انبیائے کرام سے ملاقات کی حکمت: 459

● اللہ کے رسول ﷺ کا جنت میں داخلہ اور وہاں پر آپ نے کیا دیکھا: 460

● رسول ﷺ نے نہر کوثر کو دیکھا: 461

● زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہ کی لونڈی: 462

● جنت میں بلال رضی اللہ تعالی عنہ کی آواز: 462

● اس حدیث کے فوائد: 463

● رسول ﷺ پر برتن پیش کیا جانا: 464

● رسول ﷺ کا سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا: 465

● رسول ﷺ کا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جبریل کو اپنی اصل صورت پر دیکھنا: 466

● پانچ نمازوں کا فرض کیا جانا:.. 467

● اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کی امت کے خصوصیات:.......................... 469

● کیا اسراء کی رات اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟:.................... 469

● رسول ﷺ کی مکہ واپسی اور لوگوں کو اپنے اسراء کے بارے میں خبر دینا: 475

● وہ بعض مشاہد جو مکہ واپسی پر اللہ کے رسول ﷺ نے راستے میں دیکھا: 475

● کیا قریش کے لوگوں نے آپ کے اسرا اور معراج کے واقعہ کی تصدیق کی؟ 477

● ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کا موقف:.. 479

● قریش کا رسول اللہ ﷺ سے بیت المقدس کے صفت بیان کرنے کا مطالبہ: 480

● اسراء اور معراج کے قصے سے فوائد:.. 483

● نماز کے اوقات:.. 485

● چار رکعت والی نماز میں دو رکعت فرض ہوئی:.. 487

● نماز بیت المقدس کی جانب پڑھی جاتی تھی:.. 489

چاند کا دو ٹکڑے ہونا.. 490

رسول ﷺ کا قبائل اور افراد پر اپنے آپ کو پیش کرنا 493

● ابو لہب کی سخت اسلام دشمنی:.. 494

● وہ قبائل جنہیں آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی:.. 495

1- قبیلہ ہمدان:.. 496

2-بنی عامر بن صعصعہ کا قبیلہ: 496
3-قبیلہ کندہ: 498
4-قبیلہ بنو حنیفہ: 499
5-قبیلہ عبس: 500
6-قبیلہ کلب: 501
7-قبیلہ بنو شیبان: 502
8-قبیلہ بنی محارب: 502
● وہ افراد جن پر اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کو پیش کیا: 503
● سوید بن صامت: 503
● ضماد بن ثعلبہ: 505
● طفیل بن عمرو دوسی: 506
● طفیل کا اپنی قوم کے پاس اسلام کا داعی بن کر جانا: 507
● رسول ﷺ کا قبیلہ دوس کے لیے ہدایت کی دعا: 508
● طفیل بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت: 509
● ایاس بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبول اسلام: 511
● بعاث کا دن: 512

انصار() کے اسلام قبول کرنے کی شروعات 514
● سب سے پہلی مسجد جس میں مدینہ کے اندر قرآن پڑھی گئی: 517
● خزرج کے اس جماعت کے لوگوں کی تعداد اور ان کے نام: 517
● بنی نجار سے: 518
● بنی زریق سے: 518
● بنی سلمہ سے: 518
● بنو حرام بن کعب سے 519
● بنو عبید بن عدی سے 519
● موسی بن عقبہ کی روایت: 519
بیعت عقبہ اولیٰ 521
● بیعت کس چیز پر تھی؟ 522
اس بیعت کے بارے میں صحیح بات 525
● ہجرت سے پہلے مدینہ میں سب سے پہلا جمعہ: () 529
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی جانب 531
دعوت اسلام کے لیے بھیجنا 531
● مصعب رضی اللہ عنہ کی اپنے مشن میں کامیابی: 531
● سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالی عنہما کا قبول اسلام: 532

انصار کے اسلام کے لئے تیار ہونے کا سبب.. 538

بیعت عقبہ ثانیہ 541

● بیعت عقبہ ثانیہ کا سیاق:.. 542

● عباس کا نبی ﷺ کے لیے وعدہ اور انصار کی جانب سے بیعت کا عزم: 544

● نقیبوں(؁) کا انتخاب اور بیعت کا انعقاد:... 546

● خزرج کے نقیب: 546

● اوس کے نقیب:... 547

● بیعت کی خطورت پر تاکید: 548

● سب سے پہلے بیعت کرنے والے: 550

● دونوں عورتوں کی بیعت: 550

● شیطان نے معاہدے کی خبر کا انکشاف کیا:.................................... 551

● بیعت میں انصار کی سچائی: 552

● قریش یثرب کے سرداروں سے خبریں تلاش کرنے لگے: 552

● قریش کے لوگوں کی خبر کے صحیح ہونے پر تاکید اور بیعت کرنے والوں کا پیچھا کرنا:.... 553

● ابن اسحاق کا وہم.. 555

● بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک لوگوں کی فضیلت: 555

● عمرو بن جموح(؁) رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:...................................... 558

مدینہ منورہ کی خصوصیات 560

فہرست 563